مُرتبہ

مدن گوپال

891.439
PRE

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی

کلیاتِ پریم چند

8

گئو دان، منگل سوتر

Centre for the Study of Developing
SARAI:
Received on;

مرتبہ

مدن گوپال

24944
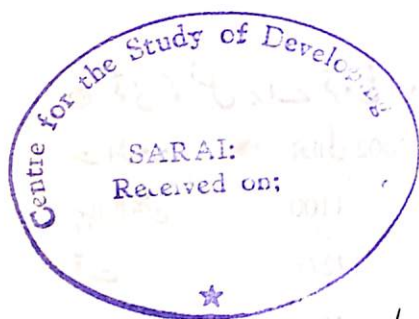
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)
ویسٹ بلاک 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

16-12-06
P Set 1018=06
891.439
PRE
42K
V.8
PA
c/t cat

پیش لفظ

ایک عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ پریم چند کی تمام تصانیف کے مستند اڈیشن منظرعام پر آئیں۔ قومی اردو کونسل پریم چند کی تمام تحریروں کو ''کلیات پریم چند'' کے عنوان سے 22 جلدوں میں ایک مکمل سِٹ کی صورت میں شائع کررہی ہے۔ ان میں ان کے ناول، افسانے، ڈرامے، خطوط، تراجم، مضامین اور اداریے بہ اعتبار اصناف یکجا کیے جارہے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ناول : جلد 1 سے جلد 8 تک، افسانے : جلد 9 سے جلد 14 تک،

ڈرامے : جلد 15 و جلد 16، خطوط : جلد 17،

متفرقات : جلد 18 سے جلد 20 تک، تراجم : جلد 21 و جلد 22

''کلیاتِ پریم چند'' میں متون کے استناد کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مواد کی فراہمی کے لیے اہم کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ حسبِ ضرورت پریم چند کے ماہرین سے بھی ملاقات کرکے مدد لی گئی ہے۔

کلیات کو زمانی اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ سن اشاعت اور اشاعتی ادارے کا نام شائع کرنے کا التزام بھی رکھا گیا ہے۔

''کلیات پریم چند'' کی یہ جلدیں قومی اردو کونسل کے ایک بڑے منصوبے کا نقش اوّل ہیں۔ اس پروجکٹ کے تحت اردو ادب کے ان ادبا و شعرا کی کلیات شائع کی جائیں گی جو کلاسیکی حیثیت اختیار کرچکی ہیں۔ پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے کی اس پہلی کاوش میں کچھ خامیاں اور کوتاہیاں ضرور راہ پاگئی ہوں گی۔ اس سلسلے میں قارئین کے مفید مشوروں کا خیرمقدم ہے۔

آئندہ اگر پریم چند کی کوئی تحریر/ تحریریں دریافت ہوتی ہیں، آئندہ ایڈیشنوں میں ان کو شامل کیا جائے گا۔

اردو کے اہم کلاسیکی ادبی سرمایے کو شائع کرنے کا منصوبہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ ان ادبی متون کے انتخاب اور ان کی اشاعت کا فیصلہ قومی اردو کونسل کے ادبی پینل نے پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کی سربراہی میں کیا۔ ادبی پینل نے اس پروجکٹ سے متعلق تمام بنیادی امور پر غور کرکے منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے میں ہماری رہنمائی کی۔ قومی اردو کونسل ادبی پینل کے تمام ارکان کی شکرگزار ہے۔ ''کلیات پریم چند'' کے مرتب مدن گوپال اور پروجکٹ اسسٹنٹ ڈاکٹر رحیل صدیقی بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے اور انھیں ترتیب دینے میں بنیادی رول ادا کیا۔

امید ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی دیگر مطبوعات کی طرح ''کلیاتِ پریم چند'' کی بھی پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ
ڈائرکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند،
نئی دہلی

فہرست

دیباچہ

گئودان کو اردو ادب کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ یونسکو نے بھی اسے ورلڈ کلاسیکس میں شامل کیا ہے۔گئودان کی شروعات کی اطلاع پریم چند نے دیا نرائن نگم کو ۲۹رفروری ۱۹۳۲ کے خط میں دی ۔تب کرم بھومی (میدان عمل) چھپ رہا تھا اور غبن کا ترجمہ کیا جارہا تھا۔گئودان سے قبل کے سبھی ناول ایک یا دو سال کے عرصے میں لکھے گئے تھے۔ گئودان کو مکمل کرنے میں چار سال سے زیادہ کا وقت لگا۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ منشی جی ان دنوں لکھنؤ میں مادھوری کے مدیر تھے اور بنارس سے ہنس بھی نکال رہے تھے ۔پھر بنارس آکر جاگرن کو بھی ہاتھوں میں لیا۔دونوں رسالوں میں گھاٹا ہورہا تھا ۔۳۰راپریل ۱۹۳۴کو جنیدر کمار کو لکھا ''بمبئ کی ایک فلم کمپنی مجھے بلا رہی ہے۔تنخواہ کی بات نہیں ہے۔کنٹریکٹ کی بات ہے۔سال بھر میں آٹھ ہزار روپیہ ۔میں اس حالت میں پہنچ گیا ہوں جب میرے لیے ہاں کہنے کے سوائے کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے۔یا تو وہاں چلا جاؤں یا اپنے ناول کو (جو لکھا جارہا تھا) بازار میں بیچوں'' اس کے بعد پریم چند نے بمبئ جاکر فلموں کے مقالے لکھے ۔اس طرح گئودان کی تخلیق کا کام لکھنؤ بنارس اور بمبئ میں ہوا ۔بمبئ سے واپس آکر اسے ختم کیا ۔مارچ ۱۹۳۶ میں اسے سرسوتی پریس کو دیا۔۹رجون ۱۹۳۶ء کو شری متی اوشامترا کو لکھا کہ ''گئودان چھپ گیا ہے بائنڈنگ ہونے پر بھیجوں گا۔'' اگلے دن جنیدر کمار کو لکھا کہ ''گئودان نکل گیا ہے خوب موٹا ہوگیا ہے۔چھ سو سے اوپر گیا۔کل تمھارے پاس جائے گا۔'' بارہ دن بعد'' آج گئودان بھیج رہا ہوں۔''اختر حسین رائے پوری کو بھی لکھا کہ'' میرا ناول گئودان حال ہی میں لکھا ہے اس کی ایک جلد بھیج رہا ہوں،ریویو کرنا۔''

اس ناول کا دائرہ بہت وسیع ہے ۔اس کا کردار ہوری اور اس کی بیوی دھنیا دیہات کے کسان اور نچلے طبقے کے ان پڑھ غریب اور مذہبی تہمات میں پھنسے لوگوں کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ زمیندار اور اس کے نمائندے ، ساہوکار ، مذہبی پیشوا ، پٹواری ، اور پولیس کے

نمائندے بھی ہیں۔ چینی میل کے ڈائریکٹر ، بینک کے منیجر ، ڈاکٹر ،پروفیسر، اخبار نویس دوسرے کردار ہیں۔ان کے علاوہ ناول میں شہری زندگی کی بھی جھلک ملتی ہے ۔ہوری روپیہ ادھار لے کر ایک گائے خریدتا ہے۔جسے اس کا اپنا حاسد بھائی زہر دے دیتا ہے۔ قرض ادا کرتے کرتے ہوری کی حالت دیگر گوں ہوجاتی ہے۔اس کا لڑکا چھپ کر شادی کرلیتا ہے اور شہر چلا جاتا ہے۔ وہاں وہ مزدوری کرتا ہے ۔ہوری بھی آخر میں مزدوری ہی کرتا ہے ۔اور مزدوری کرتے کرتے وہ جان دے دیتا ہے۔ اس کے مرنے وقت صرف ایک دن کی مزدوری کے پیسے ہیں۔لوگ دھنیا سے کہتے ہیں کہ گئودان کی رسم پوری کروادو۔وہ اس دن کی کمائی برہمن کو دے کر کہتی ہے ۔یہی اس کا گئودان ہے ۔

پریم چند کی بیوی شورانی دیوی کہتی ہیں کہ گودان (ہندی)کوختم کر انھیں رونا آگیا اور انھوں نے پریم چند سے پوچھا کہ تم نے ہوری کو کیوں ماردیا۔؟(ایسا خیال کچھ قارئین کا بھی ہے۔) گودان (ہندی)جون ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ چھ مہینے میں اس کی دوہزار جلدیں فروخت ہوئیں اور پہلا ایڈیشن اختتام پرتھا۔گودان کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے کچھ سرسوتی پریس سے کچھ ہنس پرکاشن سے۔ ۱۹۷۶ء کے ہنس پرکاشن کے ایڈیشن میں پریم چند کے چھوٹے لڑکے امرت رائے نے دیباچے میں لکھا کہ ''مستند متن ابھی تک پیش نہیں کیا گیا۔اس لیے ہم نے اصل مسودہ اور اوّل ایڈیشن کو ملاکر اور اس کی بنا پر جومتن بازار میں ملتے ہیں ان میں کچھ پھیر بدل کیا ہے ۔اس کام میں مسودوں اور اوّلین ایڈیشن سے بہت مدد ملی ہے۔ پہلے تو ہم نے مسودہ کی اچھی طرح چھان بین کی ہے۔ متن کوٹھیک کرنے میں کافی سوچ بوجھ سے کام لینا پڑا .... مگر یہ کہنا کہ کتاب لفظ بہ لفظ ایسی ہی چھپی ہے جیسی لکھی گئی تھی ٹھیک نہیں ہوگا۔مسودے کی گہری چھان بین کی گئی تو پتہ چلا کہ اس میں بہت سے اغلاط ہیں۔ہم اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ گودان اس مسودے سے نہیں چھپا اس کے لیے ایک اور مسودہ بنایا گیا ہوگا جو اب کہیں دستیاب نہیں ہے۔''

اس دیباچے میں امرت رائے نے یہ بھی لکھا کہ ''جب گودان (ہندی) چھپ رہا تھا پریم چند کی بیماری کا آخری دور چل رہا تھا ۔اور پروف دیکھنا ان کے لیے ممکن نہیں تھا ۔امرت رائے یہ لکھنا بھول گئے کہ بسترِ مرگ پر وہ اگلا ناول منگل سوتر بھی لکھ رہے تھے۔''جو بارہ سال بعد شائع ہوا۔

یہ کیفیت تو ہندی اڈیشنوں کی تھی اب اردو اڈیشنوں کے بارے میں، کچھ باتیں عرض ہیں۔ کئی ادیبوں نے لکھا ہے اور غیر ضروری اٹکل بازیاں بھی لگائی ہیں ۔زندگی کے آخری دنوں میں پریم چند کو بالکل فرصت نہیں تھی کہ وہ گئودان کا اردو ترجمہ کرتے۔اختر حسین رائے پوری کو بسترِ مرگ پر لکھا کہ'' گئودان کے لیے ایک پبلشر کی تلاش کر رہا ہوں مگر اردو میں تو حالت جیسی ہے وہ تم جانتے ہی ہو بہت ہوا تو ایک روپیہ صفحہ کوئی دے دے گا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد پریم چند نے دم توڑ دیا۔دیا نرائن نگم نے پریم چند یادگار نمبر میں لکھا ''منشی جی کے تمام قصے اور ناول اردو زبان میں منتقل ہو چکے ہیں۔البتہ ان کا آخری ناول گودان (ہندی) جو ان کی وفات سے چند ہفتہ پہلے شائع ہوا تھا ابھی تک اردو میں منتقل نہیں ہوا۔مسز پریم چند صاحبہ اور ان کے صاحب زادا اردو میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے لیے مدیر زمانہ کے معرفت لائق مترجم کی تلاش میں ہیں، جو صاحب اس خدمت کو اپنے ذمہ لینا پسند کریں وہ اڈیٹر زمانہ کانپور کو اپنی شرائط سے مطلع کریں۔(پریم چند کی وفات کے وقت ان کے دونوں لڑکے کالج میں پڑھ رہے تھے ۔شورانی دیوی ہنس کی اڈیٹر تھیں اور پریس کا کام بھی دیکھتی تھیں۔)اس کام کے لیے سب سے موزوں مترجم اقبال ورما سحر ہتگامی تھے انھوں نے پریم چند کے پریم آشرم اور رنگ بھومی کا ترجمہ اردو میں کیا تھا۔ پریم چند نے اپنی وفات کے دوسال قبل نگم کو لکھا تھا ''میں نے منیجر ہنس کو تاکید کردی ہے کہ جب میرا افسا نہ چھپے وہ اس کی پروف زمانہ کو بھیج دیں اردو ترجمہ کا حق زمانہ کے لیے محفوظ ہے۔سال میں پانچ چھ سے زائد نہیں لکھتا ۔ہاں سحر صاحب اس کام کے لیے موزوں ہیں۔''ظاہر ہے مسٹر ہتگامی کی صلاحیت پر انھیں بھروسہ تھا۔

زمانہ فروری ۱۹۳۸ء کے علمی خبریں اور نوٹس میں نگم نے لکھا کہ ہمارے دوست حضرت سحر ہتگامی نے پریم چند آنجہانی کے آخری ناول گودان (ہندی) کے اردو ترجمے کی خدمت اپنے ذمہ لی تھی ۔لہٰذا آپ نے اس کا مکمل ترجمہ کرکے پبلشر کے سپرد کردیا ۔اب گودان (ہندی) کا اردو اڈیشن جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے شائع ہوگا۔'' گئودان ۱۹۳۹ء شائع ہوا۔

دوسرے ناول کی طرح گئودان کا پلاٹ بھی انگریزی میں تیار کیا گیا تھا۔اس کا خاکہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

1. Hori has two brothers Shobha and Hira.Bhola has two sons Kamta and Jangi and one daughter Jhunia,Who is a Widow.Hori has one son Gobar and two daughters Sona and Rupa.His wife is jhinki.

2. Shobha is a widower.Hira hardworking but rash and short temper.

3. Hori purchases the cow.The whole village comes to have a look,Shobha is different but Hira grows jealous.He poisons the cow.Hori seen it,but cannot repirt him to the police.

4. The whole village goes to the Zamindar to celebrate Dashahra festival.Hori sells his store of barely.He could not hide his face.He wants to increase his territory.Zamindar must be impressed.The party goes to Zamindar.There is a drama.A show Dhatri-Yagya. The Zamindar is humane and generous.He tells his story.He is also a member of Disst.Board. He stands for presidenceyship.There are officers to feast and please,endowements to pay.The tenants comes satisfied.Jhunia also comes to the show.Gober proposes.He is not married and marriage means money.Jhunia surrenders herself.

5. Jhunia gets a (son कटा हुआ है)daughter,Panchayat.Gobar goes away to calcutta.Panchayat extorts heavy punishment.For redemption (the कटा हुआ है) Hori has to start on pilgrimage.His heridatery property is mortgaged.He is unable to pay the interest.Gobar does not return.Then Sona is to be married.Ther eis no money,no property.He is a day labourer now.The Girls also

go to work with him.The whole mentality is changed.

6. The property is to be redeemed.The girl is married.The property comes into possession.Then a quarrel with Hori's brothers for Mahua.Hori is beaten.He fights a suit against brothers.The brothers are jailed.Hori enjoys the scene,but in the end takes care of his family.

7. Bhola's sons separate.Jhunia is dead.His only child.Bhola begins to rear the child.He has surrendered his share to his sons and (becomes a sadhu).The Zamindar takes care of the daughter.

8. zamindar's eldest son is a vakil and a member of council, and also a municipal servant and a natinalist leader.He should be exposed for his hypocrisy,the younger son is a poet and an author with some impulse.He marries Jhunia's daughter.His family out casts him.He is a social worker and is honured by the tenants.

9. Hori,s younger daughter is sold off. The crops have not failed but they brought only enough for rent.There were cattle to feed, his own mouth to feed.What could he do ? He was Weak.Jhinki was labouring hard to pull on.Then the old man sells off the girl,without knowledge of his wife. He manufactures a Tale to hide his shame.

10. Gobar returns a sobar man.Tell something of his sojourn abroad. Jhunia has been forgotten,but when he has made good deal by doubtful means, his spiritual awakening takes place.He

hurries home.His father is on death bed,but he would not recieve him back. Gobar is retunited to Jhunia.

11. Bhola has brought a widow his wife much younger.He comes to live with Hori.A hut is built for him.He has taken to thieving as he can get no work.Jangi is attracted to this woman and secretly they meet.Then one day the woman gives him up and goes to Jangi.bhola(dies of grief कटा हुआ है) live with Jangi shamelessly for years.At last one one day the wife scolds him for(कटा हुआ है) her and beats him with a broom.This (puts the कटा हुआ है) finishes Bhola.

12. (Gobar कटा हुआ है) Hori drags on a weary and wretched existence.Gobar helps him (every कटा हुआ है) indirectly through his mother who faithfully serves serves the husband.A last his time comes and he expires.Gobar gives him a gaudan.

Introduce- agriculture exhibitions,uplift,literary movement,sugar mills,co-operation.

منگل سوتر

پریم چند کا آخری ناول 'منگل سوتر' ان کے پہلے ناول 'اسرار معابد' کی طرح نامکمل تھا۔ 'رنگ بھومی' (چوگان ہستی) کے ناشر دلارے لال بھارگو نے پریم چند کے مضمون جیون سار (ہنس، فروری ۱۹۳۲ء) کو پڑھ کر ان کو صلاح دی تھی کہ وہ اپنی سوانح کی بنا پر ایک ناول لکھیں۔ اس کا عنوان بھی سوچا گیا۔ اس ناول میں پانچ ابواب لکھے جانے تھے، اُس وقت پریم چند اپنے ناول گئودان کی تخلیق میں مصروف تھے۔ جب مارچ ۱۹۳۶ء میں یہ ناول پورا ہوا تو انھوں نے سوانحی ناول کے بارے میں سوچا۔ ناول کے چار ابواب ستمبر ۱۹۳۶ء میں پورے ہوئے۔ ان دنوں وہ سخت بیمار تھے۔ پانچواں باب انھوں نے بول کر لکھوایا۔ یہ کاغذ کے پرزوں پر لکھا گیا۔ ان کا خیال تھا کہ انھیں جوڑ کر ان کے سامنے رکھا جائے گا تب وہ اسے ٹھیک ٹھاک کر کے بھیجیں گے۔لیکن اس سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا۔ناول کا یہ حصہ پورا نہ ہوسکا۔ ایک ادیب ڈاکٹر منہر گوپال بھارگو نے لکھا ہے کہ انھوں نے ان کاغذ کے پرزوں کو دلارے لال بھارگو کے پاس خود دیکھا تھا۔ اب یہ گم ہوگئے ہیں۔ اس ناول کی اشاعت کے بارے میں شاید خط وکتابت بھی ہوئی تھی۔ منگل سوتر ناول میں ہیرو کے بڑے لڑکے کے کردار کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ پریم چند کے بڑے لڑکے شری پت رائے نے اس ناول کی اشاعت کی مخالفت کی۔ یہ ناول ۱۹۴۸ء تک شائع نہ ہوسکا۔ تب پریم چند کے چھوٹے لڑکے امرت رائے نے اسے حاصل کر کے اس کی اشاعت کی۔اس میں پانچ ابواب تو نہیں ہیں مگر کچھ ادیبوں کا خیال ہے کہ پانچویں باب میں ہیرو کے خاندان کے مختلف خیالات کے ارکان کو پھر سے اٹھا کر اکٹھا دکھانا تھا۔ ناول کے مقصد کے لیے شاید یہ رشتہ ضروری نہیں۔ شروع کے دو ابواب میں جو سوال اٹھائے گئے ہیں ان کا جواب تو چوتھے باب میں مل جاتا ہے۔ اس لیے اس ناول کو نامکمل قرار دینا واجب نہیں۔میں اسے مکمل ناول قرار دیتا ہوں بہرحال یہ موضوع اب بھی بحث کا طالب ہے ۔اس جلد میں منگل سوتر کو اردو رسم الخط میں پیش کیا جارہا ہے۔

مدن گوپال

گئودان

۱
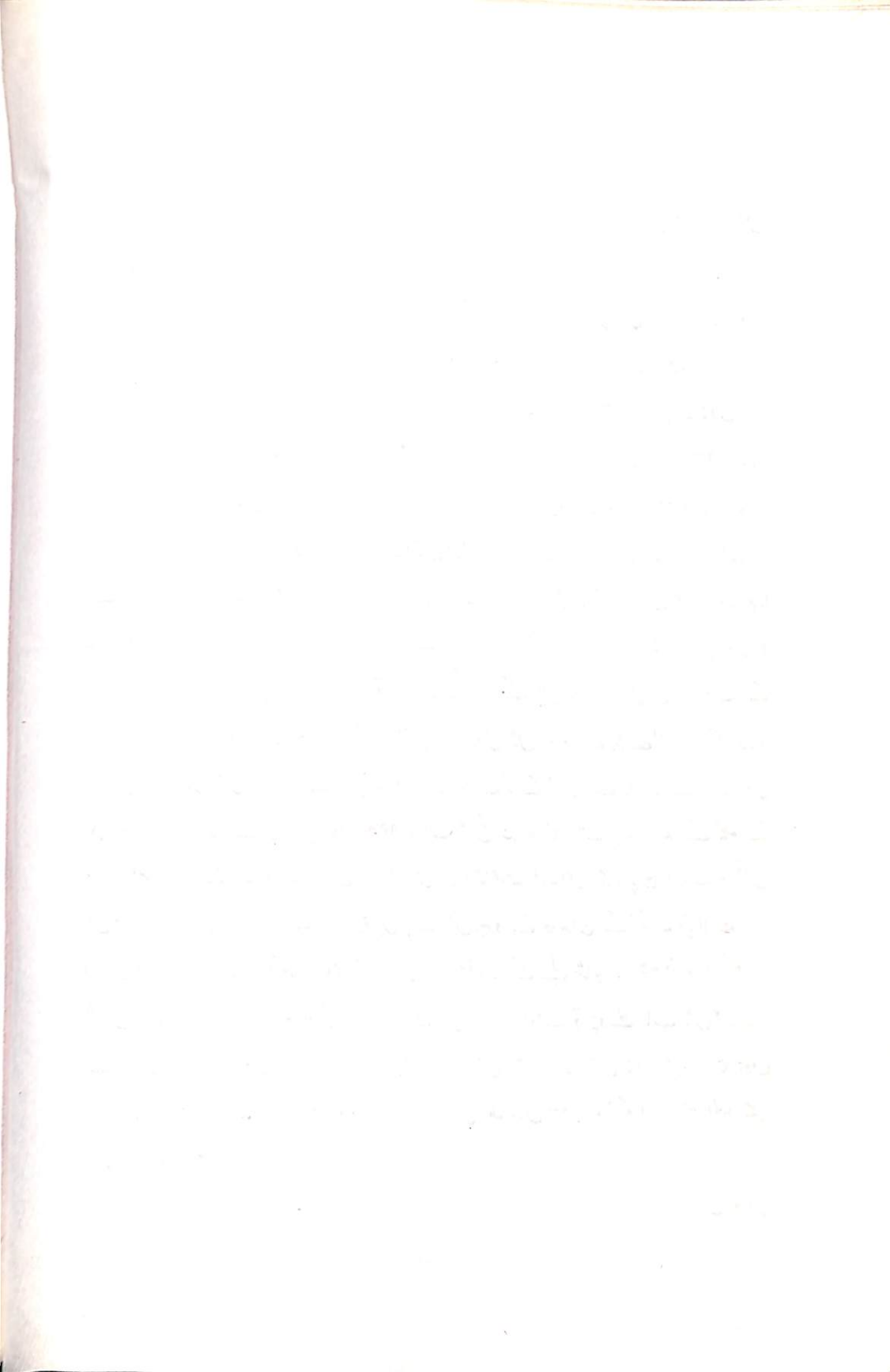
ہوری رام نے دونوں بیلوں کو چارا پانی دے کر اپنی بیوی دھنیا سے کہا۔ ''گوبر کو اُوکھ گوڑنے بھیج دینا، میں نہ جانے کب لوٹوں۔ ذرا میری لاٹھی دے دینا۔''

دھنیا کے دونوں ہاتھ گوبر سے لت پت ہو رہے تھے، اُپلے پاتھ کر آئی تھی۔ بولی ''ارے کچھ سربت پانی تو کرلو، ایسی جلدی کیا ہے؟''

ہوری نے اپنی جھرّی پڑے ماتھے کو سکیڑ کر کہا۔ ''تجھے سربت پانی کی پڑی ہے، مجھے یہ پھکر ہے کہ دیر ہو گئی تو مالک سے بھینٹ نہ ہو گی اسنان دھیان کرنے لگیں گے تو پہروں بیٹھے بیت جائے گا۔''

''اسی لیے تو کہتی ہوں کچھ جل پانی کرلو اور آج نہ جاؤ گے تو کون ہرج ہو جائے گا؟ ابھی تو پرسوں گئے تھے۔''

''تو جو بات سمجھتی نہیں اس میں کیوں ٹانگ اڑاتی ہے؟ میری لاٹھی دے دے اور اپنا کام دیکھ! یہ اسی ملتے جلتے رہنے کا تو پھل ہے کہ اب تک جان بچی ہوئی ہے، نہیں تو کہیں پتہ بھی نہ لگتا...... کدھر گئے۔ گاؤں میں اتنے آدمی تو ہیں۔ کس کی بیدخلی نہیں ہوئی؟ کس پر کڑکی (قرقی) نہیں آئی؟ جب دوسروں کے پاؤں تلے اپنی گردن دبی ہوئی ہے تو ان کو سہلانے ہی میں بھلائی ہے۔''

دھنیا دنیوی معاملات میں اتنی ہوشیار نہ تھی۔ اس کا یہ خیال تھا کہ ہم نے زمیندار کے کھیت جوتے ہیں تو وہ اپنا لگان ہی تو لے گا، اس کی خوشامد کیوں کریں؟ اس کے تلوے کیوں سہلائیں؟ اگرچہ اسے اپنی متاہلانہ زندگی کے ان بیس برسوں میں اس بات کا کافی تجربہ ہو گیا تھا کہ چاہے جتنی کتر بیونت کرو، کتنا ہی پیٹ کاٹو، چاہے ایک ایک کوڑی دانت سے پکڑو، پر لگان کا ادا ہو جانا مشکل ہے، پھر بھی وہ ہار نہ مانتی تھی اور اس مسئلے پر آئے دن جھگڑے ہوتے ہی رہتے تھے۔ ان کی چھ اولادوں میں اب صرف تین زندہ تھیں۔ ایک لڑکا گوبر اب کوئی سولہ سال کا تھا۔ دو لڑکیاں تھیں سونا اور روپا۔ ان کی عمر بارہ اور آٹھ سال تھی۔

تین لڑکے بچپن ہی میں مر گئے تھے ۔ اس کا دل آج بھی کہتا تھا کہ ان کی دوا دارو ہوتی تو بچ جاتے ! مگر وہ ایک دمڑی کی دوا بھی نہ منگا سکی تھی ۔ ابھی اس کی عمر بھی کیا تھی ؟ چھتیسواں سال ہی تو تھا مگر سر کے سارے بال پک گئے تھے ۔ چہرے پر جھریاں تھیں ۔ جسم ڈھل گیا تھا ۔ خوبصورت گندمی رنگ سانولا پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا ۔ یہ سب کچھ پیٹ کی فکر ہی کے سبب تو تھا ۔ کبھی تو جینے کا سکھ نہ ملا ۔ اس دائمی خستہ حالی نے اس کی خوداری کو بے دلی میں تبدیل کر دیا تھا ۔ جس گرہستی میں پیٹ کو روٹیاں بھی نہ مل سکیں ، اس کے لیے اتنی خوشامد کیوں ؟ ان حالات سے اس کا دل برابر بھڑکتا رہتا تھا اور دو چار جھڑکیاں سن لینے ہی پر اسے اصلیت کا پتہ چلتا تھا ۔

اس نے ہار کر ہوری کی لاٹھی ، مرزئی ، پگڑی ، جوتے ، تمباکو کا بٹوا ، سب لاکر اس کے سامنے پٹک دیے ۔

ہوری نے اس کی طرف تیوری چڑھا کر دیکھتے ہوئے کہا ۔'' کیا سسرال جانا ہے جو پانچوں پوساک لائی ہے ؟ وہاں بھی تو کوئی جوان سالی سرہج نہیں بیٹھی ہے جسے جا کر دکھاؤں ۔''

ہوری کے گہرے سانولے پچکے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی ۔ دھنیا نے شرماتے ہوئے کہا ۔'' ایسے ہی تو بڑے سجیلے جوان ہو کہ سالی سرہجیں دیکھ کر ریجھ جائیں گی ۔''

ہوری نے پھٹی مرزئی بڑی چوکسی سے تہہ کر کے چارپائی پر رکھتے ہوئے کہا ۔'' تو کیا تو سمجھتی ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ؟ ابھی تو چالیس برس بھی پورے نہیں ہوئے ۔ مرد ساٹھے پر پاٹھا ہوتا ہے ۔''

'' جا کر شیشے میں منہ دیکھو ۔ تم جیسا مرد ساٹھے پر پاٹھا نہیں ہوتا ۔ دودھ گھی آنکھیں آنجنے تک کو تو ملتا نہیں ، پاٹھے ہوں گے ، تمھاری دسا دیکھ دیکھ کر تو میں اور سوکھی جاتی ہوں کہ بھگوان ! یہ بڑھاپا کیسے کٹے گا ۔ کس کے دوارے بھیک مانگیں گے ؟''

''ہوری کے وہ عارضی مسکراہٹ حقیقت کے اس آنچ میں گویا جھلس گئی ۔ لاٹھی سنبھالتا ہوا بولا ۔'' ساٹھے تک پہنچنے کی نوبت نہ آنے پائے گی ، دھنیا! اس کے پہلے ہی چل دیں گے ۔''

دھنیا نے آزردگی سے کہا ۔'' اچھا رہنے دو ، منہ سے اسُبھ نہ نکالو ، تم سے کوئی اچھی بات بھی کہے تو کوسنے لگتے ہو ۔''

ہوری لاٹھی کندھے پر رکھ کر گھر سے نکلا تو دھنیا دروازے پر کھڑی ہوئی اسے دیر تک دیکھتی رہی۔ اس کے مایوسانہ الفاظ نے دھنیا کے چوٹ کھائے ہوئے دل میں ہلچل سی پیدا کردی تھی وہ گویا استری دھرم کے پوری تپسیا کے ذریعہ اپنے شوہر کو بلاؤں سے بچائے رکھنے کی کوشش کررہی تھی ۔ اس کے دل سے گویا ایک گڑھ (حصار) سانکل کر ہوری کو محصور کیے لیتا تھا ۔ مصیبت کے اس اتھاہ ساگر میں صرف سہاگ ہی وہ تنکا تھا جس کے سہارے وہ اسے پار کررہی تھی ۔ ہوری کے دل شکن الفاظ شاید سچ ہونے پر بھی گویا جھٹکا دے کر اس کے ہاتھ سے اس کمزور سہارے کو چھین لینا چاہتے تھے ۔ بلکہ الفاظ کے سچ ہونے کا امکان ہی انھیں اتنا تکلیف دہ بنا رہا تھا ۔ کانے کو کانا کہنے سے جو دکھ ہوتا ہے کیا دو آنکھوں والے آدمی کو ہوسکتا ہے ؟

ہوری قدم بڑھائے چلا جاتا تھا ۔ پگڈنڈی کے دونوں طرف اکھ کے پودوں کی لہراتی ہوئی ہریالی کو دیکھ کر اس نے دل میں کہا۔'' بھگوان کہیں ٹھیک برکھا کردیں اور پیڑ بھی ٹھیک سے رہیں تو ایک گائے جرور لے گا ۔ دیسی گائیں تو نہ دودھ دیں اور نہ ان کے بچھڑے ہی کسی کام کے ہوں ۔ ہاں بہت ہوا تو تیلی کے کولھو میں چلے ! نہیں ، وہ پچھائیں گائے لے گا۔ اس کی پوری سیوا کرے گا۔ کچھ نہیں تو چار پانچ سیر دودھ ہوگا ۔ گوبر دودھ کے لیے ترس کر رہ جاتا ہے ۔ اس عمر میں نہ کھایا پیا تو پھر کب کھائے گا ؟ سال بھر بھی دودھ پا جائے تو دیکھتے بنے ۔ بچے بھی اچھے بیل نکلیں گے ۔ دو سو سے کم کی جوڑی نہ ہوگی ۔ پھر گئو سے تو درواجے کی سوبھا ہے ۔ سبیرے سبیرے گئو کے درسن ہو جائیں تو کیا کہنا۔ نہ جانے کب یہ سادھ پوری ہوگی ، وہ سبھ دن کب آئے گا ؟''

ہر گرہست آدمی کی طرح ہوری کے دل میں بھی گائے رکھنے کی خواہش مدت سے تھی ۔ یہی اس کی زندگی کا بہترین خواب ، اس کے دل کی سب سے بڑی لگن تھی ۔ بینک کے سود سے لطف اٹھانے یا زمین خرید نے یا محل بنانے کے لمبے چوڑے منصوبے اس کے ننھے سے دل میں کیسے سما سکتے تھے ؟

جیٹھ کا سورج آموں کے جھرمٹ سے نکل کر آسمان پر چھائی ہوئی سرخی کو اپنی صاف اور تیز روشنی سے چمکاتا ہوا بلند ہورہا تھا ۔ ہوا گرم ہونے لگی تھی ۔ دونوں طرف کھیتوں میں کام کرنے والے کسان اسے دیکھ کر'' رام رام ،، کہتے اور آدر کے ساتھ چلم پینے کے لیے

بلاتے مگر ہوری کو اتنی فرصت کہاں تھی ؟ اس آدر سے اس کے دل میں رہنے والی عزت کی خواہش ، اس کے خشک چہرے پر غرور کی جھلک لارہی تھی ۔ مالکوں سے ملتے رہنے کا ہی تو یہ پھل ہے کہ آج سب اس کا آدر کرتے ہیں ، نہیں تو کون پوچھتا ؟ پانچ بیگھے کے کسان کی بساط ہی کیا ؟ یہ کم عزت نہیں ہے کہ تین تین چار چار ہل والے مہتو لوگ بھی اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں ۔

اب وہ کھیتوں کے درمیانی راستہ کو چھوڑ کر ایک نشیب میں آگیا تھا جہاں برساتی پانی بھر جانے کے سبب کچھ نمی رہتی تھی اور جیٹھ میں بھی کچھ ہریالی نظر آجاتی تھیں ۔ قریب کے گاؤں کی گائیں وہاں چرنے آیا کرتی تھیں اس امس میں بھی وہاں کی ہوا میں کچھ تازگی اور ٹھنڈک تھی ۔ ہوری نے دوتین زور کے سانس لیے ۔ جی میں آیا ، کچھ دیر یہیں بیٹھ جائے دن بھر تو لو میں مرنا ہی ہے ! کئی کسان اس جگہ کا پٹہ لکھانے کو تیار تھے ، اچھی رقم دیتے تھے مگر بھگوان بھلا کرے رائے صاحب کا ، انھوں نے صاف کہہ دیا کہ یہ زمین چرائی کے لیے چھوڑ دی گئی ہے اور کسی مول پر بھی نہ دی جائے گی ۔ کوئی سوارتھی (خود غرض) زمیندار ہوتا تو کہتا ، گائیں جائیں بھاڑ میں ہمیں روپے ملتے ہیں ، کیوں چھوڑیں ؟ مگر رائے صاحب ابھی تک پرانی آن بان نبھائے جاتے ہیں ۔ جو مالک رعیت کو نہ پالے وہ بھی کوئی آدمی ہے ؟

دفعتاً اس نے دیکھا کہ بھولا اپنی گائیں لیے اُسی طرف چلا آرہا ہے ۔ وہ اسی گاؤں سے ملے ہوئے مزرعے کا گوالا تھا اور دودھ مکھن کا کاروبار کرتا تھا ۔ اچھی قیمت مل جانے پر کبھی کبھی کسانوں کے ہاتھ گائیں بیچ بھی ڈالتا ۔ ہوری کا دل گایوں کو دیکھ کر للچا گیا ۔ اگر بھولا وہ آگے والی گائے ، اسے دے دے تو کیا کہنا ۔ روپے آگے پیچھے لیتا رہے گا ۔ وہ جانتا تھا کہ گھر میں روپے نہیں ہیں ۔ ابھی تک لگان نہیں چکایا جاسکا ۔ بسیسر ساہ کا دینا بھی پڑا ہے جس پر ایک آنہ روپے کا سود چڑھ رہا ہے ۔

لیکن مفلسی میں ایک طرح کی کوتاہ اندیشی ہوتی ہے ، وہ بے حیائی جو تقاضا ، گالی اور مار سے خوف نہیں کھاتی ، اس نے ہوری کو حوصلہ دلایا وہ سادھ جو برسوں سے من میں تھی ، اس نے طبیعت کو بے چین کر دیا ۔ وہ بھولا کے پاس جاکر بولا ۔ " رام رام بھولا بھائی ، کہو کیا رنگ ڈھنگ ہیں ؟ سنا ہے اب کی میلے سے نئی گائیں لائے ہو ۔ "

بھولا نے اس کے دل کی بات تاڑ لی تھی ، رکھائی سے جواب دیا " ہاں ، دو بچھیاں اور

دو گائیں لایا۔ پہلے والی گائیں سب سوکھ گئی تھیں۔ بندھی جگہ دودھ نہ پہنچے تو گزر کیسے ہو؟''

ہوری نے آگے والی گائے کے پٹھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔'' دو دھار تو جان پڑتی ہے، کتنی میں لی ؟''

بھولا نے شان جمائی ۔'' اب کے بازار بہت چڑھا ہوا تھا مہتو، اس کے اسی روپے دینے پڑے۔ آنکھیں نکل آئیں۔ تیس تیس تو دونوں بچھیوں کے دیے۔ اس پر گاہک روپے کا آٹھ سیر دودھ مانگتا ہے۔''

'' بڑا بھاری کلیجہ ہے تم لوگوں کا بھائی! لیکن پھر لائے بھی تو وہ مال کہ یہاں دس پانچ گاؤں میں تو کسی کے پاس نکلے گا نہیں۔''

بھولا پر نشہ چڑھنے لگا۔ بولا'' بھئی رائے صاحب اس کے نوے روپے دیتے تھے اور دونوں کلوروں کے پچاس پچاس، پر ہم نے نہ دیا۔ بھگوان نے چاہا تو سو روپے اسی بیانے (جننے) میں پیٹ لوں گا۔''

'' اس میں کیا شک ہے بھائی۔ مالک کیا کھا کے لیں گے؟ بھینٹ نجرانے میں مل جائے تو بھلے ہی لے لیں۔ یہ تمھیں لوگوں کا گردہ ہے کہ آنچل بھر روپے بھاگ کے بھروسے گن دیتے ہو۔ یہی جی چاہتا ہے کہ اس گائے کو دیکھتا رہے۔ دھنیہ ہے تمھارا جینا کہ گئوؤں کی اتنی سیوا کرتے ہو۔ ہمیں تو گائے کا گوبر بھی میسر نہیں۔ گرہست کے گھر میں ایک گائے بھی نہ ہو تو کتنے لاج کی بات ہے۔ سال کا سال بیت جاتا ہے، گئو رس کے درسن نہیں ہوتے۔ گھر والی بار بار کہتی ہے، بھولا بھیا سے کیوں نہیں کہتے؟ میں کہہ دیتا ہوں، کبھی ملیں گے تو کہوں گا۔ تمھارے سوبھاؤ سے بڑی کھس رہتی ہے۔ کہتی ہے، ایسا مرد ہی نہیں دیکھا، جب بات کریں گے تو نیچی آنکھیں کرکے، کبھی سر نہیں اٹھاتے۔''

بھولا پر جو نشہ چڑھ رہا تھا اس کو اس بھرے ہوئے پیالے نے اور گہرا کر دیا۔ بولا ''بھلا آدمی وہی ہے جو دوسروں کی بہو بیٹی کو اپنی بہو بیٹی سمجھے۔ جو دُشٹ کسی عورت کو تاکے اسے گولی ماردینی چاہیے۔''

'' جس طرح مرد کے مرجانے سے عورت بے سہارے ہوجاتی ہے اسی طرح عورت کے مرجانے سے مرد کے ہاتھ پاؤں کٹ جاتے ہیں۔ میرا تو گھر اجڑ گیا مہتو، کوئی ایک لوٹا پانی دینے والا نہیں۔''

پار سال بھولا کی عورت لؤ لگ جانے سے مر گئی تھی ، یہ ہوری جانتا تھا لیکن پچاس برس کا کھانکھڑ بھولا اپنے اندر اتنی چکناہٹ رکھتا ہے ، اُسے وہ نہ جانتا تھا ۔ عورت کی چاہ میں اس کی آنکھیں آبگوں ہو گئیں ، ہوری کو سہارا مل گیا ! اس کی کاروباری کاشتکارانہ عقل جاگ اٹھی ۔

'' پرانی مثل جھوٹی تھوڑی ہے ۔ بن گھرنی گھر بھوت کا ڈیرا ، کہیں سگائی ٹھیک نہیں کر لیتے ؟''

'' تاک میں ہوں مہتو ، پر کوئی پھنستا نہیں ۔ سو پچاس خرچ کر کے بھی تیار ہوں جیسی بھگوان کی مرجی ۔''

'' اب میں بھی کھوج میں رہوں گا ۔ بھگوان چاہیں گے تو جلدی گھر بس جائے گا ۔''

'' بس یہی سمجھ لو کہ اُبار لوگے بھیا ۔ گھر میں کھانے کو بھگوان کا دیا بہت ہے ۔ چار پنسیری دودھ روج ہو جاتا ہے ۔ لیکن کس کام کا ؟''

'' میری سسرال میں ایک عورت ہے ۔ تین چار سال ہوئے کہ اس کا آدمی اسے چھوڑ کر کلکتہ چلا گیا تھا ۔ بے چاری پسائی کر کے دن کاٹ رہی ہے ۔ بال بچہ بھی کوئی نہیں ۔ دیکھنے سننے میں بھی اچھی ہے ۔ بس لچھمی سمجھ ۔''

بھولا کا سکڑا ہوا چہرا جیسے پھول اٹھا ۔ امید میں کتنا امرت ہے ۔ بولا '' اب تو تمھارا ہی آسرا ہے مہتو ۔ چھٹی ہو تو چلو ایک دن دیکھ آئیں ۔''

میں ٹھیک ٹھاک کر کے تب تم سے کہوں گا ۔ بہت جلدی کرنے سے بھی کام بگڑ جاتا ہے ۔''

'' جب تمھاری کھسی چلو ، جلدی کا ہے کی ! اس کبری گائے پر جی للچایا ہو تو لے لو ۔''

'' یہ گائے میرے بس کی نہیں دادا ۔ میں تمھیں نکسان نہیں پہنچانا چاہتا ۔ اپنا دھرم یہ نہیں کہ دوستوں کا گلا دبائیں ۔ جیسے اتنے دن بیتے ہیں ویسے اور بھی بیت جائیں گے ۔''

'' تم تو ایسی باتیں کرتے ہو ہوری جیسے ہم تم دو ہیں ۔ تم گائے لے جاؤ ۔ دام جو چاہے دے دینا ۔ جیسے میرے گھر رہی ویسے تمھارے گھر ۔ اسّی میں لی تھی تم اسّی ہی دے دینا ، جاؤ ۔''

'' میرے پاس نگد نہیں ہے دادا ۔ سمجھ لو''

''تم سے نگد مانگتا کون ہے بھائی !''

ہوری کا سینہ گز بھر کا ہوگیا ۔ اسی روپے میں گائے مہنگی نہ تھی ۔ایسا اچھا ڈیل ڈول، دونوں وقت میں چھ ، سات سیر دودھ اور پھر سیدھی ایسی کہ ایک بچہ بھی دوہ لے ۔ اس کا تو ایک ایک بچھڑا سو سو کا ہوگا ۔ دروازے پر بندھے گی تو سوبھا بڑھ جائے گی ۔ اسے ابھی کوئی چار سو روپے دینے تھے ۔لیکن ادھار کو ایک طرح سے مفت سمجھتا تھا۔ کہیں بھولا کی سگائی ٹھیک ہو گئی تو وہ بولے گا بھی نہیں ۔ سگائی نہ بھی ہوئی تو ہوری کا کیا بگڑتا ہے یہی تو ہوگا کہ بھولا بار بار تقاضا کرنے آئے گا ، بگڑے گا ، گالیاں دے گا مگر ہوری کو اس کی زیادہ شرم نہ تھی ۔ اس برتاؤ کا وہ عادی تھا ۔ کسان کی زندگی کا تو یہ چڑھاوا ہے ۔ بھولا کے ساتھ وہ دغا کررہا تھا اور ایسا کرنا اس کی شان کے شایان نہ تھا ۔ اب بھی لین دین میں اس کے لیے لکھا پڑھی ہونے اور نہ ہونے میں کوئی فرق نہ تھا ۔ قحط اور سیلاب کی بلائیں اس کے دل کو کمزور بناتی رہتی تھیں ۔ خدا کی قہر آلود شکل ہمیشہ اس کے سامنے رہتی تھی ۔مگر یہ دغا اس کے خیال میں دغا نہ تھی ۔ یہ صرف اپنا مطلب گانٹھنا تھا اور یہ کوئی بُری بات نہ تھی، ایسی دغا تو وہ دن رات کرتا رہتا تھا ۔ گھر میں دو چار روپے پڑے رہنے پر بھی مہاجن کے سامنے قسمیں کھاجاتا تھا کہ ایک کوڑی بھی نہیں ہے ۔ سَن کو کچھ نم کردینا اور روئی میں کچھ بنولے بھر دینا اس کے دھرم میں جائز تھا ۔ اور یہاں تو صرف خود غرضی نہ تھی، تھوڑا سا دل بہلاؤ بھی تھا ۔ بوڑھوں کی بدشوقی ہنسنے کی چیز ہو اور ایسے بوڑھوں سے اگر کچھ اینٹھ بھی لیا جائے تو کوئی گناہ نہیں ۔

بھولا نے گائے کے گلے کی ڈور ہوری کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا '' لے جاؤ مہتو تم بھی کیا یاد کروگے ۔ بیاہتے ہی چھ سیر دودھ لے لینا ۔ چلو میں تمھارے گھر تک پہنچا دوں ۔ شاید تمھیں انجان سمجھ کر راہ میں کچھ تنگ کرے ۔ اب تم سے سچ کہتا ہوں کہ مالک بنتے روپے دیتے تھے ۔ پر ان کے یہاں گئوؤں کی کیا گذر ؟ مجھ سے لے کر کسی حاکم حکام کو دے دیتے ۔ حاکموں کو گئو کی سیوا سے کیا مطلب ؟ وہ تو کھون چوسنا جانتے ہیں ۔ جب تک دودھ دیتی ، رکھتے، پھر کسی کے ہاتھ بیچ ڈالتے ۔ کس سے پالا پڑتا کون جانے ؟ روپیہ ہی سب کچھ نہیں ہے بھیا ، کچھ اپنا دھرم بھی تو ہے تمھارے گھر آرام سے رہے گی تو ۔ یہ تو نہ ہوگا کہ تم آپ کھا کر سو رہو اور گائے بھوکی کھڑی رہے ۔ اس کی سیوا کرو گے ، اسے پیار کرو گے ، چمکا روگے ، گئو ماتا اسیس دے گی ۔ تم سے کیا کہوں بھیا ، گھر میں چٹکی بھر بھی بھوسا

نہیں رہا ۔ روپے سب بجار میں اٹھ گئے ۔ سوچا تھا مہاجن سے کچھ لے کر بھوسہ لے لیں گے ، پر مہاجن کا پہلا روپیہ ہی نہیں چکا ۔ اس نے انکار کردیا ۔ اتنے جانوروں کو کیا کھلائیں ، یہی پھکر مارے ڈالتی ہے ۔ چٹکی چٹکی بھر کھلاؤں تو من بھر روج لگے ۔ بھگوان ہی پار لگادیں ۔''

ہوری نے ہمدردی کے لہجے میں کہا۔'' تم نے ہم سے پہلے کیوں نہ کہا ؟ ہم نے ایک گاڑی بھوسہ بیچ دیا ۔''

بھولا نے پیشانی ٹھوک کر کہا ۔'' اسی لیے نہیں کہا بھیا ، کہ سب سے اپنا دکھڑا کیوں رووئیں ؟ بانٹتا کوئی نہیں ، ہنستے سب ہیں ۔ جو گائیں دودھ نہیں دیتیں ان کا دکھ نہیں ، پتی ستی کھلا کر جلا لوں گا ۔ پر اب یہ تو راتب بنا نہیں رہ سکتی ۔ ہوسکے تو دس بیس روپے بھوسے کے لیے دے دو ۔''

کسان پکا سوارتھی ہوتا ہے ۔ اس میں شبہ نہیں اس کی گانٹھ سے رشوت کے پیسے بڑی مشکل سے نکلتے ہیں ۔ بھاؤ تاؤ میں بھی وہ چوکس ہوتا ہے ، سود کی ایک ایک پائی چھڑانے کے لیے وہ مہاجن کی گھنٹوں خوشامد کرتا ہے جب تک پورا یقین نہ ہو جائے وہ کسی کے بہکانے میں نہیں آتا ، لیکن اس کی ساری زندگی قدرت کا پورا ساتھ دیتے ہوئے گزرتی ہے ۔ پیڑوں میں پھل لگتے ہیں جنھیں سب کھاتے ہیں ، کھیتوں میں اناج ہوتا ہے جو دنیا کے کام آتا ہے ، گائے کے تھن میں دودھ ہوتا ہے ۔ جسے وہ خود پینے نہیں جاتی بلکہ دوسرے ہی پیتے ہیں ، بادل سے پانی برستا ہے جس سے زمین آسودہ ہوتی ہے ۔ ایسے حالات میں مذموم خود غرضی کی گنجائش کہاں ؟ ہوری کسان تھا اور کسی کے جلتے ہوئے گھر میں ہاتھ سینکنا اس نے سیکھا ہی نہ تھا ۔ بھولا کا دکھڑا سنتے ہی اس کی طبیعت بدل گئی ، ڈور بھولا کے ہاتھ میں واپس کرتا ہوا بولا '' روپے تو دادا میرے پاس نہیں ہیں ، ہاں تھوڑا سا بھوسا بچا ہے وہ تمھیں دوں گا چل کر اٹھوالو ۔ بھوسے کے لیے تم گائے بیچوگے اور میں لوں گا ، میرے ہاتھ نہ کٹ جائیں گے !''

بھولا نے بھرے گلے سے کہا '' تمھارے بیل بھوکوں نہ مریں گے ؟ تمھارے پاس ہی ایسا کون بہت سا بھوسہ رکھا ہے ۔''

'' نہیں دادا اب کی بھوسہ اچھا ہوگیا تھا ۔''

'' میں نے تم سے ناحک بھوسے کی چرچا کی تھی ۔''

"تم نہ کہتے اور پیچھے سے مجھے معلوم ہوتا تو بڑا رنج ہوتا کہ تم نے مجھے اتنا گیر سمجھ لیا۔ موَ کے پر بھائی کی مدد بھائی نہ کرے تو کام کیسے چلے ؟"

"اجی گائے کو تو لیتے جاؤ۔"

"کبھی نہیں دادا ، پھر لے لوں گا۔"

"تو بھوسے کے دام دودھ میں کٹوا لینا ۔"

ہوری نے غمگین لہجے میں کہا ۔" دام کوڑی کی اس میں کون بات ہے ، دادا ؟ میں ایک دو جون تمھارے گھر کھا لوں تو تم مجھ سے دام مانگو گے ؟"

"لیکن تمھارے بیل بھوکوں مریں گے کہ نہیں ؟"

"بھگوان کوئی نہ کوئی راہ نکالیں گے ۔ اساڑھ سر پر ہے ۔ کربی بولوں گا"

"مگر یہ گائے تمھاری ہو گئی جب چاہو آ کر لے جانا ۔"

"کسی بھائی کا لیلام پر چڑھا ہوا بیل لینے میں جو پاپ ہے وہی اس سے تمھاری گائے لینے میں ہے ۔"

ہوری میں بال کی کھال نکالنے کی طاقت ہوتی تو وہ خوشی سے گائے لے کر گھر کی راہ لیتا ۔ بھولا جب نقد روپے نہیں مانگتا تو ظاہر تھا کہ وہ بھوسے کے لیے گائے نہیں بیچ رہا تھا اس کا منشا کچھ اور ہے ۔ لیکن جیسے پتوں کے کھڑکنے سے گھوڑا اچانک رک جاتا ہے اور مارنے پر بھی نہیں بڑھتا وہی حالت ہوری کی تھی ۔ مصیبت کی چیز لینا پاپ ہے یہ بات جنم دن سے اس کے دل کا جزو بن گئی تھی ۔

بھولا نے پوچھا " تو کسی کو بھیج دوں بھوسے کے لیے ؟"

ہوری نے جواب دیا " ابھی میں رائے صاحب کی ڈیوڑھی پر جا رہا ہوں ، وہاں سے گھڑی بھر میں لوٹوں گا تب کسی کو بھیجنا ۔"

بھولا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ، بولا " تم نے آج مجھے اُبار لیا ہوری بھائی ! مجھے اب معلوم ہوا کہ میں سنسار میں اکیلا نہیں ہوں ۔ میرا بھی کوئی ساتھی ہے ۔" ایک لمحے کے بعد اس نے پھر کہا " اُس بات کو بھول نہ جانا ۔"

ہوری آگے بڑھا تو اس کا دل خوش تھا ، طبیعت میں ایک عجیب زندہ دلی تھی ۔ کیا ہوا دس پانچ من بھوسہ چلا جائے گا ، بے چارے کو مصیبت میں پڑ کر اپنی گائے تو نہ بیچنی پڑے

گی ۔ جب پاس چارہ ہو جائے گا تب گائے کھول لاؤں گا ۔ بھگوان کرے مجھے کوئی عورت مل جائے پھر تو کوئی بات ہی نہیں ۔

اس نے مڑ کر دیکھا تو وہی کبری گائے دم سے مکھیاں اڑاتی ، سر ہلاتی مستانہ وار آہستہ آہستہ جھومتی چلی جاتی تھی ، جیسے لونڈیوں کے بیچ میں کوئی رانی ہو ۔ کیسا مبارک ہوگا وہ دن جب وہ گائے اس کے دروازہ پر بندھے گی ۔

۲

سمری اور بیلاری دونوں صوبہ اودھ کے گاؤں ہیں ۔ ضلع کا نام بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ ہوری بیلاری میں رہتا ہے اور رائے صاحب اگر پال سنگھ سمری میں ، دونوں گاؤں میں صرف پانچ میل کا فاصلہ ہے ۔ پچھلی ستیہ گرہ کی لڑائی میں رائے صاحب نے بڑا نام کمایا تھا ۔ کونسل کی ممبری چھوڑ کر جیل گئے تھے ۔ جبھی سے ان کے علاقوں کے آسامیوں کو ان سے بڑی عقیدت ہو گئی تھی ۔ یہ نہیں کہ ان کے علاقے میں آسامیوں کے ساتھ کوئی خاص رعایت کی جاتی ہویا تاوان ، بیگار کی سختی کچھ کم ہو ، مگر یہ ساری بدنامی مختاروں کے سر تھی ۔ رائے صاحب کی نیک نامی میں بٹہ نہ لگ سکتا تھا ۔ وہ بے چارے بھی تو اسی ضابطہ کے غلام تھے ۔ ضابطے کا کام تو جیسے ہوتا چلا آیا ہے ویسا ہی ہوگا ۔ رائے صاحب کی شرافت اس پر کوئی اثر نہ ڈال سکتی تھی ۔ اس لیے آمدنی اور اختیارات میں جَو بھر کی کمی نہ ہونے پر بھی ان کی نیک نامی میں منوں اضافہ ہوگیا تھا ۔ آسامیوں سے وہ ہنس کر بولتے تھے ، یہی کیا کم تھا ؟ شیر کا کام تو شکار کرنا ہے ۔ اگر وہ گرجنے اور غرّانے کے بجائے میٹھی بولی بول سکتا تو اسے گھر بیٹھے من چاہا شکار مل جاتا ، شکار کی کھوج میں اسے جنگل میں نہ بھٹکنا پڑتا ۔

رائے صاحب قوم پرست ہونے پر بھی حاکموں سے میل جول قائم رکھتے تھے ۔ ان کی نظریں اور ڈالیاں جیوں کی تیوں چلی جاتی تھیں ۔ علم ادب اور موسیقی سے دلچسپی تھی ، ڈرامے کے شائق ، اچھے مقرر ، اچھے مضمون نگار اور بڑے نشانہ باز تھے ۔ ان کی بیوی کو مرے آج دس سال ہوچکے تھے دوسری شادی نہ کی تھی ، ہنس بول کر اپنی تنہا زندگی مزے میں کاٹتے رہتے تھے ۔ ہوری ڈیوڑھی پر پہنچا تو دیکھا کہ جیٹھ کے دسہرہ پر ہونے والے دھنش یگیہ کی تیاریاں بڑے زوروں سے ہورہی ہیں ۔ کہیں اسٹیج بن رہا ہے ، کہیں پنڈال ، کہیں مہمان خانہ اور کہیں دکانیں ۔ دھوپ تیز ہو گئی تھی مگر رائے صاحب خود کام میں لگے ہوئے تھے ۔ اپنے باپ کی دولت کے ساتھ انھوں نے رام کی بھگتی بھی پائی تھی اور دھنش یگیہ کو ناٹک کا روپ دے کر اسے مہذب دل بہلاؤ کا ذریعہ بنا دیا تھا ۔ اس موقع پر ان کے دوست احباب اور

حکام بھی مدعو ہوتے تھے اور علاقے میں دو تین دن بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ رائے صاحب کا کنبہ بہت بڑا تھا۔ کوئی ڈیڑھ سو سردار ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ کئی چچا تھے، درجنوں چچا زاد بھائی، کئی حقیقی بھائی اور بیسیوں رشتہ کے بھائی۔ ایک چچا رادھا جی کے بڑے بھگت تھے اور برابر بندراون میں رہا کرتے تھے۔ بھگتی کے کتنے گیت بنا ڈالے تھے اور وقتاً فوقتاً انھیں چھپوا کر دوستوں میں تقسیم بھی کر دیتے تھے۔ ایک اور چچا بھی تھے، جن کو رام سے بڑی عقیدت تھی اور فارسی میں رامائن کا ترجمہ کر رہے تھے۔ ریاست سے سب کے وشیقے مقرر تھے۔ کسی کو کوئی کام کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

ہوری باہر کھڑا سوچ رہا تھا کہ اپنے آنے کی اطلاع کیسے دے کہ یکایک رائے صاحب اسی طرف آنکلے اور اسے دیکھتے ہی بولے "ارے تو آگیا ہوری، میں تو تجھے بلانے ہی والا تھا۔ دیکھ، اب کی تجھے راجہ جنک کا مالی بننا پڑے گا، سمجھ گیا نا؟ جس وقت شری جانکی جی مندر میں پوجا کرنے جاتی ہیں۔ اس وقت تو ایک گلدستہ لیے کھڑا رہے گا اور جانکی جی کی بھینٹ کرے گا۔ غلطی نہ کرنا اور دیکھ، آسامیوں سے تاکید کرکے کہہ دینا کہ سب کے سب شگون کرنے آئیں۔ میرے ساتھ کوٹھی میں آ، تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

وہ آگے آگے کوٹھی کی طرف چلے، ہوری پیچھے پیچھے چلا۔ وہیں ایک گھنے پیڑ کے سائے میں وہ کرسی پر بیٹھ گئے اور ہوری کو زمین پر بیٹھنے کا اشارہ کرکے بولے۔ سمجھ گیا میں نے کیا کہا؟ کارکن کو تو جو کچھ کرنا ہے وہ کرے گا ہی، مگر آسامی جس قدر دل سے آسامی کی باتیں سنتا ہے کارکن کی نہیں سنتا۔ ہمیں ان ہی پانچ سات دنوں میں بیس ہزار کا بندوبست کرنا ہے، کیسے ہوگا، سمجھ میں نہیں آتا۔ تم سوچتے ہو گے کہ مجھ ٹکے کے آدمی سے مالک کیوں اپنا دکھڑا رونے بیٹھے۔ کس سے اپنے من کی کہوں؟ نا جانے کیوں تمھارے اوپر اعتبار ہوتا ہے اتنا جانتا ہوں کہ دل میں مجھ پر ہنسو گے نہیں اور ہنسو بھی تو تمھاری ہنسی میں برداشت کرسکتا ہوں۔ البتہ ان کی ہنسی نہیں سہ سکتا جو اپنے برابر کے ہیں، کیونکہ ان کی ہنسی میں حسد، بغض اور طنز ہے۔ اور وہ کیوں نہ ہنسیں؟ میں بھی تو ان کی تکلیف، مصیبت اور پست حالی پر ہنستا ہوں دل کھول کر تالیاں بجا کر۔ دولت اور ہمدردی میں بیر ہے۔ ہم بھی دان دیتے ہیں، دھرم کرتے ہیں، لیکن جانتے ہو کیوں؟ صرف اپنے برابر والوں کو نیچا دکھانے کے لیے۔ ہمارا دان اور دھرم محض غرور اور خالص غرور ہے۔ ہم میں سے کسی پر ڈگری ہو جائے، کسی کی

قرقی ہو، بقایا مال گزاری کی علت میں حوالات ہو جائے، کسی کا جوان لڑکا مر جائے، کسی کی بیوہ بہو نکل جائے، کسی کے گھر میں آگ لگے، کوئی کسی بیسوا کے ہاتھوں اُلو بن جائے یا اپنے آسامیوں سے پٹ جائے تو اس کے اور سبھی بھائی اس پر ہنسیں گے اور بغلیں بجائیں گے۔ گویا انھیں کل دنیا کی دولت مل گئی اور ملیں گے تو اتنی محبت سے گویا ہمارے پسینے کی جگہ خون بہائیں گے! ارے اور تو اور، ہمارے چچا زاد، پھو پھو زاد، ماموں زاد اور خالو زاد بھائی جو ایسی ریاست کی بدولت مزے اڑا رہے ہیں، شعر کہہ رہے ہیں اور جوا کھیل رہے ہیں، وہ بھی مجھ سے جلتے ہیں اور اگر آج مر جاؤں تو گھی کے چراغ جلائیں۔ میرے دکھ کو دکھ سمجھنے والا کوئی نہیں۔ ان کی نگاہوں میں مجھے دکھی ہونے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ میں اگر روتا ہوں تو غم کا مضحکہ اڑاتا ہوں! میں اگر بیمار ہوتا ہوں تو مجھے سکھ ہوتا ہے۔ میں اگر بیاہ کر کے اپنے گھر میں جھگڑا نہیں بڑھاتا تو یہ میری خود غرضی ہے اور اگر بیاہ کرلوں تو وہ عیش پسندی ہو گی۔ اگر شراب نہیں پیتا تو میری کنجوسی ہے، شراب پینے لگوں تو وہ رعایا کا خون ہوگی۔ اگر عیاشی نہیں کرتا تو خشک مزاج ہوں، عیاشی کرنے لگوں تو پھر کہنا ہی کیا۔ ان لوگوں نے مجھے عیش وعشرت میں مبتلا کرنے کے لیے کم چالیں نہیں چلیں اور اب تک چلے جاتے ہیں۔ ان کی یہی خواہش ہے کہ میں اندھا ہو جاؤں اور وہ لوگ مجھے لوٹ لیں اور میرا فرض یہ ہے کہ میں سب کچھ دیکھ کر بھی کچھ نہ دیکھوں، سب کچھ جان کر بھی گدھا بنا رہوں۔''

رائے صاحب نے گاڑی آگے بڑھانے کے لیے دو بیڑے پان کھائے اور ہوری کے منھ کی طرف تاکنے لگے گویا اس کے دلی خیالات کو جاننا چاہتے ہوں۔

ہوری نے ہمت کر کے کہا'' ہم سوچتے تھے کہ ایسی باتیں ہمیں لوگوں میں ہوتی ہیں، پر جان پڑتا ہے کہ بڑے آدمیوں میں بھی ان کی کمی نہیں ہے۔''

رائے صاحب نے منھ پان سے بھر کر کہا'' تم ہمیں بڑا آدمی سمجھتے ہو ہمارے نام بڑے ہیں مگر درشن چھوٹے! غریبوں میں اگر حسد یا دشمنی ہے تو سوارتھ کے لیے پیٹ کے لیے! ایسی حسد اور دشمنی کو میں معافی کے قابل سمجھتا ہوں۔ ہمارے منھ کا لقمہ کوئی چھین لے تو اس کے حلق میں انگلی ڈال کر نکالنا ہمارا دھرم ہو جاتا ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو دیوتا ہیں۔ بڑے آدمیوں کا حسد اور دشمنی صرف لطف اٹھانے کے لیے ہے۔ ہم اتنے بڑے آدمی ہو گئے ہیں کہ ہمیں مکاری اور کمینہ پن ہی میں پورا مزا آتا ہے۔ ہم دیوتا پن کے درجہ پر پہنچ گئے

ہیں جب ہمیں اوروں کے رونے پر ہنسی آتی ہے ۔ اسے تم تھوڑی ریاضت نہ سمجھو۔ جب اتنا بڑا کنبہ ہے تو کوئی نہ کوئی تو ہمیشہ ہی بیمار رہے گا اور بڑے آدمیوں کے روگ بھی بڑے ہوتے ہیں ۔ وہ بڑا آدمی ہی کیا جسے کوئی چھوٹا عارضہ ہو؟ معمولی بخار بھی آجائے تو ہمیں سرسام کی دوا دی جاتی ہے ، ذرا سی پھنسی بھی نکل آئے تو وہ زہر باد بن جاتی ہے ۔ اب چھوٹے سرجن اور منجھولے سرجن اور بڑے سرجن تار سے بلائے جارہے ہیں ، مسیح الملک کو لانے دہلی آدمی بھیجا جارہا ہے اور راج وید کو لانے کے لیے کلکتہ ۔ ادھر مندر میں درگا پاٹ ہورہا ہے اور جوتشی مہاراج زائچہ دیکھ رہے ہیں اور منتر جنتر والے گرو اپنے کام میں مصروف ہیں ۔ راجہ صاحب کو جمراج (فرشتۂ اجل) کے منھ سے نکالنے کے لیے دوڑ لگی ہوئی ہے ۔ حکیم اور ڈاکٹر اس تاک میں رہتے ہیں کہ کب ان کا سر دکھے اور کب ان کے گھر میں سونے کی برکھا ہو اور یہ روپے تم سے اور تمھارے بھائیوں سے وصول کیے جاتے ہیں ، بھالے کی نوک پر ! مجھے تو یہی تعجب ہوتا ہے کہ کیوں تمھاری آہوں کی آگ ہمیں بھسم نہیں کر ڈالتی ، مگر نہیں ، تعجب کی کوئی بات نہیں ۔ بھسم ہونے میں تو بہت دیر نہیں لگتی ، تکلیف بھی ذرا ہی دیر کی ہوتی ہے ۔ ہم جَو جَو اور انگل انگل کرکے جلتے جارہے ہیں ۔ اس بلا سے بچنے کے لیے ہم پولیس کی، حاکموں کی ، عدالت کی اور وکیلوں کی پناہ لیتے ہیں اور خوبصورت عورت کی طرح سبھی کے ہاتھوں کا کھلونا بنتے ہیں ۔ دنیا سمجھتی ہے ہم بڑے سکھی ہیں ۔ ہمارے پاس علاقے ، محل ، سواریاں ، نوکر چاکر ، قرض ، بیسوائیں ، کیا نہیں ہیں ؟ مگر جس کے دل میں طاقت نہیں ، خودداری نہیں وہ اور چاہے کچھ ہو انسان نہیں ہے ۔ جسے دشمن کے خوف سے رات کو نیند نہ آتی ہو ، جس کے دکھ پر سب ہنسیں اور رونے والا کوئی نہ ہو ، جس کی چوٹی دوسروں کے پیروں کے نیچے دبی ہو ، جو عیش وعشرت کے نشے میں اپنے کو بالکل بھول گیا ہو ، جو حاکموں کے تلوے چاٹتا ہو اور اپنے ماتحتو ں کا خون چوستا ہو ، اسے میں سکھی نہیں کہتا وہ تو دنیا کا سب سے بڑا بدنصیب جاندار ہے ۔ صاحب شکار کھیلنے آئیں یا دورے پر ، میرا فرض ہے کہ ان کی دم کے پیچھے لگا رہوں ، ان کے ابروؤں پر شکن پڑی اور ہماری جان نکلی ۔ انھیں خوش کرنے کے لیے ہم کیا نہیں کرتے اگر وہ سب کہنے لگیں تو شاید تمھیں یقین نہ آئے ۔ ڈالیو ں اور رشوتوں تک خیر غنیمت ہے ، ہم سجدے کرنے کو بھی تیار رہتے ہیں ۔ مفت خوری نے تو ہمیں بے ہاتھ پیر کا بنا دیا ہے ۔ ہمیں اپنی مردیّت پر ذرا بھی بھروسا نہیں ، صرف افسروں کے آگے دم ہلا ہلا کر کسی طرح

انھیں مہربان رکھنا اور ان کی مدد سے اپنی رعایا پر رعب جمانا ہی ہمارا کام ہے ۔ چاپلوسوں کی خوشامد نے ہمیں اتنا مغرور اور تنک مزاج بنا دیا ہے کہ ہم سے شرافت، عاجزی اور خدمت سب رخصت ہو گئی ہیں ۔ میں تو کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر سرکار ہمارے علاقے چھین کر ہمیں اپنی روزی کے لیے محنت کرنا سکھا دے تو ہم پر بڑا احسان ہو اور یہ تو یقینی ہے کہ اب سرکار بھی ہماری حفاظت نہ کرے گی ۔ اب ہم سے اس کا کوئی مطلب نہیں نکلتا ۔ علامات سے ظاہر ہے کہ ہمارا طبقہ بہت جلد مٹ جانے والا ہے ۔ میں اس دن کا خیر مقدم کرنے کو تیار بیٹھا ہوں ۔ ایشور وہ دن جلد لائے ! وہ ہمارے اڈھار کا دن ہوگا ۔ ہم موجودہ حالتوں کے شکار بنے ہوئے ہیں ۔ وہی ہمارا ستیا ناس کر رہی ہیں اور جب تک پونجی کی یہ بیڑیاں ہمارے پیروں سے نہ نکلیں گی تب تک یہ نحوست ہمارے سر پر منڈلاتی رہے گی ۔ ہم انسانیت کا وہ درجہ نہ پا سکیں گے جس پر پہنچنا زندگی کا انتہائی مقصد ہے ۔"

رائے صاحب نے پھر گلوری دان نکالا اور کئی بیڑے منہ میں رکھ لیے کچھ اور کہنے والے تھے کہ ایک چپراسی نے آ کر کہا " سرکار، بیگاروں نے کام کرنے سے انکار کر دیا ہے، کہتے ہیں کہ جب تک ہمیں کھانے کو نہ ملے گا ہم کام نہ کریں گے ۔ ہم نے دھمکایا تو سب کام چھوڑ کر الگ ہو گئے ۔"

رائے صاحب کے ماتھے پر بل پڑ گئے، آنکھیں نکال کر بولے " چلو میں ان بدمعاشوں کو ٹھیک کرتا ہوں ۔ جب کبھی کھانے کو نہیں دیا گیا تو آج یہ نئی بات کیوں ؟ ایک آنہ روز کے حساب سے مزدوری جو ہمیشہ ملتی رہی ہے، اسی مزدوری پر انھیں کام کرنا ہوگا، سیدھے کریں یا ٹیڑھے ۔"

پھر ہوری کی طرف دیکھ کر بولے " تم اب جاؤ ہوری، اپنی تیاری کرو ۔ جو بات میں نے کہی ہے اس کا خیال رکھنا ۔ تمھارے گاؤں سے مجھے کم از کم پانچ سو کی امید ہے ۔"

رائے صاحب جھلاتے ہوئے چلے گئے ۔ ہوری نے دل میں سوچا کہ ابھی یہ کیسی کیسی دھرم کی باتیں کر رہے تھے اور یکا یک اتنے گرم ہو گئے ۔

سورج سر پر آ گیا تھا ۔ اس کی تپش سے متاثر ہو کر پیڑوں نے اپنا پھیلاؤ سمیٹ لیا تھا ۔ آسمان غبار آلودہ ہو رہا تھا اور سامنے کی زمین کانپتی ہوئی سی معلوم ہوتی تھی ۔

ہوری نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور گھر چلا ۔ شگون کے روپے کہاں سے آئیں گے یہی فکر اس کے سر پر سوار تھی ۔

۳

ہوری اپنے گاؤں کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ ابھی تک گوبر کھیت میں ایکھ گوڑ رہا ہے اور دونوں لڑکیاں بھی اس کے ساتھ کام کررہی ہیں ۔ لؤ چل رہی تھی ، بگولے اٹھ رہے تھے ، زمین جل رہی تھی ، جیسے قدرت نے ہوا میں آگ بھردی ہو ۔ یہ سب ابھی تک کھیت میں کیوں کام کے پیچھے جان دینے پر تلے ہوئے ہیں ؟ وہ کھیت کی طرف چلا اور دور ہی سے چلاّ کر بولا " آتا کیوں نہیں گوبر ، کیا کام ہی کرتا رہے گا؟ دوپہر ڈھل گئی ، کچھ سوجھتا ہے کہ نہیں ۔"

اسے دیکھتے ہی تینوں نے کدالیں اٹھالیں اور ساتھ ہولیے۔ گوبر سانولا، لمبا ، اکہرے بدن کا نوجوان تھا جسے اس کام سے دلچسپی نہ معلوم ہوتی تھی ۔ چہرے پر خوشی کی جگہ بے اطمینانی اور بے دلی تھی ۔ وہ اس لیے کام میں لگا ہوا تھا کہ وہ دکھانا چاہتا تھا کہ اسے کھانے پینے کی کچھ فکر نہیں ہے ۔ بڑی لڑکی سونا شرمیلی لڑکی تھی ۔ سانولی، سڈول ،تیز اور خوش۔ گاڑھے کی سرخ ساری جسے وہ گھٹنوں سے موڑ کر کمر میں باندھے ہوئے تھی ۔ اس کے ہلکے بدن پر کچھ لدی ہوئی سی معلوم ہوتی تھی ۔ اور اسے پختگی کا رنگ دے رہی تھی ۔ چھوٹی لڑکی روپا پانچ چھ سال کی چھوکری تھی ،میلی ، سر پر بالوں کا ایک گھونسلا سا بنا ہوا تھا ، ایک لنگوٹی کمر میں لگی ہوئی ، بڑی شریر اور رونے والی ۔

روپا نے ہوری کے پیروں سے لپٹ کر کہا ۔" کاکا دیکھو میں نے ایک ڈھیلا بھی نہیں چھوڑا۔ بہن کہتی ہے ، جا پیڑ تلے بیٹھ ۔ ڈھیلے نہ توڑے جائیں گے کاکا تو مٹی کیسے برابر ہوگی ؟"

ہوری نے اسے گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے کہا " بہت اچھا کیا بیٹی ، چل گھر چلیں ۔"

کچھ دیر اپنی بے دلی کو دبائے رہنے کے بعد گوبر بولا " یہ تم روج روج مالکوں کی کھسامد کرنے کیوں جاتے ہو۔ لگان نہ چکے تو پیادہ آکر گالیاں سناتا ہے ، بیگار دینی ہی پڑتی

ہے۔ نجر نجرانہ سب تو ہم سے بھرایا جاتا ہے، پھر کسی کو کیوں سلامی کرو؟''

اس وقت یہی خیالات ہوری کے دل میں بھی آرہے تھے۔ مگر لڑکے کے باغیانہ جذبے کو دبانا ضروری تھا بولا'' سلامی کرنے نہ جائیں تو رہیں کہاں؟ بھگوان نے جب گلام بنا دیا ہے تو اپنا کیا بس ہے؟ اسی سلامی کی برکت ہے کہ دوارے پر چھونپڑی بنا لی اور کسی نے کچھ نہ کہا۔ گھورے نے دوارے پر کھونٹا گاڑا تھا جس پر کارندہ نے دو روپے ڈانٹر لے لیے تھے۔ تلیاً سے ہم نے کتنی مٹی کھودی، کارندہ نے کچھ نہیں کہا، دوسرا کھودے تو نجر دینی پڑے۔ اپنے مطلب کے لیے سلامی کرنے جاتا ہوں۔ پاؤں میں سنیچر نہیں ہے اور سلامی کرنے میں کچھ سکھ ملتا ہے۔ گھنٹوں کھڑے رہو تب مالک کو کہیں خبر ہوتی ہے کبھی باہر نکلتے ہیں کبھی کہلا دیتے ہیں پھُرصت نہیں ہے۔''

گوبر نے طنز سے کہا۔'' بڑے آدمیوں کی ہاں میں ہاں ملانے میں تھوڑا بہت سکھ ملتا ہے، نہیں تو لوگ ممبری کے لیے کیوں کھڑے ہوں؟''

'' جب سر پر پڑے گی تب معلوم ہوگا بیٹا، ابھی جو چاہے کہہ لو۔ پہلے میں بھی ایسا ہی سوچا کرتا تھا پر اب معلوم ہوا کہ ہماری گردن دوسروں کے پاؤں تلے دبی ہوئی ہے، اکڑ کر نباہ نہیں ہوسکتا۔''

گوبر باپ پر اپنا غصہ اتار کر کچھ ٹھنڈا ہوگیا اور چپ چاپ چلنے لگا۔ سونا نے دیکھا کہ روپا باپ کی گود میں چڑھی ہے تو حسد ہوا اسے ڈانٹ کر بولی۔'' اب گود سے اتر کر پاؤں پاؤں کیوں نہیں چلتی پاؤں ٹوٹ گئے ہیں؟''

روپا نے باپ کی گردن میں ہاتھ ڈال کر ڈھٹائی سے کہا۔'' نہ اتریں گے جاؤ۔ کاکا بہن ہم کو چڑھایا کرتی ہے کہ تو روپا ہے میں سونا ہوں۔ میرا نام کچھ اور رکھ دو۔''

ہوری نے سونا کو بناوٹی غصے سے دیکھتے ہوئے کہا'' تو اسے کیوں چڑھاتی ہے سونیا؟ سونا تو دیکھنے کو ہے، نباہ تو روپا سے ہوتا ہے۔ روپا نہ ہو تو روپے کہاں سے بنیں بتا؟''

سونا نے اپنی بات رکھنے کے لیے کہا'' سونا نہ ہو تو مہر کیسے بنے، نتھنی کہاں سے آوے کنٹھا کیسے بنے؟''

گوبر بھی اس تفریحی بحث میں شامل ہوگیا۔ روپا سے بولا'' تو کہہ دے کے سونا تو

سوکھی پتی کی طرح پیلا ہوتا ہے" روپا تو اجلا ہوتا ہے جیسے چندر ماں ۔"

سونا بولی ۔" بیاہ میں پیلی ساڑی پہنی جاتی ہے ۔ اجلی ساڑی کوئی نہیں پہنتا ۔"

روپا اس دلیل سے ہار گئی ۔ گوبر اور ہوری کی کوئی دلیل اس کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔ اس نے رونی آنکھوں سے ہوری کو دیکھا ۔

ہوری کو ایک نئی بات سوجھ گئی" سونا بڑے آدمیوں کے لیے ہے ، ہم گریبوں کے لیے تو روپا ہی ہے جیسے جَو کو راجا کہتے ہیں ، گیہوں کو چمار ۔ تو اسی لیے کہ گیہوں بڑے آدمی کھاتے ہیں اور جَو ہم لوگ کھاتے ہیں ؟"

سونا کے پاس اس زبردست دلیل کا کوئی جواب نہ تھا ۔ ہار کر بولی "تم سب ایک ہو گئے ، نہیں روپیا کو رلا کر چھوڑتی ۔"

روپا نے ہاتھ مٹکا کر کہا" اے رام سونا چمار ! اے رام سونا چمار !"

اس جیت کی اسے اتنی خوشی ہوئی کہ باپ کی گود میں نہ رہ سکی زمین پر کود پڑی اور اچھل اچھل کر یہ رٹ لگانے لگی" روپا راجا سونا چمار ! روپا راجا سونا چمار !"

یہ لوگ گھر پہنچے تو دھنیا دروازے پر کھڑی ان کی راہ دیکھ رہی تھی ، خفا ہو کر بولی" آج اتنی دیر کیوں کی ، گوبر ؟ کام کے پیچھے کوئی جان تھوڑے ہی دے دیتا ہے ۔" پھر شوہر سے گرم ہو کر کہا" تم بھی وہاں سے کمائی کر کے لوٹے تو کھیت پہنچے کھیت کہیں بھاگا جاتا تھا؟"

دروازے پر کنواں تھا ہوری اور گوبر نے ایک ایک کلسا پانی سر پر ڈالا۔ روپا کو نہلایا اور کھانا کھانے گئے ۔ جو کی روٹیاں تھیں مگر گیہوں کی سی سفید اور چکنی ۔ ارہر کی دال تھی جس میں کچا آم پڑا تھا ۔ روپا باپ کی تھالی میں کھانے بیٹھی ۔ سونا نے اسے حسد بھری نگاہوں سے دیکھا ، گویا کہہ رہی تھی" واہ رے دلار !"

دھنیا نے پوچھا مالک سے کیا بات چیت ہوئی ؟"

ہوری نے لوٹا بھر پانی چڑھاتے ہوئے کہا ۔" یہی تحصیل وصول کی بات تھی اور کیا۔ ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑے آدمی بڑے سکھی ہوں گے پر سچ پوچھو تو وہ ہم سے بھی ادھک دکھی ہیں ۔ ہمیں اپنے پیٹ ہی کی پھکر ہے انھیں تمام پھکریں گھیرے رہتی ہیں ۔"

رائے صاحب نے اور کیا کیا کہا تھا وہ ہوری کو یاد نہ تھا ۔ اس کل بیان کا لُبِ لباب ہی اس کے حافظے میں باقی رہ گیا تھا ۔

گوبر نے طنز سے کہا '' اپنی ریاست دے دیتے ، اپنے کھیت ، بیل ، ہل ،کدالی سب انھیں دینے کو تیار ہیں ۔ کریں گے بدلہ ؟ یہ سب ڈھونگ ہے ، بڑی مُٹ مردی ! جسے دکھ ہوتا ہے وہ درجنوں موٹر نہیں رکھتا ، محلوں میں نہیں رہتا ، حلوا پوری ، نہیں کھاتا اور نہ ناچ رنگ میں پھنسا رہتا ہے ۔ آرام سے راج کا سکھ بھوگ رہے ہیں ، اس پر دکھی بنتے ہیں !''

ہوری نے جھنجھلا کر کہا '' اب تم سے حجّت کون کرے بھائی ؟ ریاست کسی سے چھوڑی جاتی ہے کہ وہی چھوڑ دیں گے ۔ ہمیں کو کھیتی سے کیا ملتا ہے ؟ ہر آدمی کے حساب سے ایک آنہ روج کی مجوری بھی نہیں پڑتی ۔ جو دس روپے مہینے کا بھی نوکر ہے وہ ہم سے اچھا کھاتا پیتا ہے ۔ پر کھیتوں کو چھوڑا تو نہیں جاتا۔ کھیتی چھوڑ دیں تو اور کریں گے کیا ؟ نوکری کہاں ملتی ہے ! پھر مرجاد بھی تو پالنا ہی پڑتی ہے۔ کھیتی میں جو مرجاد ہے ، نوکری میں تو نہیں ہے۔ اسی طرح جمیداروں کا حال بھی سمجھنا۔ ان کی جان کو بھی تو سینکڑوں لوگ لگے ہوئے ہیں ۔ حاکموں کو رسد پہنچاؤ ، ان کی سلامی کرو ۔ عملوں کو کھس کرو تاریکھ پر مال گجاری نہ چکا دیں تو حوالات ہو جائے ، کڑکی کی نوبت آجائے ۔ ہمیں تو کوئی حوالات نہیں لے جاتا۔ دو چار گالیاں یا جھڑکیاں ہی تو مل کر رہ جاتی ہیں ۔''

گوبر نے احتجاج کیا ۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ۔ ہم لوگ دانے دانے کو محتاج ہیں ، سموچے بدن پر کپڑے نہیں ہیں ، چوٹی کا پسینہ ایڑی تک جاتا ہے تب بھی گجر نہیں ہوتی۔ انھیں کیا ، آرام سے گدّا مسند لگائے بیٹھے ہیں ، سیکڑوں نوکر چاکر ہیں ، ہجاروں آدمیوں پر حکومت ہے ، روپے چاہے نہ ہوتے ہوں پر سکھ تو سبھی طرح کا ملتا ہے ۔ روپیہ لے کر آدمی اور کیا کرتا ہے ؟''

'' تو تمھاری سمجھ میں ہم اور وہ برابر ہیں ؟''

'' بھگوان نے تو سب کو برابر ہی بنایا ہے ۔''

''یہ بات نہیں ہے بیٹا۔ چھوٹے بڑے بھگوان کے گھر سے بن کر آتے ہیں۔ دھن بڑی تپسیا سے ملتا ہے۔ انھوں نے پہلے جنم میں جیسا کام کیا اس کا سکھ اٹھا رہے ہیں۔ ہم نے کچھ جمع نہیں کیا تو ملے کیا؟''

یہ سب من کو سمجھانے کی باتیں ہیں ، بھگوان سب کو برابر بناتے ہیں۔ یہاں جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہے وہ چھوٹوں کو کچل کر بڑا بن جاتا ہے ۔''

''یہ تمھارا بھرم ہے۔ مالک آج کل بھی نت چار گھنٹے بھگوان کا بھجن کرتے ہیں۔''
''کس کے بل پر یہ بھجن اور دان دھرم ہوتا ہے؟''
''اپنے بل پر۔''
''نہیں کسانوں کے بل پر اور مجوروں کے بل پر! یہ پاپ کا دھن پچے کیسے؟ اسی لیے دان دھرم کرنا پڑتا ہے، بھگوان کا بھجن بھی اسی لیے ہوتا ہے بھوکے ننگے رہ کر بھگوان کا بھجن کریں تو ہم بھی دیکھیں۔ ہمیں کوئی دونوں جُون کھانے کو دے تو ہم آٹھوں پہر بھگوان کا بھجن ہی کرتے رہیں۔ ایک دن کھیت میں اوکھ گوڑنا پڑے تو ساری بھگتی بھول جائیں۔''

ہوری نے ہار کر کہا''اب تمھارے منھ کون لگے بھائی؟تم تو بھگوان کی لیلا میں بھی ٹانگ اڑاتے ہو۔''

تیسرے پہر گوبر کدال لے کر چلا تو ہوری نے کہا'' جرا ٹھہر جا بیٹا، ہم بھی چلتے ہیں۔ تب تک تھوڑا بھوسا نکال کر رکھ دو۔ میں نے بھولا کو دینے کے لیے کہا ہے بے چارہ آج کل بہت تنگ ہے؟''

گوبر نے عدول حکمی کے انداز سے دیکھ کر کہا''اب ہمارے پاس بیچنے کو بھوسہ نہیں ہے۔''

''بیچتا نہیں ہوں بھائی، یوں ہی دے رہا ہوں !وہ سنکٹ میں ہے۔اس کی مدد تو کرنی ہی پڑے گی۔''

''ہمیں تو اس نے کبھی ایک گائے نہیں دے دی۔''

دھنیا مٹک کر بولی''گائے نہیں وہ تو وہ دے رہا تھا! انھیں گائے دے دے گا! آنکھیں آنجنے کو کبھی دودوھ تو بھیجا نہیں، گائے دے دے گا! بڑا دینے والا!''

ہوری نے قسم کھائی''نہیں جوانی کسم اپنی پچھائیں گائے دے رہے تھے ہاتھ تنگ ہے، بھوسہ چارا نہیں رکھ سکے۔ اب ایک گائے بیچ کر بھوسہ لینا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا سنکٹ میں پڑے آدمی کی گائے کیا لوں۔ تھوڑا سا بھوسہ دیے دیتا ہوں، کچھ روپے ہاتھ آجائیں گے تو گائے لے لوں گا۔ تھوڑا تھوڑا کرکے چکا دوں گا۔ اسی روپے کی ہے مگر ایسی کے آدمی دیکھتا رہے۔''

گوبر نے آڑے ہاتھوں لیا'' تمھارا یہی دھرماتما پن تو تمھاری درگت کررہا ہے۔ ساپھ تو بات ہے۔ اسی روپے کی گائے ہے، ہم سے بیس کا بھوسہ لے لیں، اور گائے دے

دیں۔ ساٹھ رہ جائیں گے وہ ہم دھیرے دھیرے دے دیں گے۔''

ہوری راز دارانہ طور پر مسکرایا '' میں نے ایسی چال سوچی ہے کہ گائے یوں ہی ہاتھ آجائے۔ کہیں بھولا کا بیاہ ٹھیک کرنا ہے، بس دو چار من بھوسہ تو اپنا رنگ جمانے بھر کو دیتا ہوں۔''

گوبر نے حقارت سے کہا '' تو تم اب سب کا بیاہ ٹھیک کرتے پھروگے؟''

دھنیا نے تیکھی نگاہوں سے دیکھ کر کہا '' اب یہی ایک کام تو رہ ہی گیا ہے۔ نہیں دینا ہے ہمیں بھوسہ کسی کو۔ یہاں بھولی بھولا کسی کا ادھار نہیں کھایا ہے۔''

ہوری نے اپنی صفائی دی '' اگر میری تدبیر سے کسی کا گھر بس جائے تو کون سی برائی ہے؟''

گوبر نے چلم اٹھائی اور آگ لینے چلا گیا۔ اسے یہ جھمیلا بالکل پسند نہ تھا۔

دھنیا نے سر ہلا کر کہا '' جو ان کا گھر بسائے گا وہ اسی روپے کی گائے لے کر چپ نہ ہوگا، ایک تھیلی گنوائے گا۔''

ہوری نے پچاڑا دیا '' یہ میں جانتا ہوں لیکن اس کی بھلمنسی کو بھی تو دیکھو کہ مجھ سے جب ملتا ہے تو تیرا ہی بکھان کرتا ہے، ایسی لچھمی ہے، ایسی سلیکے دار۔''

دھنیا کے چہرے پر آب آگئی۔ '' میں ان کے بکھان کی بھوکی نہیں، وہ اپنا بکھان دھرے رہیں۔''

بھولا نے محبت کی مسکراہٹ سے کہا '' میں نے تو کہہ دیا کہ بھیا وہ ناک پر مکھی بھی بیٹھنے نہیں دیتی، گالیوں سے تو بات کرتی ہے۔ پر وہ یہی کہے جائے کہ عورت نہیں لچھمی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس کی گھر والی بڑے کڑے سوبھاؤ کی تھی۔ بے چارہ اس کے ڈر سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ کہتا تھا جس دن تمھاری گھر والی کا منھ تڑکے دیکھ لیتا ہوں اس دن کچھ نہ کچھ جرور ہاتھ لگتا ہے۔ میں نے کہا تمھارے ہاتھ لگتا ہوگا، یہاں تو روج دیکھتے ہیں پر کبھی پیسے سے بھینٹ نہیں ہوتی۔''

''تمھارے بھاگ ہی کھوٹے ہیں تو میں کیا کروں۔''

'' لگا اپنی عورت کی برائی کرنے کہ بھکاری کو بھیک تک نہ دیتی تھی، جھاڑو مارنے دوڑتی تھی، لالچن ایسی کہ نمک تک اوروں کے گھر سے مانگ لاتی تھی۔''

'' مرنے پر کسی کی کیا برائی کروں ، مجھے دیکھ کر جل جاتی تھی ۔''

'' بھولا بڑا گم کھور تھا کہ اس کے ساتھ نباہ کیا ۔ اور ہوتا تو بِس کھا کر مر جاتا ۔ مجھ سے دس سال بڑے ہوں گے بھولا ، پر رام رام پہلے ہی کرتے ہیں ۔''

'' تو کیا کہتے تھے کہ جس دن تمھاری گھر والی کا منھ دیکھ لیتا ہوں تو کیا ہوتا ہے ؟''

'' اس دن بھگوان کہیں نہ کہیں سے کچھ بھیج دیتے ہیں ۔''

'' بہوویں بھی تو ویسی چٹوری آئی ہیں ۔ اب کے سبھوں نے دو روپے کے کھر بوجے ادھار کھا ڈالے ۔ ادھار مل جائے تو انھیں چنتا نہیں ہوتی کہ دینا بھی پڑے گا یا نہیں ۔''

'' اور بھولا روتے کاہے کو ہیں ۔''

گوبر آکر بولا '' بھولا دادا آگئے ، من دو من بھوسہ ہے سو انھیں دے دو ، پھر ان کا بیاہ کھوجنے نکلو ۔''

دھنیا نے سمجھایا '' آدمی دوارے پر بیٹھا ہے ۔ اس کے لیے کھاٹ واٹ تو ڈال نہیں دی اوپر سے لگے بھنبھنانے ، کچھ تو بھلمنسی سیکھو ۔ کلسا لے جاؤ ، پانی بھر کر رکھ دو ، ہاتھ منھ دھوئیں کچھ سربت پانی کرا دو ، مصیبت ہی میں تو آدمی دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے ۔''

ہوری بولا '' سربت وربت کا کام نہیں ، کون کوئی مہمان ہیں ۔''

دھنیا نے بگڑ کر کہا '' مہمان اور کیسے ہوتے ہیں ؟ روج روج تمھارے دوارے پر نہیں آتے ۔ اتنی دور سے دھوپ گھام میں آئے ہیں ، پیاس لگی ہی ہوگی ۔ روپیا ! دیکھ ڈبے میں تماکھو ہے کہ نہیں ، گوبر کے مارے کاہے کو بچی ہو گی ، دوڑ کر ایک پیسے کی تماکھو سیٹھانی کی دوکان سے لے لے ۔''

بھولا کی آج جتنی خاطر ہوئی اور کبھی نہ ہوئی ہوگی ۔ گوبر نے چارپائی ڈال دی ، سونا شربت بنا لائی ، روپا تمباکو بھر لائی ۔ دھنیا دروازے پر کواڑ کی آڑ میں کھڑی اپنے کانوں سے اپنی تعریف سننے کے لیے بے قرار ہو رہی تھی ۔

بھولا نے چلم ہاتھ میں لے کر کہا '' اچھی گھرنی گھر میں آجائے تو سمجھ لو کہ لچھمی آگئی ۔ وہی جانتی ہے کہ چھوٹے بڑے کا آدر ستکار کیسے کرنا چاہیے ۔''

دھنیا کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی ، فکر اور مایوسی اور مفلسی سے گھرا ہوا دل ان الفاظ میں نرمی اور تسکین کا احساس کر رہا تھا ۔

ہوری جب بھولا کا کھانچا اٹھا کر بھوسہ لانے اندر گیا تو دھنیا بھی پیچھے پیچھے چلی ۔ ہوری نے کہا '' نہ جانے کہاں سے اتنا بڑا کھانچا مل گیا، کسی بھڑ بھوجے سے مانگ لایا ہوگا۔ من بھر سے کم میں نہ بھرے گا ۔ دو کھانچے دیے تو دو من بھوسا نکل جائے گا ۔''

دھنیا خوش تھی ، ملامت کی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی '' یا تو کسی کو نیوتہ نہ دو اور دو بھی تو پیٹ بھر کھلاؤ۔ تمھارے پاس پان پھول لینے تھوڑے آئے ہیں کہ ٹوکری لے کر چلتے، دیتے ہی ہو تو تین کھانچے دے دو ۔ بھلا آدمی اپنے لڑکوں کو کیوں نہیں لایا ؟ اکیلا کہاں تک ڈھوئے گا جان نکل جائے گی ۔''

'' تین کھانچے تو میرے دیے نہ دیے جائیں گے ۔''

'' تب کیا ایک کھانچا دے کر ٹالو گے ؟ گوبر سے کہہ دو کہ اپنا کھانچا بھر کر ان کے ساتھ چلا جائے۔''

'' گوبر اوکھ گوڑنے جا رہا ہے ۔''

'' ایک دن نہ گوڑنے سے اوکھ نہ سوکھ جائے گی ۔''

'' یہ تو ان کا کام تھا کہ کسی کو ساتھ لاتے ۔ بھگوان کے دیے دو دو بیٹے ہیں ۔''

'' نہ ہوں گے گھر پر، دودھ لے کر ہاٹ گئے ہوں گے ۔''

'' یہ تو اچھی دل لگی ہے کہ اپنا مال بھی دو اور اسے گھر تک پہنچا دو ۔ لاد دے اور لدا دے اور لادنے والا ساتھ دے ۔''

'' اچھا بھائی کوئی مت جائے ، میں پہنچا دوں گی ، بڑوں کی سیوا کرنے میں لاج نہیں ۔''

'' اور تین کھانچے انھیں دے دوں تو اپنے بیل کیا کھائیں گے ؟''

'' یہ سب تو نیوتا دینے سے پہلے ہی سوچ لینا تھا ۔ نہ ہو تو تم اور گوبر دونوں چلے جاؤ۔''

'' مروت مروت کی طرح کی جاتی ہے ، اپنا گھر اٹھا کر نہیں دے دیا جاتا ۔''

'' ابھی جمیندار کا پیادہ آجائے تو اپنے سر پر بھوسہ لاد کر پہنچاؤ گے تم ، تمھارا لڑکا اور لڑکی سب اور وہاں سایت من دو من لکڑی بھی چیرنی پڑے ۔''

'' جمیندار کی بات اور ہے۔''

'' ہاں وہ ڈنڈے کے بل کام لیتا ہے نہ ۔''

'' اس کے کھیت نہیں جوتتے ؟''

'' کھیت جوتتے ہیں تو لگان نہیں دیتے ہیں ۔؟''

'' اچھا بھائی جان نہ کھا ، ہم دونوں چلے جائیں گے ۔ کہاں سے انھیں میں نے بھوسا دینے کو کہہ دیا یا تو چلے ہی گی نہیں اور چلے گی تو دوڑنے لگے گی ۔''

تینوں کھانچے بھوسے سے بھر دیے گئے ۔ گوبر کڑھ رہا تھا ۔ اسے اپنے باپ کے برتاؤ پر ذرا بھی اعتبار نہ تھا ۔ وہ سمجھتا تھا کہ جہاں جاتے ہیں وہیں کچھ نہ کچھ گھر سے دے آتے ہیں ۔دھنیا خوش تھی ، رہا ہوری وہ دھرم اور سوارتھ کے بیچ میں ڈوبتا اترتا جارہا تھا ۔

ہوری اور گوبر مل کر ایک کھانچہ باہر لائے ۔ بھولا نے فوراً اپنے انگوچھے کی گنڈلی بنا کر سر پر رکھتے ہوئے کہا ۔'' میں اسے رکھ کر ابھی بھاگا آتا ہوں ، ایک کھانچہ اور لوں گا ۔''

ہوری بولا '' ایک نہیں ابھی دو اور بھرے دھرے ہیں۔ اب تمھیں نہ آنا پڑے گا میں اور گوبر ایک ایک کھانچہ لے کر تمھارے ساتھ ہی چلتے ہیں ۔''

بھولا متحیر ہوگیا ۔ اسے ہوری اپنا بھائی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر معلوم ہوا ۔ اسے اپنے دل میں ایک ایسی آسودگی کا احساس ہوا جس نے اس کی پوری زندگی کو تروتازہ کر دیا ۔

تینوں بھس لے کر چلے تو آپس میں باتیں ہونے لگیں ۔

بھولا نے پوچھا '' دسہرا آرہا ہے مالکوں کے یہاں تو بڑی دھوم دھام ہوگی ؟''

'' ہاں تنبو سامیانہ گڑ گیا ہے ۔ اب کے رام لیلا میں میں بھی کام کروں گا۔ رائے صاحب نے کہا ہے کہ مجھے راجا جنک کا مالی بننا پڑے گا ۔''

'' مالک تم سے بہت کھس ہیں ۔''

'' ان کی دیا ہے ۔''

ایک لمحے کے بعد بھولا نے پھر پوچھا '' سگن کرنے کے لیے روپیوں کا کچھ بندوبست کرلیا ہے ؟ مالی بن جانے سے تو گلا نہ چھوٹے گا ۔''

ہوری نے منھ کا پسینہ پوچھ کر کہا '' اسی کی چنتا تو مارے ڈالتی ہے دادا ، اناج تو سب کا سب کھلیان میں تل گیا ۔ جمیندار نے اپنا لیا ، مہاجن نے اپنا لیا ، میرے لیے پانچ سیر اناج بچ رہا ۔ یہ بھوسا تو میں نے راتوں رات ڈھو کر چھپا دیا تھا نہیں تنکا بھی نہ بچتا ۔ جمیندار تو ایک ہی ہے پر مہاجن تین تین ہیں ۔سیٹھانی الگ ، منگرو الگ اور داتا دین پنڈت الگ ،

کسی کا بیاج بھی پورا نہ چکا ۔ جمیندار کے بھی آدھے روپے دینے سے رہ گئے ۔ سیٹھانی سے پھر روپے ادھار لیے تب کام چلا ۔ سب طرح کپھایت کرکے دیکھ لیا بھیّا کچھ نہیں ہوتا ۔ ہمارا جنم اسی لیے ہوا ہے کہ اپنا لہو بہاویں اور بڑوں کا گھر بھریں ، روپیہ کا دونا سود بھر چکا، پر روپیہ جیوں کا تیوں سر پر سوار ہے ۔ لوگ کہتے ہیں کہ سادی گمی میں ، تیرتھ برت میں ، ہاتھ باندھ کر کھرچ کرو ، پر رستہ کوئی نہیں دکھاتا ۔ رائے صاحب نے بیٹے کے بیاہ میں بیس ہجار لٹا دیے ، ان سے کوئی کچھ نہیں کہتا ، منگرو نے اپنے باپ کے کریا کرم میں پانچ ہجار لگائے اس سے کوئی نہیں پوچھتا ۔ ویسی ہی آبرو مرجاد تو سب کی ہے ۔"

بھولا نے دردآمیز لہجے میں کہا " بڑے آدمیوں کی برابری کیسے کر سکتے ہو بھائی ؟"

" آدمی تو ہم بھی ہیں ۔"

" کون کہتا ہے کہ ہم تم آدمی ہیں ؟ ہم میں آدمیت ہے ؟ آدمی وہ ہیں جن کے پاس دھن ہے ، بل ہے اور بدّیا ۔ ہم لوگ تو بیل ہیں اور جتنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں ۔اس پر ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتا ۔ میل کا نام نہیں ہے ، ایک کسان دوسرے کے کھیت پر نہ چڑھے تو کوئی اجاپا کیسے کرے ؟ پریم تو سنسار سے اٹھ گیا ہے ۔"

بوڑھوں کے لیے ماضی کی راحتوں ، حال کی تکلیفوں اور مستقبل کی تباہیوں سے زیادہ دلچسپ اور کوئی موضوع نہیں ہوتا ، دونوں دوست اپنا اپنا دکھڑا روتے رہے ۔ بھولا نے اپنے بیٹوں کی کرتوتیں کہہ سنائیں ۔

ہوری نے اپنے بھائیوں کا رونا رویا اور پھر ایک کنوئیں پر بوجھ رکھ کر پانی پینے کے لیے بیٹھ گئے ۔ گوبر نے بنئے سے لوٹا اور کلسا مانگا اور پانی کھینچنے لگا ۔

بھولا نے ہمدردی سے پوچھا " الگ ہوتے ہوئے تو تمھیں بڑا رنج ہوا ہوگا ؟ بھائیوں کو تم نے بیٹوں کی طرح پالا تھا ۔"

ہوری کا گلا بھر آیا بولا " کچھ نہ پوچھو دادا ، جی چاہتا تھا کہ کہیں جا کر ڈوب مروں ، میرے جیتے جی سب کچھ ہو گیا ۔ جن کے لیے اپنی جوانی دھول میں ملادی وہی میرے مدعی ہو گئے اور جھگڑے کی کیا تھی؟ یہی کہ میری گھر والی ہار میں کام کرنے کیوں نہیں جاتی ۔ پوچھو گھر دیکھنے والا بھی تو کوئی چاہیے کہ نہیں ؟ لینا ، دینا ، دھرنا، اٹھانا یہ سب کون کرے ؟ پھر وہ گھر پر بیٹھی تو نہیں رہتی جھاڑو ، رسوئی ، چوکا ، برتن لڑکوں کی دیکھ بھال ، یہ کوئی تھوڑا کام

ہے ؟ سوبھا کی عورت گھر سنبھال لیتی کہ ہیرا کی عورت میں یہ ڈھنگ تھا ؟ جب سے الگاوا ہوا، دونوں گھروں میں ایک جُون روٹی بنتی ہے ۔ نہیں تو سب کو دن میں چار چار بار بھوک لگتی تھی ۔ اب کھائیں چار بار تو دیکھوں ! اس مالک پن میں گوبر کی ماں کی جو درگت ہوئی وہ میں ہی جانتا ہوں ۔ بے چاری اپنی دیورانیوں کے پھٹے پرانے کپڑے پہن کر دن کاٹتی تھی ۔ خود بھوکی سو رہی ہوگی پر بہوؤں کے لیے جل پان تک کا دھیان رکھتی تھی ۔ اپنے تن پر گہنے کے نام کچا دھاگا نہ تھا پر دیورانیوں کے لیے چار چار گہنے بنوائے ۔ سونے کے نہ سہی چاندی کے تو ہیں ۔ ڈاہ یہی تھی کہ یہ مالک کیوں ہے ۔ بہت اچھا ہوا کہ الگ ہو گئے ۔ میرے سر سے بلا ٹلی ۔"

بھولا نے ایک لوٹا پانی چڑھا کر کہا "یہی حال گھر گھر کا ہے بھیا۔ بھائیوں کی بات ہی کیا ، یہاں تو لڑکوں سے بھی نہیں پٹتی اور پٹتی اس لیے نہیں کہ میں کسی کی کچال دیکھ کر منھ بند نہیں رکھ سکتا ۔ تم جوا کھیلو گے ، چرس پیو گے ، گانجے کی دم لگاؤ گے مگر آوے گا کس کے گھر سے ؟ کھرچ کرنا چاہتے ہو تو کماؤ پر کمائی تو کسی سے نہ ہوگی ، کھرچ دل کھول کر کریں گے۔ بڑا لڑکا کامتا سودا لے کر ہاٹ جائے گا تو آدھے پیسے گائب ! پوچھو تو کوئی جواب نہیں ، چھوٹا جنگی ہے وہ سنگیت کے پیچھے متوالا رہتا ہے ۔ سانجھ ہوئی اور ڈھول مجیرا لے کر بیٹھ گیا ، سنگیت کو میں برا نہیں کہتا۔ گانا بجانا عیب نہیں ، پر یہ سب کام پھرصت کے ہیں ۔ یہ نہیں کہ گھر کا کوئی کام نہ کرو ، آٹھوں پہر اسی دھن میں رہو ۔ جاتی ہے میرے سر ! چارہ پانی میں کروں ، گائے بھینس میں دوہوں ، دودھ لے کر ہاٹ میں جاؤں ، یہ گرستی کا جنجال ہے ۔ گڑ بھرا ہنسیا نہ اگلتے بنے نہ نگلتے بنے ! لڑکی ہے جھنیا وہ بھی نصیبے کی کھوٹی ۔ تم تو اس کی سگائی میں آئے تھے۔ کتنا اچھا گھر بر تھا ۔ اس کا آدمی بمبئی میں دودھ کی دکان کرتا تھا ۔ ان دنوں وہاں ہندو مسلمانوں میں دنگا ہوا تو کسی نے اس کے پیٹ میں چھرا بھونک دیا ۔ گھر ہی چوپٹ ہو گیا ۔ اب لڑکی کا وہاں نباہ نہ تھا ۔ جا کر لے آیا کہ دوسری سگائی کر دوں گا ، پر وہ مانتی نہیں اور دونوں بھاوجیں ہیں کہ رات دن اسے جلاتی رہتی ہیں ۔ گھر میں مہابھارت مچا رہتا ہے ۔ بیچاری بپتا کی ماری یہاں آئی تو یہاں بھی چین نہیں ۔"

ان ہی دکھڑوں میں راستہ کٹ گیا، بھولا کا گاؤں تھا تو چھوٹا مگر بہت گلزار ، زیادہ تر اہیر ہی بستے تھے اور کسانوں کے دیکھتے ان کی حالت بہت بری نہ تھی ۔ بھولا گاؤں کا

لکھیا تھا، دروازے پر بڑی سی چرنی تھی جس پر دس بارہ گائیں، بھینسیں کھڑی سانی کھا رہی تھیں، ادہر دالان میں ایک بڑا سا تخت پڑا تھا جو شاید دس آدمیوں سے بھی نہ اٹھتا۔ کسی کھونٹی پر ڈھول لٹک رہی تھی، کسی پر مجیرا تھا۔ ایک طاق پر کوئی کتاب بستے میں بندھی رکھی تھی جو شاید رامائن تھی۔ دونوں بہوئیں سامنے بیٹھی گوبر پاتھ رہی تھیں اور جھنیا چوکھٹ پر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور ناک کے سرے پر بھی سرخی تھی، معلوم ہوتا تھا ابھی رو کر اٹھی ہے۔ اس کے بھرے ہوئے تندرست اور سڈول اعضا میں گویا شباب انگڑیاں لے رہا تھا۔ چہرا بڑا اور گول تھا، گال پھولے ہوئے، آنکھیں چھوٹی اور اندر دھسنی ہوئیں، ماتھا تنگ، مگر سینے کا ابھار اور جسم کا گدگدا پن آنکھوں کو کھینچ لیتا تھا۔ اس پر چھپی ہوئی گلابی ساڑی اور بھی زینت بڑھا رہی تھی۔ بھولا کو دیکھتے ہی اس نے لپک کر ان کے سر سے کھانچا اتروایا۔ بھولا نے ہوری اور گوبر کے کھانچے اتروائے اور جھنیا سے بولے'' پہلے ایک چلم بھر لا اور تھوڑا سربت بنا لے، پانی نہ ہو تو کلسا لا، میں کھینچ لوں ہوری مہتو کو پہچانتی ہے نہ؟''

پھر ہوری سے بولا'' گھرنی بنا گھر نہیں رہتا، بھیا۔ پرانی کہاوت ہے۔ ناٹن کھیتی بہوویں گھر۔ ناٹے بیل کیا کھیتی کریں گے اور بہوویں کیا گھر سنبھالیں گی؟ جب سے اس کی ماں مری ہے جیسے گھر کی برکت ہی اٹھ گئی، بہوویں آٹا پاتھ لیتی ہیں پر گرستی چلانا کیا جانیں؟ ہاں منھ چلانا کھوب جانتی ہیں! لونڈے کہیں پھڑ پر جمے ہوں گے۔ سب کے سب آلسی ہیں، کام چور۔ جب تک جیتا ہوں ان کے پیچھے مرتا ہوں مرجاؤں گا تو آپ سر پر ہاتھ دھر کر روئیں گے۔ لڑکی بھی ویسی ہی ہے۔ تھوڑا سا کہنا بھی کرے گی تو بھنبھنا کر۔ میں تو سہ لیتا ہوں، مرد تھوڑے ہی سہے گا۔''

جھنیا ایک ہاتھ میں بھری ہوئی چلم، دوسرے میں شربت کا لوٹا لیے بڑی تیزی سے آپہنچی۔ پھر رسی اور کلسا لے کر پانی بھرنے چلی، گوبر نے اس کے ہاتھ سے کلسا لینے کے لیے ہاتھ بڑھا کر چھینتے ہوئے کہا'' تم رہنے دو، میں بھرے لاتا ہوں۔''

جھنیا نے کلسا نہ دیا، کنوئیں کی جگت پر جا کر مسکراتی ہوئی بولی۔'' تم ہمارے مہمان ہو، کہو گے کہ ایک لوٹا پانی بھی کسی نے نہ دیا۔''

'' مہمان کاہے سے ہوگیا، تمھارا پڑوسی ہی تو ہوں۔''

'' پڑوسی سال بھر میں ایک بار بھی صورت نہ دکھاوے تو مہمان ہی ہے۔''

''روج روج آنے سے تو مرجاد بھی نہیں رہتی ۔''

جھنیا ہنس کر ترچھی نگاہوں سے تاکتی ہوئی بولی'' وہی مرجاد تو دے رہی ہوں ! مہینے میں ایک بار آؤ گے تو ٹھنڈا پانی دوں گی، پندرھویں دن آؤ گے تو چلم پاؤ گے ، ساتویں دن آؤ گے تو بیٹھنے کو ماچی دوں گی ، روج روج آؤ گے تو کچھ نہ پاؤ گے ۔''

'' درسن تو دوگی ؟''

''درسن کے لیے پوجا کرنی پڑے گی ۔''

یہ کہتے کہتے جیسے اسے کوئی بھولی بات یاد آ گئی ، اس کا چہرا اداس ہو گیا ، وہ بدھوا ہے اس کے استری پن کی ڈیوڑھی پر پہلے اس کا شوہر محافظ بنا بیٹھا رہتا تھا اور وہ بے فکر تھی اب اس جگہ کوئی نگہبان نہ تھا اس لیے وہ دروازے کو سدا بند رکھتی تھی ۔ کبھی کبھی گھر کے سونے پن سے اکتا کر وہ دروازہ کھولتی ہے مگر کسی کو آتا دیکھ کر خوف سے دونوں کواڑ بند کر دیتی ہے ۔

گوبر نے کلسا بھر کر نکالا ، سب نے شربت پیا اور ایک چلم تمباکو پی کر لوٹ پڑے ۔ بھولا نے کہا '' کل تم آ کر گائے لے جانا گوبر ، اس سے تو سانی کھا رہی ہے ۔''

گوبر کی آنکھیں ایسی گائے پر لگی ہوئی تھیں اور وہ دل ہی دل میں مست ہوا جاتا تھا ۔ گائے اتنی اچھی اور سڈول ہے ، اس کا اسے شان وگمان بھی نہ تھا ۔

ہوری نے لالچ روک کر کہا '' منگوالوں گا ، جلدی کیا ہے ؟''

'' تمھیں جلدی نہ ہو، ہمیں تو جلدی ہے ۔ اسے دروازے پر دیکھ کر تمھیں وہ بات یاد رہے گی ۔''

'' اس کی مجھے بڑی پھکر ہے دادا۔''

'' تو کل گوبر کو بھیج دینا ۔''

دونوں نے اپنے اپنے کھانچے سر پر رکھے اور روانہ ہوئے ۔ دونوں اتنے خوش تھے گویا بیاہ کر کے لوٹے ہوں ۔ ہوری کو تو اپنی دیرینہ خواہش کے پوری ہونے کی خوشی تھی اور وہ بھی بلا پیسے کے ! گوبر کو اس سے بھی زیادہ قیمتی چیز مل گئی تھی اس کے دل میں بھی ایک سوئی تمنا جاگ اٹھی تھی ۔

موقع پا کر اس نے پیچھے کی طرف دیکھا ۔ جھنیا دروازے پر کھڑی تھی ۔ امید کی مستی میں بے صبر اور بے قرار !

۴

ہوری کو رات بھر نیند نہیں آئی نیم کے پیڑ تلے اپنی بانس کی چارپائی پر پڑا بار بار تاروں کی طرف دیکھتا تھا۔ گائے کے لیے ایک ناند گاڑنی ہے۔ اس کی ناند بیلوں سے الگ رہے تو اچھا ہو، ابھی تو رات کو باہر ہی رہے گی لیکن چوماسے میں اس کے لیے دوسری جگہ ٹھیک کرنا ہوگی۔ باہر لوگ نظر لگا دیتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسا ٹونا ٹوٹکا کر دیتے ہیں کہ گائے کا دودھ ہی سوکھ جاتا ہے۔ تھن میں ہاتھ ہی نہیں لگانے دیتی، لات مارتی ہے۔ نہیں، باہر باندھنا ٹھیک نہیں اور باہر ناند ہی کون گاڑنے دے گا؟ کارندہ صاحب نجر کے لیے منھ پھیلائیں گے، چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے رائے صاحب کے پاس پھریاد لے کر جانا تو ٹھیک نہیں۔ کارندے کے آگے میری سنتا ہی کون ہے؟ ان سے کچھ کہوں تو کارندہ بیری بن جائے، پانی میں رہ کر مگر سے بیر کرنا نادانی ہے۔ اندر ہی باندھوں گا۔ آنگن ہے تو چھوٹا مگر ایک جھوپڑی ڈال لینے سے کام چل جائے گا۔ ابھی پہلا ہی بیانا ہے۔ پانچ سیر سے کم دودھ نہ دے گی۔ سیر بھر تو گوبر ہی کو چاہیے۔ روپیا دودھ دیکھ کر کیسی للچاتی رہتی ہے، اب پیے جتنا چاہے! کبھی کبھی دو چار سیر مالکوں کو بھی دے آیا کروں گا۔ کارندہ صاحب کی پوجا بھی کرنی ہی ہوگی اور بھولا کے روپے بھی دے دینا چاہیے۔ سگائی کے ڈھکوسلے میں اسے کیوں ڈالوں؟ جو آدمی اپنے اوپر اتنا بسواس کرے اسے دھوکا دینا نیچوں کا کام ہے۔ اسّی روپے کی گائے میرے بسواس پر دے دی ہے، نہیں یہاں کوئی ایک پیسے کو نہیں پتیاتا۔ سَن میں کیا کچھ نہ ملے گا اگر پچیس روپے بھی دے دوں تو بھولا کو ڈھارس ہو جائے۔ دھنیا سے ناحق بتلا دیا، چپکے سے گائے لا کر باندھ دیتا تو چکرا جاتی۔ لگتی پوچھنے کس کی گائے ہے، کہاں سے لائے ہو؟ کھوب دک کر کے بتاتا، پر جب پیٹ میں بات پچے بھی۔ کبھی دو چار پیسے اوپر سے آجاتے ہیں انھیں بھی تو نہیں چھپا سکتا۔ اور یہ اچھا بھی ہے اسے گھر کی چنتا رہتی ہے اگر اسے معلوم ہو جائے کہ ان کے پاس بھی پیسے رہتے ہیں تو پھر نکھرے بھگارنے لگے، گوبر کچھ آلسی ہے، نہیں تو گئو کی ایسی سیوا کرتا جیسی چاہیے۔ آلسی والسی کچھ نہیں ہے، اس عمر میں کون آلسی نہیں

ہوتا؟ مین بھی دادا کے سامنے مٹر گشتی کیا کرتا تھا ، بیچارے پہر رات سے کربی کاٹنے لگتے ، کبھی دوارے پر جھاڑو لگاتے ،کبھی کھیت میں کھاد ڈالتے ،میں پڑا سوتا رہتا،کبھی جگا دیتے تو میں بگڑ جاتا اور گھر چھوڑ کر بھاگ جانے کی دھمکی دیتا ۔لڑکے جب اپنے ماں باپ کے سامنے بھی جندگی کا تھوڑا سا سکھ نہ پائیں تو پھر جب اپنے سر پر پڑ گئی تو کیا پائیں گے ؟ دادا کے مرتے ہی کیا میں نے گھر نہیں سنبھال لیا ؟ سارا گاؤں یہی کہتا تھا کہ ہوری گھر بگاڑ دے گا ، لیکن سر پر بوجھ پڑتے ہی میں نے ایسا چولا بدلا لوگ دیکھتے رہ گئے ۔ سوبھا اور ہیرا الگ ہی ہو گئے ،نہیں آج اس گھر کی اور بات ہوتی۔ تین ہل ایک ساتھ چلتے تھے ، اب تینوں الگ الگ چلتے ہیں۔سب سمے کا پھیر ہے ، دھنیا کا کیا دکھ تھا ؟ بے چاری جب سے گھر میں آئی ، کبھی تو چین سے نہ بیٹھی۔ ڈولی سے اترتے ہی سارا کام سر پر اٹھالیا۔ اماں کو پان کی طرح پھیرتی رہتی تھی ، جس نے گھر کے پیچھے اپنے کو مٹا دیا وہ اگر دیورانیوں سے کام کرنے کو کہتی تھی تو کیا برائی کرتی تھی ؟ آخر اسے بھی تو کچھ آرام ملنا چاہیے ، پھر بھاگ میں آرام لکھا ہوتا تب تو ملتا ۔تب دیوروں کے لیے مرتی تھی اب اپنے بچوں کے لیے مرتی ہے۔ وہ اتنی سیدھی، گم کھور، بے چھل کپٹ کی نہ ہوتی تو آج سوبھا اور ہیرا جو موچھوں پر تاؤ دیتے پھرتے ہیں ، کہیں بھیک مانگتے ہوتے ۔ آدمی کتنا مطلبی ہوتا ہے ! جس کے لیے مرو وہی بیری بن جاتا ہے۔ ہوری نے پھر پورب کی طرف دیکھا ۔ سایت سیرا ہو رہا ہے۔گوبر کاہے کو جاگنے لگا ؟ نہیں کہہ کے تو یہی سویا تھا کہ میں منھ اندھیرے ہی چلا جاؤں گا ، جاکر ناند تو گاڑ ہی دوں، پر نہیں ، جب تک گائے نہ آجائے ناند گاڑنا ٹھیک نہیں ۔ کہیں بھولا بدل گئے اور کسی کارن سے گائے نہ دی تو سارا گاؤں ہنسے گا کہ چلے تھے گائے لینے ! پٹھے نے اتنی پھرتی سے ناند گاڑ دی جیسے اسی کی کسر تھی ! بھولا ہے تو اپنے گھر کا مالک پر جب لڑکے سیانے ہو گئے تو باپ کی کہاں چلتی ہے ؟ کامتا اور جنگی اکڑ جائیں تو کیا بھولا اپنے من سے گائے دے دیں گے ؟ کبھی نہیں ۔

یکا یک گوبر چونک کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں ملتا ہوا بولا '' ارے یہ تو بھور ہو گیا ،تم نے ناند گاڑ دی دادا ۔''

ہوری گوبر کے گٹھے ہوئے بدن اور چوڑے سینے کی طرف غرور سے دیکھ کر اور دل میں یہ سوچتے ہوئے کہ اگر اسے کہیں دودھ گھی ملتا تو کیسا پٹھا ہوجاتا ، بولا'' نہیں ابھی نہیں گاڑی،

سوچا کہ کہیں نہ ملے تو ناحک بھد ہو۔''

گوبر نے تیوری چڑھا کر'' ملے گی کیوں نہیں ؟''

'' ان کے من میں کوئی چور بیٹھ جائے تو ؟''

'' چور بیٹھے یا ڈاکو ، گائے تو انھیں دینی ہی پڑے گی۔''

گوبر نے اور کچھ نہ کہا ، لاٹھی کندھے پر رکھی اور چل دیا۔ ہوری اسے جاتا ہوا دیکھ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرتا رہا۔ اب لڑکے کی سگائی میں دیر نہ کرنی چاہیے۔ سترھواں سال لگ گیا ، پر کریں کیسے ؟ کہیں پیسے کے بھی درشن ہوں ۔ جب سے تینوں بھائیوں میں الگاوا ہوگیا، گھر کی ساکھ جاتی رہی ۔ مہتو لڑکا دیکھنے آتے ہیں پر گھر کی دسا دیکھ کر منھ پھیکا کر کے چلے جاتے ہیں ۔ دو ایک راجی بھی ہوئے تو روپے مانگتے ہیں ، دو تین سو لڑکی کے دام چکائے اور اتنا ہی اوپر سے خرچ کرے تب جاکر بیاہ ہو ۔ کہاں سے ہو ؟ اور اب تو سونا بیاہنے لایک ہو گئی ہے۔ لڑکے کا بیاہ نہ ہوا نہ سہی ، لڑکی کا بیاہ نہ ہو تو ساری برادری میں ہنسی ہوگی ۔ پہلے تو اسی کی سگائی کرنی ہے ، پیچھے دیکھا جائے گا۔

ایک آدمی نے رام رام کیا اور پوچھا '' تمھارے کوٹھی میں کچھ بانس ہوں گے مہتو؟''

ہوری نے دیکھا ، دمڑی بانس والا سامنے کھڑا ہے ۔ ناٹا ، کالا ، خوب موٹا ، چوڑا منھ، بڑی بڑی مونچھیں ، سرخ سرخ آنکھیں ، کمر میں بانس کاٹنے کی کٹار کھونسے ہوئے ۔ سال میں ایک دو بار آ کر چقیں ، کرسیاں ، مونڈھے ، ٹوکریاں وغیرہ بنانے کے لیے کچھ بانس کاٹ لے جاتا تھا ۔

ہوری خوش ہوگیا۔ مٹھی گرم ہونے کی کچھ آس بندھی ۔ چودھری کو لے جاکر اپنی تینوں کوٹھیاں دکھائیں ، مول بھاؤ کیا ، اور پچیس روپے سیکڑے میں پچاس بانسوں کا بیعانہ لے لیا۔ پھر دونوں لوٹے ۔ ہوری نے اسے چلم پلائی ، ناشتہ کرایا ، اور تب رمز کے لہجے میں بولا ''میرے بانس کبھی تیس روپے سے کم نہیں جاتے ۔ مگر تم گھر کے آدمی ہو ، تم سے کیا بھاؤ تاؤ کرتا ؟ تمھارا وہ لڑکا جس کی سگائی ہوئی تھی ، ابھی پردیس سے لوٹا کہ نہیں ؟''

چودھری نے چلم کا دم لگا کر کھانستے ہوئے کہا '' اس لونڈے کے پیچھے تو مرمٹا مہتو۔ جوان عورت گھر میں بیٹھی تھی اور وہ برادری کی کسی دوسری عورت کے ساتھ پردیس میں موج کرنے چل دیا ۔ بہو بھی دوسرے کے ساتھ نکل گئی ۔ عورت کی بڑی بری جات ہے مہتو ، کسی

کی نہیں ہوتی ۔ کتنا سمجھایا کہ تو جو چاہے کھا ، میری ناک نہ کٹا ، پر کون سنتا ہے ؟ عورت کو بھگوان سب کچھ دے ، روپ نہ دے ، نہیں وہ کابو میں نہیں رہتی ۔ کوٹھیاں تو بنٹ گئی ہوں گی؟''

ہوری نے آسمان کی طرف دیکھا اور گویا اس کی وسیع فضا میں اُڑتا ہوا بولا ''سب کچھ بنٹ گیا ، چودھری ! جن کو لڑکوں کی طرح پالا پوسا وہ اب برابر کے حصے دار ہیں ۔ مگر بھائی کا حصہ کھانے کی نیت نہیں ہے ۔ ادھر تم سے روپے ملیں گے ادھر دونوں بھائیوں کو بانٹ دوں گا۔ چار دن کی جندگانی میں کیوں کسی سے چھل کپٹ کروں ؟ نہیں کہہ دوں کہ بیس روپے سیکڑے میں بیچے ہیں تو انھیں کیا پتہ چلے گا ؟ تم ان سے کہنے تھوڑے ہی جاؤ گے ؟ تمھیں تو میں نے برابر اپنا بھائی سمجھا ہے ۔''

برتاؤ میں ہم بھائی کے معنی کا کتنا ہی بیجا استعمال کریں لیکن اس کے تصور میں جو پاکیزگی ہے وہ ہماری سیاہ دلی سے کبھی آلودہ نہیں ہوسکتی ۔

ہوری نے در پردہ یہ تجویز پیش کرکے چودھری کے منھ کی طرف دیکھا کہ وہ منظور کرتا ہے یا نہیں ۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسا جھوٹا عاجزانہ انداز تھا جو بھیک مانگتے وقت موٹے بھکاریوں کے چہرے پر ظاہر ہوجاتا ہے ۔ چودھری نے ہوری کا آسن پاکر چابک جمایا '' ہمارا تمھارا پرانا بھائی چارہ ہے مہتو ، ایسی بات ہے بھلا ۔ پر بات یہ ہے کہ آدمی ایمان بیچتا ہے تو کسی لالچ سے ۔ بیس روپے نہیں میں پندرہ کہہ دوں گا مگر جو بیس روپے دام لو تو۔''

ہوری نے کھسیا کر کہا '' تم تو چودھری اندھیر کرتے ہو ، بیس روپے میں کہیں ایسے بانس ملتے ہیں ؟ ''

'' ایسے کیا ، اس سے اچھے بانس آتے ہیں دس روپے میں ، ہاں دس کوس اور پچھم چلے جاؤ۔ دام بانس کا نہیں ہے ، سہر کے پاس ہونے کا ہے ۔ آدمی سوچتا ہے کہ جتنی دیر وہاں جانے میں لگے گی اتنی دیر میں تو دو چار روپے کا کام ہو جائے گا ۔''

سودا پٹ گیا ۔ چودھری نے مرزئی اتار کر چھپر پر رکھ دی اور بانس کاٹنے لگا ۔

ایکھ کی سینچائی ہو رہی تھی ۔ ہیرا کی عورت کلیوا لے کر کنوئیں پر جارہی تھی ، چودھری کو بانس کاٹتے دیکھ کر گھونگھٹ کے اندر سے بولی '' کون بانس کاٹتا ہے یہاں ؟ بانس نہ کٹیں گے۔''

چودھری نے ہاتھ روک کر کہا '' بانس مول لیے ہیں ، پندرہ روپے سیکڑے کا بیعانہ ہوا ہے ، سینت میں نہیں کاٹ رہے ہیں ۔''

یہ عورت اپنے گھر کی مالکہ تھی ۔ اسی کی مخالفت سے بھائیوں میں علاحدگی ہوئی تھی۔ دھنیا کو شکست دے کر شیر ہو گئی تھی ۔ ہیرا کبھی کبھی اس کی مرمت کر دیتا تھا ۔ ابھی حال میں اتنا مارا تھا کہ وہ کئی دن تک کھاٹ سے اٹھ نہ سکی تھی ۔ لیکن وہ اپنے اختیارات سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھی ۔ ہیرا غصے میں اسے مارتا تھا مگر چلتا تھا اسی کے اشاروں پر ، اس گھوڑے کی طرح جو کبھی کبھی مالک کو لات مار کر بھی اسی کی سواری میں چلتا ہے ۔

کلیوا کی ٹوکری سر سے اتار کر بولی '' پندرہ روپے میں ہمارے بانس نہ جائیں گے۔''

چودھری عورت ذات سے اس بارے میں بات چیت کرنا خلاف مصلحت سمجھتے تھے، بولے '' جاکر اپنے آدمی کو بھیج دے ، جو کچھ کہنا ہو آکر کہیں ۔''

عورت کا نام پُنّی تھا ۔ بچے دو ہی ہوئے تھے لیکن بدن ڈھل گیا تھا ۔ بناؤ سنگھار کے ذریعہ وقت کے ہاتھوں ہونے والی بربادی کو چھپایا جاسکتا ہے مگر گرہستی میں کھانے ہی کا ٹھکانا نہ تھا ، سنگار کے لیے پیسے کہاں سے آتے ؟ اس مفلسی اور مجبوری نے اس کی فطرت کی تری کو جذب کر کے اسے سخت اور خشک بنا دیا تھا جس پر ایک دفعہ پھاوڑا بھی پڑ کر اچٹ جاتا۔

وہ قریب جاکر چودھری کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی '' آدمی کو کیوں بھیج دوں ؟ جو کچھ کہنا ہے مجھ سے کہو نا ! میں نے کہہ دیا کہ میرے بانس نہ کٹیں گے ۔''

چودھری ہاتھ چھڑاتا تھا اور پُنّی بار بار پکڑ لیتی تھی ۔ ایک منٹ تک یہی ہاتھا پائی ہوتی رہی ، آخر چودھری نے اسے زور سے ڈھکیل دیا ۔ پُنّی دھکّا کھا کر گر پڑی مگر پھر سنبھلی اور پاؤں سے تلّی نکال کر چودھری کے سر ،منھ ، پیٹھ پر اندھا دھند جمانے لگی ۔ بانس والا ہوکر اسے ڈھکیل دے ۔ اس کی یہ بے عزتی ! مارتی جاتی تھی اور روتی بھی جاتی تھی ۔ چودھری اسے دھکّا دے کر عورت سے طاقت آزمائی کر کے ٹھیس کھا چکا تھا ۔ بس کھڑے کھڑے مار کھانے کے سوا اس مصیبت سے بچنے کا اس کے پاس کوئی علاج نہ تھا۔پنّی کا رونا سن کر ہوری بھی دوڑا ہوا آیا ۔ پنّی نے اسے دیکھ کر اور زور سے چلانا شروع کیا ۔ ہوری نے سمجھا کہ چودھری نے پنیا کو مارا ہے ۔ خون نے جوش مارا اور وہ الگاوے کے اونچے بند کو توڑتا ہوا سب کچھ اپنے اندر سمیٹ لینے کے لیے باہر ابل پڑا ۔ چودھری کو زور سے ایک لات جما کر بولا '' اب اپنا بھلا چاہتے ہو تو چودھری یہاں سے چلے جاؤ ،نہیں تمھاری لہاس اٹھے گی ۔ تم نے اپنے کو سمجھا کیا ہے؟ تمھاری اتنی مجال کہ تم میری بہو پر ہاتھ اٹھاؤ !''

چودھری قسمیں کھا کھا کر اپنی صفائی دینے لگا ۔ تلیّوں کی چوٹ میں اس کا گنہگار دل خاموش تھا۔ یہ لات اسے بلا قصور ملی اوراس کے پھولے ہوئے گال آنسوؤں سے تر ہوگئے ۔ اس نے تو بہو کو چھوا بھی نہیں ، کیا وہ اتنا گنوار ہے کہ وہ مہتو کے گھر کی عورت پر ہاتھ اٹھائے گا ؟

ہوری نے بے اعتباری سے کہا '' آنکھوں میں دھول مت جھونکو! تم نے کچھ کہا نہیں تو بہو جھوٹ موٹ روتی ہے ؟ روپے کی گرمی ہے وہ نکال دی جائے گی ۔ الگ ہیں تو کیا ہوا ، ہے تو ایک کھون۔ کوئی ترچھی آنکھ سے دیکھے تو آنکھ نکال لیں ۔''

پنّی چنڈی بنی ہوئی تھی ، گلا پھاڑ کر بولی '' تو نے مجھے دھکّا دے کر گرا نہیں دیا؟ کھاجا اپنے بیٹے کی سوگند !''

ہیرا کو بھی خبر ملی کہ چودھری اور پنیا میں جنگ ہو رہی ۔ چودھری نے پنیا کو دھکّا دیا ، پنیا نے اسے تلیوں سے پیٹا ۔ اس نے پروہیں چھوڑا اور اوگی (بیلوں کی چابک) لیے واردات کے موقع پر چلا ۔ وہ گاؤں میں اپنے غصے کے لیے مشہور تھا ۔ چھوٹا قد ، گٹھا ہوا بدن، آنکھیں کوڑی کی طرح نکل آئی تھیں اور گلے کی رگیں تن گئی تھیں ۔ مگر اسے چودھری پر غصہ نہ تھا بلکہ غصہ تھا پنیا پر ۔ وہ کیوں چودھری سے لڑی ؟ کیوں اس کی عزت مٹی میں ملادی؟ بانس والے سے جھگڑنے سے اسے کیا مطلب ؟ اسے جاکر ہیرا سے کل ماجرا بیان کردینا چاہیے تھا ، وہ جیسا مناسب سمجھتا کرتا ۔ وہ اس سے لڑنے کیوں گئی ؟ اس کی چلتی تو وہ پنیا کو پردے میں رکھتا ۔ پنیا کسی بڑے سے منھ کھول کر باتیں کرے ، یہ اسے ناگوار تھا ۔ وہ خود جتنا گرم مزاج تھا پنیا کو اتنا ہی زیادہ ٹھنڈا رکھنا چاہتا تھا ۔ جب بھیاّ نے پندرہ روپے میں سودا کر لیا تو وہ بیچ میں کودنے والی کون تھی ؟

اس نے آتے ہی پنیا کا ہاتھ پکڑلیا اور گھسیٹتا ہوا الگ لے جاکر لگا لاتیں مارنے ''حرا مجادی ! تو ہماری ناک کٹانے پر لگی ہوئی ہے ۔ تو چھوٹے چھوٹے آدمیوں سے لڑتی پھرتی ہے۔ کس کی پگڑی نیچے ہوتی ہے بتا ! (ایک لات اور جما کر) ہم تو وہاں کلیوا کی باٹ جوہ رہے ہیں تو یہاں لڑائی ٹھانے بیٹھی ہے ۔ اتنی بے حیائی ! آنکھ کا پانی ایسا گر گیا ! کھود کر گاڑ دوں گا ۔''

پنّی ہائے ہائے کرتی جاتی تھی ۔'' تیری مٹی اٹھے ، تجھے مرگی آوے ، دیبی میاّ تجھے لیل جائیں ، بھگوان کرے تو کوڑھی ہو جائے ۔ ہاتھ پاؤں کٹ کر گریں ۔''

اور گالیاں تو ہیرا کھڑا کھڑا سنتا رہا لیکن یہ پچھلی گالی اسے لگ گئی ۔ ہیضہ وغیرہ میں کوئی خاص تکلیف نہ تھی ، ادھر بیمار پڑے ادھر چل دیے مگر کوڑھ ! یہ گھن کی موت اور اس سے بھی گھن کی زندگی ! وہ تلملا اٹھا ' دانت پیستا ہوا پھر پنیا پر جھپٹا اور بال پکڑ کر اس کا سر زمین پر رگڑتا ہوا بولا '' ہاتھ پاؤں کٹ کر گر جائیں گے تو میں تجھے لے کر چاٹوں گا ؟ تو ہی میرے بال بچوں کو پالے گی ؟ ایں ، تو ہی اتنی بڑی گرستی چلائے گی ؟ تو تو دوسرا بھتار کر کے کنارے کھڑی ہو جائے گی ۔''

چودھری کو پنیا کی اس درگت پر رحم آگیا ۔ ہیرا کو سمجھانے لگا '' ہیرا مہتو اب جانے دو ، بہت ہوا۔ کیا ہوا بہو نے مجھے مارا میں تو چھوٹا نہیں ہوگیا ۔ دھنیہ بھاگ ! کہ بھگوان نے یہ دن تو دکھایا ۔''

ہیرا نے چودھری کو ڈانٹا '' تم چپ رہو چودھری ، میرے گُسّے میں پڑ جاؤ گے تو برا ہوگا۔ عورت جات اسی طرح بہکتی ہے ۔ آج کو تم سے لڑ گئی ہے ، کل کو دوسروں سے لڑ جائے گی۔ تم بھلے مانس ہو ، ہنس کر ٹال گئے ، دوسرا تو برداس نہ کرے گا ۔ کہیں اس نے بھی ہاتھ چلا دیے تو کتنی آبرو رہ جائے گی ، بتاؤ!''

اس خیال نے اس کے غصے کو پھر بھڑ کایا ۔ لپکا ہی تھا کہ ہوری نے دوڑ کر پکڑ لیا اور اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے بولا '' ارے تو ہوگیا ، دیکھ تو لیا دنیا نے کہ تم بڑے بہادر ہو ، اب کیا اسے پیس کر پی جاؤ گے ؟''

ہیرا اب بھی بڑے بھائی کا ادب کرتا تھا ۔ براہ راست نہ لڑتا تھا ۔ چاہتا تو ایک جھٹکے میں اپنا ہاتھ چھڑا لیتا مگر اتنی بے ادبی نہ کر سکا ۔ چودھری کی طرف دیکھ کر بولا '' اب کیا کھڑے تاکتے ہو؟ جاکر اپنے بانس کاٹو ! میں نے سہی کردی پندرہ روپے سیکڑے میں طے ہے ۔''

کہاں تو پنّی بیٹھی رو رہی تھی اور کہاں جھمک کر اٹھی اور اپنا سر پیٹ کر بولی ''لگادے گھر میں آگ، نگوڑے! مجھے کیا کرنا ہے ؟ بھاگ پھوٹ گیا کہ تجھ جیسے کسائی کے پالے پڑی۔ لگادے گھر میں آگ !''

اس نے کلیوا کی ٹوکری وہیں چھوڑ دی اور گھر کی طرف چلی ۔ ہیرا گرجا '' وہاں کہاں جاتی ہے چڑیل ؟ چل کنوئیں پر نہیں تو کھون پی لوں گا ۔''

پنیا کے پیر تھم گئے ۔ وہ اس ناٹک کا دوسرا کھیل نہ کھیلنا چاہتی تھی ، چپکے سے ٹوکری

اٹھائی اور روتے ہوئے کنوئیں کی طرف چلی۔ ہیرا بھی پیچھے پیچھے چلا۔

ہوری نے کہا" اب پھر مار پیٹ نہ کرنا، اس سے عورت بے سرم ہوجاتی ہے۔"

دھنیا نے دروازے پر آکر بانگ لگائی" تم وہاں کھڑے کھڑے کیا تماسا دیکھ رہے ہو؟ کوئی تمھاری سنتا بھی ہے کہ یوں ہی تیچھا دے رہے ہو؟ اس دن اسی بہو نے تمھیں گھونگھٹ کی آڑ سے داڑھی جارکہی تھی، بھول گئے؟ بہُریا ہوکر پرائے مردوں سے لڑے گی تو ڈانٹی نہ جائے گی؟"

ہوری دروازے پر آکر نٹ کھٹ پن کے ساتھ بولا" اور جو میں اسی طرح تجھے ماروں، تو؟"

"کیا کبھی مارا نہیں جو مارنے کی سادھ بنی ہوئی ہے؟"

"اتنی بے دردی سے مارتا تو تو گھر چھوڑکر بھاگ جاتی۔پنیا بڑی گم کھور ہے۔"

"اوہو ایسے ہی بڑے درد والے ہوتم! ابھی تک مار کا داگ بنا ہوا ہے۔ ہیرا مارتا ہے تو دلارتا بھی ہے، تم نے تو مارنا ہی سیکھا ہے، دلار کرنا سیکھا ہی نہیں۔ میں ہی ایسی ہوں کہ تمھارے ساتھ نباہ ہوا۔"

"اچھا رہنے دے، بہت اپنا بکھان نہ کر! تو ہی روٹھ روٹھ کر میکے بھاگتی تھی، جب مہینوں منوتی کرتا تھا تب کہیں جاکر آتی تھی۔"

"جب اپنی گرج ستاتی تھی تب منانے جاتے تھے، لالا، میرے دلار سے نہیں جاتے تھے۔"

"اسی سے تو میں سب سے تیرا بکھان کرتا ہوں۔"

ازدواجی زندگی کی صبح میں تمنا اپنے گلابی نشے کے ساتھ طلوع ہوتی ہے اور دل کے آسمان کو پورے طور پر اپنی سنہری کرنوں سے رنگ دیتی ہے۔ پھر دوپہر کی تیز تپش کا وقت آتا ہے، دم بدم بگولے اٹھتے ہیں اور زمین کانپنے لگتی ہے۔تمنا کا سنہرا پردہ ہٹ جاتا ہے اور اصلیت اپنی عریانی میں آگے آکھڑی ہوتی ہے۔اس کے بعد آرام دہ شام آتی ہے۔ سرد اور سکون افزا، جب ہم تھکے ہوئے مسافروں کی طرح دن بھر کی مسافت کا حال کہتے اور سنتے ہیں، بے غرضانہ انداز سے، گویا ہم کسی اونچی چوٹی پر جا بیٹھے ہیں جہاں نیچے کا شور وغل ہم تک نہیں پہنچتا۔

دھنیا نے تنک کر کہا" چلو چلو، بڑے بکھان کرنے والے! جرا سا کوئی کام بگڑ جائے

تو گردن پر سوار ہو جاتے ہو۔"

ہوری نے میٹھے اولہنے کے ساتھ کہا " لے اب یہی تیرا انیائے مجھے اچھا نہیں لگتا ، دھنیا بھولا سے پوچھ کہ میں نے اس سے تیرے بارے میں کیا کہا تھا۔"

دھنیا نے بات بدل کر کہا " دیکھو گوبر گائے لے کر آتا ہے یا کھالی ہاتھ۔"

" بھولا اچھا آدمی ہے ، پھر لڑکے بڑے کپوت ہیں ۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں سبوں نے گول مال نہ کردیا ہو۔"

چودھری پسینے میں ڈوبا ہوا آکر بولا " مہتو چل کر بانس گن لو ۔ کل ٹھیلا لا کر اٹھا لے جاؤں گا۔"

ہوری نے بانس گننے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی ۔چودھری ایسا آدمی نہیں ہے ، پھر ایک آدھ بانس اور کاٹ ہی لے گا تو کیا ؟ روج ہی تو منگنی میں بانس کٹتے رہتے ہیں ۔ بیاہوں میں تو مانڈ بنانے کے لیے لوگ بیسیوں بانس کاٹ لے جاتے ہیں۔"

چودھری نے ساڑھے سات روپے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے ۔ ہوری نے گن کر کہا " اور نکالو حساب سے ڈھائی اور ہوتے ہیں۔"

چودھری نے رکھائی سے کہا " پندرہ روپے میں طے ہوئے ہیں کہ نہیں ؟"

" پندرہ روپے میں نہیں بیس روپے میں۔"

" ہیرا مہتو نے تمھارے سامنے پندرہ روپے کہے تھے کہو تو بلا لاؤں۔"

" طے تو بیس ہی روپے میں ہوئے تھے چودھری اب تمھاری جیت ہے ، جو چاہو کہو ڈھائی روپے ہوتے ہیں ،تم دو ہی دے دو۔"

مگر چودھری کچی گولیاں نہ کھیلا تھا ۔ اب اسے کس کا ڈر؟ ہوری کے منھ میں تو تالا پڑا ہوا تھا ۔ کیا کہے ، ماتھے ٹھونک کر رہ گیا بس اتنا بولا" یہ اچھی بات نہیں ہے چودھری ، دو روپے دبا کر راجا نہ ہو جاؤ گے۔"

چودھری تند لہجے میں بولا:" اور کیا تم بھائیوں کے تھوڑے سے پیسے دبا کر راجا ہو جاؤ گے ؟ ڈھائی روپے پر ایمان بگاڑ رہے تھے ، اس پر مجھے اپدیش دینے چلے ہو۔ ابھی پردہ کھول دوں تو سر نیچا ہو جائے۔"

ہوری پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا ۔ چودھری تو روپے سامنے زمین پر رکھ کر چلتا بنا مگر وہ

نیم کے نیچے بیٹھا بڑی دیر تک پچھتاتا رہا۔ وہ کتنا لالچی اور مطلبی ہے، اس کا اسے آج پتہ چلا۔ چودھری نے ڈھائی روپے دے دیے ہوتے تو اسے کتنی خوشی ہوتی۔ اپنی چالاکی کو سراہتا کہ بیٹھے بٹھائے ڈھائی روپے مل گئے۔ ٹھوکر کھا کر ہی تو ہم ہوشیاری کے ساتھ قدم اٹھانا سیکھتے ہیں۔

دھنیا اندر چلی گئی، باہر آئی تو روپے زمین پر پڑے دیکھے۔ گن کر بولی "اور روپے کیا ہوئے؟ دس نہ چاہیے؟"

ہوری نے لمبا منھ بنا کر کہا۔ "ہیرا نے پندرہ روپے میں دے دیے تو میں کیا کرتا؟"

"ہیرا پانچ روپے میں دے دے، ہم نہیں دیتے ان داموں۔"

"وہاں مار پیٹ ہو رہی تھی، بیچ میں کیا بولتا؟"

ہوری نے اپنی ہار اپنے دل ہی میں رکھ لی، جیسے کوئی چوری سے آم توڑنے کے لیے پیڑ پر چڑھے اور گر پڑنے پر دھول جھاڑتا اٹھ کھڑا ہو کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ جیت کر آپ اپنی دغابازیوں کی ڈینگ مار سکتے ہیں، جیت میں سب کچھ معاف ہے، مگر ہار کی شرم تو پی جانے ہی کی چیز ہے۔

دھنیا شوہر کو طعنے دینے لگی۔ ایسے مبارک موقع اسے بہت کم ملتے تھے۔ ہوری اس سے چالاک تھا مگر آج بازی دھنیا کے ہاتھ تھی۔ ہاتھ مٹکا کر بولی "کیوں نہ ہو بھائی نے پندرہ روپے کہہ دیے تو تم کیسے ٹوکتے؟ ارے رام رام! لاڈلے بھائی کا دل چھوٹا ہو جاتا کہ نہیں۔ پھر جب اتنا بڑا انرتھ ہو رہا تھا کہ لاڈلی بہو کے گلے پر چھری چل رہی تھی تو تم بھلا کیسے بولتے؟ اس بکھت (وقت) کوئی تمھارا سب کچھ لوٹ لیتا تو بھی تمھیں سدھ نہ ہوتی۔"

ہوری چپ چاپ سنتا رہا جھنجھلاہٹ ہوئی، غصہ آیا خون کھولا، آنکھیں جلیں، دانت پیسے، مگر کچھ بولا نہیں۔ چپکے سے کدال لی اور کھیت گوڑنے چلا۔

دھنیا نے کدال چھین کر کہا "کیا ابھی سیرا ہے کیا، جو اوکھ گوڑنے چلے؟ سورج دیوتا سر پر آ گئے، نہانے دھونے جاؤ، روٹی تیار ہے۔" ہوری نے بھنبھنا کر کہا "مجھے بھوک نہیں ہے۔"

دھنیا نے جلے پر نمک چھڑکا "ہاں کاہے کو بھوک لگے گی؟ بھائی نے بڑے بڑے لڈّو کھلا دیے ہیں نا! بھگوان ایسے سپوت بھائی سب کو دیں۔"

ہوری بگڑا "تو آج مار کھانے پر لگی ہوئی ہے۔"

دھنیا نے نقلی عاجزی دکھاتے ہوئے کہا "کیا کروں، تم دلار ہی اتنا کرتے ہو کہ میرا

سر پھر گیا ہے۔''

'' تو گھر میں رہنے دے گی کہ نہیں ؟''

'' گھر تمھارا ، مالک تم ، میں بھلا کون ہوتی ہوں تمھیں گھر سے نکالنے والی ؟''

ہوری آج دھنیا سے کسی طرح پیش نہیں پا سکتا ، اس کی عقل جیسے کند ہو گئی ہے ۔ ان طنز کے تیروں کو روکنے کے لیے اس کے پاس کوئی ڈھال نہیں ہے ۔ آہستہ سے کدال رکھ دی اور انگوچھا لے کر نہانے چلا گیا ، لوٹا کوئی آدھے گھنٹے میں ، مگر گوبر ابھی تک نہ آیا تھا ، اکیلے کیسے کھانا کھائے ؟ لونڈا وہاں جا کر سو رہا ۔ بھولا کی وہ چنچل چھوکری نہیں ہے جھنیا ، اسی کے ساتھ ہنسی دل لگی کر رہا ہوگا ۔ کل بھی تو اس کے پیچھے لگا ہوا تھا ۔ نہیں گائے دی تو لوٹ کیوں نہ آیا ؟ کیا وہاں دھرنا دے گا ؟

دھنیا نے کہا'' اب کھڑے کیا ہو؟ گوبر سانجھ کو آوے گا ۔''

ہوری نے اور کچھ نہ کہا کہ کہیں دھنیا پھر نہ کچھ کہہ بیٹھے ۔ کھانا کھا کر نیم کے سایہ میں سو رہا ۔ روپا روتی ہوئی آئی ۔ ننگے بدن ، ایک لنگوٹی لگائے ؟ جھبرے بال ادھر ادھر بکھرے ہوئے ، ہوری کے سینے پر لوٹ گئی ۔ اس کی بڑی بہن سونا کہتی ہے'' گائے آئے گی تو اس کا گوبر میں پاتھوں گی ۔'' روپا یہ نہیں برداشت کر سکتی ۔ سونا ایسی کہاں کی بڑی رانی ہے کہ سارا گوبر آپ پاتھ ڈالے ؟ روپا اس سے کس بات میں کم ہے ؟ سونا روٹی پکاتی ہے تو کیا روپا برتن نہیں مانجھتی ؟ سونا پانی لاتی ہے تو کیا روپا کنوئیں پر رسی نہیں لے جاتی ؟ سونا تو کلسا بھر کر اٹھلاتی چلی آتی ہے ، رسی سمیٹ کر روپا ہی لاتی ہے ۔ گوبر دونوں ساتھ پاتھتی ہیں ۔ سونا کھیت گوڑنے جاتی ہے تو کیا روپا بکری چرانے نہیں جاتی ، پھر سونا اکیلے گوبر کیوں پاتھے گی ؟ یہ انیائے روپا کیسے سہے ؟

ہوری نے اس کے بھولے پن پر ریجھ کر کہا'' نہیں گائے کا گوبر تو پاتھنا ، سونا گائے کے پاس جائے تو بھگا دینا ۔''

روپا نے باپ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا'' دودھ بھی میں ہی دوہوں گی ۔''

'' ہاں ہاں تو نہ دوہے گی تو کون دوہے گا ؟''

'' وہ میری گائے ہوگی ۔''

'' ہاں سولہوں آنے تیری !''

روپا خوش ہو کر اپنی جیت کا مبارک ماجرا ہاری ہوئی سونا کو سنانے چلی گئی۔ ''گائے میری ہوگی۔ اس کا دودھ میں دوہوں گی ، اس کا گوبر میں پاتھوں گی ، تجھے کچھ نہ ملے گا۔''

سونا سن میں نوعمر، جسم میں جوان اور عقل میں بچی تھی ، گویا اس کا شباب اسے آگے کھینچتا تھا اور طفلی پیچھے لے جاتی تھی ۔ کچھ باتوں میں اتنی ہوشیار کہ نوجوان گریجویٹ عورتوں کو پڑھائے ۔ اور کچھ باتوں میں اتنی الہڑ کہ بچوں سے بھی پیچھے ۔ لمبا ، روکھا مگر خوش چہرہ ، ٹھڈی نیچے کو کھینچی ہوئی ، آنکھوں میں ایک قسم کی آسودگی ، نہ بالوں میں تیل ، نہ آنکھوں میں کاجل ، نہ بدن میں کوئی گہنا ، جیسے گرہستی کے بوجھ نے شباب کو دبا کر بونا بنا دیا ہو ۔ سر کو ایک جھٹکا دے کر بولی '' جا تو گوبر پاتھ ، جب تو دودھ دوہ کر رکھے گی تو میں پی جاؤں گی ۔''

'' میں دودھ کی ہانڈی تالے میں بند کرکے رکھوں گی ۔''

'' میں تالا توڑ کر دودھ نکال لوں گی۔''

یہ کہتی ہوئی وہ باغ کی طرف چل دی ۔ آم گدرا گئے تھے ۔ ہوا کے جھونکوں سے ایک آدھ زمین پر گر پڑتے تھے ۔ لو کے مارے ہوئے پچکے اور پیلے۔ لیکن بچے ٹپکا سمجھ کر باغ میں منڈ لایا کرتے تھے۔ روپا بھی بہن کے پیچھے ہولی ۔ جو کام سونا کرے وہ روپا ضرور کرے گی ۔ سونا کے بیاہ کی بات چیت ہو رہی تھی ، روپا کے بیاہ کا کوئی چرچا نہیں کرتا ، اس لیے وہ خود اپنے بیاہ کے لیے ضد کرتی ہے اس کا دولھا کیسا ہوگا اور وہ کیا کیا لائے گا ، اسے کیسے رکھے گا ، اسے کیا کھلائے گا، کیا پہنائے گا ، اس کا وہ بڑا مفصل بیان کرتی جسے سن کر شاید کوئی لڑکا اس سے بیاہ کرنے پر راضی نہ ہوتا ۔

شام ہو رہی تھی ۔ ہوری ایسا السایا کہ گوڑنے نہ جا سکا ۔ بیلوں کو ناند میں لگایا ۔ بھوسہ کھلی دی اور ایک چلم بھر کر پینے لگا ۔ اس فصل میں سب کچھ کھلیان میں تول دینے پر بھی ابھی اس پر کوئی تین سو کا قرض تھا جس پر کوئی سو روپے سود کے بڑھتے جاتے تھے ۔ منگرو شاہ سے آج پانچ برس ہوئے کہ بیل کے لیے ساٹھ روپے لیے تھے ۔ پورے ساٹھ دے چکا تھا مگر ساٹھ کے ساٹھ بنے ہوئے تھے ۔ داتا دین پنڈت سے تیس روپے لے کر آلو بوئے تھے ، آلو تو چور کھود لے گئے اور اس تیس کے ان تین برسوں میں سو ہو گئے تھے ۔ دولاری بیوہ سٹھانی جو گاؤں میں نمک، تیل ، تمباکو کی دوکان رکھے ہوئے تھی ۔ بٹوارے کے وقت اس سے چالیس روپے لے کر بھائیوں کو دینے پڑے تھے ۔ اس کے بھی تقریباً سو روپے ہو گئے

تھے کیونکہ ایک آنہ فی روپیہ سود تھا۔ لگان ہی کہ ابھی پچیس روپے باقی پڑے ہوئے تھے اور دسہرا کے دن شگون کے روپیوں کا بھی کوئی بندوبست کرنا تھا۔ بانسوں کے روپے بڑے موقع سے مل گئے۔ شگون کا مسئلہ حل ہو جائے گا، لیکن کون جانے؟ یہاں تو ایک دھیلا بھی ہاتھ میں آجائے تو گاؤں میں شور مچ جاتا ہے اور لینے والے چاروں طرف سے نوچنے لگتے ہیں۔ یہ پانچ روپے تو وہ شگون میں دے گا، چاہے کچھ ہو جائے۔ مگر ابھی زندگی کے بڑے بڑے کام تو سر پر سوار ہیں، گوبر اور سونا کا بیاہ، بہت ہاتھ روکنے پر بھی تین سو سے کم نہ اٹھیں گے۔ یہ تین سو کس کے گھر سے آئیں گے؟ کتنا چاہتا ہے کہ کسی سے ایک پیسہ ادھار نہ لے اور جس کا آتا ہے اس کی پائی پائی چکا دے مگر ہر طرح کی تکلیف اٹھانے پر بھی گلا نہیں چھوٹتا۔ اسی طرح سود بڑھتا جائے گا اور ایک دن اس کا سب گھر بار نیلام ہوجائے گا، تو اس کے بال بچے بے سہارا ہو کر بھیک مانگتے پھریں گے۔ ہوری جب کام دھندے سے چھٹی پاکر چلم پینے لگتا تھا تو یہ فکر ایک سیاہ دیوار کی طرح اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی تھی جس میں سے نکل جانے کی اسے کوئی راہ نہ سوجھتی تھی۔ اگر دھیرج تھا تو یہی کہ یہ بپتا تنہا اس کے سر نہ تھی، بلکہ عموماً سبھی کسانوں کا یہی حال تھا۔ بہتوں کی حالت تو اس سے بھی بدتر تھی۔ سوبھا اور ہیرا کو جدا ہوئے ابھی کل تین سال ہوئے تھے مگر دونوں پر چار چار سو کا بار ہو گیا تھا۔ جھینگر دو ہل کی کھیتی کرتا ہے، اس پر ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔ جیاون مہتو کے گھر بھکاری بھیک بھی نہیں پاتا مگر قرضے کا کوئی ٹھکانہ نہیں یہاں بچا کون ہے؟

یکا یک سونا اور روپا دونوں دوڑی ہوئی آئیں اور ایک ساتھ بولیں "بھیا گائے لا رہے ہیں آگے آگے گائے ہے پیچھے پیچھے بھیا ہیں۔"

پہلے روپا نے گوبر کو آتے دیکھا تھا۔ یہ خبر سنانے کی سرخروئی اسے ملنی چاہیے تھی۔ سونا برابر کے ساجھے دار ہوئی جاتی ہے۔ یہ اس سے کیسے سہا جاتا؟

اس نے آگے بڑھ کر کہا "پہلے میں نے دیکھا تھا تبھی دوڑی۔ بہن نے تو پیچھے سے دیکھا۔

سونا اس دعویٰ کو تسلیم نہ کرسکی بولی "تو نے بھیا کو کہاں پہچانا؟ تو تو کہتی تھی کہ کوئی گائے بھاگی آرہی ہے۔ میں نے ہی کہا تھا کہ بھیا ہیں۔"

دونوں پھر باغ کی طرف دوڑیں، گائے کا خیر مقدم کرنے کے لیے۔ دھنیا اور ہوری دونوں گائے باندھنے کی تدبیر کرنے لگے۔ ہوری بولا "چلو جلدی سے ناند گاڑ دیں۔"

دھنیا کے چہرے پر شباب چمک اٹھا تھا ، بولی نہیں ، پہلے تھالی میں تھوڑا آٹا اور گڑ گھول کر رکھ دیں ۔ بیچاری دھوپ میں چلی ہو گی ، پیاسی ہوگی ۔ تم جاکر ناند گاڑو ، میں گھولتی ہوں۔''

'' کہیں ایک گھنٹی پڑی تھی ، اسے ڈھونڈ لے ۔ گائے کے گلے میں باندھیں گے۔''

'' سونا کہاں گئی ؟ سیٹھانی کی دوکان سے تھوڑا کالا ڈورا منگوالو، گائے کو ڈیٹھ بہت لگتی ہے۔''

'' آج میرے من کی بڑی بھاری سادھ پوری ہوگئی ۔''

دھنیا اپنی دلی مسرت کو دل ہی میں رکھنا چاہتی تھی ۔ اتنی بڑی نعمت اپنے ساتھ کوئی زحمت نہ لائے ، اس اندیشہ سے اس کا دل کانپ رہا تھا ۔ آسمان کی طرف تاک کر بولی '' گائے کے آنے کا آنند تو جب ہے کہ اس کا پورا قدم بھی اچھا ہو۔ بھگوان کے من کی بات ہے ۔''

گویا وہ بھگوان کو بھی دھوکا دینا چاہتی تھی ۔ بھگوان کو بھی دکھانا چاہتی تھی کہ اس گائے کے آنے سے اسے اتنی خوشی نہیں ہوئی کہ حسدی بھگوان سکھ کا پلڑا اونچا کرنے کے لیے کوئی نئی بپتا بھیج دیں ۔

وہ ابھی آٹا گھول رہی تھی کہ گوبر گائے کو لیے بچوں کے ایک جلوس کے ساتھ دروازے پر آپہنچا ۔ ہوری دوڑ کر گائے کے گلے میں لپٹ گیا ۔ دھنیا نے آٹا چھوڑ دیا اور جلدی سے ایک پرانی ساڑی کا کالا کنارا پھاڑ کر گائے کے گلے میں باندھ دیا ۔

ہوری بھگتی بھری نگاہوں سے گائے کو دیکھ رہا تھا جیسے ساچھات (مجسم) دیوی جی نے گھر میں قدم رکھا ہو ۔ آج بھگوان نے یہ دن دکھایا کہ اس کا گھر گئو ماتا کے چرنوں سے پوتر ہوگیا ۔ ایسے اچھے بھاگ ! نہ جانے کس کے پن کے پھل ہیں ؟

دھنیا نے گھبرا کر کہا '' کھڑے کیا ہو آنگن میں ناند گاڑدو ۔''

'' آنگن میں جگہ کہاں ہے ؟''

'' بہت جگہ ہے ۔''

'' میں تو باہر ہی گاڑتا ہوں ۔''

'' پاگل نہ بنو ۔ گاؤں کا حال جان کر بھی انجان بنتے ہو۔''

'' جو بات نہیں جانتے اس میں ٹانگ نہ اڑایا کرو دنیا بھر کی بدیا تم ہی نہیں پڑھے ہو۔''

ہوری سچ مچ آپے میں نہ تھا ۔ گائے اس کے لیے صرف بھگتی کی چیز نہ تھی بلکہ زندہ دولت تھی ۔ وہ اس سے اپنے دروازے کی رونق اور عزت بڑھانا چاہتا تھا ۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگ گائے کو دروازے پر بندھی دیکھ کر پوچھیں کہ یہ کس کا گھر ہے ؟ لوگ کہیں ، ہوری مہتو کا۔ جبھی لڑکی والوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا ؟ دھنیا اس کے خلاف خوف کھارہی تھی ۔ وہ گائے کو سات پردوں کے اندر چھپا کر رکھنا چاہتی تھی ۔ اگر گائے آٹھوں پہر کوٹھری میں رہ سکتی تو وہ شاید اسے باہر نہ نکلنے دیتی ۔ یوں تو ہر بات میں ہوری کی جیت ہوتی تھی ۔ وہ اپنی بات پر اڑ جاتا تھا اور دھنیا کو دب جانا پڑتا تھا مگر آج دھنیا کے سامنے ہوری کی ایک نہ چلی۔ دھنیا لڑنے پر تُل گئی ۔ گوبر ، سونا اور روپا غرضیکہ کے سارا گھر ہوری کی طرف تھا مگر دھنیا نے تنہا سب کو شکست دی۔ آج اس میں ایک عجیب خود اعتمادی اور ہوری میں ایک عجیب انکسار کا ظہور ہوگیا تھا ۔

مگر تماشا کیسے رک سکتا تھا ؟ گائے ڈولی میں بیٹھ کر تو آئی نہ تھی ، یہ کیسے ممکن تھا کہ گاؤں میں اتنی بڑی بات ہو جائے اور میلا نہ لگے ۔ جس نے سنا سب کام کاج چھوڑ کر دیکھنے دوڑا ۔ وہ معمولی دیسی گائے نہیں ہے ، بھولا کے گھر سے اسی روپے میں آئی ہے ۔ ہوری اسی روپے تو کیا دیں گے ؟ پچاس ساٹھ روپے میں لائے ہوں گے ۔ گاؤں کی تاریخ میں پچاس ساٹھ روپیوں کی گائے کا آنا بھی انہونی بات تھی ۔ بیل تو پچاس کے بھی آئے ، سو کے بھی آئے ، مگر گائے کے لیے اتنی بڑی رقم کسان کیا کھا کر خرچ کرے گا ؟ یہ تو گوالوں ہی کا کلیجہ ہے کہ اُنجلیوں روپے گن آتے ہیں ۔ گائے کیا ہے مجسم دیوی کا روپ ہے ۔ تماشائیوں اور نقادوں کا تانتا لگا ہوا تھا اور ہوری دوڑ دوڑ کر سب کی آؤ بھگت کر رہا تھا ۔ اتنا منکسر مزاج، اتنا خوش وہ کبھی نہ تھا ۔

ستر سال کے بوڑھے پنڈت داتا دین لاٹھی ٹیکتے ہوئے آئے اور پوپلے منھ سے بولے ” کہاں ہو ہوری ؟ تنک ہم بھی تمھاری گائے دیکھ لیں ۔ سنا بڑی سندر ہے ۔“

ہوری نے دوڑ کر پالاگن کیا اور دل میں متکبرانہ اور مسرت کے مزے لیتا ہوا بری خاطر سے پنڈت جی کو صحن میں لے گیا ۔ پنڈت نے گائے کو اپنی پرانی اور تجربے کار نگاہوں سے دیکھا ، سینگیں دیکھیں ، تھن دیکھا ، پٹھے دیکھے اور گھنی ، اجلی بھوؤں کے نیچے چھپی ہوئی آنکھوں میں جوانی کی امنگ لے کر بولے ” کوئی دوکھ نہیں ہے بیٹا ، بال بھونری سب ٹھیک!

بھگوان چاہیں گے تو تمھارے بھاگ کھل جائیں گے ایسے اچھے لچھن ہیں کہ واہ ! بس راتب نہ کم ہونے پاوے ۔ ایک بچھڑا سو سو کا ہوگا۔"

ہوری نے خوشی کے سمندر میں ڈبکیاں لگاتے ہوئے" سب آپ کا آسیر باد ہے دادا ۔"

داتادین نے سُرتی کے پیک تھوکتے ہوئے کہا" میرا آشیر باد نہیں ہے بیٹا ، بھگوان کی دیا ہے یہ سب بھگوان کی دیا ہے ۔ روپے نگد دیے ؟"

ہوری نے بے پر کی اڑائی ۔ اپنے مہاجن کے روبرو بھی اپنی امیری دکھانے کا ایسا اچھا موقع وہ کیوں ہاتھ سے جانے دے ؟ ٹکے کی نئی ٹوپی سر پر رکھ کر جب ہم اکڑنے لگتے ہیں ۔ ذرا دیر کے لیے کسی سواری پر بیٹھ کر جب ہم آسمان پر اڑنے لگتے ہیں تو اتنی بڑی نعمت پاکر اس کا دماغ کیوں نہ آسمان پر چڑھ جائے ؟ بولا" بھولا ایسا بھلا مانس نہیں ہے مہراج ، نگد گنائے ، پورے، چوکس !"

اپنے مہاجن کے سامنے یہ ڈینگ مار کر ہوری نے نادانی تو کی تھی مگر داتا دین کے چہرے پر بے صبری کی کوئی علامت نظر نہ آئی ۔ اس کہنے میں کتنی سچائی ہے ، یہ ان کی ان بجھی ہوئی آنکھوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا، جن میں روشنی کی جگہ تجربہ چھپا ہوا بیٹھا تھا ۔ خوش ہو کر بولے"کوئی حرج نہیں بیٹا ، کوئی حرج نہیں ! بھگوان سب اچھا کریں گے ۔ پانچ سیر دودھ ہے اس میں ، بچے کے لیے چھوڑ کر ؟"

دھنیا نے فوراً ٹوکا" ارے نہیں مہراج ، اتنا دودھ کہاں ؟ بڑھیا ہوگئی ہے ، پھر یہاں راتب کہاں دھرا ہے ؟"

داتا دین نے بھید بھری نگاہوں سے دیکھ کر اس کی چوکسی کی داد دی ، جیسے کہہ رہے ہوں ۔" گرستن کا یہی دھرم ہے ، دون کی لینا مردوں کا کام ہے ، انھیں کرنے دو ۔" پھر ویسے ہی لہجے میں بولے" باہر نہ باندھنا اتنا کہے دیتے ہیں ۔"

دھنیا نے شوہر کی طرف فتح مندانہ نگاہوں سے دیکھا گویا کہہ رہی ہو ،، لو اب تو مانو گے ۔"

پھر داتادین سے بولی" نہیں مہراج ، باہر کیا باندھیں گے ؟ بھگوان دیں تو اسی آنگن میں تین گائیں اور بندھ سکتی ہیں ۔"

سارا گاؤں گائے دیکھنے آیا ،نہیں آئے تو سوبھا اور ہیرا جو سگے بھائی تھے ۔ ہوری کے دل

میں بھائیوں کے لیے اب بھی جگہ تھی ۔ وہ دونوں اگر دیکھ لیتے اور خوش ہوجاتے تو اس کی دلی خواہش پوری ہوجاتی ۔ شام ہو گئی ، لوٹ آئے ، اسی دروازے سے نکلے مگر پوچھا کچھ نہیں ۔

ہوری نے ڈرتے ڈرتے دھنیا سے کہا ''نہ سوبھا آیا ، نہ ہیرا آیا ، سنا نہ ہوگا ۔''

دھنیا بولی '' تو یہاں کون انھیں بلانے جاتا ہے ؟ ۔''

'' تو بات تو سمجھتی نہیں ، لڑنے کو تیار رہتی ہے ۔ بھگوان نے جب یہ دن دکھایا ہے تو ہمیں سر جھکا کر چلنا چاہیے ۔ آدمی کو اپنے سگون کے منہ سے اپنی بھلائی برائی سننے کی جتنی اِچھا ہوتی ہے اتنی باہر والوں کے منہ سے نہیں ۔ پھر اپنے بھائی لاکھ برے ہوں تو اپنے بھائی ہی ہیں ۔ اپنے حصے بکھرے کے لیے سبھی لڑتے ہیں مگر اس سے کھون تھوڑے ہی بدل جاتا ہے ۔ دونوں کو بلا کر دکھا دینا چاہیے نہیں تو کہیں گے کہ گائے لائے اور ہمیں بتایا تک نہیں ۔''

دھنیا نے ناک سکیڑ کر کہا '' میں نے تم سے سوبار ، لاکھ بار کہہ دیا کہ میرے منہ پر اپنے بھائیوں کا بکھان نہ کیا کرو، ان کا نام سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے ۔ سارے گاؤں نے سنا ، کیا انھوں نے نہ سنا ہوگا ؟ کچھ اتنی دور بھی تو نہیں رہتے ۔ سارا گاؤں دیکھنے آیا ، ان ہی کے پاؤں میں مہندی لگی ہوئی تھی ۔ مگر آویں کیسے ؟ جلن ہورہی ہوگی کہ اس کے گھر گائے آگئی ۔ چھاتی پھٹی جاتی ہوگی ۔''

چراغ جلانے کا وقت آگیا تھا ، دھنیا نے جاکر دیکھا تو بوتل میں مٹی کا تیل نہ تھا۔ بوتل لے کر تیل لانے چلی گئی ۔ پیسے ہوتے تو روپا کو بھیجتی ۔ ادھار لانا ہے کچھ للو چپو کرے گی جبھی تیل ادھار ملے گا ۔

ہوری نے روپا کو بلا کر پیار سے گود میں بٹھایا اور کہا '' تنک جا کر دیکھ ، ہیرا کاکا آگئے ہیں کہ نہیں ۔سوبھا کاکا کو بھی دیکھتی آنا ۔ کہنا کے دادا نے تمھیں بلایا ہے ۔نہ آویں تو ہاتھ پکڑ کر کھینچ لانا ۔''

'' روپا ٹھنک کر بولی '' چھوٹی کاکی مجھے ڈانٹتی ہے ۔''

'' کاکی کے پاس کیا کرنے جائے گی ؟ پھر سوبھا کے گھر والی تو تجھے پیار کرتی ہے ۔''

'' سوبھا کاکا مجھے چڑھاتے ہیں ، کہتے ہیں میں نہ کہوں گی ۔''

'' کیا کہتے ہیں ، بتا !''

'' چڑھاتے ہیں ۔''

'' کیا کہہ کر چڑھاتے ہیں ؟''

'' کہتے ہیں کہ تیرے لیے موس پکڑ رکھا ہے ، لے جا ، بھون کر کھالے ۔''

ہوری کے دل میں گدگدی پیدا ہوئی ۔

'' تو کہتی نہیں پہلے تم کھالو ، تب میں کھاؤں گی ؟''

'' اماں منع کرتی ہیں ، کہتی ہیں کہ ان لوگوں کے گھر نہ جایا کر ۔''

''تو اماں کی بیٹی ہے کہ دادا کی ؟''

'' روپا نے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا '' اماں کی !'' اور ہنسنے لگی ۔

'' تو پھر میری گودی سے اتر جا ۔ آج میں تجھے اپنی تھالی میں نہ کھلاؤں گا ۔''

گھر میں ایک ہی پھول کی تھالی تھی ۔ ہوری اسی میں کھاتا تھا ۔ تھالی میں کھانے کی عزت پانے کے لیے روپا ہوری کے ساتھ کھاتی تھی ۔ اس عزت کو وہ کیسے چھوڑے ؟ ہمک کر بولی '' اچھا تمھاری !''

'' تو پھر میرا کہنا مانے گی کہ اماں کا ؟''

''تمھارا ۔''

'' تو جاکر ہیرا اور سوبھا کو پکڑ لا ۔''

''اور جو اماں بگڑیں گی ؟''

'' اماں سے کہنے کون جائے گا ؟''

روپا کودتی ہوئی ہیرا کے گھر چلی ۔ عداوت کا جال بڑی بڑی مچھلیوں کو پھنساتا ہے ۔ چھوٹی مچھلیاں یا تو اس میں پھنستی ہی نہیں یا فوراً نکل بھاگتی ہیں ۔ ان کے لیے وہ مارنے والا جال کھیل کی چیز ہے ، ڈر کی نہیں ۔ بھائیوں سے ہوری کی بول چال بند تھی مگر روپا دونوں گھروں میں آتی جاتی تھی ۔ بچوں سے کیا بیر ؟

مگر روپا گھر سے نکلی ہی تھی کہ دھنیا تیل لیے ہوئے مل گئی پوچھا '' سانجھ کی بیرا کہاں جاتی ہے ؟ چل گھر !'' روپا ماں کو خوش کرنے کی لالچ کو نہ روک سکی ۔

دھنیا نے ڈانٹا '' چل گھر ، کسی کو بلانے نہیں جانا ۔''

روپا کا ہاتھ پکڑے ہوئے وہ گھر لائی اور ہوری سے بولی '' میں نے تم سے لاکھ بار کہہ دیا ہے کہ میری لڑکی کو کسی کے گھر نہ بھیجا کرو ۔ کسی نے کچھ کر کرا دیا تو میں تمھیں لے

کر چاٹوں گی ؟ ایسا ہی بڑا پریم ہے تو آپ کیوں نہیں جاتے ؟ جان پڑتا ہے کہ ابھی پیٹ نہیں بھرا۔"

ہوری ناند جما رہا تھا ہاتھوں میں مٹی لپیٹے ہوئے سنی ان سنی کر کے بولا" کس بات پر بگڑتی ہے بھائی ؟ یہ تو اچھا نہیں لگتا کہ اندھے کتے کی طرح ہوا پر بھونکا کرے۔"

دھنیا کو کپی میں تیل بھرنا تھا۔ اس وقت جھگڑا نہ بڑھانا چاہتی تھی۔ روپا بھی لڑکوں میں جا ملی۔

پہر رات سے زیادہ جا چکی تھی ، ناند گڑ چکی تھی ، بھوسہ کھلی ڈال دی گئی۔ گائے من مارے اداس بیٹھی تھی ، جیسے کوئی بہو سسرال آتی ہو۔ ناند میں منھ تک نہ ڈالتی تھی۔ ہوری اور گوبر کھانا کھا کر آدھی آدھی روٹی اس کے لیے لائے ، مگر اس نے سونگھا تک نہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی ، جانوروں کو بھی اکثر تھان چھوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ہوری باہر کھاٹ پر بیٹھ کر چلم پینے لگا تو پھر بھائیوں کی یاد آئی۔نہیں آج سبھ سے پر بھائیوں سے بے پروائی نہیں برت سکتا۔ اس کا دل پونجی پا کر بڑا ہو گیا تھا۔ بھائیوں سے جدا ہوگیا ہے تو کیا ہوا ؟ ان کا بیری تو نہیں ہے ! یہی گائے تین سال پہلے آئی ہوتی تو سبھی کا اس پر برابر کا حق ہوتا اور کل کو یہی گائے دودھ دینے لگے گی تو کیا وہ بھائیوں کے گھر دودھ نہ بھیجے گا۔ کیا دہی نہ بھیجے گا ؟ ایسا تو اس کا دھرم نہیں ہے۔ بھائی اس کا بُرا چیتیں، پر وہ کیوں ان کا بُرا چیتے ؟ اپنی اپنی کرنی تو اپنے اپنے ساتھ ہے۔

اس نے ناریل کھاٹ کے پائے سے لگا کر رکھ دیا اور ہیرا کے گھر کی طرف چلا۔ سوبھا کا گھر بھی ادھر ہی تھا۔ دونوں اپنے اپنے دروازے پر پڑے ہوئے تھے کافی اندھیرا تھا۔ ہوری پر ان میں سے کسی کی نظر نہیں پڑی تھی۔ دونوں میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں۔ ہوری رک گیا اور باتیں سننے لگا۔ ایسا آدمی کہاں ہے جو اپنا چرچا سن کر ہٹ جائے ؟

ہیرا نے کہا" جب تک ایک میں تھے ، ایک بکری بھی نہ لی۔ اب پچھائیں گائے لی جاتی ہے۔ بھائی کا حک مار کر کسی کو پھلتے پھولتے نہیں دیکھا۔"

سوبھا بولا" یہ تم اَنیائے کر رہے ہو ، ہیرا ! بھیا نے ایک ایک پیسے کا حساب دے دیا۔ یہ میں کبھی نہ مانوں گا کہ انھوں نے پہلے کی کمائی چھپا رکھی تھی۔"

تم مانو چاہے نہ مانو ، پر ہے یہ پہلے ہی کی کمائی۔"

''کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگانا چاہیے۔''

''اچھا تو یہ روپے کہاں سے آگئے ؟ کہاں سے ہن برس پڑا ؟ اتنے ہی کھیت تو ہمارے پاس بھی ہیں ، پھر کیوں ہمارے پاس کپھن کو کوڑی نہیں ہے اور ان کے گھر نئی گائے آتی ہے ؟''

''ادھار لائے ہوں گے۔''

''بھولا ادھار دینے والا آدمی نہیں۔''

''کچھ بھی ہو ، گائے ہے بڑی سندر ، گوبر لیے آتا تھا تو میں نے رستے میں دیکھا۔''

''بے ایمانی کا دھن جیسے آتا ہے ویسے ہی چلا جاتا ہے۔ بھگوان چاہیں گے تو گائے گھر میں بہت دن نہ رہے گی۔''

ہوری سے اور نہ سنا گیا۔ وہ گئی گزری باتوں کو بھلا کر اپنے دل میں پریم اور اَپناوا بھرے ہوئے بھائیوں کے پاس آیا تھا۔ اس صدمے نے جیسے اس کے دل میں سوراخ کردیا اور وہ برادرانہ جذبہ اس میں کسی طرح نہ ٹھہر سکا۔ جی میں آیا کہ اسی وقت حملے کا جواب دے، مگر بات بڑھ جانے کے ڈر سے چپ رہ گیا۔ اگر اس کی نیت صاف ہے تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ بھگوان کے آگے وہ نردوکھ ہے ، دوسروں کی اسے پرواہ نہیں ہے۔ الٹے پاؤں لوٹ آیا اور وہی جلی ہوئی چلم پینے لگا۔ مگر جیسے وہ زہر ہر لحظہ اس کے رگوں میں پھیلتا جاتا تھا۔ اس نے سوجانے کی کوشش کی مگر نیند نہ آئی۔ بیلوں کے پاس جاکر انھیں سہلانے لگا تو زہر مدھم پڑا۔ پھر چلم بھری مگر اس میں بھی کچھ مزا نہ تھا۔ زہر نے جیسے احساس کو دبا دیا ہو جیسے نشے میں احساس یک طرفہ ہوجاتا ہے ، جیسا پھیلا ہوا پانی ایک سمت میں ہوکر تیزی سے بہنے لگتا ہے وہی حالت اس کی ہورہی تھی اسی مجنونانہ حالت میں وہ اندر گیا۔ ابھی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ صحن میں ایک طرف چٹائی پر پڑی ہوئی دھنیا سونا سے بدن دبوا رہی تھی اور روپا جو روز شام ہوتے ہی سوجاتی تھی ، آج کھڑی ہوئی گائے کا منھ کھجلا رہی تھی۔ ہوری لے جاکر گائے کو کھونٹے سے کھول لیا اور دروازے کی طرف لے چلا۔ وہ اسی دم گائے کو بھولا کے گھر پہنچانے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ اتنا بڑا کلنک سر پر لے کر وہ اب گائے کو گھر میں نہیں رکھ سکتا ، کسی طرح نہیں !

دھنیا نے پوچھا''کہاں لے جاتے ہو رات کو؟''

ہوری نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا " لیے جاتا ہوں بھولا کے گھر، لوٹا دوں گا۔"
دھنیا کو تعجب ہوا، اٹھ کر سامنے آگئی اور بولی " لوٹا کیوں دوگے؟ لوٹانے کے لیے ہی لائے تھے؟"

" ہاں اس کے لوٹا ہی دینے میں کُسل ہے۔"

" کیوں بات کیا ہے؟اتنے ارمان سے لائے اور اب لوٹانے جارہے ہو، کیا بھولا روپیہ مانگتے ہیں؟"

" نہیں بھولا یہاں کب آئے۔"

" تو پھر کیا بات ہوئی؟"

" کیا کرے گی پوچھ کر؟"

دھنیا نے اچک کر گائے کی رسی ہاتھ سے چھین لی۔ اس کی تیز عقل نے گویا اڑتی ہوئی چڑیا پکڑ لی۔بولی " تمھیں بھائیوں کا ڈر ہوتو جاکر ان کے پیروں پڑو، میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ اگر ہماری بڑھتی دیکھ کر کسی کی چھاتی پھٹتی ہے تو پھٹ جائے، مجھے پرواہ نہیں ہے۔"

ہوری نے منکسرانہ لہجہ میں کہا " دھیرے دھیرے بولو مہارانی کوئی سنے تو کہے کہ یہ سب اتنی رات گئے لڑ رہے ہیں۔ میں اپنے کانوں سے کیا کیا سن آیا ہوں۔، تو کیا جانے؟ یہاں چرچا ہورہا ہے کہ میں نے الگ ہوتے سمے روپے دبا لیے تھے اور بھائیوں سے کپٹ کیا تھا، وہی روپے اب نکل رہے ہیں۔"

" ہیرا کہتا ہوگا؟"

" سارا گاؤں کہہ رہا ہے، اکیلے ہیرا کو کیوں بدنام کروں؟"

" سارا گاؤں نہیں کہہ رہا ہے۔ میں ابھی جاکر پوچھتی ہوں ناکہ تمھارے باپ کتنے روپے چھوڑ کر مرے تھے؟ داری جاروں کے پیچھے تم بگڑ گئے، ساری جندگی مٹی میں ملادی، پال پوس کر سنڈا کیا اور اب ہم بے ایمان ہیں!میں کہے دیتی ہوں کہ اگر گائے گھر کے باہر نکلی تو انرتھ ہو جائے گا۔ رکھ لیے ہم نے روپے، دبا لیے اور بیچ کھیت دبا لیے! ڈنکے کی چوٹ کہتی ہوں کہ میں نے ہنڈا بھر مہریں چھپالیں۔ ہیرا اور سوبھا اور سنسار کو جو کرنا ہو کرلے۔ کیوں نہ روپے رکھ لیں؟ دو دو سنڈوں کا بیاہ نہیں کیا، گونا نہیں کیا؟"

ہوری سٹپٹا گیا۔ دھنیا نے اس کے ہاتھ سے رسی چھین لی اور گائے کو کھونٹے سے

باندھ کر دروازے کی طرف چلی، ہوری نے اسے پکڑنا چاہا مگر وہ باہر جا چکی تھی ، وہیں سر تھام کر بیٹھ گیا ۔ باہر اسے پکڑنے کی کوشش کر کے وہ کوئی ناٹک نہیں دکھانا چاہتا تھا ۔ دھنیا کے غصے سے وہ خوب واقف تھا ، بگڑتی ہے تو چنڈی ہی بن جاتی ہے ۔ مارو کاٹو سنے گی نہیں ۔ لیکن ہیرا بھی تو ایک ہی بگڑیل ہے ، کہیں ہاتھ چلا بیٹھے تو پَرلے (قیامت) ہی ہو جائے ۔ نہیں ، ہیرا اتنا مورکھ نہیں ہے ۔ میں نے کہاں سے کہاں یہ آگ لگا دی ۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ بات دل میں ڈال لیتا تو کیوں یہ بکھیڑا ہوتا ؟ دفعتاً دھنیا کی کرخت آواز کان میں پڑی ، ہیرا کی گرج بھی سن پڑی ، پھر پُنّی کا تیز لہجہ بھی دل میں چبھا ۔ یکا یک اسے گوبر کی یاد آئی ۔ باہر لپک کر اس کی کھاٹ دیکھی تو وہ وہاں نہ تھا ۔ غضب ہو گیا گوبر بھی وہیں پہنچ گیا ، اب کُسل نہیں ۔ اس کا نیا کھون ہے ، نہ جانے کیا کر بیٹھے ۔ لیکن ہوری وہاں کیسے جائے ؟ ہیرا کہے گا کہ آپ تو بولتے نہیں اور اس ڈائن کو لڑنے کے لیے بھیج دیا ۔ شور دم بدم بڑھتا جاتا تھا ۔ سارا گاؤں جاگ پڑا ۔ معلوم ہوتا تھا کہ کہیں آگ لگ گئی ہے اور لوگ چار پائیوں سے اٹھ اٹھ کر بجھانے کے لیے دوڑے جا رہے ہیں ۔ اتنی دیر تک وہ ضبط کیے بیٹھا رہا، پھر نہ رہا گیا ۔ دھنیا پر غصہ آیا ۔ وہ کیوں چڑھ کر لڑنے گئی ؟ اپنے گھر میں آدمی نہ جانے کس کو کیا کہتا ہے ۔ جب تک کوئی منھ پر بات نہ کہے ۔ یہی سمجھنا چاہیے کہ اس نے کچھ نہیں کہا ۔ ہوری کی کِسانی فطرت جھگڑے سے بھاگتی تھی ۔ چار باتیں سن کر غم کھا جانا اس سے کہیں اچھا کہ آپس میں جھگڑا ہو ، کہیں مار پیٹ ہو جائے تو تھانہ پولیس ہو ، بندھے بندھے پھرو ، سب کی چودَرَی بنتی کرو ، عدالت کی دھول پھانکو ، کھیتی باڑی جہنم میں جائے ! اس کا ہیرا پر تو کوئی بس نہ تھا مگر دھنیا کو تو بَل سے کھینچ لا سکتا ہے ۔ بہت ہوگا گالیاں دے لے گی ، ایک دو دن روٹھی رہے گی ، تھانا پولیس کی تو نوبت نہ آوئے گی ۔ وہ جا کر ہیرا کے دروازے پر سب سے دور دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا ۔ ایک فوجی افسر کی طرح میدان میں آنے سے پہلے حالات کو بخوبی سمجھ لینا چاہتا تھا ۔ اگر اپنی جیت ہو رہی ہے تو کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔ ہار ہو رہی ہے تو فوراً کود پڑے گا ۔ دیکھا تو وہاں پچاسوں آدمی جمع ہو گئے تھے ، پنڈت داتا دین لالہ پٹیشری ، دونوں ٹھاکر جو گاؤں کے کرتا دھرتا تھے ، سبھی پہنچ گئے ہیں ۔ دھنیا کا پلہ ہلکا ہو رہا تھا ۔ اس کی تندی رائے عامّہ کو اس کے خلاف کیے دیتی تھی ۔ وہ لڑائی کے فن میں طاق نہ تھی ، غصے میں ایسی جلی کٹی سنا رہی تھی کہ لوگوں کی ہمدردی اس سے

دور ہوتی جاتی تھی۔

وہ گرج رہی تھی " تو ہمیں دیکھ کر کیوں جلتا ہے ؟ ہمیں دیکھ کر کیوں تیری چھاتی پھٹتی ہے ؟ پال پوس کر جوان کر دیا یہ اس کا انام ہے ؟ ہم نے نہ پالا ہوتا تو آج کہیں بھیک مانگتے ہوتے ، روکھ کی چھانہہ بھی نہ ملتی ۔"

ہوری کو یہ لفظ ضرورت سے زیادہ کڑے معلوم ہوئے ۔ بھائیوں کو پالنا تو اس کا دھرم تھا ، ان کے حصے کی جائداد بھی تو اس کے ہاتھ میں تھی ، کیسے نہ پالتا پوستا؟ دنیا میں کہیں منھ دکھانے والا رہتا ؟

ہیرا نے جواب دیا " ہم کسی کو کچھ نہیں جانتے ، تیرے گھر میں کتوں کی طرح ٹکڑا کھاتے تھے اور دن بھر کام کرتے تھے ۔ یہ جانا ہی نہیں کہ لڑکپن اور جوانی کیسی ہوتی ہے ۔ دن دن بھر سوکھا گوبر اکٹھا کرتے تھے اس پر بھی تو بنا دس گالی دیے روٹی نہ دیتی تھی ۔ تجھ جیسی پپا چن کے پالے پڑ کر جندگی کڑوی ہوگئی ۔"

دھنیا اور تیز پڑی " جبان سنبھال ، نہیں تو منھ سے باہر کھینچ لوں گی ، پپاچن تیری عورت ہوگی ، تو ہے کس پھیر میں مونڈی کاٹے ،ٹکڑا کھور ، نمک حرام !"

داتا دین نے ٹوکا " اتنا کڑا بچن کیوں کہتی ہے دھنیا ؟ استری دھرم ہے کہ گم کھائے۔ وہ تو اجڈ ہے ، کیوں اس کے منھ لگتی ہے ؟"

لالہ پٹیشری پٹواری نے تائید کی " بات کا جواب بات ہے گالی نہیں ۔ تو نے لڑکپن میں اسے پالا پوسا ، پر یہ کیوں بھول جاتی ہے کہ اس کی جائداد تیرے ہاتھ میں تھی ؟"

دھنیا نے سمجھا کہ سب کے سب مل کر مجھے نیچا دکھانا چاہتے ہیں ۔ پس چومکھی لڑائی لڑنے کے لیے تیار ہوگئی " اچھا تم رہنے دو لالا ! میں سب کو پہچانتی ہوں ۔ اس گاؤں میں رہتے بیس برس ہو گئے ۔ ایک ایک کی نس نس پہچانتی ہوں ۔ میں گالی دے رہی ہوں اور وہ پھول برسا رہا ہے ، کیوں ؟"

دولاری سیٹھانی نے آگ پر گھی ڈالا " سچ ہے بڑی گال دراج عورت ہے بھائی، مردوں کے منھ لگتی ہے ۔ ہوری ہی جیسا مرد ہے کہ اس کا نباہ ہوتا ہے ، دوسرا ہوتا تو ایک دن نہ پٹتی ۔"

اگر ہیرا اس وقت ذرا نرم پڑ جاتا تو اس کی فتح ہو جاتی ، لیکن وہ گالیاں سن کر آپے

سے باہر ہو گیا ۔ اوروں کو اپنی طرف دیکھ کر وہ کچھ شیر ہو رہا تھا ۔ گلا پھاڑ کر بولا " چلی جا میرے دوارے سے ، نہیں جوتوں سے بات کروں گا ۔ جھونٹا پکڑ کر اکھاڑ لوں گا ۔ گالی دیتی ہے ڈاین ؟ بیٹے کا گھمنڈ ہو گیا ۔ کھون ...."

پانسہ پلٹ گیا ۔ ہوری کا خون جوش میں آگیا ۔ جیسے بارود میں چنگاری پڑ گئی ہو ۔ آگے آکر بولا " اچھا ، بس اب چپ ہو جاؤ ہیرا ! اب نہیں سنا جاتا ۔ میں اس عورت کو کیا کہوں ؟ جب میری پیٹھ میں دھول لگتی ہے تو اسی کے کارن نہ جانے کیوں اس سے چپ نہیں رہا جاتا ۔"

چاروں طرف سے ہیرا پر بوچھاڑ پڑنے لگی ۔ داتا دین نے بے غیرت کہا ، پیٹشری نے غنڈا بنایا ، جھنگری سنگھ نے شیطان کا لقب دیا ، دولاری نے کپوت کہا ۔ ایک کڑے لفظ نے دھنیا کا پلہ ہلکا کر دیا تھا دوسرے کڑے لفظ نے ہیرا کو پستی میں ڈال دیا ۔ اس پر ہوری کے سنجیدہ الفاظ نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ۔

ہیرا سنبھل گیا کُل گاؤں اس کے خلاف ہوگیا ہے ۔ اب چپ رہنے میں ہی خیرت ہے ، غصے کے تیز نشے میں بھی اس میں اتنا ہوش باقی تھا ۔

دھنیا کا کلیجہ دونا ہوگیا ۔ ہوری سے بولی " سن لو کان کھول کے بھائیوں کے لیے مرتے رہتے ہو ۔ یہ بھائی ہیں ؟ ایسے بھائی کا تو منھ نہ دیکھے ۔ یہ مجھے جوتوں سے مارے گا ۔ کھِلا پلا ...."

ہوری نے ڈانٹا " پھر کیوں بک بک کرنے لگی تو ؟ گھر کیوں نہیں جاتی ؟"

دھنیا زمین پر بیٹھ گئی اور فریاد کے لہجے میں بولی " اب تو اس کے جوتے کھا کر گھر جاؤں گی ۔ جرا اس کی مردی دیکھ لوں ۔ کہاں ہے گوبر ؟ اب کس دن کام آوے گا ؟ تو دیکھ رہا ہے بیٹا کہ تیرے ماں کو جوتے مارے جارہے ہیں !"

اس طرح فریاد کر کے اس نے اپنے غصے کے ساتھ ہوری کے غصے کو بھی عملی صورت دے دی ۔ آگ کو پھونک پھونک کر اس میں لپٹ پیدا کردی ۔ ہیرا ہارا ہوا سا پیچھے ہٹ گیا تھا ۔ پُنّی اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر کی طرف کھینچ رہی تھی یکا یک دھنیا نے شیرنی کی طرح جھپٹ کر ہیرا کو اس زور کا دھکا دیا کہ وہ دھم سے زمین پر گر پڑا اور بولی " کہاں جاتا ہے ؟ جوتے مار ! مار جوتے ! دیکھوں تیری مردی !" ہوری نے دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور گھسیٹتا ہوا گھر کی طرف چلا ۔

۵

ادھر گوبر کھانا کھا کر اہیرن ٹولہ جا پہنچا۔ آج جھنیا سے اس کی بہت باتیں ہوئی تھیں۔ جب وہ گائے لے کر چلا تھا تو جھنیا آدھے راستے تک اس کے ساتھ آئی تھی۔ گوبر تنہا گائے کو کیسے لے جاتا؟ اجنبی کے ساتھ جانے میں اس کا بھڑکنا قدرتی تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد جھنیا نے گوبر کو بھید بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہا ''اب تم کاہے کو کبھی یہاں آؤ گے؟''

ایک روز پہلے تک گوبر کنوارا تھا۔ گاؤں میں جتنی نوجوان عورتیں تھیں وہ یا تو اس کی بہنیں تھی یا بھاوجیں۔ بہنوں سے تو کوئی چھیڑ چھاڑ ہو ہی کیا سکتی تھی، بھاوجیں البتہ کبھی کبھی اس سے ٹھٹھولی کیا کرتی تھیں مگر یہ محض تفریحاً ہوتا تھا۔ ان کی نگاہوں میں ابھی اس کے شباب میں صرف پھول لگے تھے۔ جب تک پھل نہ لگ جائیں اس پر ڈھیلے پھینکنا بیکار تھا اور کسی طرف سے حوصلہ افزائی نہ پاکر اس کا کنوارا پن اس کے گلے سے لپٹا ہوا تھا۔ جھنیا کا محروم دل جسے بھاوجوں کے طنز و مذاق نے اور بھی خواہش مند بنا دیا تھا، اس کے کنوارے پن ہی پر للچا اٹھا اس کنوارے پن میں بھی پتے کے کھڑکتے ہی کسی سوئے ہوئے شکاری جانور کی طرح شباب جاگ اٹھا۔

گوبر نے کھلے منچلے پن کے ساتھ کہا ''اگر بھکاری کو ملنے کا آسرا ہو تو وہ دن بھر اور رات بھر داتا کے دوارے پر کھڑا رہے۔''

جھنیا معترضانہ لہجے میں بولی ''تو یہ کہو کہ تم بھی مطلب کے یار ہو۔''

گوبر کی رگوں کا خون متحرک ہوا تھا، بولا ''بھوکا آدمی اگر ہاتھ پھیلائے تو اسے چھما کر دینا چاہیے۔''

جھنیا اور گہرے اتری ''بھکاری جب تک دس دروازے نہ جائے اس کا پیٹ کیسے بھرے گا؟ ایسے بکھاریوں کو منہ نہیں لگاتی ایسے تو گلی گلی ملتے ہیں۔ پھر بھکاری دیتا کیا ہے؟ اسیس! اسیسوں سے تو کسی کا پیٹ نہیں بھرتا۔''

کم فہم گوبر جھنیا کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ جھنیا چھوٹی ہی سی تھی، جبھی سے گاہکوں کے گھر

دودھ لے جایا کرتی تھی سسرال میں بھی اسے گاہکوں کے گھر دودھ پہچانا پڑتا تھا ۔ آج کل بھی دہی بیچنے کا بار اسی پر ہے ۔ اسے طرح طرح کے انسانوں سے سابقہ پڑچکا تھا ۔ دوچار روپے اس کے ہاتھ لگ جاتے تھے ، گھڑی بھر کے لیے دل بہلاؤ بھی ہوجاتا تھا مگر یہ خوشی جیسے منگنی کی چیز ہو ۔ اس میں امید نہ تھی ، ایثار نہ تھا ، اختیار نہ تھا ۔ وہ ایسی محبت چاہتی تھی جس کے لیے وہ جیے اور مرے ، جس پر وہ خود کو قربان کردے ! وہ صرف جگنو کی چمک نہیں بلکہ چراغ کی مستقل روشنی چاہتی تھی ۔ وہ ایک گرست کی لڑکی تھی اور اس کے گرست پن کو رنگین مزاجوں کی لگاوٹیں کچل نہ سکی تھیں ۔

گوبر نے پر شوق بشرے سے کہا ''بھکاری کو ایک ہی دوارے پر بھر پیٹ بھیک مل جائے تو کیوں در در گھومے ؟''

جھنیا نے رحم سے اس کی طرف دیکھا ۔ کتنا بھولا ہے جیسے کچھ سمجھتا ہی نہیں ، بولی ''بھکاری کو ایک جگہ بھر پیٹ کہاں ملتا ہے ؟ اسے تو مٹھی بھر ہی ملے گا ۔ سب کچھ تو جبھی پاؤگے جب اپنا بھی سب کچھ دوگے ۔''

''میرے پاس کیا ہے ، جھنیا ؟''

''تمھارے پاس کچھ نہیں ہے ؟ میں تو سمجھتی ہوں کہ میرے لیے تمھارے پاس جو کچھ ہے وہ بڑے بڑے لکھپتی لوگوں کے پاس بھی نہیں ۔ مجھ سے بھیک نہ مانگ کر مجھے مول لے سکتے ہو ۔''

''گوبر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔''

جھنیا نے پھر کہا '' اور جانتے ہو دام کیا دینا ہوں گے ؟ میرا ہوکر رہنا پڑے گا ۔ پھر کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے دیکھوں گی تو گھر سے نکال دوں گی ۔''

گوبر کو جیسے اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے چاہی ہوئی چیز مل گئی ۔ ایک عجیب خوف بھری خوشی سے اس کا عضو عضو بھڑک اٹھا ۔ مگر یہ کیسے ہوگا ؟جھنیا کو رکھ لے تو رکھنی کو لے کر گھر میں رہے گا کیسے ؟ برادری کا جھنجھٹ تو ہے ۔ سارا گاؤں کائیں کائیں کرنے لگے گا ۔ سبھی دشمن ہو جائیں گے ۔ اماں تو اسے گھر میں گھسنے ہی نہ دیں گی ۔ مگر جب عورت ہوکر یہ نہیں ڈرتی تو مرد ہوکر وہ کیوں ڈرے ؟ بہت ہوگا لوگ اسے الگ کردیں گے ۔ وہ الگ ہی رہے گا ۔ جھنیا جیسی عورت گاؤں میں دوسری کون ہے ؟ کتنی سمجھداری کی باتیں کرتی ہے ۔ کیا جانتی

نہیں کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں ؟ پھر بھی مجھ سے محبت کرتی ہے ، میری ہونے کو راجی ہے ۔ گاؤں والے نکال دیں گے تو کیا دنیا میں دوسرا گاؤں ہی نہیں ہے ؟ اور گاؤں کیوں چھوڑے ؟ ماتادین نے چمارن رکھ لی تو کسی نے کیا کر لیا ؟ داتا دین دانت پیس کر رہ گئے۔ ماتا دین نے اتنا ضرور کیا کہ اپنا دھرم بچا لیا ۔ اب بھی بنا اسنان پوجا کیے منہ میں پانی نہیں ڈالتے ، دونوں جون اپنا کھانا آپ پکاتے ہیں ۔ اور اب تو الگ کھانا بھی نہیں پکاتے، داتا دین اور وہ ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں ۔ جھنگری سنگھ نے بامنھی (برہمنی) رکھ لی ، ان کا کسی نے کیا کر لیا ؟ ان کا جتنا آدر تب تھا اتنا اب بھی ہے بلکہ اور ادھک۔ پہلے نوکری کھوجتے پھرتے تھے ؟ اب اس کے روپے سے مہاجن بن بیٹھے ۔ ٹھکرائی کا رعب تو تھا ہی ، مہاجنی کا رعب جم گیا ۔ مگر پھر خیال آیا کہ کہیں جھنیا ہنسی نہ کر رہی ہو ، پہلے اس کا اطمینان ہوجانا ضروری تھا۔

اس نے کہا " من سے کہتی ہو جھونا کہ کھالی لالچ دے رہی ہو؟ میں تو تمھارا ہو چکا اب تم بھی میری ہو جاؤ گی ؟"

" تم میرے ہو چکے کیسے جانوں ؟"

" تم جان بھی مانگو تو دے دوں"

" جان دینے کا مطلب بھی سمجھتے ہو؟"

" تم سمجھا دینا ۔"

" جان دینے کا مطلب ہے ساتھ رہ کر نباہ کرنا ۔ ایک بار ہاتھ پکڑ کر عمر بھر نباہ کرتے رہنا ، چاہے دنیا کچھ کہے ، چاہے ماں باپ ، بھائی بند، گھر دوار سب کچھ چھوڑنا پڑے۔ منھ سے جان دینے والے بہتوں کو دیکھ چکی ، بھونروں کی طرح پھول کا رس لے کر اڑ جاتے ہیں۔ تم بھی تو اسی طرح نہ اڑ جاؤ گے ؟"

گوبر کے ایک ہاتھ میں گائے کی رسی تھی دوسرے ہاتھ سے اس نے جھنیا کا ہاتھ پکڑ لیا ، جیسے بجلی کے تار پر ہاتھ پڑ گیا ہو، سارا بدن شباب کے اولین مَس سے کانپ اٹھا۔ کتنی نرم ونازک اور بھری ہوئی کلائی ! جھنیا نے اس کا ہاتھ ہٹایا نہیں ، جیسے اس چھونے کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہ ہوں ۔ پھر لمحہ بھر بعد سنجیدگی سے بولی " آج تم نے میرا ہاتھ پکڑا ہے ، یاد رکھنا ۔"

" خوب یاد رکھوں گا جھونا اور مرتے دم تک نباہوں گا ۔"

جھنیا نے بے اعتباری کی مسکراہٹ سے بولی '' اسی طرح تو سب کہتے ہیں گوبر ، بلکہ اس سے بھی میٹھے چکنے شبدوں میں ۔ اگر من میں کپٹ ہو تو مجھے بتا دو ۔ ہوشیار ہو جاؤں ۔ ایسوں کو دل نہیں دیتی ، ان سے ہنس بول لینے ہی کا ناتا رکھتی ہوں ، برسوں سے دودھ لے کر ہاٹ جاتی ہوں ۔ ایک سے ایک بابو ، مہاجن ، ٹھاکر ، وکیل ، عملے افسر اپنی چاہ دکھا کر مجھے پھنسا لینا چاہتے ہیں ۔ کوئی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے '' جھنیا ترسا مت '' کوئی مجھے نسیلی چتون سے گھورتا ہے جیسے پریم کے مارے بے سدھ ہو گیا ہو ۔ سب میری گلامی کرنے کو تیار رہتے ہیں ، عمر بھر ، بلکہ دوسرے جنم میں بھی ! پر میں ان سبھوں کی نس پہچانتی ہوں ۔ سب کے سب بھونرے ہیں ، رس لے کر اڑ جانے والے ۔ میں بھی انھیں لبھاتی ہوں ، ترچھی نگاہوں سے دیکھتی ہوں ، مسکاتی ہوں ۔ وہ مجھے گدھی بناتے ہیں ۔ میں انھیں الو بناتی ہوں ۔ میں مر جاؤں تو ان کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے گا ، وے مر جائیں تو میں کہوں گی اچھا ہوا ، مر گیا ۔ میں تو جس کی ہو جاؤں گی اس کی جنم بھر کے لیے ہو جاؤں گی ، سکھ میں ، دکھ میں ، سمپت میں ، بپت میں ، اسی کے ساتھ رہوں گی ۔ ہرجائی نہیں ہوں کہ سب سے ہنستی بولتی پھروں ۔ نہ روپے کی بھوکی ہوں ، نہ گہنے کپڑے کی ۔ بس بھلے آدمی کا ساتھ چاہتی ہوں ، جو مجھے اپنا سمجھے اور جسے میں بھی اپنا سمجھوں ۔ ایک پنڈت جی بہت تلک چھاپ لگاتے ہیں ۔ آدھ سیر دودھ لیتے ہیں ۔ ایک دن ان کی گھر والی کہیں نیوتے میں گئی تھی ۔ مجھے کیا معلوم ؟ اور دنوں کی طرح دودھ لیے بھیتر چلی گئی ۔ وہاں پکارتی ہوں ، بہو جی بہو جی کوئی بولتا ہی نہیں ۔ اتنے میں دیکھتی ہوں تو پنڈت جی باہر کے کواڑ بند کیے چلے آرہے ہیں ۔ میں سمجھ گئی کہ اس کی نیت بری ہے ۔ میں نے ڈانٹ کر پوچھا تم نے کواڑ کیوں بند کر لیے ؟ بہو جی کہیں گئی ہیں کیا ؟ گھر میں سناٹا کیوں ہے ؟ ''

اس نے کہا '' وہ ایک نیوتے میں گئی ہیں ۔ '' اور میری طرف دو ڈگ اور بڑھ آیا ۔

میں نے کہا '' تمھیں دودھ لینا ہو تو لو ، نہیں تو میں جاتی ہوں ۔ '' بولا '' آج تو تم یہاں سے نہ جانے پاؤ گی جھونا رانی ! روج روج کلیجے پر چھری چلا کر بھاگ جاتی ہو ۔ آج میرے ہاتھ سے نہ بچو گی ۔ ''

'' تم سے سچ کہتی ہوں گوبر میرے روئیں کھڑے ہو گئے ۔ ''

گوبر جوش میں بولا '' میں بچہ کو دیکھ پاؤں تو کھود کر گاڑ دوں ، کھون پی لوں ۔ تم مجھے

دکھا تو دینا۔''

'' سنو تو، ایسوں کا منھ توڑنے کے لیے میں ہی بہت ہوں ۔ میری چھاتی دھک دھک کرنے لگی ۔ یہ کچھ کر بیٹھے تو کیا کروں گی ؟ کوئی چلانا بھی نہ سنے گا پر من میں یہ پکّا کر لیا تھا کہ میری دہیہ چھوئی تو دودھ بھری ہانڈی اس کے منھ پر پٹک دوں گی ۔ چار پانچ سیر دودھ جائے گا تو جائے ، بچہ کو یاد تو ہو جائے گا ۔ کلیجہ کڑا کر کے بولی '' اس پھیر میں نہ رہنا پنڈت جی ! میں اہیر کی لڑکی ہوں ، مونچھ کا ایک ایک بال چنوالوں گی ۔ یہی لکھا ہے تمھاری پوتھی پتروں میں کہ دوسروں کی بہو بیٹیوں کو اپنے گھر میں بند کر کے اس کی آبرو لو؟ اسی لیے تلک چھاپے کا جال بچھائے بیٹھے ہو؟'' لگا ہاتھ جوڑنے پاؤں پڑنے ، بولا '' ایک چاہنے والے کا من رکھ لوگی تو تمھارا کیا بگڑ جائے گا جھونا رانی ؟ کبھی کبھی غریبوں پر دیا کیا کرو، نہیں بھگوان پوچھیں گے کہ میں نے تمھیں اتنا روپ کا دھن دیا تھا ،تم نے اس سے ایک برہمن کا اپکار بھی نہیں کیا، تو کیا جواب دوگی ؟ بولو'' روپے پیسے کا دان تو سدا ہی پاتا ہوں ، آج روپ کا دان دو ۔''

میں نے یوں ہی اس کا من رکھنے کو کہہ دیا کہ میں پچاس روپے لوں گی ۔ سچ کہتی ہوں گوبر کہ وہ اسی دم کوٹھری میں گیا اور دس دس کے پانچ نوٹ نکال کر میرے ہاتھوں میں دینے لگا اور جب میں نے نوٹ وہیں گرا دیے اور دوارے کی طرف چلی تو اس نے میرا ہاتھ تھام لیا، میں نے تو پہلے ہی سے تیار تھی ۔ ہانڈی اس کے منھ پر دے ماری ، سر سے پیر تک سرابور ہو گیا ۔ چوٹ بھی بہت لگی ، سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور لگا ہائے ہائے کرنے ۔ میں نے دیکھا کہ اب یہ کچھ نہیں کر سکتا تو پیٹھ میں دو لاتیں جمادیں اور کواڑ کھول کر بھا گی ۔

گوبر قہقہہ لگا کر بولا '' بہت اچھا کیا تم نے دودھ سے نہا گیا ہوگا۔ تلک چھاپا بھی دھل گیا ہوگا؟''

دوسرے دن پھر میں اس کے گھر گئی ۔ گھر والی آگئی ۔ وہ اپنے بیٹھکے میں سر پر پٹی باندھے پڑا تھا میں نے کہا '' کہو تو کل کی تمھاری کرتوت کھول دوں پنڈت ! لگا ہاتھ جوڑنے۔ میں نے کہا ، اچھا تھوک کر چاٹو تو چھوڑ دوں ۔ دھرتی پر ماتھا ٹیک کر کہنے لگا '' اب میری آبرو تمھارے ہاتھ ہے جھونا ۔ یہی سمجھ لو کہ پنڈ تائی مجھے جیتا نہ چھوڑیں گی ، مجھے بھی اس پر دیا آگئی ۔''

گوبر کو یہ دیا بری لگی ، بولا '' یہ تم نے کیا کیا ؟ اس کی عورت سے جا کر کہہ کیوں نہ دیا

کہ جوتوں سے پیٹتی ۔ ایسے پکھنڈیوں پر دیا نہ کرنی چاہیے۔تم مجھے کل اس کی صورت دکھا دو، پھر دیکھنا کہ کیسی مرمت کرتا ہوں ۔''

جھنیا نے اس کے ادھ کھلے شباب کو دیکھ کر کہا ''تم اسے نہ پاؤ گے پورا دیو ہے ، سینت میت کا مال اڑاتا ہے کہ نہیں ۔''

گوبر اپنے شباب کی یہ تحقیر کیسے برداشت کرتا ؟ ڈینگ مار کر بولا '' موٹے ہونے سے کیا ہوتا ہے ، یہاں پھولاد کی ہڈیاں ہیں ۔ تین سو ڈنڈ روز مارتا ہوں ۔ دودھ گھی نہیں ملتا۔ نہیں تو اب تک سینہ یوں نکل آیا ہوتا'' یہ کہہ کر اس نے اپنا سینہ تان کر دکھلایا۔

جھنیا نے تقویت بھری آنکھوں سے دیکھا ، بولی ''اچھا کبھی دکھا دوں گی ۔ پر یہاں تو سبھی ایک سے ایک ہیں ،تم کس کس کی مرمت کروگے ؟ نہ جانے مردوں کی کیا عادت ہے کہ جہاں کوئی جوان ، سندر عورت دیکھی اور بس لگے گھورنے ، چھاتی پیٹنے اور یہ جو بڑے آدمی کہلاتے ہیں یہ تو نرے کچالی ہوتے ہیں ۔''

'' پھر میں تو کوئی سندری بھی نہیں ہوں ....''

گوبر نے احتجاج کیا '' تم !تمھیں دیکھ کر تو یہی دل چاہتا ہے کہ کلیجہ میں بٹھالیں۔''

جھنیا نے اس کی پیٹھ پر ایک ہلکا سا گھونسہ جمایا۔'' لگے اوروں کی طرح تم بھی چاپلوسی کرنے ۔ میں جیسی کچھ ہوں ، میں جانتی ہوں ، پر ان لوگوں کو تو کوئی بھی جوان عورت مل جائے ، گھڑی بھر من بہلانے کو اور کیا چاہیے ؟ گن تو آدمی اس میں دیکھتا ہے جس کے ساتھ جنم بھر نباہ کرنا ہو۔ سنتی بھی ہوں اور دیکھتی بھی ہوں کہ آج کل بڑے گھروں کا عجب حال ہے ۔جس محلے میں میری سسرال ہے اسی میں گپڑو گپڑو نام کے کشمیری رہتے تھے ۔ بڑے بھاری آدمی تھے ۔ ان کے یہاں پانچ سیر دودھ لگتا تھا ۔ ان کی تین لڑکیاں تھیں ۔کوئی بیس بیس پچیس پچیس برس کی ، ایک سے ایک سندر ۔ تینوں بڑے کالج میں پڑھنے جاتی تھیں ۔ ایک سایت کالج میں پڑھاتی تھی اور تین سو کا مہینہ پاتی تھی ۔ ستار وے سب بجاویں ، ہارمونیا وے سب بجادیں ، ناچیں وے ، گاویں وے ، پر بیاہ کوئی نہ کرتی تھی ۔ رام جانے وہ کسی مرد کو پسند نہیں کرتی تھیں کہ مرد انھیں کو پسند نہیں کرتے تھے ۔ ایک بار میں نے بڑی بی بی سے پوچھا تو ہنس کر بولیں کہ ہم لوگ یہ روگ نہیں پالتے۔ پھر بھیتر ہی بھیتر گلچھرے اڑاتی تھیں ۔ جب دیکھوں ، دوچار لونڈے ان کو گھیرے ہوتے ہیں ۔ جو سب سے بڑی تھی

وہ کوٹ پتلون پہن کر گھوڑے پر سوار ہو کر مردوں کے ساتھ گھومنے جاتی ۔ سارے سہر میں ان کی لیلا کا چرچا تھا ۔ گپڈو بابو سر نیچا کیے جیسے منھ میں کالک سی لگائے رہتے تھے ۔ لڑکیوں کو ڈانٹتے تھے ، سمجھاتے تھے ، وے سب کی سب کھلم کھلا کہتی تھیں کہ تمھیں ہمارے بیچ میں بولنے کا کچھ مجال نہیں ہے ، ہم اپنی من کی رانی ہیں ، جو ہمارا جی چاہے گا کریں گے ۔ بے چارا باپ جوان لڑکیوں سے کیا بولے ؟ مارنے باندھنے سے رہا ۔ ڈانٹنے ڈپٹنے سے رہا پر بھائی ، بڑے آدمیوں کی باتیں کون چلاوے ؟ وہ جو کچھ کریں سب ٹھیک ہے ۔ انھیں تو برادری اور پنچایت کا بھی ڈر نہیں ہے ۔ میری سمجھ میں تو یہی نہیں آتا کہ کسی کا روج روج من کیسے بدل جاتا ہے ۔ کیا آدمی گائے بکری سے بھی گیا بیتا ہو گیا ؟ پر کسی کو برا نہیں کہتی ، بھائی من کو جیسا بناؤ ویسا بنتا ہے ۔ ایسوں کو بھی دیکھتی ہوں جنھیں سدا کی دال روٹی کے بعد کبھی کبھی منھ کا سواد بدلنے کے لیے حلوا پوری بھی چاہیے اور ایسوں کو بھی دیکھتی ہوں جنھیں گھر کی روٹی دال دیکھ کر جوڑی آتی ہے ۔ کچھ بے چاریاں ایسی بھی ہیں جو اپنی دال روٹی ہی میں مگن رہتی ہیں ، حلوہ پوری سے انھیں کوئی مطلب نہیں ۔ میری دونوں بھاوجوں ہی کو دیکھو۔ ہمارے بھائی کانے کبڑے نہیں ہیں ۔ دس جوانوں میں ایک جوان ہیں پر بھاوجوں کو نہیں بھاتے ۔ انھیں تو وہ چاہیے جو سونے کی بالیاں بنوائے ، مہین ساڑیاں لاوے اور روج چاٹ کھلا وے ۔ بالیاں اور ساڑیاں اور مٹھائیاں مجھے بھی کم اچھی نہیں لگتیں مگر جو کہو اس کے لیے اپنی لاج بیچتی پھروں تو بھگوان اس سے بچاویں ۔ ایک کے ساتھ روکھا سوکھا کھا کر عمر کاٹ دینا ، بس اپنا تو یہی راگ ہے ۔ بہت کر کے تو مرد ہی عورتوں کو بگاڑتے ہیں ۔ جب مرد اِدھر اُدھر تانک جھانک کرے گا تو عورت بھی آنکھیں لڑائے گی ۔ مرد دوسری عورت کے پیچھے دوڑے گا تو عورت بھی دوسرے مرد کے پیچھے دوڑے گی ۔ مرد کا ہر جائی ہونا عورت کو بھی اتنا ہی برا لگتا ہے جتنا عورت کا مرد کو ۔ یہی سمجھ لو ۔ میں نے تو اپنے آدمی سے ساپھ ساپھ کہہ دیا تھا کہ اگر تم ادھر اُدھر لپکے تو میرے بھی جو جی میں آوے گا کروں گی ۔ جو یہ چاہو کہ تم تو اپنے من کی کرو اور عورت کو مار کے ڈر سے اپنے بس میں رکھو تو یہ نہ ہوگا ۔ تم کھلے کھجانے کرتے ہو وہ چھپ کر کرے گی ۔ تم اسے جلا کر سکھی نہیں رکھ سکتے ۔"

گوبر کے لیے یہ ایک نئی دنیا کی باتیں تھیں ۔ محو ہو کر سن رہا تھا ۔ کبھی کبھی تو آپ ہی آپ اس کے پاؤں رک جاتے ، پھر چیت کر چلنے لگتا ۔ جھنیا نے پہلے اسے اپنے روپ پر

موہ لیا تھا ، آج اس نے اپنی تجربے سے بھری باتوں اور اپنی عصمت پروری کے ذکر سے اسے اپنا گرویدہ بنا لیا ۔ ایسے روپ ، گن ، اور گیان والی عورت اسے مل جائے تو دھنیہ بھاگ! پھر وہ کیوں پنچایت اور برادری سے ڈرے ؟

جھنیا نے جب دیکھ لیا کہ اس کا رنگ گہرا جم گیا تو سینے پر ہاتھ رکھ کر زبان کو دانت سے کاٹتی ہوئی بولی۔

''ارے یہ تو تمھارا گاؤں آگیا ! تم بھی بڑے چالاک ہو ، مجھے کہا بھی نہیں کہ لوٹ جاؤ ۔''

یہ کہہ کر وہ لوٹ پڑی ۔

گوبر نے اصرار سے کہا '' چھن بھر کے لیے میرے گھر کیوں نہیں چلتی ؟ اماں بھی تو دیکھ لیں۔''

جھنیا نے شرم سے آنکھیں چرا کر کہا '' تمھارے گھر یوں نہ جاؤں گی ۔ مجھے تو یہی اچرج ہوتا ہے کہ میں اتنی دور کیسے آ گئی ۔ اچھا بتاؤ اب کب آؤ گے ؟ رات کو میرے درواجے پر اچھی سنگت ہو گی ۔ چلے آنا میں اپنے پچھواڑے ملوں گی ۔''

'' اور جو نہ ملیں ؟''

'' تو لوٹ آنا ۔''

'' تو پھر میں نہ آؤں گا ۔''

'' آنا پڑے گا ۔نہیں تو کہے دیتی ہوں ، ہاں !''

'' تم بھی بچن دو کہ ملو گی ۔''

'' میں بچن نہیں دیتی ۔''

'' تو میں بھی نہیں آتا ۔''

'' میری بلا سے۔''

'' جھنیا انگوٹھا دکھا کر چل دی ۔ پہلی ہی ملاقات میں دونوں ایک دوسرے پر اپنا اپنا اقتدار قائم کر چکے تھے ۔ جھنیا جانتی تھی کہ وہ آئے گا ؟ گوبر جانتا تھا کہ وہ ملے گی ، کیسے نہ ملے گی ؟ جب وہ تنہا گائے کو ہانکتا ہوا چلا تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ بہشت سے گر پڑا ہو ۔

٦

جیٹھ کی گرم شام ، سمری کی سڑکوں اور گلیوں میں بھی پانی کے چھڑکاؤ سے فضا سردوشاداب ہو رہی تھی۔ شامیانے کے چاروں طرف پھولوں اور پودوں کے گملے سجا دیے گئے تھے اور بجلی کے پنکھے چل رہے تھے ۔ رائے صاحب اپنے کارخانے میں بجلی بنوالیتے تھے۔ ان کے سپاہی پیلی وردیاں پہنے اور نیلے صافے باندھے عوام پر رعب جماتے پھرتے۔ نوکر سفید کرتے پہنے اور زعفرانی رنگ کی پگڑیاں باندھے مہمانوں اور مکھیوں کی خاطر ومدارت کررہے تھے ۔ اسی وقت ایک موٹر صدر دروازے کے سامنے آکر رکا اور اس میں سے تین اصحاب اترے ۔ وہ جو کھدر کا کرتا اور چپل پہنے ہوئے تھے، ان کا نام پنڈت اونکار ناتھ ہے ۔ آپ بجلی نامی روزنامے کے مشہور ومعروف ایڈیٹر ہیں جنھیں دیش کی چنتا نے گھلا ڈالا ہے ۔ دوسرے صاحب جو کوٹ اور پتلون میں ہیں ، وہ ہیں تو وکیل ،مگر وکالت نہ چلنے کی سبب ایک بیمہ کمپنی کی دلالی کرتے ہیں اور تعلقداروں کو مہاجنوں اور بینکوں سے قرض دلانے میں وکالت سے کہیں زیادہ کمائی کر لیتے ہیں ۔ ان کا نام ہے شیام بہاری تنخا اور تیسرے صاحب جو ریشمی اچکن اور چست پاجاما پہنے ہوئے ہیں مسٹر بی مہتا یونیورسٹی میں فلسفے کے پروفیسر ہیں ۔ یہ تینوں صاحب رائے صاحب کے ہم سبقوں میں ہیں اور شگون کے جلسے میں مدعو ہوتے ہیں ۔ آج سارے علاقے کے آسامی آئیں گے اور شگون کے روپے نظر کریں گے ۔ رات کو دھنش یگیہ ہوگا مہمانوں کی دعوت ہوگی ۔ ہوری نے پانچ روپے شگون کے دے دیے ہیں اور ایک گلابی مرزئی پہنے ، گلابی پگڑی باندھے ، گھٹنے تک کاچھنی کاچھے ، ہاتھ میں ایک کھرپی لیے اور چہرے پر پاؤڈر ملے راجا جنک کا مالی بن گیا ہے اور گھمنڈ سے اتنا پھول اٹھا ہے گویا کُل جلسہ اس کی بدولت ہو رہا ہے ۔

رائے صاحب نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا ۔ دوہرے بدن کے اونچے آدمی تھے۔ گٹھا ہوا جسم ، بارونق چہرا ، بلند پیشانی ، گورا رنگ ، اس پر شربتی ریشمی چادر خوب پھب رہی تھی۔
پنڈت اونکار ناتھ نے پوچھا " اب کے کون سا ناٹک کھیلنے کا ارادہ ہے ؟میری دلچسپی

کی تو یہاں وہی ایک چیز ہے۔"

رائے صاحب نے تینوں اصحاب کو خیمے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھاتے ہوئے کہا "پہلے دھنش یگیہ ہو گا اور پھر اس کے بعد ایک مزاحیہ ڈارمہ۔ ناٹک تو کوئی اچھا نہ ملا۔ کوئی اتنا لمبا کے شاید پانچ گھنٹوں میں ختم نہ ہو اور کوئی اتنا مشکل کہ شاید یہاں ایک آدمی بھی اس کا مطلب نہ سمجھے۔ آخر میں نے خود ایک مزاحیہ ناٹک لکھ ڈالا جو دو گھنٹوں میں پورا ہو جائے گا۔"

اونکار ناتھ کو رائے صاحب کی ڈرامہ نگاری میں بہت شک تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ذہانت تو غریبی ہی میں چمکتی ہے، چراغ کی طرح جو اندھیرے ہی میں اپنی روشنی ظاہر کرتا ہے۔ بے پروائی سے منھ پھیر لیا، جسے چھپانے کی بھی انھوں نے کوشش نہیں کی۔

مسٹر ٹنخا ان بے کار باتوں میں نہ پڑنا چاہتے تھے مگر پھر بھی رائے صاحب کو دکھانا چاہتے تھے کہ اس کے متعلق انھیں کچھ کہنے کا حق ہے بولے" ناٹک کوئی بھی اچھا ہو سکتا ہے اگر اس کے ایکٹر اچھے ہوں۔ عمدہ سے عمدہ ناٹک برے ایکٹروں کے ہاتھ میں پڑ کر برا ہو سکتا ہے۔ جب تک اسٹیج پر تعلیم یافتہ ایکٹریسیں نہیں آتیں ہمارے ناٹکی فن کا اُدّھار نہیں ہوسکتا۔ اب کے تو آپ نے کونسل میں سوالوں کی دھوم مچادی، میں تو دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی ممبر کا ریکارڈ اتنا شاندار نہیں ہے۔"

فلسفہ کے پروفیسر مسٹر مہتا اس تعریف کو سہ نہ سکتے تھے۔ مخالفت تو کرنا چاہتے تھے مگر اصول کی آڑلے کر انھوں نے حال ہی میں ایک کتاب کئی سال کی محنت سے لکھی تھی۔ اس کی جتنی شہرت ہونی چاہیے تھی اس کا عشر عشیر بھی نہ ہوئی تھی۔ جس سے وہ بہت مغموم تھے۔ بولے" بھئی میں سوالوں کا قائل نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری زندگی ہمارے اصولوں کے مطابق ہو۔ آپ کسانوں کے بہی خواہ ہیں، انھیں انواع واقسام کی مراعات دینا چاہتے ہیں، زمینداروں کے اختیارات چھین لینا چاہتے ہیں۔ بلکہ انھیں تو آپ سماج کی نحوست کہتے ہیں، مگر پھر بھی آپ زمیندار ہیں، ویسے ہی زمیندار جیسے ہزاروں اور ہیں۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ کسانوں کے ساتھ رعایت ہونی چاہیے تو پہلے آپ خود شروع کریں۔ کسانوں کو نذرانہ لیے بغیر پٹے لکھ دیں، بیگار بند کردیں، اضافہ لگان سے درگزر کریں، چراگاہیں چھوڑ دیں مجھے ان لوگوں سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے جو باتیں تو کرتے ہیں کمیونسٹوں کی سی، مگر زندگی ہے رئیسوں کی سی، اتنی ہی عیش پسندی اور خود غرضی سے معمور!"

رائے صاحب کو صدمہ ہوا ۔ وکیل صاحب کے ماتھے پر بل پڑے گئے ۔ ایڈیٹر صاحب کے منھ پر کالکھ سی لگ گئی ۔ وہ خود اشتراکیت کے پجاری تھے ۔ مگر براہ راست گھر میں آگ نہ لگانا چاہتے تھے ۔

ٹنخا نے رائے صاحب کی وکالت کی'' میں سمجھتا ہوں کہ رائے صاحب کا اپنے آسامیوں کے ساتھ جتنا اچھا سلوک ہے ویسا ہی اگر سبھی زمیندار برتیں تو یہ سوال ہی باقی نہ رہے ۔''

مہتا نے ہتھوڑے کی دوسری چوٹ جمائی '' مانتا ہوں، آپ کا اپنے آسامیوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ ہے ، مگر سوال تو یہ ہے کہ اس میں خودغرضی ہے یا نہیں ؟ اس کا ایک سبب کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ دھیمی آنچ میں کھانا ذائقے دار پکتا ہے ؟ گڑ سے مارنے والا زہر سے مارنے والے کی بہ نسبت زیادہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ ہم سوشلسٹ ہیں یا نہیں ہیں ۔ ہیں ، تو ویسا برتیں بھی ، ورنہ بکنا چھوڑ دیں ۔ میں نقلی زندگی کے خلاف ہوں ۔ اگر گوشت کھانا اچھا سمجھتے ہو تو اعلانیہ کھاؤ ۔ برا سمجھتے ہو تو نہ کھاؤ۔ یہ تو میری سمجھ میں آتا ہے، مگر اچھا سمجھنا اور چھپ کر کھانا ، یہ میری سمجھ میں نہیں آتا ۔ میں اسے بزدلی بھی کہتا ہوں اور مکاری بھی جو دراصل ایک ہی ہیں ۔''

رائے صاحب ایک صحبت یافتہ آدمی تھے ، توہین اور صدمے کو صبر اور فراخ دلی سے سہنے کی انھیں مہارت تھی ۔ کچھ پس وپیش میں پڑ کر بولے'' آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے ۔ مہتا جی ! آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کی صاف گوئی کی کتنی قدر کرتا ہو ں۔ مگر آپ یہ بھول جاتے ہیں کہ دوسری مسافتوں کی طرح خیالوں کی مسافت میں بھی منزلیں ہوتی ہیں ۔ اور آپ ایک منزل کو چھوڑ کر دوسری منزل میں نہیں جاسکتے ۔ انسانی زندگی کی تاریخ اس کا ایک بین ثبوت ہے ، میری پرورش ایسے ماحول میں ہوئی ہے جہاں بادشاہ خدا ہے اور زمیندار خدا کا مشیر ہے ۔ میرے والد مرحوم آسامیو ں پر اتنی دیا کرتے تھے کہ پالے سوکھے میں کبھی نصف کبھی پورا لگان معاف کردیتے تھے ۔ اپنے ذخیرے سے اناج نکال کر آسامیوں کو کھلا دیتے تھے ۔ گھر کے زیور بیچ کر لڑکیوں کے بیاہ میں مدد دیتے تھے ۔ مگر یہ سب اسی وقت تک جب رعایا انھیں سرکار اور دھرم اوتار کہتی رہے ، انھیں اپنا دیوتا سمجھ کر ان کی پوجا کرتی رہے ۔ رعایا کو پالنا ان کا سناتن دھرم تھا مگر اختیار کے نام پر وہ کوڑی کا دندانہ بھی چھوڑ کر دینا نہ جانتے تھے۔ میں اسی ماحول میں پلا ہوں اور مجھے فخر ہے کہ میں عملاً خواہ کچھ کروں مگر ارادوں

میں ان سے آگے بڑھ گیا ہوں اور یہ ماننے لگا ہوں کہ جب تک کسانوں کو یہ رعایتیں اختیاری شکل میں نہ ملیں گی، اس وقت تک صرف نیک خیالی کی بنیاد پر ان کی حالت میں سدھار نہیں ہوسکتی۔ اپنی خوشی سے بے غرض بن جانا تو مستثنیات میں سے ہے۔ میں خود اچھا خیال رکھتے ہوئے بھی اپنا سوارتھ نہیں چھوڑ سکتا اور چاہتا ہوں کہ ہمارے طبقے کو حکومت کی طاقت اور طرزِ عمل کے ذریعے سے اپنا سوارتھ چھوڑ دینے کے لیے مجبور کر دیا جائے۔ اسے آپ بزدلی کہیں گے، میں مجبوری کہتا ہوں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ کسی کو بھی دوسرے کی محنت پر موٹے ہونے کا حق نہیں ہے۔ دوسروں کے بل پر جینا انتہائی بے غیرتی ہے۔ کام کرنا جملہ جانداروں کا دھرم ہے۔ سماج کی وہ تقسیم تدوین جس میں کچھ لوگ مفت مزے اڑائیں اور بیشتر آدمی مرا کھپا کریں، کبھی راحت بخش نہیں ہوسکتی۔ پونجی اور تعلیم جسے میں پونجی ہی کا ایک پہلو سمجھتا ہوں، ان کا گڑھ جتنی جلدی ٹوٹ جائے اتنا ہی اچھا۔ جنھیں پیٹ کو روٹی میسر نہیں ان کے افسر دس دس پانچ پانچ ہزار پاتے ہیں۔ یہ ہنسنے کے قابل ہے اور شرم کے بھی! اس نظام نے ہم زمینداروں میں کتنی عیش پسندی، کتنی بدچلنی، کتنی غلامی اور کتنی بے شرمی بھر دی ہے، یہ میں خوب جانتا ہوں مگر میں ان ہی وجوہ سے اس کی مخالفت نہیں کرتا۔ میرا تو یہ کہنا ہے کہ اپنے سوارتھ کے خیال سے بھی اس کی حمایت نہیں کی جاسکتی۔ اس شان کو نبھانے کے لیے ہمیں اپنے ضمیر کا اتنا خون کرنا پڑتا ہے کہ ہم میں خودداری کا نام بھی نہیں رہ گیا ہے۔ ہم اپنے آسامیوں کو لوٹنے کے لیے مجبور ہیں۔ اگر افسروں کو قیمتی قیمتی ڈالیاں نہ دیں تو باغی سمجھے جائیں اور شان وشوکت سے نہ رہیں تو کنجوس کہلائیں' انقلابی تحریک کی ذرا سی آہٹ پر ہم کانپ اٹھتے ہیں اور افسروں کے پاس فریاد لے کر دوڑتے ہیں کہ ہمیں بچائیے۔ ہمیں اپنے پر اعتبار نہیں رہا اور نہ ہم میں مردانگی ہی رہ گئی ہیں۔ بس ہماری حالت ان بچوں کی سی ہے جنھیں چمچ سے دودھ پلاکر پالا جاتا ہے، دیکھنے میں موٹے مگر واقعی کمزور، بے بس اور محتاج!''

مہتا نے تالی بجا کر کہا ''ہیَر! ہیَر! آپ کی زبان میں جتنی عقل ہے کاش اس کی نصف بھی دماغ میں ہوتی! افسوس یہی کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ اپنے خیالات پر عمل نہیں کر سکتے۔''

اونکار ناتھ بولے'' اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا، مسٹر مہتا! ہمیں وقت کے ساتھ چلنا

بھی ہے اور اسے اپنے ساتھ چلانا بھی ۔ برے ہی کاموں میں مدد کی ضرورت نہیں ہوتی ، اچھے کاموں کے لیے بھی مدد کی اتنی ہی ضرورت ہے ۔ آپ ہی کیوں آٹھ سو روپے ہڑپ کرتے ہیں جبکہ آپ کے کروڑوں بھائی صرف آٹھ روپے میں اپنا نباہ کر رہے ہیں ؟''

رائے صاحب نے ظاہراً افسوس مگر باطنی اطمینان سے ایڈیٹر صاحب کو دیکھا اور بولے ''شخصی باتوں کی تنقید نہ کیجیے ، ایڈٹر صاحب ! ہم یہاں سماج کے نظام پر غور کر رہے ہیں۔''

مسٹر مہتا ویسے ہی ٹھنڈے دل سے بولے '' نہیں ، میں اسے برا نہیں سمجھتا۔ سماج شخصوں سے بنتا ہے اور شخص کو بھول کر ہم کسی نظام پر غور نہیں کر سکتے۔ اس لیے اتنی تنخواہ لیتا ہوں کہ میرا اس نظام پر اعتقاد نہیں ہے ۔''

ایڈیٹر صاحب کو حیرت ہوئی '' اچھا تو آپ موجودہ نظام کے حامی ہیں ؟''

'' میں اس اصول کا حامی ہوں کہ دنیا میں چھوٹے بڑے ہمیشہ رہیں گے اور انھیں ہمیشہ رہنا چاہیے ۔ اسے مٹانے کی کوشش کرنا بنی نوع انسان کی تباہی کا موجب ہوگا ۔''

کشتی کا جوڑ بدل گیا ۔ رائے صاحب الگ کھڑے ہو گئے اور ایڈیٹر صاحب اکھاڑے میں اترے ۔'' آپ اس بیسویں صدی میں اعلیٰ ادنیٰ کا فرق مانتے ہیں ؟''

'' جی ہاں ، میں مانتا ہوں ، اور بڑے زوروں سے مانتا ہوں ۔ جس مت کو آپ مانتے ہے وہ بھی تو کوئی نیا مت نہیں ہے ۔ جب سے انسان میں خودی کا ارتقاء ہوا جبھی سے اس مت کا جنم ہوا ۔ بدھ اور افلاطون اور عیسیٰ سبھی سماج میں مساوات کے مبلغ تھے ۔ یونان اور روم اور شام سبھی نے اس کی آزمائش کی مگر غیر قدرتی ہونے کے سبب کبھی وہ دیر پا نہ رہ سکی ۔''

'' آپ کی باتیں سن کر مجھے تعجب ہوتا ہے ۔''

'' تعجب نادانی کا دوسرا نام ہے ۔''

'' میں آپ کا شکر گزار ہوں گا اگر آپ اس پر مضامین کا کوئی سلسلہ شروع کر دیں۔''

'' جی !میں اتنا احمق نہیں ہوں ۔ اچھی رقم دلایئے تو البتہ ۔''

'' آپ نے اصول ہی ایسا لیا ہے کہ علانیہ عوام کو لوٹ سکتے ہیں ۔''

'' مجھ میں اور آپ میں فرق اتنا ہی ہے کہ میں جو کچھ مانتا ہوں ۔ اس پر عمل کرتا ہوں اور آپ لوگ مانتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ۔ دولت کو آپ کسی بے انصافی کے ذریعے

برابر پھیلا سکتے ہیں مگر عقل، کردار، خوبصورتی، ذہانت اور طاقت کو برابر پھیلا دینا تو آپ کی سکت سے باہر ہے۔ چھوٹے بڑے کا فرق صرف دولت ہی سے نہیں ہوتا۔ میں نے بڑے بڑے دولت مندوں کو فقیروں کے سامنے گھٹنے ٹیکتے دیکھا ہے اور آپ نے بھی دیکھا ہوگا۔ حسن کی چوکھٹ پر بڑے بڑے راجے ناک رگڑتے ہیں۔ کیا یہ تمدنی افتراق نہیں ہے؟ آپ روس کی مثال دیں گے۔ وہاں اس کے سوا اور کیا ہے کہ مل کے مالک نے سرکاری نوکر کا روپ لے لیا ہے؟ عقل پہلے بھی حکومت کرتی تھی اور آگے بھی ہمیشہ کرے گی۔"

طشتری میں پان آگئے تھے، رائے صاحب نے مہمانوں کو پان، الائچی دیتے ہوئے کہا "عقل اگر خود غرضی سے بری ہو تو ہمیں اس کا اقتدار ماننے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ سوشلزم کا یہی معیار ہے۔ ہم سادھو مہاتماؤں کے سامنے اسی لیے سر جھکاتے ہیں کہ ان میں تیاگ کا بل ہے۔ اسی طرح ہم عقل کے ہاتھ میں اختیار بھی دینا چاہتے ہیں، وقار بھی، اور لیڈری بھی، مگر دولت کبھی نہیں! عقلی اختیار اور وقار شخص کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہے لیکن اس کی دولت بِس بونے کے لیے اس کے بعد اور بھی طاقتور ہو جاتی ہے۔ عقل کے بغیر کوئی سماج نہیں چل سکتا۔ ہم تو صرف اس بچھو کا ڈنک توڑ دینا چاہتے ہیں۔"

دوسرا موٹر آ پہنچا اور مسٹر کھنّا اترے جو ایک بینک کے منیجر اور شکرمل کے مینیجنگ ڈائرکٹر ہیں۔ دو عورتیں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ رائے صاحب نے ان دونوں کو اتارا۔ وہ جو کھدر کی ساڑی پہنے ہوئے بہت متین اور دور اندیش سی ہیں، مسٹر کھنّا کی بیوی کامنی کھنّا ہیں۔ دوسری جو اونچی ایڑی کا بوٹ پہنے ہوئے ہیں اور جن کے حسین چہرے سے ہنسی پھوٹی پڑتی ہے، مس مالتی ہیں جو انگلستان سے ڈاکٹری پڑھ کر آئی ہیں اور اب پریکٹس کرتی ہیں۔ تعلقداروں کے محلوں میں ان کی بڑی آمد و رفت ہے۔ آپ نئے جگ کی مجسم مورت ہیں۔ نازک اندام مگر شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی، جھجک کا کہیں نام بھی نہیں۔ وضع میں مکمل، بلا کے حاضر جواب، مردانہ جذبات کی ماہر، کھیل کود کو زندگی کا ماحصل سمجھنے والی، لبھانے اور رجھانے کے فن میں طاق، جہاں روح کا مقام ہے وہاں ظاہر داری، جہاں دل کی جگہ ہے وہاں ناز و انداز، دلی جذبات پر اچھا قابو جس میں رغبت یا خواہش کا فقدان سا ہو گیا ہے!

آپ نے مسٹر مہتا سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "سچ کہتی ہوں، آپ صورت سے فلسفی معلوم ہوتے ہیں۔ اس نئی کتاب میں آتما کے ماننے والوں کو اُدھیڑ کر رکھ دیا ہے، پڑھتے

پڑھتے کئی بار دل میں آیا کہ آپ سے لڑ جاؤں ۔ فلاسفروں میں ہمدردی کیوں نہیں ہوتی ؟''

مہتا صاحب جھینپ گئے ، کنوارے تھے اور نئے جگ کی عورتوں سے پناہ مانگتے تھے ۔ مردوں کی جماعت میں خوب چہکتے تھے مگر جیوں ہی کوئی عورت آئی اور آپ کی زبان بند ہوئی، جیسے عقل پر قفل لگ جاتا تھا ۔عورتوں سے مہذبانہ سلوک تک کرنے کا ہوش نہ رہتا تھا ۔

مسٹر کھنا نے پوچھا '' فلاسفروں کی صورت میں کیا خاص بات ہوتی ہے ، دیوی جی؟''

مالتی نے مہتا کی طرف رحم سے دیکھ کر کہا '' مہتا جی برا نہ مانیں تو بتادوں ۔''

کھنّا صاحب مس مالتی کے پرستاروں میں سے تھے ۔ جہاں مس مالتی جائیں وہاں کھنا کا پہنچنا لازمی تھا ۔ ان کے آس پاس بھنورے کی طرح منڈلاتے رہتے تھے ۔ہر وقت ان کی یہی خواہش رہتی تھی کہ مالتی سے زیادہ سے زیادہ وہی بولیں اور اس کی نگاہ زیادہ سے زیادہ ان ہی پر ہے۔

کھنا نے آنکھ جھپکا کر کہا '' فلسفی کسی کی بات کا برانہیں مانتے ۔ ان میں یہی تو وصف ہے۔''

''تو سنیے ۔فلسفی ہمیشہ مردہ دل ہوتے ہیں۔جب دیکھیے اپنے خیالوں میں غرق بیٹھے ہیں ! آپ کی طرف تاکیں گے مگر آپ کو دیکھیں گے نہیں ، آپ ان سے باتیں کیے جائیں لیکن وہ کچھ سنیں گے نہیں ، جیسے خلا میں اڑ رہے ہوں ۔''

سب لوگوں نے قہقہہ لگایا ، مہتا صاحب گویا زمین میں گڑ گئے !

'' آکسفورڈ میں میرے فلسفہ کے پروفیسر مسٹر ہسینڈ تھے ....''

کھنا نے ٹوکا '' نام تو نرالا ہے ۔''

'' جی ہاں، اور تھے کنوارے ....''

'' مسٹر مہتا بھی تو کنوارے ....''

'' یہ روگ سبھی فلاسفروں کو ہوتا ہے ۔''

اب مہتا کو موقع ملا ، بولے '' آپ بھی تو اسی مرض میں مبتلا ہیں ؟''

'' میں نے عہد کیا ہے کہ کسی فلاسفر ہی سے شادی کروں گی اور یہ طبقہ شادی کے نام سے گھبراتا ہے ۔ ہسینڈ صاحب عورت کو دیکھ کر گھر میں چھپ جاتے تھے ۔ ان کے شاگردوں میں کئی لڑکیاں تھیں ۔ اگر ان میں سے کوئی کبھی کچھ پوچھنے کے لیے ان کے دفتر میں چلی جاتی

تو آپ ایسے گھبرا اٹھتے جیسے کوئی شیر آگیا ہو۔ ہم لوگ انھیں خوب چھیڑتے تھے مگر تھے بیچارے بڑے ہی سادہ مزاج۔ کئی ہزار کی آمدنی تھی مگر میں نے انھیں سدا ایک ہی سوٹ پہنے دیکھا۔ ان کی ایک بیوہ بہن تھی۔ وہی ان کے گھر کا سارا انتظام کرتی تھی۔ مسٹر ہسینڈ کو تو کھانے پینے کی فکر ہی نہ رہتی تھی۔ ملنے والوں کے ڈر سے اپنے کمرے کا دروازہ بند کرکے لکھا پڑھا کرتے تھے۔ کھانے کا وقت آجاتا تو ان کی بہن اندر کے دروازے سے ان کے پاس جاکر ان کی کتاب بند کردیتی تھی، جبھی انھیں معلوم ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت آگیا۔ رات کو بھی کھانے کا وقت مقرر تھا۔ ان کی بہن کمرے کی بتی بجھا دیا کرتی۔ ایک دن بہن نے کتاب بند کرنا چاہا تو آپ نے اسے دونوں ہاتھوں سے دبا لیا اور بہن بھائی میں زور آزمائی ہونے لگی۔ آخر بہن ان کے پہیے دار کرسی کو کھینچ کر کھانے کے کمرے میں لے گئی۔''

رائے صاحب بولے '' مگر مہتا صاحب تو بڑے خلیق اور خوش مزاج ہیں ورنہ اس ہنگامے میں کیوں آتے ؟''

'' تو آپ فلاسفر نہ ہوں گے۔ جب اپنے تفکّرات سے ہمارے سر میں درد ہونے لگتا ہے تو پھر دنیا بھر کی فکر سر پر سوار کرکے کوئی کیسے خوش رہ سکتا ہے ؟''

ادھر ایڈیٹر صاحب مسز کھنّا صاحبہ سے اپنی مالی پریشانیوں کی داستان کہہ رہے تھے۔ ''بس یوں سمجھیے شریمتی جی کہ ایڈیٹر کی زندگی ایک طویل فریاد ہے جسے سن کر لوگ رحم کے عوض کانوں پر ہاتھ دھر لیتے ہیں۔ بیچارہ نہ اپنا بھلا کرسکتا ہے نہ دوسروں کا۔ پبلک اس سے امید تو یہی رکھتی ہے کہ ہر تحریک میں وہ سب سے آگے رہے، جیل جائے، مار کھائے۔ گھر کا مال اسباب قرق کرائے، یہ اس کا فرض سمجھا جاتا ہے، مگر اس کی مشکلات کی طرف کسی کو توجہ نہیں۔ ہو تو وہ سب کچھ، اسے ہر علم وفن کا ماہر ہونا چاہیے مگر اسے زندہ رہنے کا حق نہیں۔ آپ تو آج کل کچھ لکھتی ہی نہیں۔ خوش نصیبی سے آپ کی خدمت کرنے کا جو تھوڑا بہت موقع مجھے مل سکتا ہے اس سے آپ مجھے کیوں محروم رکھتی ہیں ؟''

شریمتی کھنّا کو شعر گوئی کا شوق تھا۔ اس ناتے سے ایڈیٹر صاحب کبھی کبھی ان سے مل آیا کرتے تھے۔ لیکن گھر کے کام دھندوں میں لگے رہنے کے سبب ادھر وہ بہت دنوں سے لکھ نہ سکی تھیں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ایڈیٹر صاحب ہی نے انھیں حوصلہ دلا کر شاعر بنایا تھا۔ فطری ذکاوت ان میں بہت کم تھی۔

''کیا لکھوں ؟ کچھ سوجھتا ہی نہیں ! آپ نے کبھی مس مالتی سے کچھ لکھنے کو نہیں کہا ؟''

ایڈیٹر صاحب نے بے رخی سے کہا '' ان کا وقت قیمتی ہے ، کامنی دیوی ! لکھتے تو وہ لوگ ہیں جن کے دل میں کچھ درد ہے ، پریم ہے ، لگن ہے اور گیان ہے ۔ جنھوں نے دولت و عیش و عشرت کو زندگی کا مقصد بنا لیا وہ کیا لکھیں گے ؟''

کامنی نے حسد آمیز تمسخر سے کہا'' اگر آپ ان سے لکھا سکیں تو آپ کے اخبار کی اشاعت دونی ہو جائے۔ لکھنؤ میں تو کوئی ایسا طبیعت دار نہیں ہے جو آپ کا گاہک نہ بن جائے۔''

'' اگر دولت میری زندگی کا مقصد ہوتی تو آج میں اس حالت میں نہ ہوتا ۔ مجھے بھی دھن کمانے کا ڈھنگ معلوم ہے ۔ آج چاہوں تو لاکھوں کما سکتا ہوں ۔ مگر یہاں تو دولت کو کبھی کچھ سمجھا ہی نہیں۔ ادبی خدمت میری زندگی کا مقصد ہے اور رہے گا ۔''

'' کم سے کم میرا نام تو گاہکوں میں لکھا دیجیے ۔''

'' آپ کا نام گاہکوں میں نہیں ، مربّیوں میں لکھوں گا ۔''

'' مربیّوں میں رانی مہارانیوں کو رکھیے جن کی ذرا سی خوشامد کر کے آپ اپنے اخبار کو نفع کی چیز بنا سکتے ہیں ۔''

'' میری رانی مہارانی آپ ہیں۔ میں تو آپ کے سامنے کسی رانی مہارانی کی حقیقت نہیں سمجھتا۔ جس میں دیا اور گیان ہے وہ میری رانی مہارنی ہے ۔ خوشامد سے مجھے نفرت ہے۔''

کامنی نے چٹکی لی '' لیکن میری خوشامد تو آپ کر رہے ہیں ایڈیٹر صاحب !''

ایڈیٹر نے متانت سے عقیدت بھرے لہجے میں کہا '' یہ خوشامد نہیں ہے ، شریمتی جی! دل کے سچے جذبات ہیں ۔''

رائے صاحب نے پکارا ،' ایڈیٹر صاحب ذرا ادھر آیئے گا ، مس مالتی آپ سے کچھ کہتی ہیں ۔''

ایڈیٹر کی وہ سب اکڑ غائب ہو گئی ، عجز و انکسار کی مورت بنے ہوئے جا کر کھڑے ہو گئے ۔ مالتی نے انھیں ترحمانہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا '' میں ابھی کہہ رہی تھی کہ دنیا میں مجھے سب سے زیادہ ڈر ایڈیٹروں سے لگتا ہے ۔ آپ لوگ جسے چاہیں ایک منٹ میں بگاڑ دیں ۔

مجھ سے چیف سکریٹری صاحب نے ایک دفعہ کہا '' اگر میں اس بلا ڈی اونکار ناتھ کو جیل میں بند کر سکوں تو خود کو خوش نصیب سمجھوں ۔''

اونکار ناتھ کی بڑی بڑی مونچھیں تن گئیں اور آنکھوں میں غرور کی چمک آ گئی یوں وہ بڑے متحمل مزاج آدمی تھے مگر چیلنج سن کر ان کی مردانگی متحرک ہوجاتی تھی ۔ استقلال کے لہجے میں بولے '' اس مہربانی کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اس بزم میں اپنا ذکر تو ہوتا ہے خواہ کسی طرح ہو ۔ آپ سکریٹری صاحب سے کہہ دیجیے گا کہ اونکار ناتھ ان آدمیوں میں نہیں ہیں جو ان گیدڑ بھپکیوں سے ڈر جائیں ۔ اس کا قلم اسی وقت رکے گا جب اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ اس نے بے انصافی اور ظلم کو جڑ سے کھود کر پھینک دینے کا تہیہ کرلیا ہے ۔''

مس مالتی نے اور اکسایا '' مگر آپ کا یہ وطیرہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب آپ معمولی خوش اطواری سے حکام کی مدد حاصل کر سکتے ہیں تو کیوں ان سے کنی کاٹتے ہیں ؟ اگر آپ اپنی تنقیدوں میں آگ اور زہر ذرا کم کردیں تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں آپ کو سرکار سے کافی مدد دلا سکتی ہوں ۔ پبلک کو تو آپ نے دیکھ لیا ، اس سے اپیل کی ، اس کی خوشامد کی ، اپنی مشکلیں کہیں ، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا ۔ اب ذرا حکام کو بھی آزما دیکھیے ۔ تیسرے مہینے آپ موٹر پر نہ چلنے لگیں اور سرکاری دعوتوں میں مدعو نہ ہونے لگیں تو مجھے آپ جتنا چاہے کوسیے گا تب یہی رئیس اور نیشلسٹ جو آپ کی پرواہ نہیں کرتے آپ کے مکان کا طواف کریں گے ۔''

اونکار ناتھ نے گھمنڈ سے کہا '' یہی تو میں نہیں کر سکتا دیوی جی ، میں نے اپنے اصولوں کو ہمیشہ بلند اور پاک رکھا ہے اور جیتے جی ان کی حفاظت کروں گا ۔ دولت کے پجاری تو گلی گلی ملیں گے ، میں اصول کے پجاریوں میں ہوں ۔''

'' میں اسے مکر کہتی ہوں ۔''

'' آپ کی خوشی ۔''

'' دھن کی آپ کو پرواہ نہیں ؟''

'' اصولوں کا خون کر کے نہیں ۔''

'' تو آپ کے اخبار میں ودیشی چیزوں کے اشتہار کیوں ہوتے ہیں ؟ میں نے کسی بھی اور اخبار میں اتنے ودیشی اشتہار نہیں دیکھے ۔ آپ بنتے تو ہیں بڑے اصول پرست ، مگر اپنے

نفع کے لیے دیس کا دھن بدیس بھیجتے ہوئے آپ کو ذرا بھی رنج نہیں ہوتا۔ آپ کسی دلیل سے اپنے اس طرز کو حق بجانب نہیں قرار دے سکتے۔''

اونکار ناتھ کے پاس سچ مچ کوئی جواب نہ تھا۔ انھیں بغلیں جھانکتے دیکھ رائے صاحب نے ان کی مدد کی'' تو آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟ ادھر سے بھی مارے جائیں اور اُدھر سے بھی مارے جائیں تو اخبار کیسے چلے؟''

مس مالتی نے رحم کرنا نہ سیکھا تھا بولی'' اخبار نہیں چلتا تو بند کر دیجیے۔ اپنا اخبار چلانے کے لیے آپ کو بدیسی چیزوں کے پرچار کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر آپ مجبور ہیں تو اصول کا ڈھونگ چھوڑیے۔ میں تو اصول پرست اخباروں کو دیکھ کر جل اٹھتی ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ دیا سلائی دکھادوں۔ جو شخص قول فعل میں یکسانیت نہیں رکھتا وہ اور چاہے جو کچھ ہو اصول پرست نہیں ہے۔''

مہتا کھل اٹھے، ذرا دیر قبل انھوں نے خود اسی خیال کو پیش کیا تھا۔ انھیں معلوم ہوا کہ اس عورت میں سوچنے کی سکت بھی ہے۔ یہ صرف تتلی نہیں ہے۔ تامل دور ہو گیا۔ بولے ''یہی بات میں ابھی کہہ رہا تھا۔ قول فعل میں یکسانیت کا نہ ہونا ہی دغا ہے، مکاری ہے۔''

مالتی خوش ہو کر بولی'' تو اس بارے میں آپ اور ہم ایک ہیں، تو میں بھی فلاسفر ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہوں؟''

کھنا کی زبان کھجلا رہی تھی بولے'' آپ کا ایک ایک عضو فلسفے میں ڈوبا ہوا ہے۔''

مالتی نے ان کی راس کھینچی'' اچھا آپ کو بھی فلسفے میں دخل ہے؟ میں تو سمجھتی تھی کہ آپ بہت پہلے اپنے فلسفے کو گنگا جی کے حوالے کر بیٹھے۔ ورنہ آپ اتنے بینکوں اور کمپنیوں کے ڈائرکٹر نہ ہوتے۔''

رائے صاحب نے کھنا کو سہارا دیا'' تو کیا آپ سمجھتی ہیں کہ فلاسفروں کو ہمیشہ فاقہ مست رہنا چاہیے؟''

'' جی ہاں، فلاسفر اگر رغبت پر فتح نہ پا سکے تو فلاسفر کیسا؟''

'' اس لحاظ سے تو شاید مہتا صاحب بھی فلاسفر نہ ٹھہریں۔''

مہتا نے آستین سی چڑھا کر کہا'' میں نے تو کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا، رائے صاحب! میں تو اتنا ہی جانتا ہوں کہ جن اوزاروں سے لوہار کام کرتا ہے ان اوزاروں سے سنار نہیں کرتا۔

کیا آپ چاہتے ہیں کہ آم بھی اسی حالت میں پھولے پھلے جیسے ببول یا تاڑ؟ میرے لیے دولت صرف ان آسانیوں کا نام ہے جن میں میں اپنی زندگی کو بامعنی بنا سکوں ۔ دولت میرے لیے بڑھنے اور پھولنے پھلنے والی چیز نہیں بلکہ صرف ذریعہ ہے ۔ مجھے دولت کی بالکل خواہش نہیں ، آپ صرف ویسے ذرائع مہیا کریں ۔ جن سے اپنی زندگی کو کام کی چیز بنا سکوں ۔''

اونکار ناتھ سوشلسٹ تھے ، شخصی فضیلت کو کیسے مان سکتے تھے ؟ اسی طرح ہر مزدور کہہ سکتا ہے کہ اسے کام کرنے کی آسانیوں کی غرض سے ایک ہزار ماہوار کی ضرورت ہے ۔

'' اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس مزدور کے بغیر آپ کا کام نہیں چل سکتا تو آپ کو وہ آسانیاں دینی پڑیں گی ۔ اگر وہی کام دوسرا مزدور کم مزدوری میں کردے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ پہلے مزدور کی خوشامد کریں ۔''

'' اگر مزدوروں کے ہاتھ میں اختیار ہوتا تو مزدوروں کے لیے عورت اور شراب بھی اتنی ہی ضروری ہوجاتیں جتنی فلاسفروں کے لیے ؟ ''

'' تو آپ یقین کیجیے میں ان سے حسد نہ کرتا ۔''

'' جب آپ کی زندگی بامعنی ہونے کے لیے عورت اس قدر ضروری ہے تو آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے ؟''

مہتا نے بے تامل کہا '' اسی لیے میں سمجھتا ہوں کہ آزادانہ عیش کوشی روح کے ارتقاء میں رکاوٹ نہیں ڈالتی ۔ شادی تو روح اور زندگی کو پنجرے میں بند کر دیتی ہے ۔''

کھنا نے تائید کی '' پابندی اور نفس کشی پرانی تھیوریاں ہیں ، نئ تھیوری ہے آزادنہ عیش کوشی ۔''

مالتی نے چوٹی پکڑی '' تو اب مسز کھنا کو طلاق کے لیے تیار رہنا چاہیے ؟''

'' طلاق کا بل پاس تو ہو ۔''

'' شاید اس کا اولین استعمال آپ ہی کریں گے ؟''

'' کامنی نے مالتی کی طرف زہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور منھ سکیڑ لیا، گویا کہہ رہی ہوں '' کھنا تمھیں مبارک رہیں مجھے پروا نہیں ۔''

مالتی نے مہتا کی طرف دیکھ کر کہا '' اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے مسٹر مہتا؟''

مہتا متین بن گئے ۔ وہ کسی مسئلے پر اپنی رائے دیتے تھے تو گویا اپنی کل جان اسی میں ڈال دیتے تھے ۔ بولے '' بیاہ کو میں سماجی سمجھوتہ سمجھتا ہوں ، جسے رد کرنے کا اختیار نہ مرد کو ہے نہ عورت کو ۔ سمجھوتہ کرنے سے پہلے آپ آزاد ہیں مگر اس کے بعد آپ کے ہاتھ کٹ جاتے ہیں ۔''

'' تو آپ طلاق کے خلاف ہیں ۔ کیوں؟''

'' بالکل ۔''

'' اور آزادنہ عیش پرستی والا اصول ؟''

'' وہ ان کے لیے ہیں جو بیاہ نہیں کرنا چاہتے ۔''

'' اپنی روح کا کامل ارتقا سبھی چاہتے ہیں ، مگر ایسے بہت کم ہیں جو لالچ کو روک سکیں ۔''

'' آپ بہتر کسے سمجھتے ہیں ازدواج کو یا تجرد کو؟''

'' سماجی اعتبار سے ازدواج کو اور شخصی نقطۂ خیال سے تجرد کو ۔''

دھنش یگیہ کا وقت قریب تھا ۔ دس سے ایک بجے تک دھنش یگیہ اور ایک سے تین بجے تک ناٹک ، یہ پروگرام تھا ۔ کھانے کی تیاری شروع ہوئی ، مہمانوں کے لیے بنگلے میں الگ الگ رہنے کا انتظام تھا ۔

کھنا صاحب اور ان کی پارٹی کے لیے دو کمرے تھے اور بھی کتنے ہی مہمان آگئے تھے ۔ سبھی اپنے اپنے کمرے میں گئے اور کپڑے بدل بدل کر دسترخوان پر جا بیٹھے ۔ یہاں چھوت چھات کا کوئی ذکر نہ تھا ۔ سبھی ذات کے لوگ ایک ساتھ کھانا کھانے بیٹھے ، صرف اونکارناتھ ایڈیٹر سب سے الگ اپنے کمرے میں پھلا ہار کرنے چلے گئے اور کامنی کے سر میں درد تھا پس اس نے کھانے سے انکار کر دیا تھا ۔ کھانے کے وقت مہمانوں کی تعداد پچیس سے کم نہ تھی ، گوشت بھی تھا ۔ اس جلسے کے لیے رائے صاحب عمدہ قسم کی شراب خاص طور پر تیار کراتے تھے ۔ گوشت بھی کئی طرح کا پکتا تھا ۔ کوفتہ ، کباب اور پلاؤ ۔ مرغ ، بکرا ، ہرن ، تیتر ، بٹیر ، جسے جو پسند ہو ، کھائے ۔

کھانا شروع ہو گیا تو مالتی نے پوچھا '' ایڈیٹر صاحب کہاں گئے ؟ کسی کو بھیجئے رائے صاحب ، کہ انھیں پکڑ لائے ، رائے صاحب نے کہا '' وہ ویشنو ہیں ، ان کو یہاں بلا کر کیوں

بے چارے کا دھرم بگاڑوگی۔ بڑا ہی دھرم کرم والا آدمی ہے۔''

''اجی اور کچھ نہ سہی، تماشا تو رہے گا۔''

یکا یک ایک صاحب کو دیکھ کر اس نے پکارا'' آپ بھی تشریف رکھتے ہیں، مرزا خورشید! اچھا یہ کام آپ کے سپرد۔آپ کی لیاقت کا امتحان ہو جائے گا۔''

مرزا خورشید گورے چٹے آدمی تھے، بھوری مونچھیں، نیلی آنکھیں، دوہرا بدن، چاند پر کے بال صفاچٹ' چھ کلیا اچکن اور چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے۔اوپر سے ہیٹ لگاتے تھے۔ کونسل کے ممبر تھے مگر وہاں بیشتر اوقات خراٹے ہی لیتے رہتے تھے۔رائے دینے کے وقت چونک پڑتے تھے اور نیشنلسٹوں کی طرف سے بول دیتے تھے، صوفی تھے، دوبار حج کر آئے تھے مگر شراب خوب پیتے تھے۔ کہتے تھے کہ جب ہم خدا کا ایک حکم بھی کبھی نہیں مانتے تو دین کے لیے کیوں جان دیں؟ بڑے پر مذاق اور لا ابالی انسان تھے۔پہلے بصرے میں ٹھیکے کا کام کرتے تھے۔لاکھوں کمائے مگر شامتِ اعمال کہ ایک میم سے آشنائی کر بیٹھے۔مقدمے بازی ہوئی جیل جاتے جاتے بچے۔چوبیس گھنٹے کے اندر ملک سے نکل جانے کا حکم ہوا۔جو کچھ جہاں تھا وہیں چھوڑا اور صرف پچاس ہزار لے کر بھاگ کھڑے ہوئے، بمبئی میں ان کے ایجنٹ تھے، سوچا تھا کہ ان سے حساب کتاب کر لیں گے اور جو کچھ نکلے گا اسی میں زندگی کاٹ دیں گے۔مگر ایجنٹوں نے جعل کرکے ان سے وہ پچاس ہزار بھی اینٹھ لیے۔نراس وہاں سے لکھنؤ چلے۔گاڑی میں ایک مہاتما سے ملاقات ہوئی۔مہاتما نے انھیں سبز باغ دکھاکر ان کی گھڑی، انگوٹھیاں اور روپے سب اڑا دیے۔بے چارے لکھنؤ پہنچے تو جسم کے کپڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔رائے صاحب سے دیرینہ مراسم تھے۔کچھ ان کی مدد سے، کچھ اور دوستوں کی مدد سے ایک جوتے کی دکان کھول لی جو اب لکھنؤ کی سب سے زیادہ چلتی ہوئی دکان تھی۔چار پانچ سو روزانہ کی بکری تھی۔عوام کو ان پر چند ہی روز میں اتنا اعتقاد ہو گیا تھا کہ ایک بڑے بھاری مسلم تعلقدار کو نیچا دکھاکر کونسل میں پہنچ گئے تھے۔اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے بولے'' جی نہیں، میں کسی کا دین نہیں بگاڑتا۔یہ کام آپ کو خود کرنا چاہیے۔مزا تو جب ہے کہ آپ انھیں شراب پلا کر چھوڑیں۔یہ آپ کے معجزۂ حسن کی آزمائش ہے۔''

چاروں طرف سے آوازیں آئیں'' ہاں، ہاں مس مالتی! آج اپنا کمال دکھایئے۔''

مالتی نے مرزا کو للکارا'' کچھ انعام دو گے؟''

''سوروپے کی تھیلی۔''

''ہش ، سوروپے ، لاکھ روپے کا دھرم بگاڑوں سو کے لیے ؟''

''اچھا آپ خود اپنی فیس بتائیے ؟''

''ایک ہزار، کوڑی کم نہیں۔''

''اچھا منظور۔''

''جی نہیں لاکر مہتا صاحب کے ہاتھ میں رکھ دیجیے۔''

مرزا صاحب نے فوراً سو روپے کا نوٹ جیب سے نکالا اور اسے دکھاتے ہوئے کھڑے ہوکر بولے'' بھائیو! یہ ہم سب مردوں کی عزت کا معاملہ ہے ، اگر مس مالتی کی فرمائش نہ پوری ہوئی تو ہمارے لیے کہیں منھ دکھانے کی جگہ نہ رہے گی اگر میرے پاس روپے ہوتے تو میں مس مالتی کی ایک ایک ادا پر ایک ایک لاکھ روپے قربان کر دیتا ۔ ایک قدیم شاعر نے اپنے معشوق کے ایک ایک سیاہ خال پر سمرقند اور بخارا کے صوبے نچھاور کر دیے تھے ! آج آپ سبھی صاحبوں کی جوانمردی اور حسن پرستی کا امتحان ہے ، جس کے پاس جو کچھ ہو سچے سورما کی طرح نکال کر رکھ دے ۔ آپ کو علم کی قسم اور معشوق کی اداؤں کی قسم اور اپنی عزت کی قسم پیچھے قدم نہ ہٹائیے مردو! روپے خرچ ہو جائیں گے مگر نام ہمیشہ کے لیے رہ جائے گا۔ ایسا تماشا لاکھوں میں بھی سستا ہے ۔ دیکھیے، لکھنؤ کی حسینوں کی ملکہ ایک زاہد پر اپنے حسن کا جادو کیسے چلاتی ہے ۔''

تقریر ختم کرتے ہی مرزا صاحب نے ہر ایک پاکٹ کی تلاشی شروع کر دی ۔ پہلے مسٹر کھنا کی تلاشی ہوئی ان کی جیب سے پانچ روپے نکلے ۔

مرزا صاحب نے اداس ہو کر کہا'' واہ کھنا صاحب واہ ، نام بڑے درشن چھوٹے! اتنی کمپنیوں کے ڈائرکٹر لاکھوں کی آمدنی اور آپ کی جیب میں پانچ روپے !''

لا حول ولا قوۃ ! کہاں ہیں مہتا ، آپ ذرا جاکر مسز کھنا سے کم سے کم سو روپے وصول کر لائیے ۔''

کھنا کھسیا کر بولے'' اجی ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہ ہوگا ۔ کون جانتا تھا کہ آپ یہاں تلاشی لینا شروع کر دیں گے ۔''

''خیر اب خاموش رہیے ، ہم اپنی قسمت تو آزمالیں ۔''

''اچھا تو میں جاکر ان سے پوچھتا ہوں۔''

''جی نہیں ، آپ یہاں سے ہل نہیں سکتے ۔مسٹر مہتا آپ فلاسفر ہیں ۔ ماہر علم النفس ، دیکھیے اپنی بھد نہ کرایئے گا۔''

مہتا شراب پی کر مست ہو جاتے تھے تو اس مستی میں ان کا فلسفہ اڑ جاتا تھا اور زندہ دلی جاگ اٹھتی تھی ۔ لپک کر مسز کھنا کے پاس گئے اور پانچ ہی منٹ میں منھ لٹکائے لوٹ آئے ۔

مرزا نے پوچھا '' ارے کیا خالی ہاتھ ؟''

رائے صاحب ہنسے'' قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے !''

مرزا نے کہا'' ہو بڑے خوش نصیب کھنا ، خدا کی قسم !''

مہتا نے قہقہہ لگایا اور جیب سے سو سو روپے کے پانچ نوٹ نکالے۔

مرزا نے دوڑ کر انھیں گلے لگا لیا۔

چاروں طرف سے آوازیں اٹھیں'' کمال ہے ! مانتا ہوں استاد ! کیوں نہ ہو ، فلاسفر ہی تو ٹھیرے !''

مرزا نے نوٹوں کو آنکھوں سے لگا کر کہا'' بھئی مہتا ! آج سے میں تمھارا مرید ہو گیا بتاؤ کیا جادو مارا ؟ مہتا اکڑ کر سرخ سرخ آنکھوں سے تاکتے ہوئے بولے'' اجی کچھ نہیں ۔ ایسا کون سا بڑا کام تھا ؟ جاکر پوچھا ، اندر آؤں ؟ بولیں آپ ہیں مہتا جی ، آیئے میں نے اندر جاکر کہا ، وہاں لوگ برج کھیل رہے ہیں ۔ مالتی پانچ سو روپے ہار گئی ہیں اور اپنی انگوٹھی بیچ رہی ہیں جو ہزار سے کم نہیں ہے ۔ آپ نے تو دیکھا ہے بس وہی۔ آپ کے پاس روپے ہوں تو پانچ سو دے کر ایک ہزار کی چیز لے لیجیے ۔ ایسا موقع پھر نہ ملے گا ۔ مس مالتی نے اس وقت روپے نہ دیے تو بے داغ نکل جائیں گی بعد کو کون دیتا ہے ؟ شاید اس لیے انھوں نے انگوٹھی نکالی ہو کہ پانچ سو روپے کس کے پاس دھرے ہوں گے ۔ یہ سن کر وہ مسکرائیں اور جھٹ پٹ اپنی تھیلی سے پانچ نوٹ نکال کر دے دیے اور بولیں میں کچھ لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتی ، نہ جانے کب کیا ضرورت پڑ جائے ۔''

کھنا کھسیا کر بولے'' جب ہمارے پروفیسروں کا یہ حال ہے تو یونیورسٹی کا ایشور ہی مالک ہے ۔''

خورشید نے زخم پر نمک چھڑکا '' ارے تو ایسی کون سی بڑی رقم ہے جس کے لیے آپ کا دل بیٹھا جاتا ہے ؟ ذرا جھوٹ نہ کہلائے تو یہ آپ کی ایک دن کی آمدنی ہے ۔ بس سمجھ لیجیے گا ایک دن بیمار پڑ گئے ۔ اور پھر روپیہ جائے گا بھی تو مس مالتی ہی کے ہاتھ میں اور آپ کے دردِ جگر کی دوا مس مالتی کے پاس ہی تو ہے۔''

مالتی نے ٹھوکر دی '' دیکھیے مرزا جی، طویلے میں لتیا وج اچھی نہیں ۔''

مرزا نے دم ہلائی '' کان پکڑتا ہوں مس صاحبہ ۔''

مسٹر تنخا کی تلاش ہوئی ۔ مشکل سے دس روپے نکلے ۔ مہتا کی جیب سے صرف اٹھنی نکلی۔ کئی اصحاب نے ایک ایک دو دو روپے اپنے آپ دے دیے ۔ حساب جوڑا گیا تو پورے تین سو کی کمی تھی ۔ یہ کمی رائے صاحب نے فراخ دلی کے ساتھ پوری کردی ۔

ایڈیٹر صاحب نے میوے اور پھل کھائے تھے اور ذرا کمر سیدھی کرر ہے تھے کہ رائے صاحب نے جا کر کہا '' آپ کو مس مالتی یاد کررہی ہیں ۔''

وہ خوش ہوکر بولے '' زہے نصیب کے مس مالتی مجھے یاد کر رہی ہیں ۔''

رائے صاحب کے ساتھی ہال میں پہنچ گئے ۔

ادھر نوکروں نے میزیں صاف کر دی تھیں ۔ مالتی نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا ۔ ایڈیٹر نے انکسار دکھایا ، بولے '' بیٹھیے ، تکلف نہ کیجیے ۔ میں اتنا بڑا آدمی نہیں ہوں ۔''

مالتی نے عقیدت کے لہجے میں کہا '' آپ تکلف سمجھتے ہوں گے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ میں اپنی توقیر بڑھارہی ہوں ۔ یوں آپ اپنے کو کچھ نہ سمجھیں اور آپ کے لیے زیبا بھی یہی ہے ، مگر یہاں جتنے لوگ جمع ہیں وہ سبھی آپ کی قومی اور ادبی خدمت سے خوب واقف ہیں ۔ آپ نے اس دائرے میں جو اہم کام کیا ہے خواہ ابھی لوگ اس کی قدر نہ کریں لیکن وہ وقت بہت دور نہیں ہے بلکہ میرے خیال سے بہت قریب آ گیا ہے جب ہر شہر میں آپ کے نام پر سڑکیں بنیں گی ، کلب کھلیں گے اور ٹاؤن ہال میں آپ کی تصویر لٹکائی جائے گی ۔ اس وقت جو کم وبیش بیداری ہے وہ آپ ہی کی عظیم کوشش کا نتیجہ ہے ۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ملک میں اب آپ کے ایسے مقلد پیدا ہو گئے ہیں جو '' گرام سدھار ،، کے کام میں آپ کا ہاتھ بٹانے کو تیار ہیں اور ان سب کی بڑی خواہش ہے کہ یہ کام سنگھٹن کے ساتھ کیا جائے اور اس کے لیے ایک گاؤں سدھار سبھا بنائی جائے جس کے آپ صدر ہوں۔''

اونکار ناتھ کی زندگی میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ انھیں چوٹی کے آدمیوں میں اتنی عزت ملے۔ یوں وہ عام جلسوں میں کبھی کبھی بولتے اور کئی سبھاؤں کے سکریٹری اور اسیسٹنٹ سکریٹری بھی تھے مگر تعلیم یافتہ جماعت نے اب تک ان کی جانب سے بے اعتنائی برتی تھی۔ ان لوگوں میں کسی طرح وہ مل جل نہ پاتے تھے اور اسی لیے جلسوں میں ان کی کاہلی اور خودغرضی کی شکایت کیا کرتے تھے اور اپنے اخبار میں ایک ایک کو دھر گھسیٹتے تھے۔ قلم تیز تھا، کلمے سخت تھے، صاف گوئی کے بجائے، ہرزہ گوئی کر بیٹھتے تھے۔ اس لیے لوگ انھیں خالی ڈھول سمجھتے تھے۔ اسی جماعت میں آج ان کی اتنی عزت! کہاں ہیں آج "سوراج"، اور آزاد ہندوستان"، اور "ہنٹر"، کے ایڈیٹر؟ آکر دیکھیں اور اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں! آج یقیناً ان پر دیوتاؤں کی مہربانی ہے۔ نیک کوشش کبھی بیکار نہیں جاتی! یہ رشیوں کا قول ہے وہ خود اپنی نظروں میں اٹھ گئے تھے۔ ممنونیت سے خوش ہوکر بولے" دیوی جی! آپ تو مجھے کانٹوں میں گھسیٹ رہی ہیں۔ میں نے تو عوام کی جو کچھ خدمت کی وہ اپنا فرض سمجھ کر کی، میں اس عزت کو ذاتی نہیں بلکہ اس مقصد کی عزت سمجھ رہا ہوں جس کے لیے میں نے اپنی زندگی قربان کر دی ہے۔ لیکن میری التجا ہے کہ صدر کا عہدہ کسی باعزت شخص کو دیا جائے۔ عہدہ پر میرا اعتقاد نہیں۔ میں تو خادم ہوں اور خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

مس مالتی اسے کسی طرح قبول نہیں کرسکتیں۔ صدر پنڈت جی کو بننا پڑے گا۔ شہر میں ایسا بااثر آدمی دوسرا نہیں دکھائی دیتا جس کے قلم میں جادو ہے، اور جس کی زبان میں جادو ہے، جس کی شخصیت میں جادو ہے۔ وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ با اثر نہیں؟ وہ زمانہ گیا جب دولت اور اثر میں میل تھا۔ اب ذہانت اور اثر کے میل کا زمانہ ہے۔ ایڈیٹر صاحب کو وہ صدارت ضرور قبول کرنی ہوگی۔ سکریٹری مس مالتی ہوں گی۔ اس سبھا کے لیے ایک ہزار کا چندہ بھی ہوگیا ہے ابھی تو کُل شہر اور صوبہ پڑا ہوا ہے۔ چار پانچ لاکھ مل جانا تو معمولی بات ہے!

اونکار ناتھ پر کچھ نشہ سا چڑھنے لگا، ان کے دل میں جو ایک طرح کی سنسنی اٹھ رہی تھی اس نے سنجیدہ ذمہ داری کی صورت کرلی۔ بولے" مگر آپ یہ سمجھ لیں مس مالتی کہ یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور آپ کو اپنا بہت وقت دینا پڑے گا۔ میں اپنی جانب سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ سبھا کے مقام پر مجھے سب سے پہلے موجود پائیں گے۔"

مرزا صاحب نے پُچاڑا دیا" آپ کا بڑے سے بڑا دشمن بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ اپنا فرض ادا کرنے میں کسی سے پیچھے رہے ۔"

مس مالتی نے دیکھا کہ شراب کا اثر کچھ کچھ ہو رہا ہے تو اور بھی سنجیدہ ہوکر بولیں" اگر ہم لوگ اس کام کی اہمیت نہ سمجھتے تو نہ یہ سبھا قائم ہوتی اور نہ آپ اس کے پریسیڈنٹ ہوتے ۔ ہم کسی رئیس یا تعلقدار کو پریسیڈنٹ بنا کر روپیہ خوب بٹور سکتے اور خدمت کی آڑ میں اپنا مطلب پورا کر سکتے ہیں ۔ مگر ہمارا یہ مقصد نہیں ہے ۔ ہمارا واحد مقصد عوام کی خدمت کرنا ہے اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ آپ کا اخبار ہے ۔ ہم نے طے کر لیا ہے کہ شہر اور گاؤں میں اس کا پرچار کیا جائے اور جلد سے جلد اس کے گاہکوں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچادی جائے ۔ صوبے کی کل میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے چیئر مین صاحب ہمارے دوست ہیں کئی چئیر مین یہیں موجود ہیں اگر ہر ایک نے پانچ سو کاپیاں لے لیں تو پچیس ہزار تو آپ یقینی سمجھیں ۔ پھر راجا صاحب اور مرزا جی کی یہ صلاح ہے کہ اس کے تعلق کونسل میں یہ تجویز پیش کی جائے کہ ہر گاؤں کے لیے" بجلی "، کی ایک کاپی سرکاری طور پر منگائی جائے یا کچھ سالانہ امداد منظور کی جائے یقین کامل ہے کہ یہ تجویز پاس ہو جائے گی ۔"

اونکار ناتھ نے جیسے نشہ میں جھومتے ہوئے کہا" ہمیں گورنر کے پاس ڈیپوٹیشن لے جانا ہوگا ۔"

مسٹر خورشید بولے" ضرور ضرور !"

" ان سے کہنا ہوگا کہ کسی مہذب حکومت کے لیے یہ کتنی شرم اور بدنامی کی بات ہے کہ گرام سدھار کا واحد اخبار ہونے پر بھی" بجلی "، کی ہستی تک نہیں تسلیم کی جاتی ۔"

خورشید نے کہا" ضرور ضرور !"

" میں گھمنڈ نہیں کرتا ۔ ابھی گھمنڈ کرنے کا وقت نہیں آیا پر مجھے اس کا دعویٰ ہے کہ دیہاتی سنگٹھن کے لیے" بجلی "، نے جتنا کام کیا ہے ...."

مسٹر مہتا نے اصلاح کی" نہیں جناب تپسیا کہیے !"،

" میں مسٹر مہتا کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ ہاں اسے تپسیا ہی کہنا چاہیے ، بڑی کٹھن تپسیا!" بجلی "، نے جو تپسیا کی ہے وہ اس صوبے ہی کی نہیں بلکہ ملک کی تاریخ میں لاجواب ہے ۔"

خورشید بولے '' ضرور، ضرور!،،

مس مالتی نے ایک پیک اور دیا، ہماری سبھا نے یہ بھی طے کیا ہے کہ کونسل میں اب کے جو جگہ خالی ہو اس کے لیے آپ کو کھڑا کیا جائے۔ آپ کو صرف اپنی منظوری دینی ہوگی، باقی یہ کام ہم لوگ کر لیں گے، آپ کو نہ خرچ سے مطلب، نہ پرچارسے، نہ دوڑ دھوپ سے۔''

اونکار ناتھ کی آنکھوں کی روشنی دونی ہوگئی، فخریہ انکسار سے بولے '' میں آپ لوگوں کا خادم ہوں، جو کام چاہیے لے لیجیے۔''

'' ہم لوگوں کو آپ سے ایسی ہی امید ہے۔ ہم اب تک فرضی دیوتاؤں کے سامنے ماتھا رگڑتے رگڑتے ہار گئے اور کچھ ہاتھ نہ لگا۔ اب ہم نے آپ کی ذات میں اپنا سچا رہنما، سچا مرشد پایا ہے اور اس مبارک دن کی خوشی میں آج ہمیں یک دل یک زبان ہوکر اپنے غرور اور اپنی مکاری کو ترک کر دینا چاہیے۔ ہم میں آج سے کوئی برہمن نہیں، کوئی شودر نہیں، کوئی ہندو نہیں، کوئی مسلمان نہیں، کوئی اونچا نہیں، کوئی نیچا نہیں، ہم سب لوگ ایک ہی ماں کے بچے، ایک ہی گود کے کھیلنے والے اور ایک ہی تھالی کے کھانے والے بھائی ہیں جو لوگ تفریق پر اعتقاد رکھتے ہیں، جو لوگ علیحدگی اور کٹر پن کے قائل ہیں ان کے لیے ہماری سبھا میں گنجائش نہیں۔ جس سبھا کے پریسیڈنٹ شری اونکار ناتھ جی جیسے بڑے دل والے مہاشے ہوں اس سبھا میں بڑے چھوٹے کا، کھانے پینے کا اور ذات پات کا امتیاز نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ اتحاد اور قومیت میں اعتقاد نہ رکھتے ہوں وہ براہ کرم یہاں سے اٹھ جائیں۔''

رائے صاحب نے شبہ ظاہر کیا '' میرے خیال میں اتحاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب لوگ کھانے پینے کا بچار چھوڑدیں۔ میں شراب نہیں پیتا تو کیا مجھے اس سبھا سے الگ ہوجانا پڑے گا؟''

مالتی نے بے مروتی سے کہا '' بے شک الگ ہو جانا پڑے گا! آپ اس سبھا میں رہ کر کسی طرح کا امتیاز نہیں رکھ سکتے۔''

مہتا نے گھڑے کو ٹھونکا '' مجھے شک ہے کہ ہمارے پریسیڈنٹ صاحب خود ہی کھانے پینے کے اتحاد پر یقین نہیں رکھتے۔''

اونکار ناتھ کا چہرے زرد پڑ گیا اس بدمعاش نے یہ کیا بے وقت کی شہنائی بجادی؟

کمبخت کہیں گڑے مردے نہ اکھاڑنے لگے ورنہ یہ ساری خوش نصیبی سپنے کی طرح خلا میں غائب ہو جائے گی ۔

مس مالتی نے ان کے چہرے کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور استقلال سے کہا ’’ آپ کا یہ شک بے بنیاد ہے ، مہتا جی ! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ قومی اتحاد کا ایک بے نظیر حامی ، ایسا فراخ دل شخص ، ایسا طبیعت دار شاعر ان بیہودہ اور شرمناک تفریقوں کا قائل ہوگا ؟ ایسا شک کرنا اس کی قوم پرستی کو ذلیل کرنا ہے ۔‘‘

اونکار ناتھ کا چہرا چمک اٹھا ، خوشی اور اطمینان کی جھلک دوڑ گئی ۔‘‘

مالتی نے اسی لہجے میں کہا ’’ اور اس سے بھی زیادہ ان کے مردانہ جذبات کی توہین کرنا ہے ، ایک عورت کے ہاتھوں سے شراب کا پیالہ پاکر وہ کون مہذب شخص ہے جو انکارکردے ؟ یہ تو نسوانی طبقہ کی توہین ہو گی ، اس طبقے کی جس کی نگاہ تیروں سے اپنے دل کو چھلنی بنانے کی خواہش بھی مردوں میں پائی جاتی ہے اور جس کی اداؤں پر مر مٹنے کی ہوس بڑے بڑے راجے مہاراجے تک رکھتے ہیں ۔ لائیے بوتل اور گلاس اور دور چلنے دیجیے ۔ اس مبارک موقع پر کسی طرح کا شبہہ یا کسی طرح کا عذر، غداری سے کم نہیں ہے ۔ پہلے ہم اپنے پریسیڈنٹ صاحب کی صحت کا جام پئیں گے ۔‘‘

شراب سوڈا اور برف پہلے ہی سے تیار تھا ۔ مالتی نے اونکار ناتھ کو اپنے ہاتھوں سرخ زہر سے بھرا ہوا گلاس دیا اور انھیں کچھ ایسی جادو بھری چتون سے دیکھا کہ ان کا سارا اعتقاد اور نجی برتری کا سارا خیال کافور ہوگیا ۔ دل نے کہا ’’ چال چلن ماحول کے تابع ہے ۔ آج تم مفلس ہو ، کسی موٹر کو گرد اڑاتے دیکھے تو ایسا بگڑتے ہو کہ اسے پتھروں سے چور چور کرڈالو گے لیکن کیا تمھارے دل میں موٹر کی تمنا نہیں ہے ؟ ماحول ہی سب کچھ ہے بقیہ کچھ نہیں ! باپ دادوں نے نہیں پی تھی تو نہ پی ہو ، انھیں ایسا موقع ہی کب ملا تھا ، ان کا رزق تو پوتھی پتروں پر تھا شراب لاتے کہاں سے ؟ اور پیتے بھی تو جاتے کہاں ؟ پھر وہ تو ریل گاڑی پر نہ چڑھتے تھے ، نل کا پانی نہ پیتے تھے ، انگریزی پڑھنا گناہ سمجھتے تھے ۔ زمانہ کتنا بدل گیا ہے ۔ وقت کے ساتھ اگر نہیں چل سکتے تو وہ تمھیں پیچھے چھوڑ کر چلا جائے گا ۔ ایسی حسینہ کے نازک ہاتھوں سے اگر زہر بھی ملے تو اسے قبول کرنا چاہیے ، جس خوش نصیبی کے لیے بڑے بڑے راجے مہاراجے ترستے ہیں وہ

آج ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے ۔ کیا وہ اسے ٹھکرا سکتے ہیں ؟

انھوں نے گلاس لیا اور اپنا سر جھکا کر اپنی ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے ایک ہی سانس میں پی گئے اور تب لوگوں کو متکبرانہ انداز سے دیکھا گویا کہہ رہے ہوں ''اب تو آپ کو مجھ پر یقین آیا ؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں بالکل پونگا پنڈت ہوں ؟ اب تو آپ مجھے مکار اور فریبی کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے ؟''

ہال میں ایسا شور وغل مچا کر کچھ نہ پوچھو جیسے پٹاری میں بند قہقہے نکل پڑے ہوں ''واہ دیوی جی کیا کہنا ! کمال ہے مس مالتی کمال ہے ! توڑ دیا نمک کا قانون، توڑ دیا دھرم کا قلعہ، توڑ دیا پارسائی کا گھڑا !

اونکار ناتھ کے حلق کے نیچے شراب کا اترنا تھا کہ ان کے منچلے پن میں گویائی آگئی۔ مسکرا کر بولے'' میں نے اپنے دھرم کی امانت مس مالتی کے نازک ہاتھوں میں سونپ دی اور مجھے یقین ہے کہ وہ اس کی واجبی حفاظت کریں گی ۔ ان کے کنول سے قدموں پر میں ایسے ایک ہزار دھرموں کو نچھاور کرسکتا ہوں ۔''

قہقہوں سے ہال گونج اٹھا ۔

ایڈیٹر صاحب کا چہرا پھولا ہوا تھا ، آنکھیں جھکی پڑتی تھیں ، دوسرا گلاس بھر کر بولے'' یہ مس مالتی کا جام صحت ہے ، آپ لوگ نوش کریں اور انھیں دعائیں دیں ۔''

لوگوں نے پھر اپنے اپنے گلاس خالی کر دیے ۔

اسی وقت مرزا خورشید نے ایک مالا لاکر ایڈیٹر صاحب کے گلے میں ڈال دی اور کہا '' صاحبو ! فدوی نے ابھی اپنے معزز صدر صاحب کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے ، اجازت ہو تو سنادوں ۔''

چاروں طرف سے آوازیں آئیں '' ہاں ، ہاں ، ضرور ، ضرور سنائیے !''

اونکار ناتھ بھنگ تو آئے دن پیا کرتے تھے اور ان کا دماغ اس نشے کا عادی ہو گیا تھا مگر شراب پینے کا یہ پہلا ہی موقع تھا ۔ بھنگ کا نشہ رفتہ رفتہ نیند کی طرح آتا تھا اور دماغ پر بادل کی طرح چھا جاتا تھا ۔ احساس قائم رہتا تھا۔ انھیں خود معلوم ہوتا رہتا تھا کہ اس وقت ان کی تقریر بڑے لچھے دار ہے ۔ اوران کا تخیل بہت بلند ہے ۔ شراب کا نشہ ان پر شیر کی طرح جھپٹا اور دبوچ بیٹھا ۔ کہتے کچھ ہیں اور منھ سے کچھ نکلتا ہے ۔ پھر یہ بات بھی جاتی

رہی۔ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں ، اس کا خیال ہی نہ رہ گیا ۔ یہ خواب کے رومان والے عجائبات نہ تھے بلکہ بیداری کا وہ چکر تھا جس میں مجسم نا مجسم ہوجاتا ہے ۔ خدا جانے یہ بات ان کے دماغ میں کیسے آگئی کہ قصیدہ پڑھنا کوئی بہت برا کام ہے ۔ میز پر ہاتھ مار کر بولے " نہیں ہرگز نہیں ۔ یہاں کوئی قصیدہ نہیں ہوگا ۔ ہم پریسیڈنٹ ہیں ۔ ہمارا حکم ہے ۔ ہم ابی اس سبا کو توڑ سکتے ہیں ۔ ابی توڑ سکتے ہیں سبھی کو نکال سکتے ہیں ۔ کوئی ہمارا کچھ نہیں کرسکتا ۔ ہم پریسیڈنٹ ہیں کوئی اور پریسیڈنٹ نئیں ہے ۔"

مرزا نے ہاتھ جوڑ کر کہا " حضور اس قصیدے میں تو آپ کی تعریف کی گئی ہے۔"

ایڈیٹر صاحب نے سرخ مگر بے نور آنکھوں سے دیکھا " تم نے ہماری تعریپ کیوں کی؟ کیوں کی ؟ بولو کیوں ہماری تعریپ کی ؟ ہم کسی کا نوکر نئیں ۔ ہم کسی سالے کا دیا نہیں کھاتے ۔ ہم خود ایڈیٹر ہیں ۔ ہم بجلی کا ایڈیٹر ہے ۔ اس میں سب کا تعریف کرے گا ۔ دیوی جی ! ہم تمھارا تعریپ نہیں کرے گا ۔ ہم کوئی بڑا آدمی نئیں ہے ۔ ہم سب کا گلام ہے ۔ ہم آپ کے پاؤں کے دھول ہے ۔ مالتی دیوی لچھمی ہے ، ہماری سرسوتی ہماری رادھا !"

یہ کہتے ہوئے وہ مالتی کے پیروں کی طرف جھکے اور منھ کے بل فرش پر گر پڑے مرزا نے دوڑ کر انھیں سنبھالا اور کرسیاں ہٹا کر وہیں زمین پر لٹا دیا ۔ پھر ان کے کانوں کے پاس منھ لے کر جاکر بولے " رام رام ست ہے ! کہیے تو آپ کا جنازہ نکالوں ؟"

رائے صاحب نے کہا ۔ "کل دیکھنا کتنا بگڑتا ہے ۔ ایک ایک کو اپنے اخبار میں کوسے گا اور اس طرح کہ آپ بھی یاد کریں گے ۔ ایک ہی پاجی ہے ، کسی پر رحم نہیں کرتا ۔ لکھنے میں تو اپنا ثانی نہیں رکھتا ۔ ایسا گدھا آدمی کیسے اتنا اچھا لکھتا ہے ، یہ ایک راز ہے ۔"

کئی آدمیوں نے ایڈیٹر صاحب کو اٹھایا اور لے جاکر ان کے کمرے میں لٹا دیا ۔ مگر پنڈال میں دھنش یگیہ شروع ہوگیا تھا ۔ کئی باران لوگوں کو بلانے کے لیے آدمی آچکے تھے۔ حاکم بھی پنڈال میں آ پہنچے تھے ۔ لوگ ادھر جانے کے لیے تیار ہورہے تھے کہ دفعتاً ایک افغان آکر کھڑا ہوگیا گورا رنگ ، بڑی بڑی مونچھیں ، اونچا قد ، چوڑا سینہ ، آنکھوں میں بے خوفی کا جنون بھرا ہوا ، ڈھیلا لمبا کرتا ، پیروں میں شلوار ، زردوزی کے کام کی صدری ، سر پر پگڑی اور کُلاہ ، کندھے سے چمڑے کا بیگ لٹکائے ، کندھے پر بندوق رکھے اور کمر میں تلوار باندھے نہ جانے کدھر سے آکھڑا ہوا اور گرج کر بولا " خبر دار کوئی یہاں سے مت جاؤ ۔

ہمارے ساتھ کے آدمی پر ڈاکہ پڑا ہے ۔ یہاں کا جو سردار ہے وہ ہمارا آدمی کو لوٹ لیا ہے اس کا مال تم کو دینا ہوگا ۔ ایک ایک کوڑی دینا ہوگا ۔ کہاں ہے سردار اس کو بلاؤ ! ''

رائے صاحب نے سامنے آکر غصہ بھری آواز میں کہا ۔'' کیسی لوٹ ؟ کیسا ڈاکہ ؟ یہ تم لوگوں کا کام ہے ۔ یہاں کوئی کسی کو نہیں لوٹتا ۔ صاف صاف کہو کیا معاملہ ہے ؟''

افغان نے آنکھیں نکالیں اور بندوق کا کندہ زمین پر پٹک کر بولا ''ام سے پوچھتا ہے ، کیسا لوٹ ، کیسا ڈاکہ ؟ تم لوٹتا ہے ، تمھارا آدمی لوٹتا ہے ام یہاں کی کوٹھی کا مالک ہے ۔ اماری کوٹھی میں پچیس جوان ہے ۔ ہمارا آدمی روپیہ تصیل کر لاتا تھا ۔ ایک ہزار ۔ وہ تم لوٹ لیا ۔ اور کہتا ہے ۔ کیسی لوٹ ، کیسا ڈاکہ ؟ ام بتائے گا کیسا ڈاکہ ہوتا ہے ۔ امارا پچیسیوں جوان ابھی آتا ہے ۔ ام تمھارا گاؤں لوٹ لے گا ۔ کوئی سالا کچھ نہیں کرسکتا ، کچھ نہیں کرسکتا ۔''

کھنا نے افغان کے تیور دیکھے تو چپکے اٹھے کہ نکل جائیں ۔ اس نے زور سے ڈانٹا '' کاں جاتا ہے تم ؟ کوئی کہیں نہیں جاسکتا ۔ نہیں ام سب کو قتل کر دے گا ۔ ابی فیر کر دے گا! امارا تم کچھ نہیں کر سکتا ۔ ام تمھاری پولیس سے نہیں ڈرتا ۔ پولیس کا آدمی ہمارا شکل دیکھ کر بھاگتا ہے ۔ امارا اپنا کانسل ہے ۔ ام اس کو خط لکھ کر لاٹ صاحب کے پاس جاتا ہے ۔ ام یاں سے کسی کو نئیں جانے دے گا ۔ تم ہمارا ایک ہزار روپیہ لوٹ لیا ۔ امارا روپیہ نئیں دے گا تو ہم کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا ۔ تم سب آدمی دوسروں کے مال لوٹ کرتا ہے اور یاں معشوق کے ساتھ شراب پیتا ہے ۔''

مس مالتی اس کی آنکھ بچا کر کمرے نکلنے سے لگیں کہ وہ باز کی طرح ٹوٹ کر ان کے سامنے آکھڑا ہوا اور بولا '' تم ان بدمعاشوں سے ہمارا مال دلوائے نئیں ام تم کو اٹھالے جائے گا اور اپنی کوٹھی میں جشن منائے گا ۔ تمارا حسن پر ہم عاشق ہوگیا یا تو ام کو ایک ہزار ابی ابی دے دے یا تم کو امارے ساتھ چلنا پڑے گا ۔ تم کو ہم نہیں چھوڑے گا ۔ ام تمارا عاشق ہوگیا ہے ۔ ہمارا دل اور جگر پھٹا جاتا ہے ۔ امارا اس جگہ پچیس جوان ہے ۔ اس ضلع میں امارا پانچ سو جوان کام کرتا ہے ۔ ام اپنے قبیلے کا خان ہے ۔ امارے قبیلہ میں دس ہزار سپاہی ہے ہم کابل کے امیر سے لڑسکتا ہے ۔ انگریز سرکار ہم کو بیس ہزار سالانہ خراج دیتا ہے ۔ اگر تم امارا روپیہ نہیں دے گا تو ام گاؤں لوٹ لے گا اور تمھارا معشوق کو اٹھالے جائے گا خون کرنے میں ہم کو مزہ آتا ہے ۔''

مجلس پر خوف چھا گیا۔ مس مالتی اپنا چہکنا بھول گئیں، کھنّا کی پنڈ لیاں کانپ رہی تھیں۔ بے چارے پر چوٹ چپیٹ کے ڈر سے یک منزلہ بنگلے میں رہتے تھے۔ زینہ پر چڑھنا ان کے لیے سولی پر چڑھنے سے کم نہ تھا۔ گرمی میں بھی دہشت کے مارے کمرے میں سوتے تھے۔ رائے صاحب کو چھتری پن کا گھمنڈ تھا۔ وہ اپنے ہی گاؤں میں ایک پٹھان سے ڈر جانا مضحکہ انگیز سمجھتے تھے۔ مگر اس کی بندوق کو کیا کرتے؟ انھوں نے ذرا بھی چیں چپڑ کی اور اس نے بندوق داغ دی۔ ہوش تو ہوتے ہی ہیں یہ سب اور نشانہ بھی ان سب کا کتنا بے خطا ہوتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں بندوق نہ ہوتی تو رائے صاحب اس سے سنگین ملانے کو تیار ہوجاتے۔ مشکل یہی تھی کہ کمبخت کسی کو باہر نہیں جانے دیتا ورنہ دم کے دم میں سارا گاؤں جمع ہوجاتا اور اس کے پورے جتھے کو مار پیٹ کر رکھ دیتا۔

آخر انھوں نے دل مضبوط کیا اور جان پر کھیل کر بولے" ہم نے آپ سے کہہ دیا کہ ہم چور ڈاکو نہیں ہیں۔ میں یہاں کے کونسل کا ممبر ہوں۔ اور یہ دیوی جی لکھنؤ کی مشہور ڈاکٹر ہیں، یہاں سبھی شریف اور معزز لوگ جمع ہیں۔ ہمیں بالکل خبر نہیں کہ آپ کے آدمیوں کو کس نے لوٹا۔ آپ جا کر تھانے میں رپٹ کیجیے۔"

خان نے زمین پر پیر پٹکے، پینترے بدلے اور بندوق کو کندھے سے اتار کر ہاتھ میں لیتا ہوا دہاڑ اٹھا۔" مت بک بک کرو، کونسل کے ممبر کو ہم اسی طرح پیروں سے مسل دیتا ہے (زمین رگڑتا ہے)، ہمارا ہاتھ مضبوط ہے، ہمارا دل مضبوط ہے، ہم خدا کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتا،، تم ہمارا روپیہ نہیں دے گا تو ہم (رائے صاحب کی طرف اشارہ کرکے) ابی ابی تم کو قتل کر دے گا۔"

اپنی طرف بندوق کا سرا دیکھ کر رائے صاحب جھک کر میز کے برابر آگئے۔ عجیب مصیبت تھی۔ شیطان خواہ مخواہ کہتا ہی جاتا ہے کہ تم نے ہمارے روپے لوٹ لیے۔ نہ کچھ سنتا ہے، نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ کسی کو باہر جانے آنے دیتا ہے۔ نوکر چاکر، سپاہی پیادے سب دھنش یگیہ دیکھنے میں مصروف تھے۔ زمینداروں کے نوکر، یوں بھی کاہل اور کام چور ہوتے ہی ہیں، جب تک دس دفعہ نہ پکارا جائے بولتے ہی نہیں اور اس وقت تو وہ ایک اچھے کام میں لگے ہوئے تھے۔ دھنش یگیہ ان کے لیے صرف ایک تماشا نہیں بلکہ بھگوان کی لیلا تھی۔ اگر ایک آدمی بھی ادھر آجاتا تو سپاہیوں کو خبر ہو جاتی اور دم بھر میں خان کی ساری خانی نکل جاتی۔

داڑھی کا ایک ایک بال بچ جاتا ۔ کتنا غصہ ور ہے ۔ ہوتے بھی تو جلاد ہیں ۔ نہ مرنے کا غم نہ جینے کی خوشی ۔

مرزا سے انگریزی میں بولے'' اب کیا کرنا چاہیے ؟''

مرزا صاحب نے حیرت سے دیکھا ، کیا بتاؤں کچھ عقل کام نہیں کرتی ۔ میں آج اپنا پستول گھر ہی میں چھوڑ آیا ورنہ مزا چکھا دیتا ۔''

کھنہ رونی صورت بنا کر بولے'' کچھ روپے دے کر کسی طرح اس بلا کو ٹالیے ۔''

رائے صاحب نے مالتی کی طرف دیکھا'' دیوی جی ، اب آپ کی کیا صلاح ہے ؟''

مالتی کا چہرا تمتما رہا تھا بولی'' ہو گا کیا؟ میری اتنی بے عزتی ہورہی ہے اور آپ لوگ بیٹھے دیکھ رہے ہیں ۔ بیس مردوں کے ہوتے ایک اجڈ پٹھان میری اتنی درگت کر رہا ہے اور آپ لوگوں کے خون میں ذرا بھی گرمی نہیں آتی ۔ آپ کو جان پیاری ہے ؟ کیوں ایک آدمی باہر جاکر شور نہیں مچاتا ؟ کیوں آپ لوگ اس پر جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بندوق نہیں چھین لیتے ؟ بندوق ہی تو چلائے گا ؟ چلانے دو ایک یا دو کی جان ہی تو جائے گی ؟ جانے دو۔''

مگر دیوی جی مرجانا جتنا آسان سمجھتی تھیں اور لوگ نہ سمجھتے تھے ۔ کوئی آدمی باہر نکلنے کی کر پھر ہمت کرے اور پٹھان غصے میں آکر دس پانچ فیر کر دے تو یہاں صفایا ہو جائے گا ۔ بہت ہوگیا تو اسے پھانسی کی سزا ہوگی ۔ وہ بھی کیا ٹھیک ؟ ایک بڑے قبیلے کا سردار ہے اسے پھانسی دیتے ہوئے سرکار بھی کافی سوچ بچار کرے گی ۔ اوپر سے دباؤ پڑے گا ۔ سیاست کے مقابلے میں انصاف کو کون پوچھتا ہے ؟ ہمارے اوپر الٹے مقدمے دائر ہو جائیں اور زائد پولیس تعینات کر دی جائے تو تعجب نہیں ۔ کتنے مزے سے ہنسی مذاق ہو رہا تھا ۔ اب تک ڈراما کا لطف اٹھاتے ہوتے ۔ اس شیطان نے آکر ایک نئی بلا کھڑی کر دی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلا دو ایک خون کیے مانے گا بھی نہیں ۔

کھنہ نے مالتی کو پھٹکارا'' دیوی جی ، آپ تو ہمیں لتاڑ رہی ہیں جیسے اپنی جان بچانا کوئی پاپ ہے ۔ جان سبھی جانداروں کو پیاری ہوتی ہے ۔ اور ہمیں بھی ہو تو کوئی شرم کی بات نہیں ۔ آپ ہماری جان اتنی سستی سمجھتی ہیں ، یہ دیکھ کر مجھے رنج ہوتا ہے ۔ ایک ہزار ہی کا تو معاملہ ہے ۔ آپ کے پاس مفت کے ایک ہزار ہیں ، وہ دے کر کیوں نہیں رخصت کر دیتیں؟ آپ خود اپنی بے عزتی کرا رہی ہیں ، اس میں ہمارا کیا قصور ۔''

رائے صاحب نے گرم ہوکر کہا '' اگر اس نے دیوی جی کو ہاتھ لگایا تو چاہے میری لاش یہیں تڑپنے لگے ، میں اس سے بھڑ جاؤں گا ۔ آخر وہ بھی آدمی ہی تو ہے ۔''

مرزا نے شبہہ سے سر ہلا کر کہا '' رائے صاحب آپ ابھی ان سب کے مزاج سے واقف نہیں ہیں ۔ یہ فائر کرنا شروع کرے گا تو پھر کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا ۔ ان کا نشانہ بے خطا ہوتا ہے ۔''

مسٹر ٹنخا آنے والے چناؤ کا مسئلہ حل کرنے آئے تھے اور دس پانچ ہزار کا نپٹارا کرکے گھر جانے کا خواب دیکھ رہے تھے ۔ یہاں جان ہی عذاب میں پڑ گئی ۔ بولے '' سب سے سہل طریقہ وہی ہے جو ابھی کھنا جی نے بتایا ۔ ایک ہزار ہی کی بات ہے اور روپے موجود ہیں تو پھر آپ لوگ کیوں اتنا پس وپیش کررہے ہیں ؟''

مس مالتی نے ٹنخا کو حقارت بھری نگاہوں سے دیکھا بولیں '' آپ لوگ اتنے بزدل ہیں، میں نہ سمجھتی تھی ۔''

'' میں بھی یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپ کو روپے اتنے پیارے ہیں اور وہ بھی مفت کے روپے ۔''

'' جب آپ لوگ میری بے عزتی دیکھ سکتے ہیں تو اپنے گھر کی عورتوں کی بھی بے عزتی دیکھ سکتے ہوں گے ؟''

'' تو آپ بھی پیسوں کے لیے اپنے گھر کے مردوں کو قربان کردینے میں تامل نہ کریں گی ؟''

خان اتنی دیر سے جھلایا ہوا ان لوگوں کی گٹ پٹ سن رہا تھا ۔ اب یکا یک گرج کے بولا '' ام اب نہیں مانے گا ۔ ام اتنی دیر سے یہاں کھڑا ہے ۔ تم لوگ کوئی جواب نہیں دیتا (جیب سے سیٹی نکال کر) ام تم کو ایک لمحہ اور دیتا ہے ، اگر تم روپیہ نہیں دیتا تو ہم سیٹی بجایا اور امارا پچیس جوان یہاں آجائے گا ۔'' پھر آنکھوں سے عشق کا اظہار کرتے ہوئے مس مالتی سے بولا '' تم امارے ساتھ چلے گا ، دلدار ! ام تمھارے اوپر فدا ہو جائے گا ۔ اپنا جان تمارے قدموں میں رکھ دے گا ۔ اتنا آدمی تمارا عاشق ہے مگر کوئی سچا عاشق نہیں ہے ۔ سچا عاشق کیسا ہوتا ہے، ہم دکھا دے گا۔ تمارا اشارہ پاتے ہی ہم اپنے سینے میں خنجر چبھا سکتا ہے۔''

مرزا نے گھگھیا کر کہا '' دیوی جی ، خدا کے لیے اس موذی کو روپے دے دیجیے ۔''

کھناؔ نے دست بستہ التجا کی ’’ ہم پر رحم کرو مس مالتی !‘‘

رائے صاحب تن کر بولے ’’ ہرگز نہیں ۔ آج جو کچھ ہونا ہے ہوجانے دیجیے ۔ یا تو ہم خود مرجائیں گے یا ان ظالموں کو ہمیشہ کے لیے سبق دے دیں گے ۔‘‘

تنخا نے رائے صاحب کو ڈانٹ بتائی ’’ شیر کی ماند میں گھسنا کوئی بہادری نہیں ہے۔ میں اسے حماقت سمجھتا ہوں ۔‘‘

مگر مس مالتی کے دلی خیالات کچھ اور ہی تھے ۔ خان کی محبت بھری نگاہوں نے انھیں مطمئن کر دیا تھا اور اب اس تماشے میں انھیں کچھ منچلے پن کا سرور آرہا تھا ان کا جی کچھ دیر ان جوانمردوں کے بیچ میں رہ کر ان کے وحشیانہ عشق کا لطف اٹھانے کے لیے للچا رہا تھا ۔ مہذبانہ عشق کی کمزوری اور مردہ دلی کا انھیں تجربہ ہو چکا تھا ۔ آج وحشی اور نامہذب پٹھانوں کے مجنونانہ عشق کے لیے ان کا دل بے قرار تھا ، جیسے موسیقی کا لطف اٹھانے کے بعد کوئی مست ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے کو دوڑے ۔‘‘

انھوں نے خان کے سامنے آکر بے خوفی سے کہا ’’ تمھیں روپے نہیں ملیں گے ۔‘‘

خان نے ہاتھ بڑھا کر کہا ’’ تو ام تم کو لوٹ لے جائے گا ۔‘‘

’’ تم اتنے آدمیوں کے درمیان سے ہمیں نہیں لے جاسکتے ۔‘‘

’’ ہم تم کو ایک ہزار آدمیوں کے درمیان سے لے جاسکتا ہے ۔‘‘

’’ تم کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا ۔‘‘

’’ ہم اپنے معشوق کے لیے اپنے بدن کا ایک ایک بوٹی کٹوا سکتا ہے ۔‘‘

اس نے مالتی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا ۔ اسی وقت ہوری نے کمرے میں قدم رکھا ۔ وہ راجا جنک کا مالی بنا ہوا تھا اور اس کے کھیلوں نے دیہاتیوں کو ہنساتے ہنساتے لوٹ پوٹ کر دیا تھا۔ اس نے سوچا کے مالک ابھی تک کیوں نہیں آئے ۔ وہ بھی تو آکر دیکھیں کہ دیہاتی اس کام میں کتنے ہوشیار ہوتے ہیں ۔ ان کے یار دوست بھی دیکھیں ۔ کیسے مالک کو بلائے ؟ وہ موقع کھوج رہا تھا اور جیوں ہی فرصت ملی وہ دوڑا ہوا یہاں آیا مگر یہاں کا منظر دیکھ کر ششدر ہوگیا ۔ سب لوگ بالکل چپ تھے اور کانپتے ہوئے ، خوف بھری نگاہوں سے خان کو دیکھ کر سب کچھ بھانپ گیا ۔ اسی وقت رائے صاحب نے پکارا ’’ ہوری دوڑ کر جا اور سپاہیوں کو بلا لا ! جلد دوڑ !‘‘

ہوری پیچھے مڑا ہی تھا کہ خان نے اس کے آگے بندوق تان کر ڈانٹا '' کہاں جاتا ہے سؤر ، ہم گولی مار دے گا !''

ہوری گنوار تھا ، سرخ پگڑی دیکھ کر اس کی جان نکل جاتی تھی مگر مست سانڈ پر لاٹھی لے کر ٹوٹ پڑتا تھا ۔ وہ بزدل نہ تھا ، مرنا اور مارنا دونوں ہی جانتا تھا مگر پولیس کے ہتھکنڈوں کے سامنے اس کی ایک نہ چلتی تھی ۔ بندھا بندھا کون پھرے ؟ گھوس کے روپے کہاں سے لائے ؟ بال بچے کس پر چھوڑے ؟ پر جب مالک للکارتے ہوں تو کس کا ڈر ؟ تب وہ موت کے منھ میں بھی کود سکتا ہے !

اس نے جھپٹ کر خان کی کمر پکڑی اور ایسا اڑنگا مارا کہ خان چاروں کھانے چت زمین پر آرہے اور لگے پشتوں میں گالیاں دینے ۔ ہوری ان کے سینے پر چڑھ بیٹھا ۔ اور زور سے داڑھی پکڑ کر کھینچی ۔ داڑھی اس کے ہاتھ میں آگئی ۔ خان نے فوراً اپنی کُلاہ اتار کر پھینک دیا اور زور لگا کر اٹھ کھڑا ہوا ۔ ارے ! یہ تو مسٹر مہتا ہیں ! وہی !

لوگوں نے چاروں طرف سے مہتا کو گھیر لیا ۔ کوئی ان کے گلے لگتا تھا اور کوئی پیٹھ پر تھپکیاں دیتا تھا ۔ مسٹر مہتا کے چہرے پر نہ تبسم تھا نہ غرور ، خاموش کھڑے تھے گویا کچھ ہوا ہی نہیں ۔

مالتی نے نقلی غصہ سے کہا '' آپ نے یہ بہروپیا پن کہاں سیکھا ؟ میرا دل ابھی تک دھڑک رہا ہے ۔''

مہتا نے مسکراتے ہوئے کہا '' ذرا ان بھلے مانسوں کی جوانمردی کا امتحان لے رہا تھا ۔ جو گستاخی ہوئی ہو اسے معاف کیجیے گا ۔''

۷

یہ کھیل جب ختم ہوا تو ادھر پنڈال میں دھنش یگیہ بھی ختم ہو چکا تھا اور سوشل مزاحیہ ڈارمے کی تیاری ہو رہی تھی ۔ مگر ان لوگوں کو اس سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی صرف مہتا صاحب دیکھنے گئے اور شروع سے آخر تک جمے رہے انھیں بہت مزا آرہا تھا ۔ بیچ بیچ میں تالیاں بجاتے رہے تھے اور ''پھر کہو ، پھر کہو،، کا اصرار کر کے ایکٹروں کا حوصلہ بڑھاتے تھے ۔ رائے صاحب نے اس کھیل میں ایک مقدمے باز دیہاتی زمیندار کا خاکہ اڑایا تھا ۔ کہنے کو تو مزاحیہ تھا مگر درد و الم سے بھرا ہوا۔ ہیرو کا بات بات میں قانونی دفعات کا حوالہ دینا ، بیوی پر صرف اس لیے مقدمہ چلانا کہ اس نے کھانا تیار کرنے میں ذرا سی دیر کی تھی ، پھر وکیلوں کے نخرے اور دہیاتی گواہوں کی چالاکیاں اور جھانسے بازیاں ، گواہی کے لیے فوراً تیار ہو جانا مگر اجلاس پر جاتے وقت خوب مناون کرانا اور طرح طرح کی فرمائش کر کے الو بنانا ، یہ سبھی مناظر دیکھ کر لوگ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئے جاتے تھے ۔ سب سے بہترین منظر وہ تھا جس میں وکیل گواہوں کو ان کے بیانات کا سبق پڑھا رہا تھا ۔ گواہوں کا بار بار بھول جانا ۔ وکیل کا بگڑنا ، پھر ہیرو کا دہقانی لہجے میں گواہوں کو سمجھانا اور بالآخر اجلاس پر گواہوں کا بدل جانا ، ایسا پر لطف اور صحیح خاکہ تھا کہ مہتا صاحب اچھل پڑے اور تماشا ہونے پر ہیرو کو گلے سے لگا لیا اور سبھی ایکٹروں کو ایک ایک تمغہ دینے کا اعلان کر دیا ۔ رائے صاحب کے متعلق ان کے دل میں عقیدت کے جذبات جاگ اٹھے ۔ رائے صاحب اسٹیج کے پیچھے ڈرامے کی نگرانی کررہے تھے ۔ مہتا صاحب دوڑ کر ان کے گلے سے لپٹ گئے اور بے خود ہوکر بولے'' آپ کی نگاہ اتنی تیز ہے ، اس کا مجھے شان گمان بھی نہ تھا ۔''

دوسرے روز ناشتہ کے بعد شکار کا پروگرام تھا ۔ وہیں کسی ندی کے کنارے پر کھانا پکے ، خوب جی بھر کر نہائیں ، غوطے لگائیں ، اور شام کو لوگ واپس آئیں ۔ اس طرح دیہاتی زندگی کا لطف حاصل کیا جائے ۔ مہمانوں میں صرف وہی لوگ رہ گئے جن کا رائے صاحب سے گہرا تعلق تھا ۔ مسز کھنّا کے سر میں درد تھا بس وہ نہ جاسکیں ۔ ایڈیٹر صاحب تو اس جماعت سے

جلے ہوئے تھے اور ان لوگوں کے خلاف ایک سلسلہ مضامین نکالنے اور اچھی طرح لینے کے خیال میں محو تھے۔'' سب کے سب چھٹے ہوئے غنڈے ہیں۔ حرام کے پیسے اڑاتے ہیں اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہیں دنیا میں کیا ہورہا ہے، اس کی انھیں کیا خبر؟ ان کے پڑوس میں کون مررہا ہے، انھیں اس کی کیا پرواہ؟ انھیں تو اپنے عیش وعشرت سے کام ہے۔ یہ مہتا جو فلسفی بنا پھرتا ہے اسے یہی دھن ہے کہ زندگی کو ہر طرح مکمل بناؤ، مہینے میں ایک ہزار مار لاتے ہو، تمھیں اختیار ہے کہ زندگی کو مکمل بناؤ یا اس سے بھی زیادہ۔ جسے یہ فکر مارے ڈالتی ہے کہ لڑکوں کا بیاہ کیسے ہو، یا بیمار بیوی کے لیے ڈاکٹر کیسے آئیں، یا اب کے گھر کا کرایہ کہا سے آئے گا وہ اپنی زندگی کیسے مکمل بنائے؟ کھلے سانڈ بنے ہوئے ودسرے کے کھیت میں منھ مارتے پھرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ دنیا میں سب سکھی ہیں۔ تمھاری آنکھیں جب کھلیں گی جب انقلاب ہوگا اور تم سے کہا جائے گا کہ بچہ کھیت میں چل کر ہل چلاؤ۔ تب دیکھیں گے کہ تمھاری زندگی کیسے مکمل ہوتی ہے اور وہ جو ہے مالتی جو بہتر گھاٹوں کا پانی پی کرمس بنی پھرتی ہے، شادی نہیں کرے گی کیونکہ اس سے زندگی بندش میں پڑ جاتی ہے اور بندش میں زندگی کا کامل ارتقاء نہیں ہوپاتا۔ ارتقاء تو اسی میں ہے کہ دنیا کو لوٹے جاؤ اور آزادانہ عیش کیے جاؤ۔ ساری بندشیں توڑ دو، دھرم اور سماج کو گولی مارو، فرائض کو پاس نہ پھٹکنے دو، بس تمھاری زندگی مکمل ہوگئی! اس سے زیادہ آسان اور کیا ہوگا؟ ماں باپ سے نہیں پٹتی تو انھیں دھتا بتاؤ، بیاہ مت کرو، یہ بندھن ہے اور بچے ہوں گے تو وہ موہ کا جال ہے! مگر ٹیکس کیوں دیتے ہو؟ قانون بھی تو بندھن ہے، اسے کیوں نہیں توڑتے؟ اس سے کیوں کنّی کاٹتے ہو؟ جانتے ہو نا کہ قانون کی ذرا بھی خلاف ورزی کی اور بیڑیاں پڑجائیں گی۔ بس وہی بندھن توڑو جو اپنی ہوس رانیوں میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ رسی کو سانپ بنا کر پیٹو اور تیس مار خاں بنو۔ زندہ سانپ کے پاس جاؤ ہی کیوں؟ وہ پھنکار بھی مارے گا تو لہر آنے لگی گی۔ اسے آتا دیکھو تو دم دبا کر بھاگ کھڑے ہو۔ یہ تمھاری مکمل زندگی ہے۔''

شکاری جماعت آٹھ بجے روانہ ہوئی۔ کھنا نے کبھی شکار نہ کھیلا تھا، بندوق کی آواز سے کانپ اٹھتے تھے، مگرمس مالتی جارہی تھیں تو وہ کیسے رک سکتے۔ مسٹر تنخا کو ابھی تک چناؤ کے بارے میں بات چیت کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ شاید وہاں مل جائے۔ رائے صاحب اپنے اس علاقے میں عرصے سے نہ گئے تھے۔ وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھنا چاہتے تھے۔ کبھی کبھی

علاقے میں جانے آنے سے آسامیوں کے ساتھ کچھ تعلق بھی قائم رہتا ہے اور اپنا رعب بھی ۔ کارندے اور پیادے بھی چوکس رہتے ہیں ۔ مرزا خورشید کو زندگی کے نئے تجربات حاصل کرنے کا شوق تھا ، خصوصاً ایسے ، جن میں ہمت دکھانی پڑے ۔ مس مالتی تنہا کیسے رہتیں؟انھیں تو شائقین کا جمگھٹا چاہیے ۔ صرف مہتا صاحب شکار کھیلنے کے لیے سچے حوصلے سے جارہے تھے ۔ رائے صاحب کی خواہش تو تھی کہ خوراک کا سامان ، باورچی ، کہار ، خدمت گار، سب ساتھ چلیں لیکن مہتا نے مخالفت کی ۔

کھنّا نے کہا '' آخر وہاں کھائیں گے یا بھوکے مریں گے ؟''

مہتا نے جواب دیا '' کھائیں گے کیوں نہیں ؟ لیکن آج ہم سب لوگ خود اپنا سارا کام کریں گے۔ دیکھنا تو چاہیے کہ بلا نوکر کے بھی ہم زندہ رہ سکتے ہیں یا نہیں ۔ مس مالتی پکائیں گی اور ہم لوگ کھائیں گے ۔ دیہاتوں میں تھالیاں اور پتّل مل ہی جاتے ہیں اور ایندھن کی کوئی کمی ہی نہیں ، شکار ہم کریں گے ہی ۔''

مالتی نے گلہ کیا '' ۔ معاف کیجیے آپ نے رات میری کلائی اتنے زور سے پکڑی کہ ابھی تک دکھ رہی ہے ۔''

'' کام تو ہم لوگ کریں گے ، آپ صرف بتلاتی جائیں گی ۔''

مرزا خورشید بولے'' اجی آپ لوگ تماشا دیکھتے رہیے گا میں سارا انتظام کردوں گا۔ بات ہی کون سی ہے ؟ جنگل میں ہانڈی اور برتن ڈھونڈنا حماقت ہے ۔ ہرن کا شکار کیجیے ، بھونیے ، کھائیے اور وہیں درختوں کے سائے میں خراٹے لیجیے ۔''

یہی تجویز منظور ہوئی ۔ دو موٹر روانہ ہوئے ایک مس مالتی چلا رہی تھیں اور دوسرا خود رائے صاحب ۔ کوئی بیس پچیس میل کے بعد پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا ۔ دونوں طرف اونچی پہاڑیوں کا سلسلہ دوڑا چلا جارہا تھا ۔ سڑک بھی پیچدار ہوتی جارہی تھی ۔ کچھ دور کی چڑھائی کے بعد یکا یک ڈھال آگیا اور موٹر تیزی سے نیچے کی طرف چلے ۔ دور سے دریا نظر آرہا تھا۔ کسی مریض کی طرح کمزور اور بے حس کنارے پر برگد کے گھنے سایہ میں موٹر روک دیے گئے اور لوگ اترے ۔ یہ مشورہ ہوا کہ دو دو کی ٹولی بنے اور شکار کھیل کر بارہ بجے تک یہاں آجائیں۔ مس مالتی مہتا کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئیں۔ کھنا دل مسوس کر رہ گئے ۔ جس خیال سے آئے تھے اس میں جیسے پنچر ہو گیا ۔ اگر جانتے کہ مالتی دھوکا دے گی تو گھر واپس لوٹ

جاتے ۔ مگر رائے صاحب کا ساتھ بھی اتنا دلچسپ نہ سہی تاہم برا نہ تھا ان سے بہت سی معاملے کی باتیں کرنا تھیں ۔ خورشید اور تنخا بچے رہے ۔ ان کی ٹولی بنی بنائی تھی ۔ تینوں ٹولیاں ایک سمت کو چل دیں ۔

کچھ دور تک پتھریلی پگڈنڈی پر مہتا کے ساتھ چلنے کے بعد مالتی نے کہا '' تم تو چلے ہی جاتے ہو ، ذرا دم تو لے لینے دو ۔''

مہتا مسکرائے '' ابھی تو ہم میل بھر بھی نہیں آئے ، ابھی سے تھک گئیں ؟''

'' تھکی نہیں ، پر کیوں نہ ذرا دم لے لو ۔''

'' جب تک کوئی شکار نہ ہاتھ آجائے ، ہمیں آرام کرنے کا حق نہیں ۔''

'' میں شکار کھیلنے نہیں آئی تھی !''

مہتا نے انجان بن کر کہا '' اچھا ، یہ میں نہ جانتا تھا ۔ تو پھر کیا کرنے آئی تھیں ؟''

'' اب تم سے کیا بتاؤں ؟''

ہرنوں کا ایک جھنڈ چرتا ہوا نظر آیا ۔ دونوں ایک چٹان کی آڑ میں چھپ گئے ۔ نشانا لگا کر گولی چلائی گئی ۔ نشانہ خالی گیا اور جھنڈ بھاگ نکلا ۔

مالتی نے پوچھا '' اب ؟''

'' کچھ نہیں چلو ، پھر کوئی شکار ملے گا ۔''

دونوں کچھ دور تک چپ چاپ چلتے رہے ، پھر مالتی نے ذرا رک کر کہا '' گرمی سے برا حال ہو رہا ہے ۔ آؤ اس پیڑ کے نیچے بیٹھ جائیں ۔''

'' ابھی نہیں ۔ تم بیٹھنا چاہتی ہو تو بیٹھو ، میں تو نہیں بیٹھتا ۔''

'' بڑے بے رحم ہو تم ! سچ کہتی ہوں ۔''

'' جب تک کوئی شکار نہ مل جائے بیٹھ نہیں سکتا ۔''

'' تب تو تم مجھے مار ہی ڈالو گے ! اچھا بتاؤ رات تم نے مجھے اتنا کیوں ستایا ؟ مجھے تم پر بڑا غصہ آرہا تھا ۔ یاد ہے کہ تم نے مجھے کیا کہا تھا ؟ تم ہمارے ساتھ چلنے گا ، دلدار ، میں نہ جانتی تھی کہ تم اتنے شریر ہو ۔''

اچھا ، سچ کہنا کیا تم اس وقت مجھے اپنے ساتھ لے جاتے ؟''

مہتا نے کوئی جواب نہ دیا جیسے سنا ہی نہیں ۔

دونوں کچھ دور چلتے رہے ۔ ایک تو جیٹھ کی دھوپ دوسرے پتھریلا راستہ ، مالتی تھک کر بیٹھ گئی ، مہتا کھڑے کھڑے بولے '' اچھی بات ہے تم آرام کرلو ، میں یہیں آجاؤں گا۔''

'' مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے جاؤ گے ؟''

'' میں جانتا ہوں کہ تم اپنی حفاظت کرسکتی ہو۔''

'' کیسے جانتے ہو ؟''

'' نئے جگ کی دیویوں میں یہی تو صفت ہے ۔ وہ مرد کا سہارا نہیں چاہتیں بلکہ اس کے دوش بدوش چلنا چاہتی ہیں ۔''

مالتی نے جھینپتے ہوئے کہا '' تم کورے فلسفی ہو مہتا ، سچ !''

سامنے درخت پر ایک مور بیٹھا ہوا تھا ۔ مہتا نے نشانہ لگایا اور بندوق سَر کی ۔ مور اڑ گیا ۔ مالتی خوش ہو کر بولی '' اچھا ہوا ، بہت اچھا ہوا ، میری بددعا لگی ۔''

مہتا نے بندوق کندھے پر رکھ کر کہا '' تم نے مجھے نہیں اپنے آپ کو بددعا دی شکار مل جاتا تو میں تمھیں دس منٹ کی مہلت دیتا ۔ اب تو تم کو فوراً چلنا پڑے گا ۔''

مالتی اٹھ کر مہتا کا ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی '' فلاسفروں کے شاید دل نہیں ہوتا ۔ تم نے اچھا کیا کہ شادی نہیں کی ۔ اس غریب کو مار ہی ڈالتے ! مگر میں یوں نہ چھوڑوں گی ۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے ۔''

مہتا نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑالیا اور آگے بڑھے۔

مالتی آبدیدہ ہوکر بولی '' میں کہتی ہوں نہ جاؤ ، ورنہ میں اسی چٹان پر سر پٹک دوں گی ۔''

مہتا نے تیزی سے قدم بڑھائے ۔ مالتی انھیں دیکھتی رہی ۔ جب وہ بیس قدم نکل گئے تو جھنجھلا کر اٹھی اور ان کے پیچھے دوڑی ۔ تنہا آرام کرنے میں تو کوئی لطف نہ تھا ۔

قریب جاکر بولی '' میں تمھیں اتنا حیوان نہ سمجھتی تھی ۔''

'' میں جو ہرن ماروں گا اس کی کھال تمھیں بھینٹ کروں گا ۔''

'' کھال جائے بھاڑ میں ! میں تم سے بات نہ کروں گی ۔''

'' کہیں ہم لوگوں کے ہاتھ کچھ نہ لگا اور دوسرے نے اچھے شکار مارے تو مجھے بڑی جھینپ ہوگی ۔''

ایک چوڑا نالا منھ پھیلائے آگے پڑا تھا جس کے بیچ کی چٹانیں دانتوں کی طرح معلوم ہوتی تھیں ۔ دھار میں اتنا زور تھا کہ لہریں اچھلی پڑتی تھیں سورج سر پر آپہنچا اور اس کی پیاسی کرنیں پانی میں کھیل رہی تھیں ۔

مالتی نے خوش ہوکر کہا ''اب تو لوٹنا پڑا ۔''

''کیوں ؟ اس پار چلیں گے وہیں تو شکار ملے گا ۔''

''دھار کس زور کی ہے ، میں تو بہہ جاؤں گی ۔''

''اچھی بات ہے تم یہیں بیٹھو ، میں جاتا ہوں ۔''

''آپ جایئے مجھے اپنی جان سے بیر نہیں ۔''

مہتا نے پانی میں قدم رکھا اور پیروں کو سادھتے ہوئے چلے۔ جیوں جیوں آگے جاتے تھے پانی گہرا ہوتا جاتا تھا ،حتی کے سینے تک آگیا ۔

مالتی گھبرا اٹھی ، اندیشے سے دل بے قرار ہوگیا ۔ ایسی بے چینی تو اسے کبھی نہ ہوئی تھی۔ بلند لہجے میں بولی'' پانی گہرا ہے ،ٹھہر جاؤ! میں بھی آتی ہوں ۔''

''نہیں تم پھسل جاؤ گی دھار تیز ہے ۔''

مالتی ساڑی اوپر چڑھا کر نالے میں گھس پڑی مگر دس ہاتھ جاتے جاتے پانی اس کی کمر تک آگیا ۔

مہتا گھبرائے دونوں ہاتھوں سے اسے لوٹ جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے'' تم یہاں نہ آؤ مالتی ! یہاں تمھارے گلے تک پانی ہے ۔''

مالتی نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر کہا'' ہونے دو تمھاری یہی مرضی ہے کہ میں مر جاؤں تو تمھارے پاس ہی مروں گی ۔''

مالتی پیٹ تک پانی میں تھی ۔ دھار اتنی تیز تھی کہ معلوم ہوتا تھا ، اب قدم اکھڑا مہتا لوٹ پڑے اور مالتی کو ایک ہاتھ سے پکڑ لیا۔

مالتی نے نشیلی آنکھوں میں غصہ بھر کے کہا'' میں نے تم جیسا بے درد آدمی کبھی نہ دیکھا تھا ۔ بالکل پتھر ہو! خیر ،آج ستالو جتنا ستاتے بنے ، میں بھی کبھی سمجھوں گی ۔''

مالتی کے پیر اکھڑتے ہوئے معلوم ہوئے ۔ وہ بندوق سمبھالتی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔ مہتا نے دلاسا دیتے ہوئے کہا '' تم یہاں کھڑی نہیں رہ سکتیں ، میں تمھیں اپنے

کندھے پر بیٹھائے لیتا ہوں۔"

مالتی نے چیں بجیں ہو کر کہا۔" تو اس پار جانا اتنا ضروری ہے؟"

مہتا نے کچھ جواب نہ دیا۔

بندوق کو کنپٹی سے کندھے پر دبالیا اور مالتی کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر کندھے پر بٹھایا۔

مالتی اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے بولی" اگر کوئی دیکھ لے؟"

" تو دیکھ لے اس میں شرم کی کیا بات ہے؟"

" بھدّا تو لگتا ہے۔"

دو قدم کے بعد اس نے درد بھری آواز میں کہا" اچھا بتاؤ اگر میں یہیں ڈوب جاؤں تو تمھیں رنج ہوگا یا نہیں؟ میں تو سمجھتی ہوں کہ تمھیں بالکل رنج نہ ہوگا۔"

مہتا بولے" تم تو سمجھتی ہو کہ میں انسان نہیں ہوں۔"

" میں تو یہی سمجھتی ہوں، کیوں چھپاؤں؟"

" سچ کہتی ہو مالتی؟"

" تم کیا سمجھتے ہو؟"

" میں پھر کبھی بتاؤں گا۔"

پانی مہتا کے گلے تک آگیا، کہیں اگلا قدم اٹھاتے ہی سر تک نہ آجائے۔ مالتی کا دل دھڑکنے لگا۔ بولی" مہتا! ایشور کے لیے اب آگے مت جاؤ ورنہ میں پانی میں کود پڑوں گی۔"

اس سنکٹ میں مالتی کو ایشور یاد آیا، جس کا وہ مذاق اڑایا کرتی تھی۔ جانتی تھی کہ ایشور کہیں بیٹھا نہیں ہے جو آکر انھیں بچالے۔ مگر دل کو جس سہارے اور طاقت کی ضرورت تھی وہ اور کہاں تھا؟ پانی کم ہونے لگا۔ مالتی نے خوش ہو کر کہا" اب تم مجھے اتار دو۔"

" نہیں نہیں، چپ چاپ بیٹھی رہو۔ کہیں آگے کوئی گڑھا نہ ہو۔"

" مجھے اس کی اجرت دے دینا۔"

مالتی کے دل میں گدگدی ہوئی اور بولی" کیا اجرت لوگے؟"

یہی کہ جب تمھاری زندگی میں کوئی ایسا ہی موقع آئے تو مجھے بلا لینا۔"

دونوں کنارے پر آگئے۔ مالتی نے ریت پر اپنی ساڑی نچوڑی، جوتے کا پانی نکالا،

منھ ہاتھ دھویا ، مگر یہ الفاظ اپنے بھید بھرے مطلب کے ساتھ اس کے سامنے ناچتے رہے۔''

اس نے تجربے کا لطف اٹھاتے ہوئے کہا '' یہ دن یاد رہے گا ۔''

مہتا نے پوچھا '' تم بہت ڈر رہی تھیں ؟''

'' پہلے تو ڈری پھر مجھے یقین ہوگیا کہ تم ، ہم دونوں کی حفاظت کر سکتے ہو ۔''

مہتا نے فخر سے مالتی کو دیکھا '' اس کے چہرے پر تھکان کی سرخی کے ساتھ چمک بھی تھی '' بولے مجھے یہ سن کر اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ تم نہ سمجھ سکو گی مالتی ؟''

'' تم نے سمجھایا کب ؟ الٹا اور جنگلوں میں گھسیٹے پھرتے ہو ! ابھی پھر لوٹتے وقت یہی نالا پار کرنا ہوگا ۔ تم نے کیسی آفت میں جان ڈال دی۔ مجھے تمھارے ساتھ رہنا پڑے تو ایک دن نہ پٹے ۔''

مہتا مسکرائے۔ان الفاظ کا اشارہ خوب سمجھ رہے تھے۔

''تم مجھے اتنا دشٹ سمجھتی ہو!اور جو میں کہوں کہ تم سے محبت کرتا ہوں،مجھ سے بیاہ کروگی؟''

'' ایسے سنگ دل سے کون بیاہ کرے گا ؟ رات دن جلا کر مار ڈالو گے !،، اور محبت بھری آنکھوں سے دیکھا گویا کہہ رہی ہو'' اس کا مطلب تم خوب سمجھتے ہو اتنے نادان نہیں ۔''

مہتا نے جیسے ہوش میں آکر کہا '' تم سچ کہتی ہو مالتی ! میں کسی عورت کو خوش نہیں رکھ سکتا ۔ مجھ سے کوئی عورت پریم کا سوانگ نہیں کرسکتی ۔ میں اس کے دل کی گہرائی تک پہنچ جاؤں گا ۔ پھر مجھے اس سے مغائرت ہو جائے گی ۔''

مالتی کانپ اٹھی ۔ ان باتوں میں کتنی سچائی تھی ، پوچھا ''اچھا بتاؤ تم کیسی محبت سے مطمئن ہو گے۔''

'' بس یہی کہ جو دل میں ہو ، وہی زبان پر ہو ۔میرے نزدیک رنگ روپ اور ناز و انداز کی قیمت اتنی نہیں ہے جتنی ہونی چاہیے ۔ میں وہ خوراک چاہتا ہوں جس سے روح کی آسودگی ہو ۔متحرک اور جاذب اشیا کی ضرورت نہیں ۔''

مالتی نے ہونٹ سکیڑ کر گہری سانس کھینچتے ہوئے کہا '' تم سے کوئی پیش نہ پائے گا ایک ہی گھاگھ ہو ! اچھا بتاؤ میرے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے ؟''

مہتا نے شرارت سے مسکرا کر کہا '' تم سب کچھ کرسکتی ہو ۔ دانا ہو ، ہوشیار ہو ، طباع

ہو، رحم دل ہو، شوخ ہو، خوددار ہو، تیاگ کرسکتی ہومگر محبت نہیں کرسکتیں۔"

مالتی نے تیز نگاہ سے تاک کر کہا" جھوٹے ہوتم، بالکل جھوٹے! مجھے تمھارا یہ دعویٰ بے دلیل معلوم ہوتا ہے کہ تم عورت کے دل تک پہنچ جاتے ہو۔"

دونوں نالے کے کنارے کنارے چلے جارہے تھے بارہ بج چکے تھے مگر اب مالتی کو نہ آرام کی خواہش تھی نہ واپسی کی۔ آج کی گفتگو میں اسے ایسا مزا آرہا تھا جو اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ اس نے کتنے ہی عالموں اور لیڈروں کو ایک مسکراہٹ میں، ایک چتون میں، ایک بات میں احمق بنا کر چھوڑ دیا تھا۔ ایسی ریت کی دیوار پر وہ زندگی کی بنیاد نہیں قائم کرسکتی تھی۔ آج اسے وہ سخت اور ٹھوس پتھر سی زمین مل گئی جو پھاوڑوں سے چنگاریاں نکال رہی تھی اور یہ سختی اسے زیادہ سے زیادہ فریفتہ کیے لیتی تھی۔

دھائیں کی آواز ہوئی۔ایک "لال سر"،نالے پر اڑا جا رہا تھا۔ مہتا نے نشانہ مارا۔ چڑیا چوٹ کھا کر بھی کچھ دور اڑی۔ پھر بیچ دھاریں میں گر پڑی اور لہروں کے ساتھ بہنے لگی

"اب؟"

"ابھی جا کر لاتا ہوں، جاتا کہاں ہے؟"

یہ کہتے ہی وہ ریت میں دوڑے اور بندوق کنارے پر رکھ کر پانی میں کود پڑے اور بہاؤ کی طرف تیرنے لگے مگر نصف میل تک پورا زور لگانے پر بھی وہ چڑیا کو نہ پاسکے۔ چڑیا مر کر بھی گویا اڑی جارہی تھی! دفعتاً انھوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی کنارے کی ایک جھوپڑی سی نکلی۔ چڑیا کو بہتا دیکھ کر ساڑی کو رانوں تک چڑھایا اور پانی میں کود پڑی۔ ایک لمحے میں اس نے چڑیا پکڑ لی اور مہتا کو دکھاتی ہوئی بولی" پانی سے نکل آؤ بابو جی! تمھاری چڑیا یہ ہے۔"

مہتا صاحب لڑکی کی چستی اور ہمت دیکھ کر دنگ ہو گئے، فوراً کنارے کی طرف بڑھے اور دو منٹ میں اس کے پاس جا پہنچے۔

لڑکی کا رنگ تھا تو سیاہ اور گہرا سیاہ، کپڑے بہت ہی میلے اور گھنونے، زیور کے نام پر صرف ہاتھوں میں دو دو موٹی چوڑیاں، سر کے بال الجھے اور بکھرے ہوئے، چہرے کا کوئی حصہ ایسا نہیں جسے سندر یا سڈول کہا جاسکے، مگر وہاں کی صاف آب و ہوا نے اس کی سیاہی میں ایسی ملاحت بھر دی تھی اور قدرت کی گود میں پل کر اس کے اعضا اتنے سڈول اور کسے

ہوئے اور پھر تیلے ہو گئے تھے کہ شباب کی تصویر کے لیے اس سے بہتر نمونہ ملنا مشکل تھا۔ اس کی عمدہ صحت گویا مہتا کے دل میں سکت اور چمک لا رہی تھی ۔

مہتا نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ''تم بڑے موقعے سے پہنچ گئیں ورنہ مجھے نہ جانے کتنی دور تیرنا پڑتا ۔''

لڑکی نے خوش ہوکر کہا '' میں نے تمھیں تیرتے دیکھا تو دوڑی سکار کھیلنے آئے ہو گے ؟''

''ہاں آئے تو تھے شکار ہی کھیلنے مگر دوپہر ہو گئی اور یہی ایک چڑیا ملی ہے ۔''

'' تیند وا مارنا چاہو تو میں اس کی جگہ دکھا دوں ۔ رات کو یہاں روج وہ پانی پینے آتا ہے ۔کبھی کبھی دوپہر میں بھی آجاتا ہے ۔''

پھر ذرا شرما کر سر جھکائے ہوئے بولی '' اس کی کھال ہمیں دینی پڑے گی چلو میرے دوارے پر وہاں پیپل کی چھایا ہے ، یہاں دھوپ میں کب تک کھڑے رہو گے ؟ کپڑے بھی تو بھیگے ہوئے ہیں ۔''

مہتا نے اس کے بدن سے لپٹی ہوئی بھیگی ساڑی کو دیکھ کر کہا '' تمھارے کپڑے بھی تو بھیگے ہوئے ہیں ۔''

اس نے بے پروائی سے کہا '' آنہہ ہمارا کیا ، ہم تو جنگل کے جیو ہیں دن دن بھر دھوپ اور پانی میں کھڑے رہتے ہیں ۔تم تھوڑے ہی رہ سکتے ہو۔''

لڑکی کتنی سمجھدار ہے اور بالکل گنوار ۔

'' تم کھال لے کر کیا کروگی ؟''

'' ہمارے دادا ہاٹ میں بیچتے ہیں ۔ یہی تو ہمارا کام ہے ۔''

'' لیکن دوپہر یہاں کاٹیں تو تم کھلاؤ گی کیا ؟''

لڑکی نے شرماتے ہوئے کہا '' تمھارے کھانے لائق ہمارے گھر میں کیا ہے ؟ مکے کی روٹیاں کھاؤ تو دھری ہیں چڑے کا سالن پکادوں گی ۔تم بتاتے جانا جیسا بنانا ہو ۔تھوڑا دودھ بھی ہے ہماری گائے کو ایک بار تیندوے نے گھیرا تھا وہ اس کو سینگوں سے بھگا کر چلی آئی تھی ۔تب سے تندوا اس سے ڈرتا ہے ۔''

'' لیکن میں اکیلا نہیں ہوں ، میرے ساتھ ایک عورت بھی ہے ۔''

''تمھاری گھر والی ہوگی ؟''

''نہیں ، گھر والی تو ابھی نہیں ہے ، جان پہچان کی ہے ۔''

'' تو میں دوڑ کر ان کو بلائے لاتی ہوں ، تم چل کر چھا ہنہ میں بیٹھو ۔''

''نہیں ، نہیں ، میں بلائے لاتا ہوں ۔''

'' تم تھک گئے ہو گے ۔ سہر کے باسی جنگل میں کاہے کو آتے ہوگے ؟ ہم تو جنگلی آدمی ہیں ۔ کنارے ہی پر تو کھڑی ہوں گی؟''

جب تک مہتا کچھ بولیں وہ ہوا ہو گئی ۔ مہتا اوپر چڑھ کر پیپل کے سائے میں بیٹھے تو اس آزادانہ زندگی سے انھیں رغبت پیدا ہو گئی ؟ سامنے کا پہاڑی سلسلہ فلسفے کے اصولوں کی طرح نا قابل عبور اور لامتنا ہی دور تک پھیلا ہوا گویا فہم وفراست کو وسعت دے رہا تھا ، گویا دل اس عقل کو ، اس نور کو ، اس عمق کو اس کے مجسم اور عظیم صورت میں دیکھ رہا ہو ۔ دور کی ایک بہت بلند چوٹی پر ایک چھوٹا سا مندر تھا جو اس نا قابل فہم مقام میں گیان کی طرح اونچا مگر کھویا ہوا سا کھڑا تھا ۔ گویا پرند وہاں تک پر مار کر آرام اور آسائش حاصل کرنا چاہتا ہے مگر کہیں جگہ نہیں پاتا ۔

مہتا انھیں خیالات میں غرق تھے کہ وہ لڑکی مس مالتی کو ساتھ لیے آ پہنچی ۔ ایک جنگلی پھول کی طرح دھوپ میں کھلی ہوئی اور دوسری گملے کے پھول کی طرح دھوپ سے زرد اور مرجھائی ہوئی ۔

مالتی نے بے دلی سے کہا '' پیپل کی چھاؤں بہت اچھی لگ رہی ہے ، کیوں ؟ اور یہاں بھوک کے مارے جان نکلی جاتی ہے !''

لڑکی دو بڑے بڑے مٹکے اٹھا لائی اور بولی '' تم جب تک یہیں بیٹھو ، میں دوڑ کر پانی لاتی ہوں ۔ پھر چولہا جلاؤں گی اور میرے ہاتھ کا کھاؤ تو میں چھن بھر میں باٹیاں بنا دوں گی ، نہیں تو اپنے آپ سینک لینا ۔ ہاں گیہوں کا آٹا میرے گھر میں نہیں ہے اور یہاں کوئی دکان بھی نہیں ہے کہ لا دوں ۔''

مالتی کو مہتا پر غصہ آرہا تھا ۔ بولی '' تم یہاں کیا آ کر پڑ رہے ؟''

مہتا نے چڑھاتے ہوئے کہا '' ایک روز ذرا اس صحرائی زندگی کا لطف بھی تو اٹھاؤ ۔ دیکھو مکّا کی روٹیوں میں کتنی لذت ہے ۔''

"مجھ سے وہ روٹیاں کھائی ہی نہ جائیں گی اور کسی طرح نگل بھی جاؤں تو ہضم نہ ہوں گی ۔تمھارے ساتھ آکر میں بہت پچھتا رہی ہوں۔ راستہ بھر دوڑا کر مار ڈالا اور اب یہاں لاکر پٹک دیا۔"

مہتا نے کپڑے اتار دیے تھے اور صرف ایک گیلا جانگھیا پہنے ہوئے بیٹھے تھے ۔لڑکی کو مٹکے لے جاتے دیکھا تو اس کے ہاتھ سے چھین لیے اور کنوئیں پر پانی بھرنے چلے ۔ فلسفے کے عمیق مطالعے میں بھی انھوں نے اپنی صحت کی حفاظت کی تھی اور دونوں مٹکے لے کر چلتے ہوئے ان کے بھرے ہوئے بازوؤں چوڑے سینے اور پٹھے دار رانوں سے کسی یونانی مجسمے کے متناسب اعضا کی طرح ان کی قوت کا پتہ مل رہا تھا ۔لڑکی انھیں پانی کھینچتے ہوئے شوق کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی ۔ وہ اب اس کے رحم کے نہیں بلکہ اس کی عقیدت کے مستحق ہو گئے تھے ۔

کنواں بہت گہرا تھا ، کوئی ساٹھ ہاتھ ۔ مٹکے بھاری تھے اور مہتا صاحب ورزش کے عادی ہوتے ہوئے بھی ایک مٹکا کھینچتے کھینچتے سست پڑ گئے ۔لڑکی دوڑ کر ان کے ہاتھوں سے رسی چھین لی اور بولی" تم سے نہ کھنچے گا ،،تم جاکر کھاٹ پر بیٹھو، میں بھرے لاتی ہوں۔"

مہتا اپنی مردیت کی یہ توہین نہ سہہ سکے ۔ رسی اس کے ہاتھ سے پھر لے لی اور زور لگا کر ایک لمحے میں دوسرا مٹکا بھی کھینچ لیا ۔ پھر دونوں ہاتھوں میں مٹکے لیے ہوئے آکر جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے ہوگئے۔لڑکی نے آناً فاناً آگ جلائی اور چڑے کے پر جھلس دیے ۔ پھر چھرے سے اس کی بوٹیاں بنائیں اور چولھے میں آگ جلا کر گوشت چڑھا دیا اور چولھے کے پچھلے حصے پر کڑھائی میں دودھ ابالنے لگی ۔

اور مالتی بھوئیں چڑھائے چارپائی پر اداس پڑی ہوئی اس منظر کو اس طرح دیکھ رہی تھی گو اس کے آپریشن کی تیاری ہو رہی ہو ۔

مہتا جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے ہو کر لڑکی کی خانہ داریوں کو شوق و رغبت سے دیکھتے ہوئے بولے" مجھے بھی تو کوئی کام بتاؤ ، میں کیا کروں؟"

لڑکی نے ملائم جھڑکی کے ساتھ کہا" تمھیں کچھ نہیں کرنا ۔ جاکر بائی کے پاس بیٹھو بے چاری بہت بھوکی ہیں ۔ دودھ گرم ہوا جاتا ہے ، اسے پلا دینا ۔"

اس نے ایک گھڑے سے آٹا نکالا اور گھوندھنے لگی ۔مہتا اس کے اعضا کی خوشگوار

حرکت دیکھتے رہے ۔ لڑکی بھی رہ رہ کر انھیں کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے اپنا کام کرنے لگتی تھی۔

مالتی نے پکارا'' تم وہاں کیا کھڑے ہو؟ میرے سر میں شدت کا درد ہو رہا ہے ۔ آدھا سر ایسا پھٹا پڑتا ہے جیسے گر جائے گا۔''

مہتا نے آ کر کہا'' معلوم ہوتا ہے، دھوپ لگ گئی ہے ۔''

'' میں کیا جانتی تھی کہ تم مجھے مار ڈالنے کے لیے یہاں لائے ہو؟''

'' تمھارے ساتھ کوئی دوا بھی تو نہیں ہے ؟''

'' کیا میں کسی مریض کو دیکھنے آ رہی تھی جو دوا لے کر چلتی ؟ میرا ایک دواؤں کا بکس ہے وہ سمری میں ہے ۔ اف ! سر پھٹا جاتا ہے ۔''

مہتا اس کے سرہانے زمین پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ اس کا سر سہلانے لگے ۔ مالتی نے آنکھیں بند کر لیں ۔

لڑکی ہاتھوں میں آٹا بھرے ہوئے ،سر کے بال بکھیرے ، آنکھیں دھوئیں سے سرخ اور اشک آلود ، کل بدن پسینے سے تر جس سے اس کا ابھرا ہوا سینہ صاف جھلک رہا تھا ، آ کر کھڑی ہوگئی ۔ اور مالتی کو آنکھیں بند کیے پڑا دیکھ کر بولی'' بائی کو کیا ہوگیا ہے ۔؟''

'' مہتا بولے'' سر میں بڑا درد ہے ۔''

'' پورے سر میں ہے کہ آدھے سر میں ؟''

'' آدھے میں بتاتی ہیں ۔''

'' دہنی طرف ہے کہ بائیں طرف ؟''

'' بائیں طرف ۔''

'' میں ابھی دوڑ کر ایک دوا لاتی ہوں جسے گھس کر لگاتے ہی اچھا ہو جائے گا ۔''

'' تم اس دھوپ میں کہاں جاؤ گی ؟''

لڑکی نے سنا ہی نہیں ۔ تیزی سے ایک طرف جاکر پہاڑیوں میں غائب ہوگئی ۔ کوئی آدھ گھنٹے بعد مہتا نے اسے اونچی پہاڑی پر چڑھتے دیکھا ۔ دور سے بالکل گڑیا سی لگ رہی تھی ۔ دل میں سوچا کہ اس جنگلی چھوکری میں خدمت کا کتنا جذبہ اور کتنا عملی علم ہے ۔ لو، اور دھوپ میں آسمان میں چڑھی جارہی ہے ۔

مالتی نے آنکھیں کھول کر دیکھا بولی " کہاں گئی وہ کلوٹی ؟ غضب کی کالی ہے جیسے آبنوس کا کندہ ۔ اسے بھیج دو ۔ رائے صاحب سے کہہ آئے کہ موٹر یہاں بھیج دیں ۔ اس دھوپ میں میرا دم نکل جائے گا ۔"

" کوئی دوا لانے گئی ہے ۔ کہتی ہے کہ اس سے آدھا سیسی کا درد بہت جلد دور ہو جاتا ہے ۔"

" ان کی دوائیں ان ہی کو نفا کرتی ہیں ، مجھے نہ کریں گی ۔ تم تو اس چھوکری پر لٹو ہو گئے ۔ کتنے چھچھورے ہو ! جیسی روح ویسے فرشتے ۔"

مہتا کو تلخ سچائی کہنے میں تامل نہ ہوتا تھا ، بولے " کچھ باتیں تو اس میں ایسی ہیں کہ اگر تم میں ہوتیں تو تم سچ مچ دیوی ہو جاتیں ۔"

" اس کی خوبیاں اسے مبارک ہوں! مجھے دیوی بننے کی ہوس نہیں ہے ۔"

" تم کہو تو میں جا کر موٹر لاؤں ، اگر چہ میں نہیں کہہ سکتا کہ موٹر یہاں آبھی سکے گا یا نہیں ۔"

" اس کلوٹی کو کیوں نہیں بھیج دیتے ؟"

" وہ تو دوا لینے گئی ہے ، پھر کھانا پکائے گی ۔"

" تو آج آپ اس کے مہمان ہیں ۔"

مہتا نے اس حملے سے چڑھ کر کہا " اس لڑکی کی جانب میرے دل میں جو محبت و عقیدت ہے وہ ایسی ہے کہ اگر میں اس کی طرف بدنگاہی سے دیکھوں تو آنکھیں پھوٹ جائیں ۔ میں اپنے کسی دلی دوست کے خاطر بھی اس دھوپ اور لو، میں اس اونچی پہاڑی پر نہ جاتا اور ہم صرف گھڑی بھر کے مہمان ہیں ، اسے وہ جانتی ہے ۔ وہ کسی غریب عورت کے لیے بھی اسی مستعدی سے دوڑ جائے گی ۔ میں اس امر کو صرف تحریر یا تقریر کے ذریعہ ادا کرسکتا ہوں کہ دنیا میں سب لوگ بھائی بھائی ہیں اور سبھی میں برادرانہ محبت ہونی چاہیے مگر وہ ان جذبات پر عمل کر کے دکھلا سکتی ہے ۔ کہنے سے کرنا مشکل ہے ، یہ تو تم بھی جانتی ہو ۔"

مالتی نے طنز سے کہا " بس بس ، وہ دیوی ہے میں مان گئی ، اس کے سینہ میں ابھار ، کمر میں لچک ، جسم میں وزن ہے ۔ دیوی ہونے کے لیے اور کیا چاہیے ؟"

مہتا تلملا اٹھے ۔ فوراً اٹھے ، کپڑے پہنے جو سوکھ گئے تھے ، بندوق اٹھائی اور چلنے کو تیار

ہو گئے ۔ مالتی نے پھنکار چھوڑی ''تم نہیں جاسکتے مجھے تنہا چھوڑ کر !''

''پھر کون جائے گا ؟''

''وہی تمھاری دیوی ۔''

مہتا بد حواس سے کھڑے تھے ۔عورت مرد پر کتنی آسانی سے فتح پاسکتی ہے اس کا آج انھیں زندگی میں پہلا تجربہ ہوا۔

وہ دوڑی ہانپتی چلی آرہی تھی ، وہی کالی کلوٹی لڑکی ، ہاتھ میں ایک جھاڑ لیے ہوئے۔ پاس آکر مہتا کو کہیں جانے کے لیے تیار دیکھ کر بولی '' میں وہ جڑی کھوج لائی ۔ ابھی گھس کر لگاتی ہوں ۔مگر تم کہاں جارہے ہو؟ ماس (گوشت) تو پک گیا ہوگا ۔ میں باٹیاں سینکے دیتی ہوں ، دو ایک کھالینا ۔ بائی دودھ پی لیں گی ۔ٹھنڈے میں چلے جانا ۔''

اس نے بلا تامل مہتا کی اچکن کے بٹن کھول دیے ۔ مہتا بہت ضبط کیے ہوئے تھے، جی چاہتا تھا کہ اس دہقانی لڑکی کے قدم چوم لیں ۔

مالتی نے کہا '' اپنی دوا رہنے دے ۔ ندی کے کنارے برگد کے نیچے ہمارا موٹر کھڑا ہے۔ وہاں اور لوگ ہوں گے ان سے جا کر کہنا ، موٹر یہاں لائیں ۔ دوڑی ہوئی جا !''

لڑکی نے مایوسانہ نگاہوں سے مہتا کو دیکھا ۔ اتنی محنت سے جڑی لائی ، اس کی یہ بے قدری ! اس گنوارن کی دوا انھیں نہیں جچی تو نہ سہی ، اس کا من رکھنے ہی کو ذرا سی لگوا لیتیں تو کیا ہوتا ؟۔

اس نے جڑی کو زمین پر رکھ کر پوچھا '' تب تک تو چولہا ٹھنڈا ہو جائے گا بائی جی ۔ کہو تو روٹیاں سینک کر رکھ لوں ۔ بابو جی کھانا کھالیں ، تم دودھ پی لو اور دونوں جنے آرام کرو۔ تب تک میں موٹر والے کو بلا لاؤں ۔''

وہ جھونپڑی میں گئی ، بجھی ہوئی آگ پھر جلائی ، دیکھا تو گوشت ابل گیا تھا ، کچھ جل بھی گیا تھا ، جلد جلد روٹیاں سینکیں ، دودھ گرم تھا اسے ٹھنڈا کیا اور ایک کٹورے میں مالتی کے پاس لائی ۔ مالتی نے کٹورے کے بھدے پن پر منھ بنایا لیکن دودھ نہ چھوڑ سکی ۔ مہتا جھونپڑی کے دروازے پر بیٹھ کر ایک تھالی میں گوشت اور روٹیاں کھانے لگے ۔لڑکی کھڑی ہوئی پنکھا جھل رہی تھی ۔ مالتی نے لڑکی سے کہا '' انھیں کھانے دے ، کہیں بھاگے نہیں جاتے۔تو جا کر موٹر لا ۔''

لڑکی نے مالتی کی طرف ایک مرتبہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھا ۔ یہ کیا چاہتی ہیں ؟ ان کا مطلب کیا ہے ؟ اسے مالتی کے چہرے پر مریضوں کی سی عاجزی اور احسان مندی اور التجا کی جھلک نہ دکھائی دی ، اس کی جگہ غرور اور رعونت کی جھلک تھی ۔ دہقانی لڑکی دل کی پرکھ میں ہوشیار تھی بولی '' کسی کی لونڈی نہیں ہوں ، بائی جی ! تم بڑی ہوگی اپنے گھر کی ۔ میں تم سے مانگنے نہیں جاتی ۔ میں موٹر لینے نہ جاؤں گی ۔''

مالتی نے ڈانٹا '' اچھا تو نے گستاخی پر کمر باندھی ہے ، بتا تو کس کے علاقے میں رہتی ہے ؟''

'' رائے صاحب کا علاقہ ہے ۔''

'' تو تجھے انھیں رائے صاحب کے ہاتھوں ہنٹروں سے پٹواؤں گی ۔''

'' مجھے پٹوانے سے تمھیں سکھ ملے تو پٹوالینا بائی جی ، کوئی رانی مہرانی تھوڑے ہی ہوں کہ لسکر بھیجنا پڑے ۔''

مہتا نے دوچار نوالے کھائے تھے کہ مالتی کی یہ باتیں سنیں ۔ نوالہ حلق میں اٹک گیا ۔ جلدی سے ہاتھ دھویا اور بولے '' وہ نہیں جائے گی میں جارہا ہوں ۔''

مالتی بھی کھڑی ہوگئی '' اسے جانا پڑے گا !''

مہتا نے انگریزی میں کہا '' اس کی توہین کر کے تم اپنی توقیر بڑھا نہیں رہی ہو مالتی !،،

مالتی نے پھٹکار بتائی '' ایسی ہی لونڈیاں تو مردوں کو پسند آتی ہیں ، جن میں کوئی اور گن ہو نہ ہو مگر جو ان کی خدمت دوڑ دوڑ کر خوشی سے کریں اور اپنے بھاگ کو سراہیں کہ اس مرد نے مجھ سے کچھ کام کرنے کو تو کہا ۔ بس وہی تو دیویاں ہیں ! میں سمجھتی تھی کہ ویسی مردی کم سے کم تم میں نہیں ہے ، لیکن تم بھی دل کے ویسے ُہی نکلے ۔''

مہتا علم النفس کے ماہر تھے ۔ مالتی کے دلی خیالات کو بخوبی سمجھ رہے تھے ۔ حسد کی ایسی انوکھی مثال انھیں کبھی نہ ملی تھی ۔ اس عورت میں جو اتنی نرم مزاج ، اتنی فراخ دل اور اتنی ہنس مکھ تھی ، حسد کی ایسی تیز آگ !

بولے '' کچھ بھی کہو مگر میں اسے نہ جانے دوں گا ۔ اس کی خدمتوں اور مہربانیوں کا یہ صلہ دے کر میں اپنی نظروں میں ذلیل نہیں بن سکتا ،، مہتا کی آواز میں کچھ ایسی سختی تھی کہ مالتی آہستہ سے اٹھی اور جانے کو تیار ہوگئی ۔ اس نے جل کر کہا '' اچھا تو میں ہی جاتی ہوں ۔

تم اس کے چرنوں کی پوجا کرکے بعد کو آنا ۔''

مالتی دو تین قدم چلی گئی تو مہتا نے اس لڑکی سے کہا '' اب مجھے اجازت دو بہن ! تمھاری یہ محبت ، تمھاری یہ بے غرضانہ خدمت ہمیشہ یاد رہے گی ۔''

لڑکی نے آبدیدہ ہوکر دونوں ہاتھوں سے انھیں پرنام کیا اور جھونپڑی میں چلی گئی۔

دوسری ٹولی رائے صاحب اور کھنا کی تھی ۔ رائے صاحب تو اپنے اسی ریشمی کرتے اور ریشمی چادرے میں تھے مگر کھنا نے شکاری پوشاک پہن رکھی تھی جو شاید اسی دن کے لیے تیار کرائی گئی تھی کیونکہ کھنا کو آسامیوں کے شکار سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ جانوروں کا شکار کھیلتے ؟ کھنا پستہ قد اور اکہرے بدن کے شکیل آدمی تھے ۔ گندمی رنگ ، بڑی بڑی آنکھیں ، منھ پر چیچک کے داغ ، بات چیت میں بڑے ہوشیار !

کچھ دور چلنے کے بعد کھنا نے مہتا صاحب کا ذکر چھیڑ دیا جو کل ہی سے ان کے سر پر کسی نحوست کی طرح سوار تھے ؛ بولے ''یہ مہتا بھی کچھ عجیب آدمی ہے ۔ مجھے تو کچھ بنا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔''

رائے صاحب مہتا کی عزت کرتے تھے اور انھیں سچا بے ریا آدمی سمجھتے تھے ۔ مگر کھنا سے کچھ لین دین بھی تھا اور کچھ مزاج میں بھی امن پسندی تھی ۔ پس مخالفت نہ کر سکے ۔ بولے '' میں تو انھیں صرف تفریح کی چیز سمجھتا ہوں کبھی ان سے بحث نہیں کرتا اور کرنا بھی چاہوں تو اتنا علم کہاں سے لاؤں ؟ جس نے زندگی کے دائرے میں کبھی پیر ہی نہیں رکھا، وہ اگر زندگی کے بارے میں کسی نئے اصول کا راگ الاپتا ہے تو مجھے اس پر ہنسی آتی ہے ۔ مزے سے ایک ہزار ماہوار وصول کرتے ہیں ، نہ جورو نہ جاتا ، نہ کوئی فکر نہ تکلیف ، وہ فلسفہ نہ بگھاریں تو کون بگھارے ؟ آپ آزاد رہ کر زندگی کو مکمل بنانے کا خواب دیکھتے ہیں ، ایسے آدمی سے کیا بحث کی جائے ؟''

'' میں نے سنا کے چال چلن ٹھیک نہیں ہے ۔''

'' بے فکرے پن میں چال چلن ٹھیک رہ کیسے سکتا ہے ؟'' سوسائٹی میں رہو اور اس کے فرائض انجام دو جب پتہ چلے ۔''

''مس مالتی نہ جانے کیا دیکھ کر ان پر فریفتہ ہوجاتی ہیں ؟''

"میں سمجھتا ہوں کہ وہ صرف تمھیں جلا رہی ہے۔"

"مجھے وہ کیا کھا کر جلائیں گی؟ میں انھیں کھلونے سے زیادہ نہیں سمجھتا۔"

"یہ تو نہ کہو مسٹر کھنا، مس مالتی پر جان تو دیتے ہو تم!"

"یوں تو میں بھی آپ پر وہی الزام لگا سکتا ہوں۔"

"میں انھیں واقعی کھلونا سمجھتا ہوں۔ آپ البتہ انھیں مورت بنائے ہوئے ہیں۔

کھنا نے زور سے قہقہہ لگایا حالانکہ ہنسی کی کوئی بات نہ تھی "اگر ایک لوٹا جل چڑھا دینے سے بردان مل جائے تو کیا برا ہے؟"

اب کے رائے صاحب نے زور کا قہقہہ مارا جس کا کوئی مطلب نہ تھا "تب آپ نے اس دیوی کو سمجھا ہی نہیں۔ آپ جتنا ہی اس کی پوجا کریں گے اتنا ہی آپ سے دور بھاگیں گی اور جتنا ہی دور بھاگے گا اتنا ہی آپ کی طرف دوڑیں گی۔"

"میری طرف! میں اس شوقین جماعت سے بالکل باہر ہوں، مسٹر کھنا! سچ کہتا ہوں۔ مجھ میں جتنی عقل اور طاقت ہے وہ اس علاقے کے انتظام ہی میں خرچ ہو جاتی ہے۔ گھر کے جتنے لوگ ہیں، سبھی اپنی اپنی دھن میں مست ہیں۔ کوئی پرستش میں اور کوئی عیش وعشرت میں! اور ان سب اجگروں کو خوراک دینا میرے ذمے ہے؟ میرا فرض ہے! میرے بہت سے تعلقدار بھائی عیش کر رہے ہیں، یہ میں جانتا ہوں مگر وہ لوگ گھر پھونک کر تماشا دیکھتے ہیں! قرض کا بار سر پر بڑھتا جارہا ہے، روزانہ ڈگریاں ہو رہی ہیں، جس سے لیتے ہیں اسے دینا نہیں جانتے، چاروں طرف بدنامی ہی بدنامی ہے۔ میں تو ایسی زندگی سے مر جانا بہتر سمجھتا ہوں۔ معلوم نہیں کن کرموں کے پھل سے میرے آتما میں ذرا سی جان باقی رہ گئی ہے جو مجھے دیس اور سماج کے بندھن میں باندھے ہوئے ہے۔ ستیہ گرہ کی تحریک شروع ہوئی۔ جیل گیا اور لاکھوں روپے کی زیر باری اٹھائی اور ابھی تک اس کا خمیازہ بھگت رہا ہوں مجھے اس کا پچھتاوا نہیں ہے، بالکل نہیں! مجھے فخر ہے۔ میں اس آدمی کو آدمی نہیں سمجھتا جو قوم اور ملک کے بہبود کی کوشش نہ کرے اور قربانی نہ کرے۔ مجھے کیا اچھا لگتا ہے کہ بے جان کسانوں کا خون چوسوں اور اپنے کنبے والوں کی نفس پرستیوں کے ذرائع مہیا کروں مگر کروں کیا؟ جس انتظامی فضا میں میری پرورش اور بالیدگی ہوئی اس سے نفرت ہونے پر بھی اس کا موہ چھوڑ نہیں سکتا اور اسی چکر میں رات دن پڑا رہتا ہوں کہ کسی طرح عزت آبرو بچی رہے اور ضمیر

کا خون نہ ہونے پائے ایسا آدمی مس مالتی ہی کیا کسی مس کے پیچھے نہیں پڑ سکتا اور پڑے تو اس کا ستیا ناس سمجھیے ، ہاں ذرا سی تفریح کرلینا دوسری بات ہے ۔''

کھنا بھی جری شخص تھے ، میدان میں آگے بڑھنے والے ۔ دوبار جیل ہو آئے تھے۔ کسی سے دبنا نہ جانتے تھے ۔کھدّر پہنتے تھے اور فرانسیسی شراب پیتے تھے ۔ موقع پر بڑی بڑی تکلیفیں جھیل سکتے تھے جیل میں شراب چھوئی تک نہیں تھی اور 'اے ، کلاس میں رہ کر 'سی ، کلاس کی روٹیاں کھاتے رہے ، اگرچہ انھیں ہر طرح کا آرام مل سکتا تھا ۔مگر میدان جنگ میں چلنے والا رتھ بھی تو تیل کے بغیر نہیں چل سکتا ۔ ان کے لیے زندگی ذرا سی شوقینی ذرا سی رنگینی لازمی تھی ۔ بولے '' آپ سنیاسی بن سکتے ہیں ۔مگر میں تو نہیں بن سکتا ۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جو دنیا دار نہیں وہ لڑائی میں پورے حوصلے سے شریک نہیں ہوسکتا جو عورت سے محبت نہیں کر سکتا اس کی حب الوطنی پر میرا یقین نہیں ۔''

رائے صاحب مسکرائے '' آپ مجھی پر آوازے کسنے لگے ۔''

آوازے نہیں ٹھیک بات ہے ۔''

'' شاید ہو ۔''

'' آپ اپنے دل میں اتر کر دیکھیے تو پتہ چلے ۔''

'' میں نے تو دیکھ لیا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہاں خواہ کتنی ہی برائیاں ہوں مگر زہر کی ہوس نہیں ہے ۔''

'' تب تو مجھے آپ پر رحم آتا ہے ۔آپ جو اتنے مغموم اور متفکر ہیں اس کا واحد سبب آپ کی نفس کشی ہے میں تو یہ ناٹک کھیل کر ہی رہوں گا' خواہ اس کا انجام رنج ہی کیوں نہ ہو ۔ وہ مجھ سے مذاق کرتی ہے اور دکھاتی ہے کہ مجھے تیری پروا نہیں ۔مگر میں ہمت ہارنے والا انسان نہیں ہوں میں اب تک اس کا مزاج نہیں سمجھ سکا ۔ نشانہ کہاں ٹھیک بیٹھے گا اس کا تصفیہ نہیں کر سکا۔ جس دن یہ کنجی ہاتھ آگئی بس فتح ہے ۔''

'' لیکن وہ کنجی آپ کو شاید ہی ملے ۔ شاید مہتا آپ سے بازی مار لے جائیں ۔''

ایک ہرن کئی ہرنوں کے ساتھ چر رہا تھا ، بڑی سینگوں والا اور بالکل سیاہ ۔ رائے صاحب نے نشانہ لگایا ۔کھنا نے روکا '' کیوں ہتھیا کرتے ہو یار ! بے چارا چر رہا ہے ، چر نے دو۔ دھوپ تیز ہوگئی ہے ۔آیئے کہیں بیٹھ جائیں ۔ آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں ۔''

رائے صاحب نے بندوق چلائی مگر ہرن بھاگ گیا۔ بولے ''ایک شکار ملا بھی تو نشانہ خالی گیا۔''

''ایک ہتیا سے بچے۔''

''ہاں کہیے کیا بات کرنے کو کہہ رہے تھے۔''

''آپ کے علاقے میں اکھ ہوتی ہے؟''

''بڑی کثرت سے۔''

''تو پھر کیوں نہ ہمارے شکر مِل میں شریک ہو جایئے۔ حصے دھڑا دھڑ بک رہے ہیں۔ آپ زیادہ نہیں تو ایک ہزار حصے خرید لیں۔''

''غضب کیا، میں اتنے روپے کہاں سے لاؤں گا؟''

''اتنے نامی گرامی تعلقدار اور آپ کو روپیوں کی کمی! کل پچاس ہزار ہی تو ہوتے ہیں اور اس میں بھی تو ابھی پچیس فی صدی دینا ہے۔''

''نہیں بھائی صاحب، اس وقت میرے پاس بالکل روپے نہیں ہیں۔''

''روپے جتنے چاہیں مجھ سے لے لیں۔ بینک آپ کا ہے۔ ہاں ابھی آپ نے اپنی زندگی کا بیمہ نہ کرایا ہوگا۔ میری کمپنی کی ایک بڑھیا پالیسی لے لیجیے سو دو سو ماہوار بڑی آسانی سے دے سکتے ہیں اور بعد کو ایک یکجائی رقم مل جائے گی چار پانچ ہزار۔ لڑکوں کے لیے اس سے بہتر بندوبست آپ نہیں کر سکتے۔ ہمارے قواعد دیکھیے۔ ہم باہمی امداد کے اصول پر پورا عمل کرتے ہیں۔ دفتر اور عملے کے خرچ کے سوا نفع کی ایک پائی بھی کسی کی جیب میں نہیں جاتی۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ اس طریقے پر کمپنی کیسے چل رہی ہے اور میری صلاح سے تھوڑا سا سٹے کا کام شروع کر دیجیے۔ یہ جو آج صد ہا کروڑپتی بنے ہوئے ہیں سب اسی کی بدولت بنے ہوئے ہیں۔ روئی، شکر، گیہوں، ربر کسی جنس کا سٹا کیجیے منٹوں میں لاکھوں کا نپٹارا ہوتا ہے۔ کام ذرا بے تکا ہے۔ بہت سے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں مگر وہی جو اناڑی ہیں۔ آپ جیسے تجربے کار تعلیم یافتہ اور دور اندیش لوگوں کے لیے تو اس سے بہتر نفع کا کام ہی نہیں ہے۔ بازار کا اتار چڑھاؤ کوئی ناگہانی واقعہ نہیں۔ یہ بھی ایک سائنس ہے۔ ایک بار اسے غور سے دیکھ لیجیے کہ کیا مجال کے دھوکہ ہو جائے۔''

رائے صاحب کو کمپنیوں پر اعتبار نہ تھا۔ دو ایک بار اس کا انھیں تلخ تجربہ بھی ہو چکا

تھا۔ لیکن مسٹر کھنا کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے ترقی کرتے ہوئے دیکھا تھا اور ان کے کمالِ فن کے قائل ہو گئے تھے ۔ ابھی دس سال پہلے جو شخص بینک میں کلرک تھا وہ صرف اپنی محنت اور ذہانت سے شہر میں پوجا جاتا ہے ۔ اس کی صلاح کو یوں ہی ٹالا نہ جاسکتا تھا ۔ اس بارے میں اگر کھنا ان کے رہنما بن جائیں تو انھیں بہت کچھ کامیابی ہوسکتی ہے ۔ ایسا موقع کیوں ہاتھ سے جانے دیا جائے ۔ طرح طرح کے سوالات کرتے رہے ۔ دفعتاً ایک دیہاتی ایک بڑی ٹوکری میں کچھ جڑیں ، پتیاں اور پھول لیے جاتا ہوا دکھائی دیا ؟''

کھنا نے پوچھا '' ارے کیا بیچتا ہے ؟''

دیہاتی ڈر گیا کہ کہیں بیگار میں نہ پکڑ جائے بولا '' کچھ تو نہیں مالک ، یہی گھاس پات ہے ۔''

''کیا کرے گا ان کا؟''

'' بیچوں گا مالک ۔جڑی بوٹی ہے ۔''

''کون کون سی جڑی بوٹی ہے ؟''

دیہاتی نے اپنا دواخانہ کھول کر دکھایا ۔ معمولی چیزیں تھیں جو جنگل کے آدمی اکھاڑ لے جاتے ہیں اور شہری عطاروں کے ہاتھ دوچار روپے میں بیچ آتے ہیں جیسے مکو ، کنگھی، شہدیئی ، گکرونده ، تخم دھتوره ، مدار کے پھول ، کرنجے گھونگچی وغیرہ ہر چیز دکھاتا تھا اور رٹے ہوئے لفظوں میں ان کے اوصاف بھی بتلاتا جاتا تھا ۔'' یہ مکوے ہے سرکار ! تاپ ہو؟ منداگنی ہو؟ تلی ہو ، دھڑکن ہو ، ہول ہو ، کھانسی ہو ایک خوراک میں آرام ہو جاتا ہے ۔ یہ دھتورے کے بیج ہیں مالک ! گٹھیا ہو ، بائی ہو ....'' کھنا نے دام پوچھے ۔ اس نے آٹھ آنے کہے ۔کھنا نے ایک روپیہ پھینک دیا اور اسے پڑاؤ پر رکھ آنے کو کہا ۔ غریب نے منھ مانگے دام ہی نہیں پائے بلکہ دگنے پائے ، دعائیں دیتا ہوا چلا گیا ۔

رائے صاحب نے پوچھا '' آپ یہ گھاس پات لے کر کیا کرے گے ؟''

کھنا نے مسکرا کر کہا '' ایران کی اشرفیاں بناؤں گا ۔ میں کیمیا گر ہوں۔ یہ آپ کو شاید نہیں معلوم ؟''

'' تو یار وہ منتر ہمیں بھی سکھادو۔''

'' ہاں ہاں ! شوق سے میری شاگردی کیجیے ۔ پہلے سوا سیر لڈو لاکر چڑھایئے ، تب

بتاؤں گا ۔ بات یہ ہے کہ مجھے طرح طرح کے آدمیوں سے سابقہ پڑتا ہے ۔ کچھ ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو جڑی بوٹیوں پر جان دیتے ہیں ، بس انھیں اتنا معلوم ہو جائے کہ یہ کسی فقیر کی دی ہوئی جڑی بوٹی ہے تو پھر آپ کی خوشامد کریں گے ، ناک رگڑیں گے اور آپ وہ چیز انھیں دے دیں تو سدا کے لیے آپ کے احسان مند بن جائیں گے ایک روپے میں اگر دس بیس احمقوں پر احسان کا نمدہ کسا جاسکا تو کیا برا ہے ؟ ذرا سے احسان سے بڑے بڑے کام نکل جاتے ہیں ۔''

رائے صاحب نے شوق بھرے تعجب سے پوچھا '' مگر ان بوٹیوں کے گن آپ کو یاد کیسے رہتے ہیں ؟''

کھنا نے قہقہہ لگایا ۔ آپ بھی رائے صاحب بڑے مزے کی بات کرتے ہیں جس بوٹی میں جو گن چاہیے بتا دیجیے ، یہ آپ کی لیاقت پر منحصر ہے ۔ صحت تو روپے میں آٹھ آنے اعتقاد سے ہوتی ہے۔ آج جوان بڑے بڑے افسروں کو دیکھتے ہیں اور ان لمبی دم والے عالموں کو اور ان رئیسوں کو ، یہ سب کورانہ اعتقاد والے ہوتے ہیں ۔ میں تو علم نباتات کے پروفیسروں کو جانتا ہوں جو گکروندے کے نام سے بھی واقف نہیں ۔ ان عالموں کا مزاق تو ہمارے سوامی جی خوب اڑاتے ہیں ۔ آپ کو تو کبھی ان کے درشن نہ ہوئے ہوں گے ۔ اب کے آئیں گے تو ان سے ملاؤں گا ۔ جب سے میرے باغیچے میں ٹھہرے ہیں، رات دن لوگوں کو تانتا لگا رہتا ہے ۔ ہوس تو انھیں چھو بھی نہیں گئی ۔ صرف ایک بار دودھ پیتے ہیں ۔ ایسا عالم مہاتما میں نے نہیں دیکھا ۔ نہ جانے کتنے برسوں تک ہمالیہ پر تپسیا کرتے رہے ۔ پورے پہنچے ہوئے سادھو ہیں ۔ آپ ان کے مرید ضرور ہو جائیں ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی ساری پریشانیاں ہَوا ہو جائیں گی ۔ آپ کو دیکھتے ہی وہ آپ کا ماضی ، حال ، مستقبل سب کہہ سنائیں گے ایسے ہنس مکھ ہیں کہ دیکھتے ہی دل شگفتہ ہوجاتا ہے ۔ تعجب تو یہ ہے کہ خود اتنے بڑے مہاتما ہیں ، مگر سنیاس تیاگ ، مندر اور متھ اور پنتھ ان سب کو ڈھونگ کہتے ہیں کہ رواجی بندشوں کو توڑو اور انسان بنو ۔ دیوتا بننے کا خیال چھوڑ دو ، دیوتا بن کر تم انسان نہ رہ جاؤ گے۔''

رائے صاحب کے دل میں شبہ ہوا ۔ مہاتماؤں پر انھیں بھی پورا اعتقاد تھا جو ذی اقتدار لوگوں میں عموماً ہوتا ہے ۔ دکھی دل کو دھیان میں جو تسکین ملتی ہے اس کے لیے وہ بھی للچاتے

رہتے ہیں ۔ جب مالی مشکلات کے سبب مایوس ہوجاتے ہیں تو دل میں آتا کہ دنیا سے منھ موڑ کر گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھیں اور نجات کی سبیل کریں ۔ دنیا وی بندشوں کو وہ بھی عوام کی طرح روحانی ترقی کی راہ کا روڑا سمجھتے تھے اور ان سے دور ہوجانا ہی ان کی زندگی کا بھی معیار تھا ۔ مگر سنیاسی اور تیاگ کے علاوہ بندشوں کے توڑنے کی اور کیا تدبیر ہے ؟

بولے '' جب وہ سنیاس کو ڈھونگ کہتے ہیں تو خود کیوں سنیاس لیا ہے ۔؟''

'' انھوں نے سنیاس کب لیا ہے صاحب ؟ وہ تو کہتے ہیں کہ انسان کو اخیر اخیر تک کام کرتے رہنا چاہیے ۔ آزاد خیالی ان کی نصائح کی جان ہے ۔''

''میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے ۔ آزاد خیالی کا مطلب کیا ہے ؟۔''

'' سمجھ میں تو میری بھی کچھ نہیں آیا ۔ اب کے آپ آیئے تو ان سے گفتگو ہو ۔ وہ پریم کو زندگی کی سچائی کہتے ہیں ۔ اور اس کی ایسی عمدہ صراحت کرتے ہیں کہ طبیعت خوش ہوجاتی ہے ۔''

''مس مالتی کو ان سے ملایا نہیں۔''

'' آپ بھی مذاق کرتے ہیں ۔ مالتی کو بھلا ان سے کیا ملاتا ؟..............''

بات ختم نہ ہوئی تھی کہ سامنے کی جھاڑی میں سرسراہٹ سن کر وہ چونک پڑے اور جان بچانے کی غرض سے رائے صاحب کے پیچھے آگئے ۔ جھاڑی سے ایک تیندوا نکلا اور آہستہ آہستہ سامنے کی طرف چلا ۔

رائے صاحب نے بندوق اٹھائی اور نشانہ لگانا چاہتے تھے کہ کھنا نے کہا '' یہ کیا کرتے ہو آپ ؟ خواہ مخواہ اسے چھیڑ رہے ہیں ۔ کہیں لوٹ پڑے تو ؟''

''لوٹ کیا پڑے گا ؟ وہیں ڈھیر ہو جائے گا۔''

'' تو مجھے اس ٹیلے پر چڑھ جانے دیجیے ۔ میں شکار کا ایسا شائق نہیں ۔''

'' تب کیا شکار کھیلنے چلے تھے ؟''

'' شامت اور کیا ؟''

رائے صاحب نے بندوق نیچی کر لی ۔

'' بڑا بڑھیا شکار نکل گیا ۔ ایسے موقعے کب ملتے ہیں ؟''

'' میں تو اب یہاں نہیں ٹھیر سکتا ، خطرناک مقام ہے ۔''

"ایک آدھ شکار تو مار لینے دیجیے۔ خالی ہاتھ لوٹتے شرم آتی ہے۔"

"آپ مجھے مہربانی کرکے موٹر تک پہنچا دیجیے، پھر چاہے آپ تندوے کا شکار کریں یا چیتے کا۔"

"سچ آپ بڑے ڈرپوک ہیں مسٹر کھنا!"

"مفت اپنی جان خطرے میں ڈالنا بہادری نہیں۔"

"اچھا تو آپ خوشی سے واپس جاسکتے ہیں۔"

"تنہا؟"

"راستہ بالکل صاف ہے۔"

"جی نہیں، آپ کو میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

رائے صاحب نے بہت سمجھایا مگر کھنا نے ایک نہ مانی۔ ڈر کے مارے ان کا چہرا زرد پڑ گیا تھا۔ اس وقت اگر جھاڑی سے ایک گلہری بھی نکل آتی تو وہ چیخ مار کر گر پڑتے۔ بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی۔ پسینہ سے تر بتر ہو گئے تھے۔ رائے صاحب کو مجبور ہو کر ان کے ساتھ لوٹنا پڑا۔ جب دونوں بڑی دور نکل آئے تو کھنا کے ہوش ٹھکانے ہوئے بولے "خطرے سے نہیں ڈرتا لیکن خطرہ مول لینا حماقت ہے۔"

"اجی جاؤ بھی، ذرا سا تیندوا دیکھ لیا تو جان نکل گئی۔"

"میں شکار کھیلنا اس وقت کا رواج سمجھتا ہوں جب انسان حیوان تھا۔ اب اس وقت سے تہذیب بہت آگے بڑھ گئی ہے۔"

"میں مس مالتی سے آپ کی قلعی کھولوں گا۔"

"میں اہنسا کا ماننا شرم کی بات نہیں سمجھتا۔"

"اچھا تو یہ آپ کا اہنسا والا مسئلہ تھا؟ شاباش!"

کھنا نے غرور سے کہا "جی ہاں، یہ میرا وہی مسئلہ تھا۔ آپ بدھ اور شنکر کے نام پر فخر کرتے ہیں اور بے زبان جانوروں کا خون کرتے ہیں۔ شرم آپ کو آنی چاہیے نہ کہ مجھے۔"

کچھ دور تک دونوں پھر چپ چاپ چلتے رہے۔ کھنا بولے "تو آپ کب تک آئیں گے؟ میں چاہتا ہوں کہ آپ پالیسی کا فارم آج ہی بھردیں اور شکر مِل کے حصوں کا بھی۔ میرے پاس دونوں فارم موجود ہیں۔"

رائے صاحب نے متفکرانہ لہجے میں کہا ''ذرا سوچ لینے دیجیے۔''

''اس میں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔''

تیسری ٹولی خورشید اور ٹنخا کی تھی۔ خورشید کے لیے ماضی اور مستقبل سادہ کاغذ جیسا تھا۔ وہ حال میں رہتے تھے۔ نہ ماضی کا پچھتاوا تھا نہ مستقبل کی فکر۔ جو کچھ آگے آجاتا تھا اسی میں دل وجان سے لگ جاتے تھے۔ دوستوں کی جماعت میں وہ مذاق کے پتلے تھے۔ کونسل میں ان سے زیادہ حوصلہ مند ممبر کوئی نہ تھا۔ جس سوال کے پیچھے پڑ جاتے منسٹروں کو رولا دیتے۔ کسی کے ساتھ رو رعایت کرنا نہ جانتے تھے۔ بیچ بیچ میں ہنسی بھی کرتے جاتے تھے۔ ان کے لیے آج زندگی کا دن تھا، کل کا پتہ نہیں۔ غصہ ور بھی ایسے کہ خم ٹھونک کر سامنے آجاتے تھے۔ انکسار کے آگے سجدہ کرتے تھے، جہاں کسی نے شان دکھائی اور یہ ہاتھ دھوکر اس کے پیچھے پڑے۔ نہ اپنا لینا یاد رکھتے تھے نہ دوسروں کا دینا۔ شراب و شاعری کا شوق تھا۔ عورت صرف تفریح کی چیز تھی۔ بہت دن ہوئے دل کا دیوالہ نکال چکے تھے۔

ٹنخا صاحب بڑے کاٹ پیچ کے آدمی تھے۔ سودا پٹانے میں، معاملہ سلجھانے میں، اڑنگا لگانے میں، بالو سے تیل نکلانے میں، گلا دبانے میں اور دُم جھاڑ کر نکل جانے میں بڑے ہوشیار تھے۔ کہیے تو ریت میں ناؤں چلادیں، پتھر پر دوب اگادیں، تعلقداروں کو مہاجنوں سے قرض دلانا، نئی کمپنیاں کھولنا، چناؤ کے وقت امیدوار کھڑا کرنا، یہی سب ان کا کام تھا۔ خاص کر چناؤ کے وقت ان کی قسمت چمک اٹھتی تھی۔ کسی مالدار امیدوار کو کھڑا کرتے دل و جان سے اس کا کام کرتے اور دس بیس ہزار بنالیتے۔ جب کانگریس کا زور تھا تو کانگریسی امیدوار کے مددگار تھے جب فرقہ وارانہ جماعت کا زور ہوا تو ہندو سبھا کی طرف سے کام کرنے لگے، مگر اس الٹ پھیر کو ٹھیک ثابت کرنے کے لیے، ان کے پاس ایسے دلائل تھے جن کی تردید نہ ہوسکتی تھے۔ شہر کے سبھی رؤسا، سبھی امراء اور سبھی حکام سے ان کا یارانہ تھا۔ دل میں چاہے لوگ ان کی طریقے پسند نہ کریں مگر وہ ایسے منکسر مزاج تھے کہ کوئی ان کے منہ پر نہ کہہ سکتا تھا۔

مرزا خورشید نے رومال سے پسینہ پوچھ کر کہا ''آج تو شکار کھیلنے لائق دن نہیں ہے۔ آج تو کوئی مشاعرہ ہونا چاہیے تھا۔''

وکیل صاحب نے تائید کی ''جی ہاں، وہیں باغ میں، بڑی بہار رہتی۔''

ذرا دیر بعد ٹنخانے معاملہ کی بات شروع کی'' اب کے چناؤ میں بڑے بڑے گل کھلیں گے۔ آپ کے لیے بھی مشکل ہے۔''

مرزا بے پروائی سے بولے'' اب کے میں کھڑا ہی نہ ہوں گا۔''

ٹنخا نے پوچھا'' کیوں؟''

'' مفت کی ہائے ہائے میں کون پڑے؟ فائدہ ہی کیا؟ مجھے اب اس ڈموکریسی پر اعتقاد نہیں رہا۔ ذرا سا کام اور مہینوں کی بحث! ہاں عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے اچھی بحث ہے۔ اس سے تو کہیں بہتر ہے کہ ایک گورنر رہے۔ خواہ وہ ہندوستانی ہو یا انگریز، اس سے بحث نہیں ۔ ایک انجن جس گاڑی کو بڑے مزے سے ہزاروں میل کھینچ لے جا سکتا ہے اسے دس ہزار آدمی بھی مل کر اتنی تیزی سے نہیں کھینچ سکتے۔ میں تو سارا تماشا دیکھ کر کونسل سے بیزار ہوگیا ہوں۔ میرا بس چلے تو کونسلوں میں آگ لگادوں۔ جسے ہم ڈیموکریسی کہتے ہیں وہ اصل میں بڑے بڑے تاجروں اور زمینداروں کا راج ہے، اور کچھ نہیں۔ چناؤ میں وہی بازی لے جاتا ہے جس کے پاس روپیہ ہے۔ روپے کے زور سے اسے سبھی آسانیاں مل جاتی ہیں۔ بڑے بڑے پنڈت، بڑے بڑے مولوی، بڑے بڑے لکھنے اور بولنے والے، جو قلم اور زبان سے پبلک کو جدھر چاہیں موڑ دیں، سبھی سونے کے دیوتا کے پیروں پر ناک رگڑتے ہیں۔ میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اب چناؤ کے پاس نہ جاؤں گا۔ میرا پروپیگنڈا اب ڈیموکریسی کے خلاف ہوگا۔''

مرزا صاحب نے قرآن کی آیتوں سے ثابت کیا کہ قدیم زمانہ کے بادشاہوں کا معیار کتنا بلند تھا۔ آج تو ہم ان کی طرف تاک بھی نہیں سکتے۔ ہماری آنکھوں میں چکا چوند آجائے گی۔ بادشاہ کو خزانے کی ایک کوڑی بھی نجی خرچ میں لانے کا اختیار نہ تھا۔ وہ کتابیں نقل کر کے، کپڑے سی کر، لڑکوں کو پڑھا کر اپنا گذر کرتا تھا۔ مرزا نے ایسے بادشاہوں کی ایک طویل فہرست گنادی۔ کہاں تو وہ رعایا پرور بادشاہ اور کہاں آج کل کے منسٹر لوگ جنھیں پانچ، چھ، سات، آٹھ ہزار ماہوار ملنا چاہیے۔ یہ لوٹ ہے یا ڈیموکریسی؟

ہرنوں کا جھنڈ چرتا ہوا نظر آیا۔ مرزا کے چہرے پر شکار کا جوش چمک اٹھا، بندوق اٹھائی اور نشانہ مارا۔ ایک کالا ہرن گر پڑا ''وہ مارا ! اس مجنونانہ آواز کے ساتھ مرزا بھی بے تحاشہ دوڑ پڑے۔ بالکل بچوں کی طرح اچھلتے کودتے اور تالیاں بجاتے ہوئے۔

پاس ہی ایک درخت پر ایک شخص لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ وہ بھی فوراً درخت سے اتر کر مرزا کے ساتھ دوڑا۔ ہرن کی گردن میں گولی لگی تھی۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ اور اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں ۔لکڑہارے نے ہرن کو مغموم نگاہوں سے دیکھ کر کہا ’’ اچھا پٹھا تھا، من بھر سے کم نہ ہوگا۔حکم ہوتو میں اٹھا کر پہچادوں۔‘‘

مرزا کچھ بولے نہیں۔ وہ ہرن کی درد بھری آنکھوں کو دیکھ رہے تھے۔ ابھی ایک منٹ قبل اس میں زندگی تھی۔ ذرا سا پتا بھی کھڑکتا تو کان کھڑے کرکے چوکڑیاں بھرتا ہوا نکل بھاگتا۔ اپنے ساتھیوں اور بال بچوں کے ساتھ خدا کی اگائی ہوئی گھاس چر رہا تھامگر اب بے بس پڑا ہے۔ اس کی کھال ادھیڑ لو، اس کی بوٹیاں کر ڈالو ، اسے خبر بھی نہ ہوگی ۔ اس کی تفریحی زندگی میں جو کشش تھی جو لطف تھا، وہ کیا اس بے جان لاش میں ہے؟ کتنا سڈول جسم تھا، کتنی پیاری آنکھیں، کتنا دلکش جلوہ! اس کی قلانچیں دل میں خوشی کی لہریں پیدا کر دیتی تھیں، اس کی چوکڑیوں کے ساتھ ہمارا دل بھی چوکریاں بھرنے لگتا تھا۔ اس کی جانداری اپنے ساتھ ہر جگہ زندگی سی بکھراتی چلی جاتی تھی۔..........، جس طرح پھول اپنی خوشبو، پھیلاتا ہے ۔لیکن اب اسے دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔

لکڑہارے نے پوچھا ’’ کہاں پہنچانا ہوگا مالک؟ مجھے دو چار پیسے دے دینا۔‘‘

مرزا صاحب جیسے دھیان سے چونک پڑے ۔ بولے اچھا اٹھالے۔ کہاں چلے گا؟‘‘

’’جہاں حکم ہو مالک۔‘‘

’’نہیں جہاں تیری مرضی ہو وہاں لے جا میں تجھے دیتا ہوں۔‘‘

لکڑ ہارے نے مرزا کی طرف تعجب سے دیکھا ۔ کانوں پر یقین نہ آیا بولا ’’ ارے نہیں مالک، ہجور نے سکار کیا ہے سو ہم کیسے کھالیں ؟‘‘

’’ نہیں نہیں ، میں خوشی سے کہتا ہوں کہ تم اسے لے جاؤ۔ تمھارا گھر یہاں سے کتنی دور ہے؟‘‘

’’کوئی آدھا کوس ہوگا مالک۔‘‘

’’ تو میں تمھارے ساتھ چلوں گا۔ دیکھوں گا کہ تمھارے بال بچے کیسے خوش ہوتے ہیں؟‘‘

''' اسے تو میں نہ لے جاؤں گا سرکار! آپ اتنی دور سے آئے اس کری دھوپ میں شکار کیا ، میں کیسے اٹھا لے جاؤں؟''

'' اٹھا ،اٹھا ، دیر نہ کر مجھے معلوم ہوگیا کہ تو بھلا آدمی ہے۔''

لکڑ ہارے نے ڈرتے ڈرتے اور رہ رہ کر مرزا کے چہرے کی طرف مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہ کہیں بگڑ نہ جائیں ہرن کو اٹھایا۔ یکا یک اس نے ہرن کو چھوڑ دیا اور کھڑا ہو کر بولا '' میں سمجھ گیا مالک، ہجور نے اس کی حلالی نہیں کی۔''

'' مرزا جی نے ہنس کر کہا '' بس ، بس ، تو نے خوب سمجھا ۔ اب اٹھا لے اور گھر چل۔''

مرزا صاحب مذہب کے اتنے پابند نہ تھے ۔ انھوں نے دس سال سے نماز نہ پڑھی تھی۔ دو مہینے میں ایک دن پورا روزہ رکھ ڈالتے تھے۔ بالکل بلا کچھ کھائے پیے مگر لکڑ ہارے کو اس خیال سے جو تسلی ہوئی تھی کہ ہرن اب لوگوں کے کھانے کی چیز نہیں رہ گیا، اسے پھیکا نہ کرنا چاہتے تھے۔ لکڑ ہارے نے ہلکے دل سے ہرن کو گردن پر رکھ لیا اور گھر کی طرف چلا ۔ ٹنخا ابھی تک بے پرواہی سے وہیں درخت کے نیچے کھڑے ہوئے تھے ۔ وہ دھوپ میں ہرن کے پاس جانے کی تکلیف کیوں گوارا کرتے ؟ کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا۔ کہ معاملہ کیا ہے؟ لیکن جب لکڑ ہارے کو دوسری طرف جاتے دیکھا تو آکر مرزا سے بولے '' آپ ادھر کہاں جا رہے ہیں حضرت ؟ کیا راستہ بھول گئے۔''

مرزا نے خطاوار کی طرح مسکرا کر کہا '' میں نے شکار اس غریب آدمی کو دے دیا۔ اب ذرا اس کے گھر جا رہا ہوں ۔ آپ بھی آیئے نا۔''

ٹنخا نے مرزا کو تعجب سے دیکھا اور بولے'' آپ اپنے ہوش میں ہیں یا نہیں؟''

'' کہہ نہیں سکتا ، مجھے خود نہیں معلوم۔''

''شکار اسے کیوں دے دیا؟''

'' اس لیے کہ اسے پا کر اس کو جتنی خوشی ہوگی اتنی مجھے یا آپ کو نہ ہوگی۔''

ٹنخا کھسیا کر بولے '' جایئے ! سو چا تھا کہ خوب کباب اڑائیں گے سو آپ نے سارا مزا کرکرا کر دیا۔ خیر رائے صاحب اور مہتا کچھ نہ کچھ لائیں گے ہی، کوئی غم نہیں۔ میں اس چناؤ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ نہیں کھڑے ہونا چاہتے تو نہ سہی ۔ آپ کی جیسی مرضی ۔ مگر آپ کو اس میں کیا تامل ہے کہ جو لوگ کھڑے ہو رہے ہیں ان سے اس

کی اچھی قیمت وصول کی جائے ۔ میں آپ سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آپ کسی پر بھید نہ کھلنے دیں کہ آپ کھڑے نہیں ہورہے ہیں۔ رؤسا کے ووٹ تو سولھوں آنے ان کی طرف ہیں ، حکام بھی ان کے مددگار ہیں پھر بھی پبلک پر آپ کا جو اثر ہے اس سے وہ گھبرارہے ہیں ۔ آپ چاہیں تو آپ کو ان سے دس بیس ہزار روپے محض یہ ظاہر کردینے کے لیے مل سکتے ہیں کہ آپ ان کی خاطر بیٹھے جاتے ہیں ...... نہیں مجھے عرض کر لینے دیجیے ۔ اس معاملہ میں آپ کو کچھ نہیں کرنا ہے۔ آپ بے فکر بیٹھے رہیے میں آپ کی طرف سے ایک مینی فسٹو نکال دوں گا، اور اسی شام کو آپ مجھ سے دس ہزار نقد وصول کر لیجیے۔''

مرزا صاحب نے ان کی طرف حقارت سے دیکھ کر کہا ''میں روپے پر اور آپ پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

مسٹر ٹنخا نے کچھ بھی برا نہیں مانا ، ماتھے پر شکن تک نہ آنے دی۔

'' مجھ پر آپ جتنی لعنتیں چاہیں بھیجیں مگر روپے پر لعنت بھیج کر آپ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں ۔''

'' میں ایسے روپے کو حرام سمجھتا ہوں۔''

''آپ شریعت کے اتنے پابند تو نہیں ہیں؟''

'' لوٹ کی کمائی کو حرام سمجھنے کے لیے شرع کے پابند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

'' تو اس معاملے میں آپ اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کر سکتے ؟''

'' جی نہیں۔''

'' اچھی بات ہے، اسے جانے دیجیے ۔ کسی بیمہ کمپنی کے ڈائرکٹر ہوجانے میں تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے؟ آپ کو کمپنی کا ایک حصہ بھی نہ خرید نا پڑے گا۔ آپ صرف اپنا نام دے دیجیے گا۔''

''جی نہیں، مجھے یہ بھی منظور نہیں ہے۔ میں کئی کمپنیوں کا ڈائرکٹر کئی کا مینجنگ ایجنٹ ، کئی کا چیرمین تھا۔ دولت میرے پاؤں چومتی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ دولت سے آرام و تکلیف کے کتنے سامان جمع کیے جا سکتے ہیں ۔ مگر یہ بھی جانتا ہوں کہ دولت انسان کو کتنا خود غرض بنا دیتی ہے۔ کتنا عیش پسند ، کتنا مکار اور کتنا بے غیرت!''

وکیل صاحب کو پھر کوئی تجویز پیش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مرزا صاحب کے دانشمند

اور با اثر ہونے میں انھیں جو یقین تھا وہ بہت کم ہوگیا، ان کے لیے دولت ہی سب کچھ تھی اور ایسے شخص سے جو دولت کو ٹھکراتا ہو ان کا کوئی میل نہ ہو سکتا تھا۔

لکڑہارا ہرن کو کندھے پر رکھے لپکا چلا جا رہا تھا۔ مرزا نے بھی قدم بڑھایا۔ مگر موٹے جسم والے ٹنخا صاحب پیچھے رہ گئے انھوں نے پکارا'' ذرا سنیے مرزا جی۔ آپ تو بھاگے جا رہے ہیں۔''

مرزا نے بلا رکے جواب دیا'' وہ غریب بوجھ لیے کتنی تیزی سے چلا جا رہا ہے ہم کیا اپنا بدن لے کر اس کے برابر نہیں چل سکتے؟''

لکڑہارے نے ہرن کو ایک ٹھنڈ پر اتار کر رکھ دیا اور دم لینے لگا۔

مرزا صاحب نے آ کر پوچھا'' تھک گئے کیوں؟''

لکڑ ہارے نے شرماتے ہوئے کہا'' بہت بھاری ہے سرکار۔''

''تو لاؤ کچھ دور میں لے چلوں۔''

لکڑ ہارا ہنسا۔ مرزا ڈیل ڈول میں اس سے کہیں زیادہ اونچے اور موٹے تازے تھے، پھر بھی وہ دبلا پتلا آدمی ان کی اس بات پر ہنسا۔ مرزا پر جیسے چابک پڑ گیا۔

''تم ہنسے کیوں؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اسے نہیں اٹھا سکتا؟''

لکڑہارے نے گویا معافی مانگی'' سرکار، آپ لوگ بڑے آدمی ہو بوجھ اٹھانا تو ہم جیسے مجوروں کا کام ہے۔''

'' میں تمھارا دُگنا جو ہوں۔''

'' اس سے کیا ہوتا ہے مالک؟''

مرزا کی مردانگی اپنی زیادہ توہین نہ سہہ سکی۔ انھوں نے بڑھ کر ہرن کو گردن پر اٹھالیا اور چل پڑے مگر مشکل سے پچاس قدم چلے ہوں گے کہ گردن پھٹنے لگی، پیر کانپنے لگے اور آنکھوں میں تتلیاں اڑنے لگیں۔ کلیجہ مضبوط کیا اور کوئی بیس قدم پھر چلے کمبخت کہاں رہ گیا؟ جیسے اس لاش میں سیسہ بھر دیا گیا ہو۔ ذرا مسٹر ٹنخا کی گردن پر رکھ دوں تو مزا آجائے۔ لیکن بوجھ اتاریں کیسے؟ دونوں اپنے دل میں کہیں گے کہ بڑی جوانمردی دکھانے چلے تھے، پچاس ہی قدم میں چیں بول گئے۔

لکڑہارے نے چٹکی لی'' کہو مالک کیسے رنگ ڈھنگ ہیں؟ بہت ہلکا ہے نا؟''

مرزا کو بوجھ کچھ ہلکا معلوم ہونے لگا، بولے" اتنی دور تو لے ہی جاؤں گا جتنی دور تم لائے ہو۔"

کئی دن گردن دکھے گی مالک۔"

تم کیا سمجھتے ہو کہ میں یوں پھولا ہوا ہوں؟"

"نہیں مالک، اب تو ایسا نہیں سمجھتا، مدا آپ حیران نہ ہوں۔ وہ چٹان ہے اس پر اتار دیجیے۔"

"میں اسے ابھی اتنی ہی دور اور لے جا سکتا ہوں۔"

"مگر یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں یوں ہی چلوں اور آپ لدے رہیں۔"

مرزا صاحب نے چٹان پر ہرن کو اتار کر رکھ دیا۔ وکیل صاحب بھی آپہنچے۔ مرزا نے دانہ پھینکا۔ اب تو آپ کو بھی کچھ دور لے چلنا پڑے گا جناب!"

وکیل صاحب کی نگاہوں میں مرزا صاحب کی کوئی اہمیت نہ تھی بولے" معاف کیجیے، مجھے اپنی پہلوانی کا دعویٰ نہیں ہے۔"

"اجی رہنے بھی دیجیے۔"

" آپ اگر اسے سو قدم لے چلیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ میرے سامنے جو تجویز رکھیں گے اسے منظور کر لوں گا۔"

"میں ان چکموں میں نہیں آتا۔"

" میں چکمہ نہیں دیتا ہوں واللہ! آپ جس حلقے سے کہیں گے کھڑا ہو جاؤں گا اور جب حکم دیں گے بیٹھ جاؤں گا۔ جس کمپنی کا ڈائرکٹر، ممبر، گماشتہ، کنویسر جو کچھ کہیے گا بن جاؤں گا۔ بس سو قدم لے چلیے۔ میری تو ایسے ہی دوستوں سے نبھتی ہے جو موقع پڑنے پر سب کچھ کر سکتے ہوں۔"

ٹنخا کا جی چلبلا اٹھا۔ مرزا اپنے قول کے پکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہ تھا۔ ہرن کیا ایسا بہت بھاری ہوگا۔ آخر مرزا اتنی دور لے ہی تو آئے۔ بہت زیادہ تھکے تو نہیں معلوم ہوتے۔ اگر انکار کرتے ہیں تو سنہرا موقع ہاتھ سے جاتا ہے، آخر ایسا کون پہاڑ ہے؟ بہت ہوگا چار پانچ پنسیری ہوگا دو چار دن گردن ہی تو دکھے گی۔ جیب میں روپے ہوں تو تھوڑی سی بیماری سکھ کی چیز ہے۔

''سو قدم کی رہی۔''

''ہاں سو قدم ، میں گنتا چلوں گا۔''

'' دیکھیے نکل نہ جائیے گا۔''

'' نکل جانے والے پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

ٹنخا نے جوتے کا فیتہ پھر سے باندھا، کوٹ اتار کر لکڑہارے کو دیا ، پتلون اوپر چڑھایا، رومال سے منھ پونچھا اور اس طرح ہرن کو دیکھا جیسے اوکھلی میں سر ڈالنے جا رہے ہوں۔ پھر ہرن کو اٹھا کر گردن پر رکھنے کی کوشش کی، دو تین بار زور لگانے پر لاش گردن پر تو آ گئی مگر گردن نہ اٹھ سکی ۔ کمر جھک گئی، ہانپ اٹھے اور لاش زمین پر پٹکنے ہی والے تھے کہ مرزا نے انھیں سہارا دے کر آگے بڑھایا۔

ٹنخا نے ایک قدم اس طرح اٹھایا جیسے دلدل میں چل رہے ہوں۔ مرزا نے بڑھاوا دیا'' شاباش میرے شیر! واہ ، واہ ۔''

ٹنخا نے ایک قدم اور رکھا۔ معلوم ہوا ، گردن ٹوٹی جاتی ہے۔

'' مار لیا میدان ! شاباش ! جیتا رہ پٹھے!''

'' بس ایک بار اور زور مارو دوست! سو قدم کی شرط غلط ، پچاس ہی قدم رہی !''

وکیل صاحب کا برا حال تھا وہ بے جان ہرن شیر کی طرح انھیں دبوچے ہوئے ان کے دل کا خون پی رہا تھا، ساری طاقت جواب دے چکی تھی، صرف لالچ کسی آہنی شہتیر کی طرح چھت کو سنبھالے ہوئے تھا۔ ایک سے پچیس ہزار تک گوٹی تھی۔ مگر بالآخر وہ شہتیر بھی جواب دے گیا، لالچ کی کمر ٹوٹ گئی، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا سر پر چکر آیا اور وہ شکار گردن پر لیے ہوئے پتھریلی زمین پر گر پڑے۔

مرزا نے فوراً اٹھایا اور اپنے رومال سے ہوا کرتے ہوئے ان کی پیٹھ ٹھونکی۔

'' زور تو یار تم نے خوب مارا مگر قسمت ہی کھوٹی ہے۔''

ٹنخا نے ہانپتے ہوئے ایک لمبا سانس کھینچ کر کہا،'' آپ نے آج میری جان ہی لے لی تھی۔ دوسمن سے کم نہ ہوگا سسر!''

مرزا نے ہنستے ہوئے کہا۔'' لیکن بھائی جان! میں بھی تو اتنی دور اٹھا کر لایا ہی تھا،،۔

وکیل صاحب نے خوشامد کرنی شروع کی ،، مجھے تو آپ کی فرمائش پوری کرنی تھی آپ

کو تماشا دیکھنا تھا، وہ آپ نے دیکھ لیا۔ اب آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا!،،

''آپ نے معاہدہ کب پورا کیا؟''

''کوشش تو جان توڑ کر کی۔''

''اس کی سند نہیں۔''

لکڑہارے نے پھر اس کو اٹھا لیا تھا اور بھاگا چلا جا رہا تھا وہ دکھا دینا چاہتا تھا کہ تم لوگوں نے کانکھ کانکھ کر اسے دس قدم اٹھا لیا تو یہ نہ سمجھو کہ پاس ہو گئے۔ اس میدان میں میں تم سے کمزور ہونے پر بھی آگے ہی رہوں گا۔ ہاں کاغذ تم چاہے جتنا کالا کرو اور جھوٹے مقدمے تم چاہے جتنے بناؤ۔

ایک نالا ملا جس میں بہت تھوڑا پانی تھا۔ نالے کے اس پار ٹیلے پر ایک چھوٹا سا پانچ چھ گھروں کا پردہ تھا اور کئی لڑکے املی کے درخت کے نیچے کھیل رہے تھے۔ لکڑہارے کو دیکھ کر سب نے دوڑتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا اور لگے پوچھنے ''کس نے مارا؟ باپو! کیسے مارا؟ کہاں مارا؟ کیسے گولی لگی؟ اس کے کیوں لگی اور ہرنوں کے کیوں نہ لگی؟'' لکڑہارا ''ہوں ہوں، کرتا املی کے نیچے پہنچا اور ہرن کو اتار کر قریب کی جھونپڑی سے دونوں اصحاب کے لیے چار پائی لینے دوڑا اس کے چاروں لڑکوں اور لڑکیوں نے شکار کو اپنے چارج میں لے لیا اور دوسرے لڑکوں کو بھگا دینے کی کوشش کرنے لگے۔ سب سے چھوٹے لڑکے نے کہا ''ہمارا ہے۔''

اس کی بڑی بہن نے جو چودہ پندرہ برس کی تھی، مہمانوں کی طرف دیکھ کر چھوٹے بھائی کو ڈانٹا۔'' چپ! نہیں سپاہی پکڑ لے جائے گا۔''

مرزا نے لڑکے کو چھیڑا ''تمھارا نہیں ہے ہمارا ہے۔''

لڑکے نے ہرن پر سوار ہوکر اپنا قبضہ ثابت کر دیا اور بولا'' باپو تو لائے ہیں۔''

بہن نے سکھایا '' کہہ دے بھیا کہ تمھارا ہے۔''

ان بچوں کی ماں بکریوں کے لیے پتے توڑ رہی تھی۔ دو نئے بھلے مانسوں کو دیکھ کر اس نے ذرا سا گھونگھٹ نکال لیا اور شرمائی کہ اس کی ساڑی کتنی میلی، کتنی پھٹی اور اٹنگی ہے وہ اس بھیس میں مہمانوں کے سامنے کیسے جائے؟ اور گئے بغیر کام نہیں چلنے کا۔ پانی وانی دینا ہوگا۔ ابھی دو پہر ہونے میں کچھ کسر تھی۔ مگر مرزا نے اسی گاؤں میں دوپہر کاٹنے کا ارادہ

کر لیا تھا۔ گاؤں کے آدمیوں کو جمع کیا، شراب آئی، شکار پکا، قریب کے بازار سے گھی اور میدہ منگایا اور گاؤں بھر کو دعوت دی۔ چھوٹے بڑے عورت مرد سبھی نے دعوت اڑائی۔ مردوں نے خوب شراب پی اور مست ہو کر شام تک گاتے رہے اور مرزا صاحب بچوں کے ساتھ بچہ، شرابیوں کے ساتھ شرابی، بوڑھوں کے ساتھ بوڑھے، اور جوانوں کے ساتھ جوان بنے ہوئے تھے۔ اتنی ہی دیر میں گاؤں بھر سے ان کا اتنا گہرا میل جول ہوگیا تھا گویا وہیں کے باشندے ہوں۔ لڑکے تو ان پر لدے پڑتے تھے، کوئی ان کی پھندنے دار ٹوپی سر پر رکھے لیتا تھا کوئی ان کی رائفل کندھے پھر رکھ کر اکڑتا ہوا چلتا تھا اور کوئی ان کی رسٹ واچ کھول کر اپنی کلائی پر باندھے لیتا تھا۔ مرزا نے خود دیسی شراب پی اور جھوم جھوم کر جنگلی آدمیوں کی طرح گاتے رہے۔

جب یہ لوگ شام کے وقت یہاں سے رخصت ہوئے تو گاؤں بھر کے عورت مرد انھیں بڑی دور تک بھیجنے گئے۔ کئی تو رو رہے تھے! ایسی خوش قسمتی کا موقع ان غریبوں کی زندگی میں شاید اول ہی مرتبہ آیا ہو کہ کسی شکاری نے ان سب کی ضیافت کی ہو۔ ضرور یہ کوئی راجا نواب ہے، نہیں تو اتنا دریا دل اور کس کا ہوتا ہے؟ ان کے درسن کا ہے کو ہوں گے۔

کچھ دور چلنے کے بعد مرزا نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور بولے "بے چارے کتنے خوش تھے! کاش میری زندگی میں ایسے موقع روز آتے! آج کا دن بڑا مبارک تھا۔"

ٹنخا نے بے رخی سے کہا " آپ کے لیے مبارک ہوگا' میرے لیے تو منحوس ہی نکلا۔ مطلب کی کوئی بات نہ ہوئی۔ تمام دن جنگلوں اور پہاڑوں کی خاک چھاننے کے بعد اپنا سا منھ لیے لوٹے جاتے ہیں۔"

مرزا نے رکھائی سے کہا۔ "مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے۔"

دونوں جب برگد کے نیچے پہنچے تو دونوں ٹولیاں لوٹ چکی تھیں۔ مہتا منھ لٹکائے ہوئے تھے، مالتی اداس سی الگ بیٹھی تھی جو نئی بات تھی۔ رائے صاحب اور کھنا دونوں بھوکے ہی رہ گئے تھے اور کسی کے منھ سے بات نہ نکلتی تھی۔ وکیل صاحب اس لیے غمگین تھے کہ مرزا نے ان کے ساتھ بے فائی کی تھی۔ تنہا مرزا صاحب خوش تھے اور وہ خوشی روحانی تھی۔

۸

جب سے ہوری کے گھر میں گائے آگئی ہے، گھر کی رونق ہی کچھ اور ہوگئی ہے دھنیا کا گھمنڈ تو اس کی بساط سے باہر ہو رہا تھا جب دیکھو وہی گائے کا چرچا ہے۔

بھوسہ ختم ہوگیا تھا۔ ایکھ میں کچھ چری بوئی گئی تھی۔ اسی کو کاٹ کتر کر مویشیوں کو کھلانا پڑتا تھا، آنکھیں آسمان کی طرف لگی رہتی تھیں کہ کب پانی برسے اور گھاس اگے۔ آدھا اساڑھ گزر گیا اور بارش نہیں ہوئی۔

یکا یک ایک روز بادل اٹھے اور اساڑھ کا پہلا جھلاّ پڑا۔ کسان خریف کی فصل بونے کے لیے ہل لے کر نکلے ہی تھے کہ رائے صاحب کے کارندے نے کہلا بھیجا کہ جب تک لگان نہ بیباق ہوجائے گا کسی کو کھیت میں ہل نہ لے جانے دیا جائے گا۔ کسانوں پر جیسے بجلی گری اور کبھی تو اتنی سختی نہ ہوتی تھی، اب کے یہ کیسا حکم؟ کوئی گاؤں چھوڑ کر بھاگا تھوڑا ہی جاتا ہے۔ اگر کھیتوں میں ہل نہ چلے تو روپیہ کہاں سے آئے گا؟ نکلیں گے تو کھیت ہی سے۔ سب مل کر کارندے کے پاس جا کر روئیے۔ کارندے کا نام تھا پنڈت نوکھے رام۔ آدمی برے نہ تھے مگر مالک کا حکم تھا۔ اسے کیسے ٹالیں؟ ابھی اس دن رائے صاحب نے کیسی دیا اور دھرم کی باتیں کی تھیں اور آج اسامیوں پر یہ ظلم! ہوری مالک کے پاس جانے کو تیار ہوا مگر پھر سوچا کہ انھوں نے کارندے کو ایک بار جو حکم دے دیا اسے کیوں ٹالنے لگے وہ سب کا سرغنہ ہو کر کیوں برا بنے؟ جب اور کوئی کچھ نہیں بولتا تو وہی کیوں آگ میں کودے، جو سب کے سر پڑے گی اسے وہ بھی جھیل لے گا!

کسانوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی، سبھی گاؤں کے مہاجنوں کے پاس روپے لینے کے لیے دوڑے۔ گاؤں میں آج کل منگرو شاہ کی خوب چلی رہی تھی۔ اب کے برس اسے سن میں اچھا نفع ہوا تھا۔ گیہوں اور السی میں بھی اس نے کچھ کم نہیں کمایا تھا۔ پنڈت داتا دین اور دلاری سیٹھانی کے یہاں بھی لین دین کا کام ہوتا تھا۔ سب سے بڑے مہاجن تھے جھنگری سنگھ جو شہر کے ایک بڑے مہاجن کے ایجنٹ تھے۔ان کی ماتحتی میں کئی آدمی اور تھے جو آس پاس

کے دیہاتوں میں گھوم گھوم کر لین دین کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹے موٹے مہاجن تھے جو دو آنے روپے سود پر بغیر لکھا پڑھی کے روپیے دیتے تھے۔ گاؤں والوں کو بھی لین دین کا کچھ ایسا خبط تھا کہ جس کے پاس دس بیس روپے جمع ہوجاتے وہی مہاجن بن بیٹھتا۔ ایک وقت میں تو ہوری نے بھی مہاجنی کی تھی۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ لوگ ابھی تک یہی سمجھتے تھے ہوری کے پاس گڑے ہوئے روپے ہیں۔ آخر وہ روپیہ گیا کہاں؟ بٹوارے میں نکلا نہیں۔ ہوری نے کوئی تیرتھ برت یا بھوج کیا نہیں ، روپیہ گیا تو کہاں گیا؟ جوتے پھٹ جانے پر بھی اس کے گھٹے بنے رہتے ہیں؟

کسی نے کسی دیوتا کو سیدھا کیا ، کسی نے کسی کو ۔ کسی نے آنہ روپیہ سود دینا منظور کیا، کسی نے دو آنے۔ ہوری کی خود داری بالکل جاتی نہ رہی تھی جن لوگوں کے روپے اس پر باقی تھے ان کے پاس کون سا منھ لے کر جائے، جھنگری سنگھ کے سوا اسے اور کوئی نہ سوجھا۔ وہ پکا کاغذ لکھاتے تھے، نذرانہ الگ لیتے تھے، دستوری الگ اور اسٹامپ کی تحریر الگ ۔ اس پر ایک سال کا سود پیشگی کاٹ کر دیتے تھے، پچیس روپے کا تمسک لکھوتو مشکل سے سترہ روپے ملتے تھے ۔ مگر اس آڑے وقت میں اور کیا کیا جائے؟ رائے صاحب کی زبردستی ہے ورنہ اس وقت کسی کے سامنے کیوں ہاتھ پھیلانا پڑتا ۔

جھنگری سنگھ بیٹھے ہوئے داتون کر رہے تھے۔ ٹھگنے، موٹے، چندوے کالے ، لمبی ناک اور بڑی بڑی مونچھوں والے آدمی تھے۔ بالکل ناٹک کے مسخرے کی طرح! اور وہ تھے بھی بڑے ہنسوڑ۔ اسی گاؤں میں اپنی سسرال بنا کر مردوں سے سالے یا سسر اور عورتوں سے سالی یا سرہج کا ناتا جوڑ لیا کرتے تھے ۔ راستے میں لڑکے انھیں چڑھاتے ''پنڈت جی پالگی ،، اور جھنگری سنگھ انھیں جھٹ پٹ اشیر باد دیتے '' تمھاری آنکھیں پھوٹیں ، تمھارا گھٹنا ٹوٹے ، تمھیں مرگی آوے ، تمھارے گھر میں آگ لگ جائے ،، وغیرہ۔ لڑکے اس اشیر باد سے کبھی آسودہ نہ ہوتے تھے۔ مگر لین دین کے معاملے میں وہ بڑے سخت تھے۔ سود کی ایک پائی نہ چھوڑتے تھے۔ اور وعدے پر روپیہ لیے بغیر دروازے سے نہ ٹلتے تھے۔

ہوری نے جا کر سلام کیا اور اپنا دُکھڑا رو سنایا۔

جھنگری سنگھ نے مسکرا کر کہا'' وہ سب پرانا روپیہ کیا کر ڈالا؟ ''

'' پرانے روپے ہوتے ٹھاکر ، تو مہاجنوں سے اپنا پنڈ نہ چھڑا لیتا بیاج بھرتے کسی کو

اچھا لگتا ہے؟''

''گڑے روپے نہ نکلیں چاہے سود کتنا دینا پڑے، تم لوگوں کا یہی ڈھنگ ہے''۔

''کہاں کے گڑے روپے ٹھاکر صاحب؟ کھانے کو تو ہوتا نہیں لڑکا جوان ہو گیا، بیاہ کا کہیں ٹھکانا نہیں ۔ بڑی لڑکی بھی بیاہنے لایک ہو گئی ۔ روپیہ ہوتا تو کس دن کے لیے گاڑ رکھتے؟''

جھنگری سنگھ نے جب سے اس کے دروازے پر گائے دیکھی تھی اس پر دانت لگائے ہوئے تھے۔ گائے کا ڈیل ڈول اورسڈول پن کہہ رہا تھا کہ اس میں پانچ سیر سے کم دودھ نہیں ہے۔ دل میں سوچ لیا تھا کہ ہوری کو کسی اردب میں ڈال کر گائے اڑالینی چاہیے ۔ آج وہ موقع آ گیا تھا۔

بولے'' اچھا بھائی تمھارے پاس کچھ نہیں ہے ! اب راجی ہوئے؟ جتنے روپے چاہو لے جاؤ لیکن تمھارے بھلے کے لیے کہتے ہیں کہ کچھ گہنے ہوں تو گروی رکھ کر روپے لے لو۔ اسٹام لکھوگے تو سود بڑھے گا اور جھمیلے میں پڑجاؤ گے۔

ہوری نے قسم کھائی کہ گھر میں گہنے کے نام کچا تاگا بھی نہیں ہے۔ دھنیا کے ہاتھوں میں کڑے ہیں تو وہ بھی گلٹ کے ۔ جھنگری سنگھ نے چہرے سے ہمدردی دکھاتے ہوئے کہا ''تو ایک بات کرو ۔ یہ نئی گائے جو لائے ہو اسے ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ سود، اسٹام، سب بکھیڑوں سے بچ جاؤ گے ۔ چار آدمی جو بھی دام کہیں وہ ہم سے لے لو ۔ ہم جانتے ہیں کہ تم اسے اپنے سوکھ، کے لیے لائے ہو اور بیچنا نہیں چاہتے ، لیکن یہ سنکٹ تو ٹالنا ہی پڑے گا۔''

ہوری پہلے تو اس بات پر ہنسا ۔ وہ اس پر ٹھنڈے دل سے غور نہ کرنا چاہتا تھا لیکن ٹھاکر نے ایسی اونچ نیچ سمجھائی ، مہاجنی ، ہتھکنڈوں کا ایسا بھیانک روپ دکھایا کہ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ۔ ٹھاکر ٹھیک ہی تو کہتے ہیں کہ جب ہاتھ میں روپیہ آجائے تو گائے، لوٹالینا۔ تیس روپے کا کاغذ لکھنے پر کہیں پچیس روپے ملیں گے اور اگر تین چار برس نہ دیے گئے تو پورے سو ہو جائیں گے۔ پہلے کا تجربہ یہی بتا رہا تھا کہ قرض وہ مہمان ہے جو ایک بار آکر جانے کا نام نہیں لیتا ۔ بولا'' میں گھر جا کر سب سے صلاح کرلوں تو بتاؤں۔''

'' صلاح نہیں کرنا ہے، ان سے کہہ دینا کہ روپیہ ادھار لینے میں اپنی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں ٹھا کر، ابھی آ کر جواب دیتا ہوں۔''

لیکن گھر آ کر اس نے جیوں ہی یہ بات کہی کہ کہرام مچ گیا۔ دھنیا تو کم چلائی مگر دونوں لڑکیوں نے تو آسمان سر پر اٹھالیا۔ نہیں دیتے اپنی گائے، روپیہ جہاں سے چاہو لاؤ، سونا نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس سے تو کہیں اچھا یہ ہے مجھے بیچ ڈالو تو گائے سے کچھ بیسی ہی مل جائے گا۔ ہوری بے چارا شش و پنج میں پڑ گیا۔ دونوں لڑکیاں سچ مچ گائے پر جان دیتی تھیں۔ روپا تو اس کے گلے سے لپٹ جاتی تھی۔ اور اسے کھلائے بغیر منھ میں لقمہ نہ ڈالتی تھی۔ گائے کتنے پیار سے اس کا ہاتھ چاٹتی تھی، کتنی محبت بھری آنکھوں سے اسے دیکھتی تھی۔ اس کا بچھڑا کتنا سندر ہوگا۔ ابھی سے اس کا نام بھی رکھ دیا گیا تھا مٹرو۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر سوئے گی۔ اس گائے کے پیچھے دونوں بہنوں میں کئی بار لڑائی ہو چکی تھی۔ سونا کہتی کہ مجھے چاہتی ہے اور روپا کہتی کہ مجھے۔ اس کا فیصلہ ابھی تک نہ ہوا تھا اور دونوں کے دعوے برابر قائم تھے۔

مگر ہوری نے آگا پیچھا سمجھا کر آخر دھنیا کو کسی طرح راضی کر لیا ایک دوست سے گائے ادھار لے کر بیچ ڈالنا ہے تو بہت سی واہیات بات، مگر مصیبت میں تو آدمی کا دھرم تک چلا جاتا ہے۔ پھر یہ کون سی بری چیز ہے؟ ایسا نہ ہو تو پھر مصیبت سے لوگ اتنا ڈریں کیوں؟ گوبر نے بھی کوئی خاص اعتراض نہ کیا وہ آج کل اور ہی دھن میں مست تھا۔ یہ طے کیا گیا کہ جب دونوں لڑکیاں رات کو سو جائیں تو گائے جھنگری سنگھ کے یہاں پہنچا دی جائے، گوبر اس درد ناک منظر سے بھاگ کر کہیں چلا گیا تھا۔ وہ گائے کو جاتے کیسے دیکھ سکے گا؟ اپنے آنسوؤں کو کیسے روکے گا؟ ہوری بھی اوپر ہی سے سخت بنا ہوا تھا۔ اندر سے وہ بھی بے چین تھا۔ ایسا کوئی مائی کا لال نہیں جو اس وقت اس کو پچیس روپے ادھار دے دے چاہے پھر پچیس کے پچاس ہی لے لے۔ وہ گائے کے سامنے جا کر کھڑا ہوا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کی سیاہ چمکتی ہوئی آنکھوں میں آنسوں بھرے ہوئے ہیں، گویا کہہ رہی ہے ''کیا چار ہی دن میں تمھارا دل مجھ سے پھر گیا؟ تم نے بچن دیا تھا کہ جیتے جی ایسے نہ بیچوں گا، یہی بچن تھا تمھارا؟ میں نے تم سے کبھی کسی بات کا گلہ بھی نہیں کیا، جو کچھ روکھا سوکھا تم نے دے دیا وہی کھا کر آسودہ ہوگئی۔ بولو!''

دھنیا نے کہا کہ لڑکیاں تو سوگئیں، اب اسے لے کیوں نہیں جاتے؟ جب بیچنا ہی ہے

تو ابھی سہی۔''

ہوری نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا '' میرا تو ہاتھ نہیں اٹھتا دھنیا! اس کا منہ نہیں دیکھتی۔ رہنے دے! روپے سود پر لے لوں گا۔ بھگوان نے چاہا تو سب ادا ہو جائیں گے۔ تین چار سو ہوتے ہی کیا ہیں۔ ایک بار اوکھ جگ جائے ،،۔ دھنیا نے فخریہ محبت سے اس کی طرف دیکھا بولی'' اور کیا۔ اتنی تپسیا کے بعد تو گھر میں گؤ آئی تو اسے بھی بیچ دو۔ لے لو کل روپے۔ جیسے سب چکا دیے جائیں گے ویسے ہی یہ بھی چکا دیں گے۔

اندر بڑی امس ہو رہی تھی۔ ہوا بند تھی۔ ایک پتی بھی نہ ہلتی تھی۔ بادل چھائے ہوئے تھے۔مگر بارش کے آثار نہ تھے ہوری نے گائے کو لے جا کر باہر باندھ دیا۔ دھنیا نے ٹوکا بھی کہ کہاں لیے جاتے ہو، مگر ہوری نے سنا نہیں، بولا '' باہر ہوا میں باندھے دیتا ہوں۔ آرام سے رہے گی اس میں بھی تو جان ہے۔''

گائے باندھ کر وہ اپنے منجھلے بھائی سوبھا کو دیکھنے گیا جسے ادھر کئی مہینہ سے دمہ کا مرض ہو گیا تھا۔دوا دارو نام کو نہیں، کھانے پینے کا بندوبست نہیں، اور کام کرنا پڑتا تھا جان توڑ کر۔ اس لیے اس کی حالت دن بدن بگڑتی جاتی تھی۔ سوبھا غم خوار آدمی تھا لڑائی جھگڑوں سے کوسوں دور بھاگنے والا۔ کسی سے مطلب نہیں، اپنے کام سے کام۔ ہوری اسے چاہتا تھا اور وہ بھی ہوری کا ادب کرتا تھا۔ دونوں میں روپے پیسے کی باتیں ہونے لگیں۔ رائے صاحب کے اس نئے فرمان کی تنقید ہو رہی تھی۔

کوئی گیارہ بجتے بجتے ہوری لوٹا تو اسے معلوم ہوا کے جیسے گائے کے پاس کوئی آدمی کھڑا ہے۔ پوچھا'' کون ہے وہاں کھڑا؟'' ہیرا بولا'' میں ہوں دادا، تمھارے الاؤ میں آگ لینے آیا تھا۔''

ہیرا اس کے الاؤ میں آگ لینے آیا ہے۔ اس ذرا سی بات سے ہوری کو بھائی کی لگاوٹ کا پتہ چلا۔ گاؤں میں اور بھی الاؤ ہیں، کہیں سے بھی آگ مل سکتی ہے۔ ہیرا اس کے الاؤ میں آگ لے رہا ہے تو اپنا ہی سمجھ کے تو۔ سارا گاؤں اس الاؤ میں آگ لینے آتا تھا جو گاؤں میں سب سے بڑا تھا، مگر ہیرا کا آنا دوسری بات تھی۔ اور اس دن کی لڑائی۔ ؟ لڑائی کے بعد ہیرا کے من میں میل نہیں رہتا۔ گستہ ور ہے پر دل کا ساپھ ہے۔''

اس نے محبت کے لہجے میں پوچھا'' تما کھو ہے کہ لاؤں؟''

''نہیں تماکھو ہے۔ دادا۔''

''سوبھا تو آج بہت بے حال ہے۔''

''کوئی دوا نہیں کھاتا تو کیا کیا جائے؟ اس کے حساب میں تو سارے بید، ڈاکٹر، حکیم، اناڑی ہیں۔ بھگوان کے پاس جتنی بدھی تھی وہ اس کے اور اس کے گھر والی کے حصہ میں پڑگئی ہے۔''

ہوری نے تشویش سے کہا'' یہی تو برائی ہے اس میں۔ اپنے سامنے کسی کو گنتا ہی نہیں اور چڑچڑے تو بیماری میں سبھی ہو جاتے ہیں، تمھیں یاد ہے کہ نہیں جب تمھیں نفنزا (انفلوئینزا) ہوگیا تھا تو دوائی اٹھا کر پھنک دیتے تھے، تمھارے دونوں ہاتھ پکڑتا تھا تب تمھاری بھابی منھ میں دوائی ڈالتی تھی اس پر تم اسے تمام گالیاں دیتے تھے۔''

''ہاں دادا، بھلا وہ بات بھول سکتا ہوں تم نے اتنا نہ کیا ہوتا تو تم سے لڑنے کے لیے کیسے بچا رہتا؟''

ہوری کو ایسا معلوم ہوا کہ ہیرا کی آواز بھاری ہوگئی ہے۔ اس کا گلا بھی بھر آیا، بولا'' بیٹا! لڑائی جھگڑا تو زندگی کا دھرم ہے۔ اس سے جو اپنے ہیں وہ پرائے تھوڑے ہی ہوجاتے ہیں۔ جب گھر میں چار آدمی رہتے ہیں۔ تبھی لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، جس کے کوئی ہے ی نہیں اس کے یہاں کون لڑے گا؟

دونوں نے ساتھ چلم پی۔ پھر ہیرا اپنے گھر گیا اور ہوری اندر کھانا کھانے۔

دھنیا غصہ سے بولی'' دیکھو اپنے سپوت کی لیلا اتنی رات ہوگئی اور اسے ابھی سیر سپاٹے سے چھٹی نہیں ملی۔ میں سب جانتی ہوں مجھ کو سارا پتا مل گیا ہے، بھولا کی وہ رانڈ لڑکی نہیں ہے جھنیا وہ اسی کے پھیر میں پڑا رہتا ہے، ہوری کے کانوں میں بھی یہ بھنک پڑی تھی مگر اسے یقین نہ ہوا تھا۔ گوبر بے چارا ان باتوں کو کیا جانے بولا''کسی نے کہا تم سے کچھ؟''

دھنیا تیز پڑی'' تم سے چھپی ہوگی اور سبھی جگہ چرچا ہے۔ یہ ہے بھگّا اور وہ بہتر گھاٹ کا پانی پیے ہوئے''، اسے انگلیوں پر نچا رہی ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس پر جان دیتی ہے، تم اسے سمجھا دو نہیں تو کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو کہیں کے نہ رہو گے۔''

ہوری کا دل امنگ پر تھا چھیڑ کی سوجھی جھنیا دیکھنے سننے میں تو بری نہیں ہے۔ اسی سے کرلے سگائی۔ ایسی سستی مہریا اور کہاں ملی جاتی ہے؟''

دھنیا کو یہ چھیڑ تیر سی لگی ''جھنیا اس گھر میں آئے تو منہ جھلس دوں رانڈ کا۔ گوبر کی چہیتی ہے تو اسے لے کر جہاں چاہے رہے۔''

''اور جو گوبر اسی گھر میں لاوے۔''

''تو یہ دونوں لڑکیاں کس کے گلے باندھوگے؟ پھر برادری میں تمھیں کون پوچھے گا؟ کوئی دوارے پر کھڑا تک تو ہوگا نہیں۔''

''اسے اس کی کیا پروا؟''

''اس طرح نہیں چھوڑوں گی لالاکو! مرمر کے میں نے پالا ہے اور جھنیا آکر راج لے گی! منہ میں آگ لگادوں گی رانڈ کے!

یکا یک گوبر آکر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا ''دادا سندریا کو کیا ہوگیا؟ کیا کالے نے کاٹ لیا؟ وہ تو بڑی تڑپ رہی ہے۔''

ہوری چوکے میں جا چکا تھا۔ تھالی سامنے چھوڑ کر باہر نکل آیا اور بولا ''کیا اسگن منہ سے نکالتے ہو۔ ابھی تو میں دیکھے آرہا ہوں۔ لیٹی ہوئی تھی۔

تینوں باہر گئے۔ چراغ لے کر دیکھا۔ سندریا کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا، آنکھیں پتھرا گئیں تھیں، پیٹ پھول گیا تھا اور چاروں پاؤں پھیل گئے تھے دھنیا سر پیٹنے لگی۔ ہوری پنڈت داتا دین کے پاس دوڑا۔ گاؤں میں وہی مویشی ڈاکٹر تھے۔ پنڈت جی سونے جارہے تھے۔ دوڑے ہوئے آئے دم کے دم میں سارا گاؤں جمع ہوگیا۔ گائے کو کسی نے کچھ کھلادیا، علامت صاف تھی۔ صاف زہر دیا گیا ہے لیکن گاؤں میں ایسا کون دشمن ہے جس نے زہر دیا ہو؟ ایسی واردات تو اس گاؤں میں کبھی ہوئی ہی نہیں۔ مگر باہر کا کون آدمی گاؤں میں آیا؟ ہوری کی کسی سے عداوت بھی نہ تھی کہ اس پر شبہ کیا جائے۔ ہیرا سے کچھ کہا سنی ہوتی تھی مگر وہ بھائی بھائی کا جھگڑا تھا۔ سب سے زیادہ دکھی تو ہیرا ہی تھا۔ دھمکی دے رہا تھا کہ جس نے یہ ہتیاروں کا کام کیا ہے اسے پائے تو لہو پی جائے۔ وہ لاکھ غصہ ور ہو مگر اتنی کمینہ حرکت نہیں کرسکتا۔

آدھی رات تک جمگھٹا رہا۔ سبھی ہوری کے دکھ میں دکھی تھے اور ہتیارے کو گالیاں دیتے تھے۔ وہ اس وقت پکڑا جاسکتا تھا تو اس کی جان کی خیر نہ تھی۔ جب یہ حال ہے تو کوئی جانوروں کو باہر کیسے باندھے گا؟ ابھی تک سبھی جانور باہر پڑے رہتے تھے۔ کسی طرح کی چنتا

نہ تھی لیکن اب تو ایک نئی مصیبت آ کھڑی ہوئی تھی ۔ کیا گائے تھی کہ بس دیکھتا رہے ! پوجنے لائک ۔ پانچ سیر سے کم دودھ نہ تھا ۔ سو سو کا ایک ایک بچھڑا ہوتا ۔ آتے دیر نہ ہوئی کہ پہاڑ پھٹ پڑا ۔

جب سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو دھنیا ہوری کو کوسنے لگی " تمھیں کوئی لاکھ سمجھائے مگر کرو گے اپنے ہی من کی ۔ تم گائے کھول کر آنگن سے چلے تب تک میں جوجھتی رہی کہ باہر نہ لے جاؤ۔ ہمارے دن پتلے ہیں ، نا جانے کب کیا ہوجائے ۔ پرنہیں اسے گرمی لگ رہی ہے اب کھوب ٹھنڈی ہوگئی اور تمھارا کلیجہ بھی ٹھنڈا ہوگیا ۔ ٹھاکر مانگتے تھے دے دیا ہوتا تو ایک بوجھ سر سے اتر جاتا اور احسان کا احسان ہوتا ۔ مگر پھر یہ تھپڑ کیسے پڑتا ؟ کوئی بری بات ہونے والی ہوتی ہے تو مت پہلے ہی ماری جاتی ہے ۔ اتنے دن گھر میں آرام سے بندھی رہی ، نہ گرمی لگی نہ جوڑی آئی ۔ اتنی جلدی سب کو پہچان گئی تھی کہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ باہر سے آئی ہے ۔ بچے اس کی سینگوں سے کھیلتے رہتے ، سر تک نہ ہلاتی تھی ۔ جو کچھ ناند میں ڈال دو ، چاٹ پونچھ کر صاف کر دیتی تھی ۔ لچھمی تھی ، ابھاگوں کے گھر میں کیا رہتی؟"

سونا اور روپا بھی اس ہلچل سے جاگ اٹھی تھیں اور زار و قطار رو رہی تھی اس کی خدمت کا بار زیادہ تر ان ہی دونوں پر تھا ۔ ان کی ساتھی ہو گئی تھی ۔ دونوں کھا کر اٹھتی تو ایک ایک ٹکڑا اسے اپنے ہاتھوں سے کھلاتی تھی ۔ کیسا جیبھ نکال کر کھالیتی تھی اور جب تک ان کے ہاتھ کور نہ پالیتی کھڑی رہتی ۔ بھاگ پھوٹ گئے !

گوبر اور دونوں لڑکیاں رو رو کر سو گئی تھیں ۔ ہوری بھی لیٹا ۔ دھنیا بھی اس کے سرہانے پانی کا لوٹا رکھنے آئی تو ہوری نے آہستہ سے کہا " ترے پیٹ میں بات پچتی نہیں ، کچھ سن پائے گی تو گاؤں بھر میں ڈھنڈورا پیٹتی پھرے گی۔"

دھنیا نے احتجاج کیا " بھلا سنوں تو ۔ میں نے کون سی بات پیٹ دی کہ یوں ہی نام بدنام کر دیا۔"

" اچھا تیرا سک کسی پر ہوتا ہے ؟"

" میرا سک تو کسی پر نہیں ہے۔ کوئی باہری آدمی تھا ۔"

" کسی سے کہے گی تو نہیں ؟"

" کہوں گی نہیں تو گاؤں والے مجھے گہنے کیسے گڑھوادیں گے ۔"

’’ اگر کسی سے کہا تو مار ہی ڈالوں گا۔‘‘

’’ مجھے مار کر سکھی نہ رہوگے ۔ اب دوسری مہریا نہیں ملی جاتی ۔ جب تک ہوں تمھارا گھر سمبھالے ہوئے ہوں ، جس دن مر جاؤں گی سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گے ۔ابھی مجھ میں ساری برائیاں ہی برائیاں ہیں تب آنکھوں سے آنسوں بہیں گے ۔‘‘

’’ میرا سک تو ہیرا پر ہوتا ہے۔‘‘

’’ جھوٹ بالکل جھوٹ ! ہیرا اتنا نیچ نہیں ، وہ منھ کا ہی برا ہے ۔‘‘

’’ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ، سچ تیرے سر کی سوگند ۔‘‘

’’ تم نے اپنی آنکھوں دیکھا کب ؟‘‘

’’ وہی ، میں سوبھا کو دیکھ کر آیا تو وہ سندریا کی ناند کے پاس کھڑا تھا ۔ میں نے پوچھا کون ہے ، تو بولا میں ہوں ہیرا ! الاؤ سے آگ لینے آیا تھا ۔تھوڑی دیر مجھ سے بات کرتا رہا مجھے چلم پلائی ۔ وہ ادھر گیا ، میں گھر میں آگیا ، اور وہیں گوبر نے پکار مچائی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں گائے باندھ کر سوبھا کے گھر گیا ہوں اور اس نے ادھر آکر کچھ کھلا دیا ۔ سایت پھر یہ دیکھنے آیا تھا کہ مری یا نہیں ۔‘‘

دھنیا نے سرد آہ کھینچ کر کہا ’’ اس طرح کے ہوتے ہیں بھائی ، جنھیں بھائی کا گلا کاٹنے پر بھی ہچک نہیں ہوتی۔ افوہ ! ہیرا من کا اتنا کالا ہے ! اور داری جار کو میں نے ہی پال پوس کر بڑا کیا ۔‘‘

’’ اچھا جا ، سو رہ ! مگر کسی سے بھول کر بھی چرچا نہ چلانا ۔‘‘

’’ کون ، تڑکا ہوتے ہی لالا کو تھانے نہ پہنچاؤں تو اپنے اصل باپ کی نہیں ! ہتیارا بھائی کہنے لائک نہیں ۔ یہی بھائی کا کام ہے ۔ وہ بیری ہے ، پکا بیری اور بیری کو مارنے میں پاپ نہیں ، چھوڑنے میں پاپ ہے ۔‘‘

ہوری نے دھمکایا۔ میں کہے دیتا ہوں دھنیا ! انرتھ ہو جائے گا۔‘‘

دھنیا جوش میں بولی ’’ انرتھ نہیں انرتھ کا باپ ہو جائے ، میں بنا لالا کو بڑے گھر بھجوائے مانوں گی نہیں ۔ تین سال چکی پسواؤں گی ، تین سال ! وہاں سے چھوٹیں گے تو ہتیا لگے گی ۔ تیرتھ کرنا پڑے گا ۔ اس دھوکے میں نہ رہیں لالا ! اور گواہی دلاؤں گی تم سے ، لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھا کر ۔‘‘

اس نے اندر جاکر کواڑ بند کر لیے اور ہوری خود کو کوستا ہوا پڑ رہا ۔" جب میرے ہی پیٹ میں بات نہیں پچی تو دھنیا کے پیٹ میں کیا پچے گی ۔؟اب یہ چڑیل ماننے والی نہیں۔ ہٹ پر آجاتی ہے تو کسی کی سنتی ہی نہیں ۔ آج میں نے اپنی جندگی میں سب سے بڑی بھول کی ۔"

چاروں طرف سنسان تاریکی چھائی تھی ۔ دونوں بیلوں کی گلے کی گھنٹیاں کبھی کبھی بج اٹھتی تھیں ۔ دس قدم پر مردہ گائے پڑی ہوئی تھی ۔ اور ہوری بڑے ہی پچھتاوے میں پڑا کروٹیں بدل رہا تھا ۔ اندھیرے میں اجالے کی لکیر کہیں دکھائی نہ دیتی تھی ۔

۹

علی الصباح ہوری کے مکان میں ایک پورا ہنگامہ تھا ۔ ہوری دھنیا کو مار رہا تھا اور دھنیا اسے گالیاں دے رہی تھی ، دونوں لڑکیاں باپ کے پاؤں سے لپٹی ہوئی چلا رہی تھیں اور گوبر ماں کو بچا رہا تھا ۔ بار بار ہوری کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے ڈھکیل دیتا مگر جیوں ہی دھنیا کے منھ سے گالی نکل جاتی ، ہوری اپنے ہاتھ چھڑا کر اس کو دو چار لات جما دیتا ۔ اس کا بوڑھا غصہ جیسے کسی چھپی اور جمع کی ہوئی طاقت کو باہر نکال لایا ہو ۔ سارے گاؤں میں تہلکا مچ گیا ۔ لوگ سمجھانے بجھانے کے بہانے تماشا دیکھنے آپہنچے ۔سوبھا لاٹھی ٹیکتا آکھڑا ہوا ۔ داتا دین نے ڈانٹا '' ایں ، یہ کیا ہے ہوری ؟ تم باولے ہو گئے ہو کیا ؟ کوئی اس طرح گھر کی لچھمی پر ہاتھ چھوڑتا ہے کیا ؟ تمھیں تو یہ روگ نہ تھا ، کیا ہیرا کی چھوت تمھیں بھی لگ گئی ؟''

ہوری نے پالا گن کر کے کہا '' مہراج ! تم اس بکھت نہ بولو۔ میں آج اس کی بان چھڑا کر تب دم لوں گا ۔ میں جتنا ہی طرح دیتا ہوں اتنی ہی سر چڑھتی جاتی ہے ۔''

دھنیا غصہ میں روتی ہوئی بولی ' مہراج تم گواہ رہنا ۔ میں اس کے ہتیارے بھائی کو جیل بھجوا کر تب پانی پیوں گی ۔ اس کے بھائی نے گائے کو بس کھلا کر مار ڈالا ہے ۔ اب جو میں تھانے میں رپٹ لکھانے جاتی ہوں تو یہ ہتیارا مجھے مارتا ہے ۔ میں نے اس کے پیچھے اپنی جندگانی ، ملیا میٹ کر دی اس کا یہ انام دے رہا ہے ۔''

ہوری نے دانت پیس کر اور آنکھیں نکال کر کہا ''پھر وہی بات منھ سے نکالی ! تو نے دیکھا تھا ہیرا کو بس دیتے ؟''

'' تو کسم کھا جا کہ تو نے ہیرا کو گائے کے پاس کھڑا نہ دیکھا ؟''

''ہاں میں نے نہیں دیکھا کسم کھاتا ہوں ۔''

'' بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھ کر کسم کھا ۔''

ہوری نے گوبر کے سر پر کانپتا ہوا ہاتھ رکھ کر ، کانپتی ہوئی آواز میں کہا ''میں بیٹے کی کسم کھاتا ہوں میں نے ہیرا کو ناند کے پاس نہیں دیکھا ۔''

دھنیا نے زمین پر تھوک کر کہا'' تھُڑی ہے تیری جُھٹائی پر ، تو نے آپ مجھ سے کہا کہ ہیرا چور کی طرح ناند کے پاس کھڑا تھا اور اب بھائی کے لیے جھوٹ بولتا ہے ، تھُڑی ہے! اگر میرے بیٹے کا بال بھی بیکا ہوا تو گھر میں آگ لگا دوں گی ، ساری گرہستی میں آگ لگادوں گی ۔ بھگوان ! آدمی منھ سے بات کہہ کر اتنی بے سرمی سے پلٹ جاتا ہے !''

ہوری پاؤں پٹک کر بولا'' دھنیا ! رِس مت دلا ورنہ برا ہوگا ۔''

'' مار تو رہا ہے اور مار لے ، تو جو اپنے باپ کا بیٹا ہوگا تو آج مجھے مار کر تب پانی پیے گا ! پاپی نے مار مار کر مجھے بھرکس کر دیا ، پھر بھی اس کا جی نہیں بھرا ۔ مجھے مار کر سمجھتا ہے کہ بڑا بیر ہوں ۔ بھائیوں کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا ہے ، پاپی کہیں کا ! ہتیارا !''

پھر وہ فریاد کر کے رونے لگی ۔ اس گھر میں آکر اس نے کیا کیا دکھ درد نہیں جھیلا ، کس کس طرح اپنا پیٹ نہیں کاٹا ، کس طرح ایک ایک لتے کو ترسی کس طرح ایک ایک پیسہ جان کر طرح بچا کر رکھا ، کس طرح گھر بھر کو کھلا کر اور آپ پانی پی کی سو رہی اور آج ان سارے بلدانوں کا یہ بدلا ! بھگوان بیٹھے یہ انیائے دیکھ رہے ہیں اور اسے بچانے نہیں دوڑتے !

رفتہ رفتہ رائے عامّہ اب دھنیا کے موافق ہونے لگی۔اس میں اب کسی کو شک نہ رہا کہ ہیرا ہی نے گائے کو زہر دیا۔

ہوری نے بالکل جھوٹی قسم کھائی ہے ، اس کا بھی لوگوں کو یقین ہوگیا ۔ گوبر کو باپ کی اس جھوٹی قسم اور اس کی وجہ سے آنے والی مصیبت کے اندیشے نے ہوری کا مخالف بنادیا۔ اس پر جو داتا دین نے ڈانٹ بتائی تو ہوری ہار کھا گیا اور چپکے سے چلا گیا ۔ راستی کی فتح ہوئی۔

داتا دین نے سوبھا سے پوچھا'' تم کچھ جانتے ہو سوبھا ! کیا بات ہوئی ؟''

سوبھا زمین پر لیٹا ہوا بولا'' میں تو مہراج ! آٹھ دن سے باہر نہیں نکلا ۔ ہوری دادا کبھی کبھی جا کر کچھ دے آتے ہیں ، اسی سے کام چلتا ہے ، کل رات میں بھی وہ میرے پاس گئے تھے ۔ کس نے کیا کیا ، میں کچھ نہیں جانتا ۔ ہاں سانجھ کو ہیرا میرے گھر کھرپی مانگنے گیا تھا ۔ کہتا تھا کہ ایک جڑی کھودنا ہے ۔ پھر تب سے اس سے میری بھینٹ نہیں ہوئی۔''

دھنیا شہہ کو پا کر بولی'' پنڈت دادا ، یہ اسی کا کام ہے ، سوبھا کے گھر سے کھرپی مانگ

کر لایا اور کوئی جڑی کھود کر گائے کو کھلا دی ۔اس رات کو جو جھگڑا ہوا تھا اسی دن سے وہ رنج مانے بیٹھا ہے ۔''

داتا دین بولے '' یہ بات ثابت ہو گئی ، تو اسے ہتیا لگے گی ۔ پولیس کچھ کرے یا نہ کرے ، دھرم تو بنا ڈنڈ دیے رہے گا نہیں ، چلی تو جا روپیا ! ہیرا کو بلا لا ۔ کہنا کہ پنڈت دادا بلا رہے ہیں ۔ اگر اس نے ہتیا نہیں کی تو گنگا جلی اٹھالے اور چورے پر چل کر سوگند کھائے ۔''

دھنیا بولی '' مہراج ! اس کی سوگند کا بھروسہ نہیں ، جھٹ پٹ کھالے گا ۔ جب اس نے جھوٹی سوگند کھالی جو بڑا دھرماتما بنتا ہے تو ہیرا کا کیا بسواس ؟''

اب گوبر بولا '' کھالے جھوٹی سوگند ، بنس کا انت ہو جائے ، بوڑھے جیتے رہیں ، جوان جی کر کیا کریں گے ؟''

روپا ایک لمحے میں آکر بولی '' کاکا گھر میں نہیں پنڈت دادا ! کاکی کہتی ہے کہ کہیں چلے گئے ہیں ۔''

داتا دین نے لمبی داڑھی پھٹکار کر کہا '' تو نے پوچھا نہیں کہ کہاں چلے گئے ہیں ؟ گھر میں چھپا بیٹھا نہ ہو دیکھ تو سونا ! اندر تو نہیں بیٹھا ہے ؟''

دھنیا نے ٹوکا '' اسے نہ بھیجو دادا ! ہیرا کے سر ہتیا سوار ہے نہ جانے کیا کر بیٹھے ۔''

داتا دین نے خود لکڑی سنبھالی اور خبر لائے کے ہیرا سچ مچ کہیں چلا گیا ہے ۔ پنیا کہتی ہے ، لٹیا ڈور ،اور ڈنڈا سب لے کر گئے ہیں ۔ پنیا نے پوچھا بھی کہ کہاں جاتے ہو ، پر بتایا نہیں ۔ اس نے پانچ روپے آرے میں رکھے تھے روپے وہاں نہیں ہیں ۔ شاید روپے بھی لیتا گیا ۔

دھنیا ٹھنڈے دل سے بولی '' منہ میں کالک لگا کر کہیں بھاگ گیا ہوگا ۔''

سوبھا بولا '' بھاگ کر کہاں جائے گا ؟ گنگا نہانے نہ چلا گیا ہو ۔''

دھنیا نے شک ظاہر کیا '' گنگا جاتا تو روپے کیوں لے جاتا ؟ اور آج کل کوئی پرب نہان بھی تو نہیں ہے ۔''

اس شک کو کوئی دور نہ کر سکا ، خیال مضبوط ہوگیا ۔ آج ہوری کے گھر کھانا نہیں پکا ، نہ کسی نے بیلوں کو پانی دیا ۔ سارے گاؤں میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی ۔دو دو چار چار آدمی جگہ

جگہ جمع ہو کر اس واقعہ پر رائے زنی کر رہے تھے ۔ ہیرا ضرور کہیں بھاگ گیا ۔ دیکھا ہوگا کہ بھید کھل گیا اب جیل الگ جانا پڑے گا اور ہتیا الگ لگے گی بس کہیں بھاگ گیا ۔ پنیا بھی رو رہی تھی کہ کچھ کہا نہ سنا ، نہ جانے کہا چل دیے ۔

جو کچھ کسر رہ گئی تھی وہ شام کے وقت حلقے کے تھانیدار نے آکر پوری کردی ۔ گاؤں کے چوکی دار نے اس واقعے کی رپٹ کی جو اس کا فرض تھا ۔ پھر تھانیدار صاحب اپنے فرض سے کب چوکنے والے تھے ؟ اب گاؤں والوں کو بھی اس کی خاطر مدارت کرکے اپنا فرض پورا کرنا چاہیے ۔ داتا دین ، جھنگری سنگھ ، نوکھے رام ، ان کے چاروں پیادے ، منگرو شاہ اور لالا پٹیشوری سبھی آپہنچے اور داروغہ جی کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو گئے ۔ ہوری کی طلبی ہوئی ۔ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ تھانیدار کے سامنے آیا ۔ ایسا ڈر رہا تھا جیسے پھانسی ہو جائے گی ۔ دھنیا کو پیٹتے وقت اس کا ایک ایک عضو پھڑک رہا تھا ۔ داروغہ جی کے سامنے کچھوے کی طرح اندر ہی اندر سمٹا جاتا تھا۔ داروغہ نے اسے محققانہ نگاہوں سے دیکھا اور اس کے دل تک پہنچ گئے قیافہ شناسی میں انھیں اچھی مہارت تھی ۔ کتابی علم النفس میں کورے ہوں مگر عملاً اس کے ماہر تھے ۔ یقین ہوگیا کہ آج کسی اچھے کا منھ دیکھ کر اٹھے ہیں ۔

ہوری کا چہرہ کہے دیتا تھا کہ اس کے لیے صرف ایک دھمکی کافی ہے ۔ داروغہ نے پوچھا تجھے کس پر شبہہ ہے ۔؟''

ہوری نے زمین چھوئی اور ہاتھ جوڑ کر بولا '' میرا سبہہ کسی پرنہیں ہے سرکار ! گائے اپنی موت مری ہے ۔ بوڑھی ہوگئی تھی ۔''

دھنیا بھی آکر پیچھے کھڑی ہوگئی تھی ۔ فوراً بولی '' گائے ماری ہے تمھارے بھائی ہیرا نے ۔ سرکار ایسے مورکھ نہیں ہیں کہ جو کچھ تم کہہ دوگے مان لیں گے ۔ یہاں جانچ کرنے آئے ہیں ۔''

داروغہ جی نے پوچھا '' یہ کون عورت ہے ؟''

کئی آدمیوں نے داروغہ جی سے گفتگو کرنے کی خوش نصیبی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی ۔ ایک ساتھ بولے اور ہر ایک نے اپنے دل کو اس خیال سے تسکین دی کہ پہلے میں بولا '' ہوری کی گھر والی ہے سرکار ۔''

'' تو اسے بلاؤ میں پہلے اسی کا بیان لکھوں گا ۔ وہ کہاں ہے ہیرا ؟''

"خاص لوگوں نے ایک آواز سے کہا" وہ تو آج تڑکے سے کہیں چلا گیا ہے سرکار۔"

"میں اس کے گھر کی تلاشی لوں گا۔"

تلاشی ! ہوری کا سانس اوپر نیچے ہونے لگا۔ اس کے بھائی ہیرا کے گھر کی تلاشی ہوگی اور ہیرا گھر میں نہیں ہے ! تو پھر ہوری کے جیتے جی اور اس کے دیکھتے یہ تلاشی نہ ہونے پاوے گی اور دھنیا سے اب اس کا کوئی ناتا نہیں ہے جہاں چاہے جائے جب وہ اس کی آبرو بگاڑنے پر آگئی ہے تو اس کے گھر میں کیسے رہ سکتی ہے ؟ جب گلی گلی ٹھوکر کھائے گی تب پتہ چلے گا۔

گاؤں کے خاص لوگوں نے اس سنکٹ کو ٹالنے کی لیے کانا پھوسی شروع کی۔

داتادین نے اپنا گنجا سر ہلا کر کہا" یہ سب کمانے کے ڈھنگ ہیں۔ پوچھو ہیرا کے گھر میں کیا رکھا ہے ؟"

پٹیشوری لالا بہت لمبے تھے مگر لمبے ہوکر بھی بیوقوف نہ تھے۔ اپنا لمبا کالا منھ اور لمبا کرکے بولے" اور یہاں آیا ہے کس لیے اور جب آیا ہے تو کچھ لیے دیے گیا کب ہے؟"

جھنگری سنگھ نے ہوری کو بلاکر کان میں کہا" نکالو جو کچھ دینا ہو ، یوں گلا نہ چھوٹے گا۔"

داروغہ جی نے اب گرج کر کہا" میں ہیرا کے گھر کی تلاشی لوں گا ؟"

ہوری کا چہرا ایسا فق ہوگیا گویا جسم کا سارا خون خشک ہوگیا ہو۔ تلاشی اس کے گھر ہوئی تو اس کے بھائی کے گھر ہوئی تو ایک ہی بات ہے۔ ہیرا الگ سہی مگر دنیا تو جانتی ہے کہ اس کا بھائی ہے۔مگر اس سمے اس کا کچھ بس نہیں۔ اس کے پاس روپے ہوتے تو پچاس لاکر داروغہ کے پاؤں پر رکھ دیتا اور کہتا" سرکار ،میری آبرو اب آپ کے ہاتھ میں ہے مگر اس کے پاس تو زہر کھانے کو ایک پیسہ نہیں ہے۔ دھنیا کے پاس دوچار روپے پڑے ہوں پر وہ چڑیل بھلا کب دینے لگی ؟ پھانسی کی سزا پائے آدمی کی طرح سر جھکائے اپنی بے عزتی کو سختی سے محسوس کرتا ہوا خاموش کھڑا رہا۔

داتادین نے ہوری کو آگاہ کیا" اب اس طرح کھڑے رہنے سے کام نہ چلے گا ہوری ! روپے کی کوئی تدبیر کرو۔"

ہوری عاجزانہ بولا" اب میں کیا کہوں مہراج ! ابھی تو پہلے ہی کی گٹھری سر پر لدی

ہے اور کس منھ سے مانگوں ؟ پر اس سنکٹ سے ابار لو ۔ جیتا رہا تو کوڑی کوڑی چکا دوں گا۔ میں مر جاؤں گا تو گوبر تو ہے ہی ۔''

لیڈروں میں مشورہ ہونے لگا '' تھانیدار کو کیا بھینٹ کیا جائے '' داتا دین نے پچاس تجویز کیے ۔جھنگری سنگھ کی رائے میں سو سے کم پر سودا نہ ہوگا ۔نوکھے رام بھی سو کے حق میں تھے اور ہوری کے لیے سو اور پچاس میں کوئی فرق نہ تھا ۔ اس تلاشی کا سنکٹ اس کے سر سے ٹل جائے ،چاہے پوجا کتنی ہی چڑھانی پڑے۔ مردے کو ایک من لکڑی سے جلاؤ یا دس من سے اسے کیا پروا ؟

مگر پٹیشوری سے یہ بے انصافی نہ دیکھی گئی ۔کوئی ڈاکہ یا قتل تو ہوا نہیں ،صرف تلاشی ہو رہی ہے ،بس بیس روپے بہت ہیں ۔

لیڈروں نے لعنت ملامت کی '' تو پھر تمھیں تھانیدار سے بات چیت کرنا ،ہم لوگ پاس نہ جائیں گے ۔کون گھڑکیاں کھائے گا ؟''

ہوری نے پٹیشوری کے قدم پر سر رکھ دیا '' بھیا ، میرا اُدھار کرو ۔ جب تک جیوں گا تمھاری تابعداری کروں گا ۔'' داروغہ نے پھر اپنے چوڑے سینے اور بڑے پیٹ کا پورا زور لگا کر کہا '' کہاں ہے ہیرا کا گھر ؟ میں اس کے گھر کی تلاشی لوں گا ۔''

پٹیشوری نے آگے بڑھ کر داروغہ جی کے کان میں کہا '' تلاشی لے کر کیا کرو گے سرکار ؟ اس کا بھائی آپ کی تابعداری کے لیے حاجر ہے ۔''

دونوں آدمی ذرا الگ جاکر باتیں کرنے لگے ۔

'' کیسا آدمی ہے ؟''

'' بہت ہی گریب ہجور کھانے کا ٹھکانہ بھی نہیں ۔''

'' سچ !''

'' ہاں ہجور ایمان سے کہتا ہوں ۔

'' ارے تو کیا ایک پچاسے کا بھی ڈول نہیں ہے ۔''

'' کہاں کی بات سرکار !دس مل جائیں تو ہزار سمجھیے ۔ پچاس تو پچاس جنم میں بھی ممکن نہیں اور وہ بھی جب کوئی مہاجن کھڑا ہو جائے ۔''

داروغہ جی نے ایک منٹ تک غور کرکے کہا '' تو پھر اسے ستانے سے کیا فائدہ ؟ میں

ایسوں کونہیں ستاتا جو آپ ہی مر رہے ہوں ۔"

پٹیشوری نے دیکھا کہ نشانہ اور آگے جا پڑا ۔ بولے" نہیں سرکار ایسا نہ کریں ، نہیں تو پھر ہم کہاں جائیں گے ۔ ہمارے پاس دوسری کون سی کھیتی ہے ؟"

" تم علاقہ کے پٹواری ہو جی ، کیسی باتیں کرتے ہو؟

" جب ایسا ہی کوئی موقع آجاتا ہے ، آپ کی بدولت ہم بھی پاجاتے ہیں ، نہیں تو پٹواری کو کون پوچھتا ہے ؟"

" اچھا جاؤ تیس روپے دلوا دو، بیس روپے ہمارے اور دس تمھارے ۔"

" چار مکھیاں ہیں ، اس کا تو خیال کیجیے ؟"

" اچھا نصف نصف پر رکھو اور جلدی کرو مجھے دیر ہو رہی ہے ۔"

پٹیشوری نے جھنگری سے کہا ۔ جھنگری نے ہوری کو اشارے سے بلایا ، اپنے گھر لے گئے تیس روپے گن کر اسے دیے اور احسان رکھتے ہوئے بولے" آج ہی کاگذ لکھ دینا ۔ تمھارا منہ دیکھ کر روپے دے رہا ہوں ، تمھاری بھلمنسی پر ۔"

ہوری نے روپے لیے اور انگوچھے کے چھور میں باندھے ہوئے خوش خوش داروغہ جی کی طرف چلا ۔

یکا یک دھنیا جھپٹ کر آگے آئی اور انگوچھا ایک جھٹکے کے ساتھ اس کے ہاتھ سے چھین لیا ۔ گانٹھ مضبوط نہ تھی ۔ جھٹکے کے زور سے کھل گئی اور سارے روپے زمین پر بکھر گئے ۔ ناگن کی طرح پھنکار کر بولی" یہ روپے کہاں لے جارہا ہے ؟ بتا ! بھلا چاہتا ہے تو سبھی روپے لوٹا دے نہیں تو کہے دیتی ہوں ! گھر کے آدمی رات دن مریں ، دانے دانے کو ترسیں ، چیتھڑا پہنے کو نہ ملے اور انجلی بھر روپے لے کر چلا ہے اجت بچانے ! ایسی بڑی ہے تیری اجت جس کے گھر میں چوہے لوٹیں وہ بھی اجت والا ہے ! دروگا تلاسی ہی تو لے گا ، لے لے جہاں چاہے تلاسی ۔ ایک تو سو روپے کی گائے گئی ، اس پر پلیتھن ! واہ رے تیری اِجت !"

ہوری لہو کا گھونٹ پی کر رہ گیا ۔ کل مجمع جیسے تھرا اٹھا ۔ لیڈروں کے سر جھک گئے اور تھانیدار کا منہ ذرا سے نکل آیا ۔ اپنی زندگی میں ان کی ایسی توہین نہ ہوئی تھی ۔

ہوری متحیر سا کھڑا رہا ۔ زندگی میں آج پہلی بار دھنیا نے اسے بھرے اکھاڑے میں پٹک دیا ، آسمان تکا دیا ۔ اب وہ کیسے سر اٹھائے ؟

مگر داروغہ جی اتنی جلد ہار ماننے والوں میں نہ تھے ، کھسیا کر بولے '' مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شیطان کی خالہ نے ہیرا کو پھنسانے کے لیے خود زہر دے دیا ہے ۔''

دھنیا ہاتھ مٹکا کر بولی '' ہاں دے دیا ۔ اپنی گائے تھی ، مار ڈالی پھر؟ کسی دوسرے کا جانور تو نہیں مارا ! تمھاری جانچ میں یہی نکلتا ہے تو یہی لکھو ۔ پہنا دو میرے ہاتھ میں ہتھکڑی۔ دیکھ لیا تمھارا نیاؤ اور تمھاری بدھی کی پہنچ ۔ گریبوں کا گلا کاٹنا دوسری بات ہے اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کرنا دوسری بات ہے ۔''

ہوری آنکھوں سے انگارے برساتا دھنیا پر جھپٹا مگر گوبر آگے کھڑا ہو گیا اور تیزی سے بولا '' اچھا دادا، اب بہت ہوا پیچھے ہٹ جاؤ نہیں تو کہے دیتا ہوں کہ میرا منھ نہ دیکھو گے ۔ تمھارے اوپر ہاتھ نہ اٹھاوں گا ۔ ایسا کپوت نہیں ہوں۔ مگر یہیں گلے میں پھانسی لگا لوں گا ۔''

ہوری پیچھے ہٹ گیا اور دھنیا شیر ہو کر بولی '' تو ہٹ جا گوبر دیکھوں تو وہ کیا کرتا ہے میرا ! دروگا جی بیٹھے ہیں ، اس کی ہمت دیکھوں ۔ گھر میں تلاسی ہونے سے اس کی اجت جاتی ہے اور اپنی عورت کو سارے گاؤں کے سامنے لتیانے میں اس کی اجت نہیں جاتی ! یہی تو بیروں کا دھرم ہے ! بڑا بیر ہے تو کسی مرد سے لڑ ! جس کی باہنہ پکڑ کر لایا اسے مار کر بیرتا دکھاوے گا ۔ تو سمجھتا ہوگا کہ میں اسے روٹی کپڑا دیتا ہوں تو لے آج سے اپنا گھر سمبھال ۔ دیکھوں تو کہ اسی گاؤں میں تیری چھاتی پر مونگ دَل کر رہتی ہوں کہ نہیں اور تیرے گھر سے اچھا کھاؤں گی ، اچھا پہنوں گی ۔ جی میں آوے تو دیکھ لے !''

ہوری مغلوب ہو گیا ۔ اسے معلوم ہوا کہ عورت سے مرد کتنا کمزور ہے ، کتنا بے بس۔

لیڈروں نے روپے چن کر اٹھا لیے تھے اور داروغہ جی کو وہاں سے چلنے کا اشارہ کر رہے تھیں کہ دھنیا نے ایک ٹھوکر اور جمائی '' جس کے روپے ہے اس کو لے جاکر دے دو ، ہمیں کسی سے ادھار نہیں لینا ہے اور جو دینا ہے تو اسی سے لینا ۔ میں دمڑی بھی نہ دوں گی چاہے مجھے حاکم کی کچہری تک جانا پڑے ۔ ہم باکی چکانے کو پچیس روپے مانگتے تھے تو کسی نے نہ دیا۔ آج انجلی بھر روپے ٹھنا ٹھُن نکال کر دے دیے ۔ میں سب جانتی ہوں ۔ یہاں تو حصہ بانٹ ہونے والا تھا ۔ سبھی کے منھ میٹھے ہوتے ۔ یہ ہتیارے گاؤں کے مکھیا ہیں ۔ گریبوں کا کھون چوسنے والے ۔ سود بیاج ،ڈیڑھی سوائی، نجر بھینٹ ، گھوس رسوت ، جیسے ہو گریبوں کو لوٹو۔ اس پر سوراج چاہیے ۔ جھل سے سوراج نہ ملے گا۔ سوراج ملے گا دھرم سے نیاؤ سے ۔''

لیڈروں کے منھ میں کالکھ سی لگ گئی تھی اور داروغہ جی کے منھ پر جھاڑو سی پھر گئی۔ اپنی اپنی عزت رکھنے کے لیے ہیرا کے گھر کی طرف چلے۔

راستے میں تھانیدار نے تسلیم کیا " عورت ہے بڑی دلیر!"

پٹیشوری لالا بولے " دلیر کیا ہے سرکار، کرکسا ہے۔ ایسی عورت کو تو گولی مار دے۔

" تم لوگوں کا قافیہ تنگ کر دیا اس نے۔ چار چار تو ملتے ہی۔"

" سرکار کے بھی تو پندرہ گئے۔"

" میرے کہاں جاسکتے ہیں نہ دے گا تو گاؤں کے مکھیا دیں گے اور پندرہ کی جگہ پورے پچاس روپے! آپ لوگ فوراً انتظام کیجیے۔"

پٹیشوری نے ہنس کر کہا " سرکار بڑے دل لگی باز ہیں۔"

داتا دین بولے " بڑے آدمیوں کے یہی لچھن ہیں۔ ایسے بھاگوانوں کے درشن کہاں ہوتے ہیں۔"

داروغہ نے سخت لہجے میں کہا " یہ چاپلوسی پھر کیجیے گا۔ اس وقت تو مجھے پچاس روپے دلایئے نقد اور یہ سمجھ لو کہ آنا کانی کی تو میں چاروں کے گھر کی تلاشی لوں گا۔ بہت ممکن ہے کہ تم نے ہیرا اور ہوری کو پھنسا کر ان سے سو پچاس اینٹھ لینے کے لیے یہ حرکت کی ہو۔"

لیڈر لوگ ابھی تک یہ سمجھ رہے تھے کہ داروغہ جی مذاق کر رہے ہیں۔

جھنگری سنگھ نے آنکھ مار کر کہا " نکالو پچاس روپے، پٹواری صاحب۔"

نوکھے رام نے تائید کی " پٹواری صاحب کا الاکا ہے۔ انھیں آپ کی کھاطر کرنی ہی چاہیے۔" پنڈت نوکھے رام کی چوپال آگئی۔ داروغہ جی ایک پلنگ پر بیٹھ گئے اور بولے۔

" تم لوگوں نے کیا طے کیا؟ روپے نکالتے ہو یا تلاشی کراتے ہو۔"

داتادین نے عذر کیا " مگر سرکار ...."

" میں اگر مگر کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

جھنگری سنگھ نے جرأت کی۔" سرکار یہ تو سراسر ...."

میں پندرہ منٹ کی مہلت دیتا ہوں اگر اتنی دیر میں پورے پچاس نہ آگئے تو سب کے گھروں کی تلاشی ہوگی اور گنڈا سنگھ کو جانتے ہو۔ اس کا مارا پانی نہیں مانگتا۔

پٹیشوری نے تیز ہو کر کہا'' آپ کو اختیار ہے تلاشی لے لیں ۔ یہ اچھی دل لگی ہے کہ کام کون کرے اور پکڑا کون جائے ۔

'' میں نے پچیس سال تھانا داری کی ہے جانتے ہو۔''

'' لیکن ایسا اندھیر تو کبھی نہیں ہوا ۔''

'' تم نے ابھی اندھیر دیکھا کہاں ؟ کہو تو وہ بھی دکھا دوں ۔ ایک ایک کو پانچ پانچ سال کے لیے بھجوادوں ۔ یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ۔ ایک ڈاکے میں کل گاؤں کو کالا پانی دلا سکتا ہوں ۔ اس دھوکے میں نہ رہنا ۔''

چاروں آدمی چوپال کے اندر جا کر صلاح کرنے لگے ۔

پھر کیا ہوا کسی کو معلوم نہیں ۔ ہاں داروغہ جی خوش وخرم نظر آرہے تھے اور چاروں آدمیوں کے منہ پر لعنت برس رہی تھی۔

داروغہ جی گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو چاروں لیڈر لوگ پیچھے دوڑ رہے تھے۔ گھوڑا دور نکل گیا تو لوٹے اس طرح جیسے کسی عزیز کی لاش جلا کر مرگھٹ سے لوٹ رہے ہوں ۔

یکا یک داتا دین بولے'' میرا سراپ نہ پڑے تو منہ نہ دکھاؤں ۔''

نوکھے رام نے تائید کی'' ایسا دھن کبھی پھلتے نہیں دیکھا ۔''

پٹیشوری نے پیشن گوئی کی ۔'' حرام کی کمائی حرام میں جائے گی ۔''

جھنگری سنگھ کو آج خدائی انصاف میں شبہ پڑ گیا تھا ۔ بھگوان نہ جانے کہاں ہے ، اندھیر دیکھ کر بھی پاپیوں کو ڈنڈ نہیں دیتا ۔

اس وقت ان لوگوں کی تصویر دیکھنے لائق تھی ۔

۱۰

ہیرا کا کہیں پتہ نہ چلا اور دن گزرتے جاتے تھے ۔ ہوری سے جہاں تک بن پڑا دوڑ دھوپ کی پھر ہار کر بیٹھ رہا ۔ کھیتی باڑی کی فکر کرنی تھی ۔ اکیلا آدمی کیا کیا کرتا ؟اور اب اپنی کھیتی سے زیادہ فکر تھی پنیا کی کھیتی کی ۔ پنیا اب تنہا ہوکر اور بھی تیز پڑ گئی تھی ۔ ہوری کو اب اس کی خوشامد کرتے گزرتی تھی ۔ ہیرا تھا وہ پنیا کو دبائے رہتا تھا ۔ اس کے چلے جانے سے اب پنیا پر کوئی آنکس نہ رہ گیا تھا ۔ ہوری کی مخالفت ہیرا سے تھی ۔ پنیا عورت تھی ۔ اس سے وہ کیا تنا تنی کرتا۔ اور پنیا اس کے مزاج سے واقف تھی اور اس کی شرافت کا اسے خوب مزا چکھاتی تھی ۔ خیریت یہی ہوئی کہ کارندہ صاحب نے پنیا سے بقایا لگان وصول کرنے کے لیے کوئی سختی نہیں کی ،صرف تھوڑی سی نذر پاکر راضی ہوگئے ورنہ ہوری اپنے بقایا کے ساتھ اس کا بقایا ادا کرنے کے لیے بھی قرض لینے کو تیار تھا ۔ ساون میں دھان لگانے کی ایسی کثرت رہی کہ مزدور نہ ملے اور ہوری اپنے کھیتوں میں دھان نہ لگا سکا ۔ لیکن پنیا کے کھیتوں میں کیسے نہ لگائے جاتے ......؟ ہوری نے پہر پہر رات گئے تک کام کرکے اس کے دھان لگائے ۔ اب ہوری ہی تو اس کا محافظ تھا اگر پنیا کو کوئی تکلیف ہوئی تو دنیا اسی پر تو ہنسے گی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہوری کے خریف کی فصل میں بہت تھوڑا اناج ملا اور پنیا کے یہاں دھان رکھنے کی جگہ نہ تھی !

ہوری اور دھنیا میں اس دن سے برابر کشیدگی چلی آتی تھی ۔ گوبر سے بھی ہوری کی بول چال بند تھی ۔ ماں بیٹے نے مل کر گویا اس کا بائکاٹ کر دیا تھا ۔ اپنے گھر میں پردیسی بنا ہوا تھا ۔ دو کشیوں میں سوار ہونے والے کی جو درگت ہوتی ہے وہی اس کی ہورہی تھی ۔ گاؤں میں بھی اب اس کی اتنی عزت نہ تھی ۔ دھنیا اپنی ہمت سے صرف عورتوں کی نہیں بلکہ مردوں کی بھی لیڈر بن بیٹھی تھی ۔ مہینوں تک قرب وجوار کے علاقوں میں اس واقعے کا خوب چرچا رہا ۔ حتیٰ کہ وہ ایک آسمانی صورت اختیار کرتا جاتا تھا ” دھنیا پر دیوی جی کا اشٹ ہے ۔ داروغہ جی نے جیوں ہی اس کے آدمی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالی کہ دھنیا نے دیوی کو یاد کیا۔

دیوی اس کے سر آگئی پھر تو اس میں اتنی سکت آگئی کہ اس نے ایک جھٹکے میں اپنے مرد کی ہتھکڑی توڑ ڈالی اور داروغہ کی مونچھیں پکڑ کر اکھاڑ لیں ، پھر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھی۔ داروغہ نے جب بہت منت کی تب جا کر اسے چھوڑا ۔ کچھ دن تک لوگ دھنیا کے درشن کو آتے رہے ۔ وہ بات تو پرانی پڑ گئی مگر گاؤں میں دھنیا کی عزت بہت بڑھ گئی تھی ۔ اس میں عجیب ہمت ہے جو وقت پر مردوں کے بھی کان کاٹ سکتی ہے ۔

مگر رفتہ رفتہ دھنیا میں ایک تبدیلی ہو رہی تھی ۔ ہوری کو پنیا کی کھیتی میں لگا ہوا دیکھ کر وہ کچھ نہ بولتی تھی ۔ اور یہ اس لیے نہیں کہ وہ ہوری کی طرف سے بالکل بے پرواہ ہو گئی تھی ۔ بلکہ اس لیے کہ پنیا پر اسے اب رحم آتا تھا ۔ ہیرا کا گھر سے بھاگ جانا اس کا بدلہ پورا کرنے کے لیے کافی تھا ۔

اسی اثنا میں ہوری کو بخار آنے لگا ۔ فصلی بخار پھیلا ہی تھا ۔ ہوری بھی اسی کی زد میں آگیا ۔ اور کئی سال کے بعد بخار آیا تو اس نے سارا بقایا وصول کر لیا ۔ ایک مہینے تک ہوری بستر پر پڑا رہا ۔ اس بیماری نے ہوری کو کچل ہی ڈالا ۔ مگر دھنیا پر بھی فتح حاصل کر لی ۔ شوہر جب مر رہا ہے تو اس سے کیسا بیر ؟ ایسی حالت میں تو بیروں سے بھی بیر نہیں رہتا پھر وہ تو اپنا ہی مرد ہے ۔ لاکھ برا ہو مگر اس کے ساتھ زندگی کے پچیس سال کٹے ہیں ۔ آرام ملا ہے تو اسی کے ساتھ اور تکلیف جھیلی ہے تو اسی کے ساتھ ۔ اب چاہے وہ اچھا ہے یا برا ، اپنا ہے ۔ داری جار نے مجھے سب کے سامنے مارا ۔ سارے گاؤں کے سامنے میرا پانی اتار لیا ۔ لیکن تب سے کتنا لجاتا ہے کہ سیدھے تاکتا بھی نہیں ۔ کھانے آتا ہے تو سر جھکائے کھا کر اٹھ جاتا ہے ، ڈرتا رہتا ہے میں کچھ کہہ نہ بیٹھوں ۔

ہوری جب اچھا ہوا تو شوہر و زن میں میل ہو گیا تھا ۔

ایک دن دھنیا نے کہا ” تمھیں اتنا غصہ کیسے آ گیا ؟ مجھے تمھارے اوپر کتنا گسہ آوے پر ہاتھ نہ اٹھاؤں گی ۔“

ہوری نادم ہو کر بولا ” اب اس کا چرچا نہ کر دھنیا ۔ میرے اوپر کوئی بھوت سوار تھا ۔ اس کا مجھے کتنا دکھ ہوا ہے یہ میں جانتا ہوں ۔“

” اور جو میں بھی اسی رس میں ڈوب مری ہوتی ؟“

” تو کیا رونے کے لیے بیٹھا رہتا ؟ میری لاش بھی تیرے ساتھ چتا پر جاتی ۔“

'' اچھا چپ رہو ، بے بات کی بات مت بکو۔''
'' گائے گئی سو گئی ، میرے سر ایک بپتا ڈال گئی ۔ پنیا کی چنتا مجھے مارے ڈالتی ہے۔''
'' اسی لیے تو کہتے ہیں کہ بھگوان گھر کا بڑا نہ بناوے ۔ چھوٹوں کو کوئی نہیں ہنستا ، نیکی بدی سب بڑوں کے سر جاتی ہے ۔''

ماگھ کے دن تھے ۔ مہاوٹ لگ رہی تھی ۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا ایک تو جاڑوں کی رات دوسرے ماگھ کی برکھا ، موت کا سناٹا تھا ۔ ہوری کھانا کھاکر پنیا کے مٹر کے کھیت کی مینڈ پر اپنی جھونپڑی پر لیٹا ہوا تھا ۔ چاہتا تھا کہ ٹھنڈ کو بھول جائے اور سو رہے مگر تار تار کمبل اور پھٹی ہوئی مرزئی اور ٹھنڈ سے گیلا پوال ، اتنے بیریوں کے سامنے آنے کی ہمت نیند میں نہ تھی ۔ آج تمباکو بھی نہ ملا کہ اس سے دل بہلتا ۔ اپلا سلگا لایا تھا ۔ پر وہ بھی ٹھنڈ سے ٹھنڈا ہو گیا تھا ۔ بوائی پھٹے پیروں کو پیٹ میں ڈال کر اور ہاتھوں کو رانوں کے بیچ میں دبا کر اور کمبل میں منھ چھپا کر اپنی ہی گرم سانسوں سے اپنے کو گرمی پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پانچ سال ہوئے یہ مرزئی بنوائی تھی ۔ دھنیا نے ایک طرح سے جبراً بنوادی تھی ۔ وہی جب ایک بار ایک کابلی سے کپڑے لیے تھے جس کے پیچھے کتنی آفت ہوئی اور کتنی گالیاں کھانا پڑیں۔ اور یہ کمبل تو اس کے جنم سے بھی پہلے کا ہے بچپن میں وہ اپنے باپ کے ساتھ اس میں سوتا تھا ، جوانی میں گوبر کو لے کر اس کمبل میں اس کے جاڑے کٹتے تھے ، اور بڑھاپے میں آج وہی بوڑھا کمبل اس کا ساتھی ہے ۔ مگر اب وہ کھانے کو چبانے والا دانت نہیں بلکہ دکھنے والا دانت ہے زندگی میں ایسا تو کوئی دن نہیں آیا کہ زمیندار اور مہاجن کو دے کر کبھی کچھ ۔ بچا ہو ، اور بیٹھے بیٹھائے یہ ایک جنجال پڑ گیا ۔ نہ کرو تو دنیا ہنسے اور کرو تو یہ کھٹکا لگا رہے کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ سب یہ سمجھتے ہے کہ وہ پنیا کو لوٹے لیتا ہے ۔ احسان تو کیا ہوگا الٹا کلنک لگتا ہے۔ اور ادھر بھولا کئی بار یاد دلا چکے ہیں کہ کہیں سگائی کا ڈول کرو ، اب کام نہیں چلتا ۔ سوبھا اس سے کئی بار کہہ چکا ہے کہ پنیا کا خیال اس کی طرف سے اچھا نہیں ہے ۔ نہ ہو پنیا کی گرستی تو اسے سنبھالنی ہی پڑے گی ، چاہے ہنس کر سنبھالے یا روکر ۔ دھنیا کا دل بھی ابھی تک صاف نہیں ہوا ۔ ابھی تک اس کے دل میں ملال بھرا ہوا ہے ۔ مجھے سب آدمیوں کے سامنے اسے مارنا نہ چاہیے تھا ۔ جس کے ساتھ پچیس سال بیت گئے اسے مارنا اور کل گاؤں کے سامنے مارنا میرا کمینہ پن تھا ۔ مگر دھنیا نے بھی میری آبرو اتارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی ۔

میرے سامنے سے کیسا کترا کر نکل جاتی جیسے کبھی کی جان پہچان ہی نہیں کوئی بات کہنی ہوتی تو سونا یا روپا سے کہلاتی ۔ دیکھتا ہوں کہ اس کی ساڑی پھٹ گئی ہے ۔ مگر کل مجھ سے کہا بھی تو سونا کی ساڑی کے لیے اپنی ساڑی کا نام تک نہ لیا ۔ سونا کی ساڑی دو ایک مہینے گانٹھ جوڑ کر چل سکتی ہے۔ اس کی ساڑی تو تھیگڑوں سے بالکل گڈری ہوگئی ہے ۔ اور پھر میں ہی کون اس کا من رکھ رہا ہوں ؟ اگر میں ہی اس کے من کی دوچار باتیں کرتا رہتا تو کون چھوٹا ہو جاتا ۔ یہی تو ہوتا ہے کہ وہ تھوڑا سا مناوَن کراتی ، دوچار لگنے والی باتیں سناتی ، تو کیا مجھے چوٹ لگ جاتی ؟ پھر میں بوڑھا ہوکر بھی الو بنا رہا ۔ وہ تو کہو اس بیماری نے اسے نرم کر دیا ، نہیں تو نہ جانے کب تک منھ پھلائے رہتی ۔

اور آج ان دونوں میں جو باتیں ہوئی تھیں وہ گویا بھوکے کے لیے غذا تھیں ۔ وہ دل سے بولی تھی اور ہوری مگن ہوگیا تھا۔ جی میں آیا کہ اس کے پیروں پر سر رکھ دے اور کہے ''میں نے تجھے مارا ہے تو لے میں بھی سر جھکائے دیتا ہوں جتنا چاہے مار لے ، جتنی گالیاں دینا چاہے دے لے ۔''

یکا یک اسے جھونپڑی کے سامنے چوڑیوں کی جھنکار سنائی دی ۔ اس نے کان لگا کر سنا ، ہاں کوئی ہے ۔ پٹواری کی لڑکی ہوگی یا چاہے پنڈت کی گھروالی ہو۔ مٹر اکھاڑنے آئی ہوگی، نہ جانے کیوں ان لوگوں کی نیت اتنی کھوٹی ہے ۔ سارے گاؤں سے اچھا پہنتے ہیں ، گھر میں ہجاروں روپے گڑے ہوئے ہیں ، لین دین کرتے ہیں ۔ ڈیڑھی سوائی چلاتے ہیں ؛ گھوس لیتے ہیں ، دستواری لیتے ہیں ایک نہ ایک معاملہ کھڑا کر کے اُسے بھی پیتے ہی رہتے ہیں ، پھر بھی نیت کا یہ حال ! باپ جیسا ہوگا ویسی ہی سنتان بھی ہوگی اور آپ نہیں آتے عورتوں کو بھیجتے ہیں ۔ ابھی اٹھ کر ہاتھ پکڑ لوں تو کیا پانی رہ جائے ؟ چھوٹا کہنے کو چھوٹا ہے پھر جو بڑا ہے اس کا جی تو اور بھی چھوٹا ہے ۔ عورت جات کا تو ہاتھ بھی نہیں پکڑتے بنتا ۔ آنکھوں دیکھ کر مکھی نگلنی پڑتی ہے ، اکھاڑ لے بھائی جتنا تیرا جی چاہے ۔ سمجھ لے میں نہیں ہوں ۔ بڑے لوگ اپنی لاج نہ رکھیں ، چھوٹوں کو تو ان کی لاج رکھنی ہی پڑتی ہے ۔

مگر نہیں ، یہ تو دھنیا ہے پکار رہی ہے ۔

دھنیا نے پکارا ''سو گئے کہ جاگتے ہو ۔''

ہوری جھپٹ کر اٹھا اور جھوپڑی کے باہر آیا ۔ آج معلوم ہوتا ہے کہ دیوی مگن ہوکر

اسے بردان دینے آئی ہے ، اس کے ساتھ ہی اس بادل بوندی اور جاڑے پالے میں اتنی رات گئے اس کا آنا اندیشے کی بات تھی ۔ ضرور کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہے ۔

بولا '' ٹھنڈ کے مارے نیند بھی آتی ہے ۔ تم اس جاڑے پالے میں کیسے آئیں ؟ سب کسل تو ہے ۔''

'' ہاں سب کسل ہے ۔''

'' گوبر کو بھیج کر مجھے کیوں نہیں بلوا لیا ۔''

دھنیا نے کوئی جواب نہ دیا ۔ جھونپڑی میں آکر پوال پر بیٹھتی ہوئی بولی '' گوبر نے منھ پر کالکھ لگادی ، اس کی کرنی کا کیا پوچھتے ہو؟ جس بات کو میں ڈرتی تھی وہی ہوکر رہی ۔''

'' کیا ہوا کیا ؟ کسی سے مار پیٹ کر بیٹھا ؟''

'' اب میں کیا جانوں ، کیا کر بیٹھا ؟ چل کر پوچھو اسی رانڈ سے !''

'' کس رانڈ سے ؟ کیا کہتی ہے تو ؟ بورا تو نہیں گئی ہے ؟''

'' ہاں بورا کیوں نہ جاؤں گی ، بات ہی ایسی ہوئی ہے کہ چھاتی دونی ہوجائے ۔''

ہوری کے دل میں روشنی کا ایک طویل خط کھنچ گیا ۔

'' صاف صاف کیوں نہیں کہتی ؟ کس رانڈ کو کہہ رہی ہے ؟''

'' اسی جھنیا کو اور کس کو !''

'' تو جھنیا کیا یہاں آئی ہے ؟''

'' اور کہاں جاتی ؟ پوچھتا کون ؟''

'' گوبر کیا گھر میں نہیں ہے ؟''

'' گوبر کا کہیں پتہ نہیں ، جانے کہاں بھاگ گیا ۔ اسے پانچ مہینے کا پیٹ ہے ۔''

ہوری سب کچھ سمجھ گیا ۔ گوبر کو بار بار اہیرن ٹولہ جاتے دیکھ کر وہ کھٹک گیا مگر اسے کھلاڑی نہ سمجھتا تھا ۔ نوجوانوں میں کچھ لگاوٹ ہوتی ہی ہے ، اس میں کوئی نئی بات نہیں مگر جس روئی کے گالے کو نیلے آسمان میں ہوا کے جھونکوں سے اڑتا دیکھ کر وہ صرف مسکرا دیا تھا ، وہی سارے آسمان میں پھیل کر اس کے راستے کو اتنا تاریک بنا دے گا ، یہ تو کوئی دیوتا بھی نہ جان سکتا تھا گوبر ایسا بد چلن ! وہ سیدھا سادا اور گنوار جسے وہ ابھی بچہ سمجھتا تھا ! مگر اسے بھوج پڑ جانے کی فکر نہ تھی ، پنچایت کا خوف نہ تھا ، جھنیا کیسے گھر میں رہے گی ، اس کی فکر

اسے نہ تھی ، اسے فکر تھی تو گوبر کی ۔ لڑکا شرمیلا ہے ، اناڑی ہے ، پانی دار ہے ، کہیں کوئی نادانی نہ کر بیٹھے ۔

گھبرا کر بولا '' جھنیا نے کچھ کہا نہیں کہ گوبر کہاں گیا ؟ اس سے تو کہہ کر ہی گیا ہوگا ۔''

دھنیا جھنجھلا کر بولی '' تمھاری اکل تو گھاس کھا گئی ہے ۔ اس کی چہیتی تو یہاں بیٹھی ہے وہ بھاگ کر جائے کہاں ؟ یہیں کہیں چھپا بیٹھا ہوگا دودھ تھوڑے ہی پیتا ہے کہ کھو جائے گا مجھے تو اس کل منہی جھنیا کی چنتا ہے کہ اسے کیا کروں ۔ اپنے گھر تو چھن بھر نہ رہنے دوں گی ۔ جس دن گائے لانے گیا ہے اسی دن سے دونوں میں تاک جھانک ہونے لگی تھی ۔ پیٹ نہ رہتا تو ابھی بات نہ کھلتی ۔ مگر پیٹ رہ گیا تو لگی جھنیا گھبرانے ۔ کہنے لگی کہ کہیں بھاگ چلو ۔ گوبر ٹالتا رہا ۔ ایک عورت کو ساتھ لے کر کہاں جائے ، کچھ نہ سوجھا ۔ پر جب آج وہ سر ہو گئی کہ مجھے یہاں سے لے چلو نہیں تو میں جان دے دوں گی ، تو بولا '' تو چل کر میرے گھر میں رہ کوئی کچھ نہ بولے گا ۔ میں اماں کو مناؤں گا تب یہ کل منہی اس کے ساتھ چل پڑی کچھ دور تو وہ آگے آگے آتا رہا پھر نہ جانے کدھر سرک گیا ۔ یہ کھڑی کھڑی اسے پکارتی رہی جب رات بھیگ گئی اور وہ نہ لوٹا تو یہ بھاگتی ہوئی یہاں چلی آئی ۔ میں نے کہہ دیا کہ جو کیا ہے اس کا پھل بھوگ ۔ ابھاگنی نے میرے لڑکے کو چوپٹ کر دیا ۔ تب سے بیٹھی رو رہی ہے ، اٹھتی ہی نہیں کہتی ہے ۔ اپنے گھر کس منہ سے جاؤں ؟ بھگوان ایسی سنتان سے تو بانجھ ہی رکھے تو اچھا ۔ سیرے ہوتے ہوتے سارے گاؤں میں کاؤں کاؤں مچ جائے گی ۔ ایسا جی ہوتا ہے کہ بس کھالوں ، میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ میں اپنے گھر نہ رکھوں گی ۔ گوبر کو رکھنا ہے تو اپنے سر پر رکھے ، میرے گھر میں ایسوں کے لیے جگہ نہیں اور اگر تم بیچ میں بولے تو یا تو تم رہو گے یا میں رہوں گی ۔''

ہوری بولا '' تجھ سے بنا نہیں ۔ اسے گھر میں آنے ہی نہ دینا چاہیے تھا ۔''

'' سب کچھ کہہ کر ہار گئی ٹلتی ہی نہیں ، دھرنا دیے بیٹھی ہے ۔''

'' اچھا چل دیکھو کیسے نہیں اٹھتی ۔ گھسیٹ کر باہر نکال دوں گا ۔''

'' داری جار بھولا سب کچھ دیکھ رہا تھا ۔ پر چپ ہی سادھے بیٹھا رہا ۔ باپ بھی ایسے بے حیا ہوتے ہیں ۔''

'' وہ کیا جانتا تھا کہ ان میں کیا کھچڑی پک رہی ہے ۔''

'' جانتا کیوں نہیں تھا ؟ گوبر رات دن گھیرے رہتا تھا تو کیا اس کی آنکھیں پھوٹ گئیں تھیں ؟ سوچنا چاہیے تھا کہ یہاں کیوں دوڑ دوڑ کر آتا ہے ۔''

'' چل میں جھنیا سے پوچھتا ہوں نا ۔''

دونوں جھونپڑی سے نکل کر گاؤں کی طرف چلے ۔ ہوری نے کہا '' پانچ گھڑی رات سے اوپر ہو گئی ہوگی ۔''

'' دھنیا بولی '' ہاں اور کیا ۔ مگر کیسا سوتا پڑ گیا ہے کہ کوئی چور آئے تو گاؤں بھر کر لوٹ کر لے جائے ۔''

'' چور ایسے گاؤں میں نہیں آتے ۔ امیروں کے گھر آتے ہیں ۔''

دھنیا نے ذرا رک کر ہوری کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی '' دیکھو سور نہ مچانا نہیں سارا گاؤں جاگ اٹھے گا اور بات پھیل جائے گی ۔''

'' ہوری نے سخت لہجے میں کہا ''میں کچھ نہیں جانتا ۔ ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لاؤں گا اور گاؤں کے باہر کر دوں گا ۔ بات تو ایک دن کھلنی ہے پھر آج ہی کیوں نہ کھل جائے ؟ وہ میرے گھر آئی کیوں ؟ جائے جہاں گوبر ہو۔ اس کے ساتھ کُکرم کیا تو کیا ہم سے پوچھ کر کیا تھا ۔''

'' دھنیا نے پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ سے کہا '' تم اس کا ہاتھ پکڑو گے تو چلائے گی ۔''

'' تو چلایا کرے ۔''

'' مُدا اتنی رات گئے اس اندھیرے ، سناٹے میں جائے گی کہاں ، یہ تو سوچو ۔''

'' جائے جہاں اس کے سگے ہوں ۔ ہمارے گھر میں اس کا کیا رکھا ہے ۔''

'' ہاں پر اتنی رات گئے گھر سے نکالنا ٹھیک نہیں ۔ پاؤں بھاری ہے کہیں ڈر ڈرا جائے تو اور آپھت ہو ۔ ایسی دسا میں کچھ کرتے دھرتے بھی تو نہیں بنتا ۔''

'' ہمیں کیا کرنا ہے ، مرے یا جیے ۔ جہاں چاہے جائے ۔ کیوں اپنے منہ میں کالکھ لگاؤں ؟ میں تو گوبر کو بھی نکال باہر کروں گا ۔''

دھنیا نے بہت متفکر ہو کر کہا '' کالکھ جو لگنی تھی وہ تو لگ گئی ۔ وہ تو اب جیتے جی نہیں چھوٹ سکتی ۔ گوبر نے ناؤ ڈبا دی ۔''

''گوبر نے نہیں ڈبائی ، ڈبائی اس نے ۔ وہ تو بچہ تھا اس کے پنجے میں آ گیا ۔''
''کسی نے ڈبائی ہو اب تو ڈوب گئی ۔''

'' دونوں دروازے کے سامنے پہنچ گئے ۔ دفعتاً دھنیا نے ہوری کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا۔'' دیکھو تمھیں میری سوگند ، اس پر ہاتھ نہ اٹھانا ۔ وہ تو آپ ہی رو رہی ہے ۔ بھاگ کی کھوٹی نہ ہوتی تو یہ دن کیوں آتا ۔''

ہوری کی آنکھیں نم ہو گئیں ۔ دھنیا کی یہ نسوانی محبت اس تاریکی میں بھی گویا چراغ کی طرح اس کی فکر مند صورت کو منور کر رہی تھی ۔ دونوں کے دل میں گویا گزرا ہوا شباب جاگ اٹھا تھا ۔ ہوری کو اس ڈھلی ہوئی عورت میں بھی وہی نرم و نازک دل والی لڑکی نظر آئی جو پچیس سال پہلے اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی ۔ اس گلے لگنے میں کتنا اتھاہ پریم تھا جو سارے کلنک ، ساری تکلیفوں اور سب ہی رواجی بندشوں کو اپنے اندر سمیٹے لیتا تھا ۔

دونوں نے دروازے پر آ کر کواڑ کی درازوں سے اندر جھانکا ۔ ڈیوٹ پر تیل کی کپی جل رہی تھی اور اس کی دھندلی روشنی میں جھنیا گھٹنے پر سر رکھے ، دروازے کی طرف منھ کیے ، اندھیرے میں اس خوشی کو تلاش کر رہی تھی جو ابھی ایک لمحہ قبل اپنا دل فریب جلوہ دکھا کر غائب ہو گئی تھی ۔ وہ آفت کی ماری طنز کے تیروں سے زخمی اور زندگی کے صدموں سے پریشان کسی پیڑ کی چھاؤں کھوجتی پھرتی تھی اور اسے ایک مکان بھی مل گیا تھا ، جس کی پناہ میں وہ خود کو محفوظ و مسرور سمجھ رہی ہے مگر آج وہ مکان اپنے سارے سکھ کا ساز و سامان لیے ہوئے الہ دین کے شاہی محل کی طرح غائب ہو گیا تھا اور مستقبل ایک خوفناک دیو کی طرح اسے نگل جانے کو کھڑا تھا ۔

دفعتاً دروازہ کھلتے اور ہوری کو آتے دیکھ کر وہ خوف سے کانپتی ہوئی اٹھی اور ہوری کے قدموں پر گر کر روتی ہوئی بولی '' دادا اب تمھارے سوائے مجھے دوسرا ٹھور نہیں ہے ۔ چاہے مارو چاہے کاٹو ، مگر اپنے دوارے سے دُر دُراؤ مت !''

ہوری نے جھک کر پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا ۔'' ڈر مت بیٹی ، ڈر مت ، تیرا گھر ہے ، تیرا دوار ہے ، تیرے ہم ہیں ۔ آرام سے رہ جیسی تو بھولا کی بیٹی ہے ویسی ہی میری بیٹی ہے ۔ جب تک ہم جیتے ہیں کسی بات کا کھٹکا مت کر ہمارے رہتے کوئی تجھے ٹیڑھی آنکھ سے نہ دیکھ سکے گا ۔ برادری کو بھوج جو لگے گا وہ ہم سب دے دیں گے ۔ تیرے لیے

کوئی چنتا کی بات نہیں ۔"

جھنیا یہ دلاسا پاکر اور بھی ہوری کے قدموں سے لپٹ گئی اور بولی " دادا اب تم ہی میرے باپ ہو ، اور اماں ! تم ہی میری ماں ہو ۔ میں اناتھ ہوں ۔ مجھے سرن دو ۔ نہیں تو میرے کاکا اور بھائی مجھے کچا کھا جائیں گے ۔"

دھنیا رقّت کے جوش کو اب نہ روک سکی ۔ بولی " تو چل گھر میں بیٹھ ، میں دیکھ لوں گی کاکا اور بھیا کو ۔ سنسار میں ان کا راج نہیں ہے ۔ بہت کریں گے اپنے گہنے لے لیں گے ۔ پھینک دینا اتار کر !"

ابھی ذرا دیر پہلے دھنیا نے غصے کے جوش میں جھنیا کو ابھاگنی ، کلنکن اور کل منہی ، نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالا تھا ۔ جھاڑو مار کر گھر سے نکالنے جارہی تھی ، اب جو جھنیا نے محبت ، عفو اور تسکین سے بھرے یہ کلمے سنے تو ہوری کے پاؤں چھوڑ کر دھنیا کے پاؤں سے لپٹ گئی اور وہی پاک باز عورت جس نے ہوری کے سوا کسی مرد کو آنکھ بھر کر دیکھا بھی نہ تھا، اس پاپی جھنیا کو گلے لگائے اس کے آنسوں پونچھ رہی تھی اور اس کے دبے ہوئے دل کو اپنی ملائم باتوں سے تسلی دے رہی تھی ، جیسے کوئی چڑیا اپنے بچوں کو پروں میں چھپائے بیٹھی ہو !"

ہوری نے دھنیا کو اشارہ کیا کہ اسے کچھ کھلا پلا دے اور جھنیا سے پوچھا ۔" کیوں بیٹی تجھے کچھ معلوم ہے کہ گوبر کدھر گیا ہے ؟"

جھنیا نے سسکتے ہوئے کہا " مجھ سے تو کچھ نہیں کہا ۔ میرے کارن تمھارے اوپر............" یہ کہتے کہتے اس کی آواز آنسوؤں سے رک گئی ۔

ہوری اپنی بے چینی نہ چھپا سکا ۔

" جب تو نے آج اسے دیکھا وہ کچھ دکھی تھا ؟"

" باتیں تو ہنس ہنس کے کررہے تھے ۔ من کا حال رام جانے ۔"

" تیرا من کیا کہتا ہے ؟ ہے گاؤں ہی میں کہ کہیں باہر چلا گیا ؟"

" مجھے تو شک ہوتا ہے کہ کہیں باہر چلے گئے ہیں ۔"

" یہی میرا من بھی کہتا ہے ۔ کیسی نادانی کی ۔ ہم اس کے بیری تھوڑے ہی تھے ۔ جب بھلی یا بری ایک بات ہو گئی تو اسے نباہنا پڑتا ہے ۔ اس طرح بھاگ کر تو اس نے ہماری جان سنکٹ میں ڈال دی ۔"

دھنیا نے جھنیا کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہوئے کہا۔" منھ چور کہیں کا! جس کی بانہہ پکڑی اس کا نباہ کرنا چاہیے کہ منھ میں کالکھ پوت کر بھاگ جانا چاہیے؟ اب تو آوے تو گھر میں گھسنے نہ دوں۔"

ہوری وہیں پوال پر لیٹا۔ گوبر کہاں گیا؟ یہ سوال اس کے دل کے آسمان میں کسی پرند کی طرح منڈلانے لگا۔

۱۱

ایسے غیر معمولی واقعہ پر گاؤں میں جو کچھ ہل چل مچنا چاہیے تھی وہ مچی اور مہینوں تک مچتی رہی ۔ جھنیا کے دونوں بھائی لاٹھیاں لے کر گوبر کو کھوجتے پھرتے تھے ۔ بھولا نے قسم کھائی کی نہ تو جھنیا کا منھ دیکھیں گے نہ اس گاؤں گا ۔ ہوری سے انھوں نے اپنی بیاہ کی جو بات چیت کی تھی وہ اب بند ہو گئی تھی ۔ اب وہ اپنی گائے کے روپے لیں گے اور نقد ، اور اس میں دیر ہوئی تو ہوری پر دعوی کر کے اس کا گھر بار نیلام کرالیں گے ۔ گاؤں والوں نے ہوری کو برادری سے خارج کر دیا ۔ کوئی اس کا حقہ نہیں پیتا ، نہ اس کے گھر کا پانی پیتا۔ کنوئیں سے پانی بند کر دینے کی کچھ بات چیت تھی مگر دھنیا کا غصہ سب دیکھ چکے تھے ۔ بس کسی کو آگے آنے کی ہمت نہ پڑی ۔ دھنیا نے سب کو سنا سنا کر کہہ دیا کہ کسی نے اسے پانی بھرنے سے روکا تو اس کا اور اپنا خون ایک کر دوں گی ۔

اس للکار نے سبھی کے پتّے پانی کر دیے ۔ سب سے دکھی ہے جھنیا جس کے سبب یہ سارا ہنگامہ ہو رہا ہے ۔ اور گوبر کی کوئی کھوج خبر نہ ملنا اس دکھ کو اور بھی بڑھائے دیتا ہے ، تمام دن منھ چھپائے گھر میں پڑی رہتی ہے ۔ باہر نکلے تو چاروں طرف سے طنزیہ تیروں کی بارش ہوتی ہے کہ جان بچانا مشکل ہو جاتا ہے ۔ دن بھر گھر کا کام دھندا کرتی رہتی ہے اور جب فراغت پاتی ہے تو رو لیتی ہے ۔ ہر وقت تھر تھر کانپتی رہتی ہے کہ دھنیا کہیں کچھ کہہ نہ بیٹھے ۔صرف کھانا نہیں پکا سکتی کیونکہ اس کے ہاتھ کا کوئی کھائے گا نہیں ، باقی سارا کام اس نے اپنے اوپر لے لیا ہے ۔ گاؤں میں جہاں چار عورت مرد جمع ہو جاتے ہیں یہی تذکرہ ہونے لگتا ہے ۔

ایک دن دھنیا بازار سے چلی آ رہی تھی کہ راستے میں پنڈت داتا دین مل گئے ۔ دھنیا نے سر نیچا کر لیا اور چاہتی تھی کہ کترا کر نکل جائے مگر پنڈت داتا دین جی چھیڑ کا موقع پا کر کہاں چوکنے والے تھے ، چھیڑ ہی تو بیٹھے ۔'' گوبر کا کچھ پتہ سندیسا ملا کہ نہیں ؟ ایسا کپوت نکلا کے گھر کی ساری مرجاد بگاڑ دی ۔''

دھنیا کے دل میں خود ہی خیال آتا رہتا تھا۔ اداس من سے بولی'' برے دن آتے ہیں بابا، تو آدمی کی مت ماری جاتی ہے، اور کیا کہوں۔''

داتا دین بولے'' تمھیں اس پابن کو گھر میں نہ رکھنا چاہیے تھا۔ دودھ میں مکھی پڑجاتی ہے تو آدمی اسے نکال کر پھینک دیتا ہے اور دودھ پی جاتا ہے سوچو، کتنی بدنامی اور جگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ کلمُہی گھر میں نہ رہتی تو کچھ نہ ہوتا۔ لڑکوں سے اس طرح کی بھول چوک ہوتی ہی رہتی ہے۔ جب تک برادری کو بھوج نہ دوگی اور برہمنوں کو نہ کھلاؤ گی تب تک کیسے اُدّھار ہوگا۔ اسے گھر میں نہ رکھتے تو کچھ نہ ہوتا۔ ہوری تو پاگل ہے ہی۔ پر تو کیسے دھوکا کھا گئی۔''

'' داتا دین کا لڑکا ماتا دین ایک چماری سے آشنائی کیے ہوئے تھا۔ اسے سارا گاؤں جانتا تھا۔ مگر وہ تلک لگاتا تھا، پوتھی پترا پڑھتا تھا، کتھا، بھاگوت کہتا تھا اور پروہتی کا کام کرتا تھا۔ اس کے وقار میں ذرا بھی کمی نہ تھی۔ وہ روزانہ اشنان پوجا کرکے اپنے گناہوں کا کفارہ کر دیتا تھا۔ دھنیا جانتی تھی کہ جھنیا کو گھر میں رکھنے ہی سے یہ ساری بلا آئی ہے۔ اسے نا جانے کیسے دیا آ گئی ورنہ اسی رات جھنیا کو نکال دیتی تو کیوں اتنی بدنامی ہوتی۔ مگر یہ خوف بھی تو تھا تب اس کے لیے کنواں تالاب کے سوا اور ٹھکانا کہاں تھا؟ ایک نہیں بلکہ دو جانوں کی قیمت دے کر وہ اپنے مرجاد کو کیسے بچاتی؟ پھر جھنیا کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ دھنیا ہی کے کلیجہ کا ٹکڑا ہے۔ ہنسی کے ڈر سے اس کی جان کیسے لے لیتی؟ اور پھر جھنیا کی بے کسی اور عاجزی بھی تو اسے متاثر کرتی رہی تھی اور اس کے پیر دھلانے لگتی، اس کا غصہ پانی ہوجاتا۔ بیچاری لاج اور دکھ سے آپ ہی دبی ہوئی تھی اسے اور کیا دبائے؟ مرے کو اور کیا مارے؟

اس نے تند لہجے میں کہا'' ہم کو گھرانے کی مرجاد اتنی پیاری نہیں ہے مہراج! کہ اس کے پیچھے ایک جیو کی ہتیا کر ڈالتے۔ بیاہتا نہ سہی، پر اس کی ہاتھ کی باہنہ تو پکڑی ہے میرے ہی بیٹے نے۔ کس منھ سے نکال دیتی؟ وہی کام بڑے بڑے کرتے ہیں تو ان کی مرجاد دھو جاتی ہے، ناک کٹ جاتی ہے۔ بڑے آدمیوں کو اپنی ناک دوسروں کی جان سے پیاری ہوگی، ہمیں تو اپنی ناک اتنی پیاری نہیں۔''

داتا دین ہار ماننے والے جیو نہ تھے۔ وہ دس گاؤں کے نارد تھے۔ یہاں، وہاں اور وہاں کی یہاں لگانا ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ وہ چوری تو نہ کرتے تھے۔ اس میں جان جھوکم

کامعاملہ تھا۔ مگر چوری کے مال میں حصہ لینے کے وقت ضرور پہنچ جاتے تھے ۔ کہیں پیٹھ میں ڈھول نہ لگنے دیتے تھے ۔ زمیندار کو آج تک لگان کی ایک پائی نہ دی تھی ۔، قرقی آتی تو کنوئیں میں گرنے چلتے ، نو کھے رام کے کیے دھرے کچھ نہ بنتا ۔ مگر آسامیوں کو سود پر قرض دیتے تھے ۔ کسی عورت کو کوئی زیور بنوانا ہے تو داتا دین اس کی خدمت کے لیے حاضر ہیں ۔

شادی بیاہ طے کرنے میں انھیں بڑا لطف آتا تھا ۔ نیک نامی بھی ملتی ہے اور دکشنا بھی ۔ بیماری میں علاج معالجے بھی کرتے ہیں اور جھاڑ پھونک میں بھی ۔ جیسی مریض کی مرضی ہو اور صحبت یافتہ ایسے ہیں کہ جوانوں میں جوان بن جاتے ہیں اور بچوں میں بچے اور بوڑھیوں میں بوڑھے ۔ چور کے بھی ساتھی ہیں اور شاہ کے بھی ۔ گاؤں میں کسی کو ان پر اعتبار نہیں ہے ۔ مگر ان کی باتوں میں کچھ ایسی کشش ہے کہ لوگ بار بار دھوکا کھا کر بھی ان ہی کی پناہ لیتے ہیں ۔

سر اور داڑھی ہلا کر بولے ۔" یہ تو ٹھیک کہتی ہے دھنیا ! دھر ماتما لوگوں کا یہی دھرم ہے پر سماجی رواج کا نباہ تو کرنا ہی پڑتا ہے ۔

اسی طرح پٹیشوری لالا نے ہوری کو چھیڑا ۔ وہ گاؤں میں دھرماتما مشہور تھے ۔ پورنماشی کو ہمیشہ ست نارائن کی کتھا سنتے تھے ۔ مگر پٹورای ہونے کی وجہ سے اپنے کھیت بیگار میں جتواتے تھے ، بیگار میں سینچواتے تھے اور آسامیوں کو آپس میں لڑا کر رقمیں مارتے تھے ۔ سارا گاؤں ان سے کانپتا تھا ۔ غریبوں کو دس دس پانچ پانچ روپے دے کر انھوں نے کئی ہزار بنا لیے تھے ۔ فصل کی چیزیں اسامیوں سے لے کر کچہری اور تھانہ کے عملوں کو بھینٹ کرتے رہتے تھے ۔ اس سے کل علاقے میں ان کی اچھی دھاگ تھی ۔ اگر کوئی ان کے ہتے نہ چڑھا تو داروغہ گھنڈا سنگھ تھے جو حال ہی میں اس علاقے میں تعینات ہو کر آئے تھے ۔ پر اپکاری بھی تھے ۔ بخار کے دنوں میں سرکاری کونین تقسیم کرتے تھے ، کوئی بیمار ہوتو اس سے خیر وعافیت پوچھنے ضرور جاتے تھے ۔ چھوٹے موٹے جھگڑے آپس ہی میں طے کرا دیتے تھے ۔ شادیوں میں پالکی ، قالین اور محفل کا سامان منگنی دے کر لوگوں کا کام نکال دیتے تھے ۔ یہ سب کرتے ہوئے بھی موقع پر نہ چوکتے تھے مگر جس کا کھاتے تھے اسی کا گاتے بھی تھے ۔ بولے" یہ تم نے کیا روگ پال لیا ہے ہوری ؟"

ہوری نے پیچھے پھر کر پوچھا" تم نے کیا کہا لالا ؟ میں نے سنا نہیں ۔"

،، پٹیشوری پیچھے سے قدم بڑھاتے ہوئے آگے آکر بولے۔" کہہ رہا تھا کہ دھنیا کے ساتھ تمھاری عقل بھی گھاس کھا گئی ہے ؟ جھنیا کو کیوں نہیں اس کے باپ کے یہاں بھیج دیتے؟ ناحق اپنی ہنسی کرا رہے ہو۔ نہ جانے کس کا بچہ لے کر آئی ہے اور تم نے گھر میں رکھ لیا ہے۔ ابھی تمھاری دو لڑکیاں بیاہنے کو بیٹھی ہوئی ہیں۔ سوچو، کیسے بیڑا پار ہوگا۔"

ہوری اس طرح کی نکتہ چینی اور خیر خواہی کی باتیں سنتے سنتے پک گیا تھا، بولا "میں یہ سب سمجھتا ہوں لالا پر تمھیں بتاؤ کروں کیا ؟ میں جھنیا کو نکال دوں تو بھولا اسے رکھ لیں گے؟ اگر وہ راجی ہوں تو آج میں اسے ان کے گھر پہنچا دوں۔ اگر تم انھیں منا لو تو جنم بھر تمھارا اپکار مانوں۔ مگر وہاں تو ان کے دونوں لڑکے ہتیا پر اتارو ہیں، پھر میں اسے کیسے نکال دوں۔ ایک تو نالا یک آدمی ملا کہ اس کی بانہہ پکڑ کر دگا دے گیا، اب میں بھی نکال دوں گا تو وہ کہیں محنت مجوری بھی تو نہ کر سکے گی۔ کہیں جا کر ڈوب مری تو کیسے پاپ لگے گا ؟ رہے لڑکیوں کے بیاہ سو بھگوان مالک ہیں۔ جب اس کا سمے آوے گا تب کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آوے گی۔ لڑکی تو ہماری برادری میں آج تک کبھی کنواری نہیں رہی۔ برادری کے ڈر میں ہتیارے کا کام نہیں کر سکتا۔"

ہوری منکسر مزاج شخص تھا۔ ہمیشہ سر جھکائے چلتا اور چار باتیں برداشت کر لیتا تھا۔ ہیرا کے علاوہ گاؤں میں کوئی اور اس کا بد خواہ نہ تھا۔ مگر سماج اتنا بڑا انرتھ کیسے سہہ لے؟ اور اس کی سرکشی تو دیکھو کہ سمجھانے پر بھی نہیں سمجھتا۔ عورت مرد دونوں جیسے سماج کو چیلنج دے رہے ہیں کہ دیکھیں ہمارا کوئی کیا کیے لیتا ہے، تو سماج بھی دکھا دے گا کہ اسے کچھ نہ سمجھنے والے لوگ سکھ کی نیند نہیں سو سکتے۔

اس رات کو اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے گاؤں کے لیڈروں کی نشست ہوئی۔

داتا دین بولے" میری عادت کسی کی برائی کرنے کی نہیں ہے۔ سنسار میں کیا کیا ککرم نہیں ہوتا۔ مجھ سے کیا مطلب ؟ مگر یہ رانڈ دھنیا تو مجھ سے لڑنے پر تل گئی۔ بھائیوں کا حصہ دبا کر ہاتھ میں چار پیسے ہوگئے تو اب کچال کے سوا اور کیا سوجھے گا ؟ نیچ جات جہاں پیٹ بھر روٹی کھائی اور ٹیڑھے چلے ! اسی سے ساستروں میں کہا ہے کہ نیچ ذات لتیائے بھلا۔"

پٹیشوری نے ناریل کا کش لگاتے ہوئے کہا" یہ تو ان میں برائی ہے کہ جہاں چار پیسے دیکھے اور آنکھیں بدلیں۔ آج تو ہوری نے ایسی ہیکڑی جتائی کہ میں اپنا منھ لے کر رہ گیا۔ نہ

جانے اپنے کو کیا سمجھتا ہے ۔ اب سوچو، اس بدکاری کا گاؤں میں کیا نتیجہ ہوگا ۔ جھنیا کو دیکھ کر دوسری بدھواؤں کا من بڑھے گا کہ نہیں ؟ آج بھولا کے گھر میں یہ بات ہوئی ہے ، کل ہمارے تمھارے گھر میں ہوگی ۔ سماج تو ڈر کے بل سے چلتا ہے ۔ آج سماج کا آنکس جاتا رہے تو پھر دیکھو سنسار میں کیسا کیسا اُنرتھ ہونے لگتے ہیں ۔"

جھنگری سنگھ دو بیویوں کے شوہر تھے ۔ پہلی بیوی ، پانچ لڑکے لڑکیاں چھوڑ کر مری تھی ۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً پینتالیس سال تھی ۔ مگر آپ نے دوسری شادی کی اور جب اس سے اولاد نہ وہوئی تو تیسرا بیاہ کر ڈالا ۔ اب ان کی عمر پچاس سال تھی اور دو جوان بیویاں گھر میں بیٹھی ہوئی تھیں ۔ ان دونوں کے بارے میں طرح طرح کی باتیں پھیل رہی تھی ، مگر ٹھاکر صاحب کے ڈر سے کوئی کچھ نہ کہہ سکتا تھا ۔ اور کہنے کی گنجائش بھی تو ہو ۔ شوہر کی آڑ میں سب کچھ جائز ہے ۔ مصیبت تو اسے ہے جس کی کوئی آڑ نہیں ۔ ٹھاکر صاحب عورتوں کی سخت سے نگرانی رکھتے تھے اور انھیں غرور تھا کہ اِن کی بیویوں کا گھونگھٹ تک بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا ۔ مگر گھونگھٹ کے پردے میں کیا ہوتا ہے اس کی انھیں کیا خبر؟

بولے" ایسی عورت کا تو سر کاٹ لے ۔ ہوری نے اس رنڈی کو گھر میں رکھ کر سماج میں بِس بویا ہے ۔ ایسے آدمیوں کو گاؤں میں رہنے دینا گاؤں بھر کو بھرشٹ کرنا ہے ۔ رائے صاحب کو اس کی اطلاع دینی چاہیے کہ اگر گاؤں میں یہ اُنرتھ چلا تو کسی کی آبرو، سلامت نہ رہی گی ۔"

پنڈت نوکھے رام کارکن بڑے اعلی درجے کے برہمن تھے ۔ ان کے دادا کسی راجا کے دیوان تھے مگر اپنا سب کچھ بھگوان کے چرنوں پر چڑھا کر سادھو ہو گئے تھے ۔ ان کے باپ نے بھی رام کی بھگتی میں زندگی کاٹ دی تھی ۔ نوکھے رام نے بھی وہی بھگتی ترکہ میں پائی تھی ۔ علی الصباح پوجا پر بیٹھ جاتے اور دس بجے تک بیٹھے ہوئے رام نام جپا کرتے تھے ۔ مگر بھگوان کے سامنے سے اٹھتے ہی ان کی فطرت اس رکاوٹ سے بگڑ کر ان کے دل ، قول اور عمل سبھی کو زہر آلود بنا دیتی تھی ۔ اس تجویز میں ان کی اختیارات کی توہین تھی ۔ پھولے ہوئے گالوں میں دھنسی ہوئی آنکھیں نکال کر بولے" اس میں رائے صاحب سے کیا پوچھنا ہے ؟ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں ۔ لگا دو سو روپے تاوان ، آپ گاؤں چھوڑ بھاگے گا ۔ ادھر میں بید کھلی بھی دائر کیے دیتا ہوں ۔"

''پٹیشوری نے کہا ۔'' مگر لگان تو ادا کر چکا ہے ۔''

جھنگری سنگھ نے تائید کی ۔'' ہاں لگان ہی کے لیے تو ہم سے تیس روپے لیے ہیں۔''

نوکھے رام نے گھمنڈ سے کہا ۔'' لیکن ابھی رسید تو نہیں دی ۔ ثبوت کیا ہے کہ ابھی لگان ادا کر دیا ہے ؟''

اتفاق رائے سے یہی طے ہوا کہ ہوری پر سو روپے جرمانہ کیا جائے ۔ صرف ایک دن گاؤں کے آدمیوں کو جمع کر کے ان کی منظوری لے لینے کا ناٹک ہونا ضروری تھا ۔ ممکن ہے کہ اس میں دس پانچ روز کی دیر ہو جاتی مگر آج ہی رات کو جھنیا کے لڑکا پیدا ہوا اور دوسرے ہی روز گاؤں والوں کی پنچایت بیٹھ گئی ۔ ہوری اور دھنیا دونوں ہی اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے بلائے گئے ۔ چوپال میں اتنی بھیڑ تھی کہ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی ۔ پنچایت نے فیصلہ کیا کہ ہوری پر سو روپے نقد اور تیس من غلے کا تاوان عائد کیا جائے ۔

دھنیا بھری سبھا میں بھرے ہوئے گلے سے بولی '' پنچو ! گریب کو ستا کر سکھ نہ پاؤ گے اتنا سمجھ لینا ۔ ہم تو مٹ جائیں گے ، کون جانے اس گاؤں میں رہے نہ رہیں ، مگر میرا سراپ تم کو بھی جرور سے جرور لگے گا ۔ مجھ پر اتنا کڑا ڈنڈ اس لیے کیا جا رہا ہے کہ میں نے اپنی بہو کو اپنے گھر میں کیوں رکھا ۔ کیوں اسے گھر سے نکال کر سڑک کی بھکارن نہیں بنا دیا ، یہی نیاؤ ہے ، ایں ۔''

پٹیشوری لالا بولے ۔'' وہ تیری بہو ہے کہ ہرجائی ؟''

ہوری نے دھنیا کو ڈانٹا ۔'' تو کیوں بولتی ہے دھنیا ؟ پنچ میں پرمیسر رہتے ہیں ۔ ان کا جو نیائے ہے وہی میرے سر آنکھوں پر ۔ اگر بھگوان کی یہی مرجی کہ ہم گاؤں چھوڑ کر بھاگ جائیں تو ہمارا کیا بس ؟ پنچو ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ کھلیان میں ہے ، ایک دانہ بھی گھر نہیں آیا ۔ جتنا چاہو لے لو ۔ سب لینا چاہو تو لے لو ، ہمارا بھگوان مالک ہے ۔ جتنی کمی پڑے اس میں ہمارے بیل لے لینا ۔''

دھنیا دانت پیس کر بولی ۔'' میں نہ ایک دانہ اناج دوں گی اور نہ ایک کوڑی ۔ جس میں بوتا ہو چل کر مجھ سے لے لے ۔ اچھی دل لگی ہے ۔ سوچا ہوگا کہ ڈنڈ کے بہانے اس کی سب جیجات لے لو اور نجرانہ لے کر دوسروں کو دے دو ۔ باگ بگیچا بیچ کر مجے سے تر مال اڑاؤ ۔ دھنیا کے جیتے جی یہ نہیں ہونے کا ، اور تمھاری لالسا (خواہش) تمھارے من ہی میں رہے

گی۔ ہمیں نہیں رہنا ہے برادری میں ۔ برادری میں رہ کر ہماری ٹکتی نہ ہو جائے گی۔ اب بھی اپنے پسینے کی کمائی کھاتے ہیں تب بھی اپنے پسینے کی کمائی کھائیں گے۔"

ہوری نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا۔" دھنیا تیرے پیروں پڑتا ہوں، تو چپ رہ! ہم سب برادری کے چاکر ہیں ، اس کے باہر نہیں جاسکتے ۔ وہ جو ڈنڈ لگاتی ہے اسے سر جھکا کر مان لے ۔ نکّو بن کر جینے سے تو گلے میں پھانسی لگا لینا اچھا ہے۔ آج مر جائیں تو برادری ہی تو اس مٹی کو پار لگا دے گی ۔ برادری ہی تارے گی تو تریں گے ۔ پنچو مجھے اپنے جوان بیٹے کا منھ دیکھنا نصیب نہ ہو اگر میرے پاس کھلیان کے اناج کے سوائے اور کوئی جنس ہو ۔ میں برادری کو دھوکا نہ دوں گا۔ پنچوں کو میرے بال بچوں پر ترس آوے تو ان کی کچھ پرورس کریں ۔نہیں مجھے تو ان کا حکم ماننا ہے۔"

دھنیا جھلا کر وہاں سے چلی گئی اور ہوری پہر رات گئے تک کھلیان سے اناج ڈھو ڈھوکر جھنگری سنگھ کی چوپال میں ڈھیر کرتا رہا۔ بیس من جَو تھا۔ پانچ من گیہوں اور اتنا ہی مٹر۔ تھوڑا سا چنا اور کچھ تلہن بھی تھا اکیلا آدمی اور دو گرستیوں کا بوجھ ! یہ جو کچھ ہوا وہ دھنیا کی محنت سے ہوا ۔ جھنیا اندر کا سارا کام کر لیتی تھی اور دھنیا اپنی لڑکیوں کے ساتھ کھیتی میں لگ گئی تھی۔ دونوں نے سوچا تھا کہ گیہوں اور تلہن سے لگان کی ایک قسط ادا ہو جائے گی اور ہوسکا تو تھوڑا تھوڑا سود بھی دے دیں گے ۔ جُو کھانے کے کام آئے گا۔ جیسے تیسے پانچ چھ مہینے کٹ جائیں تب تک جوار ، باجرا ، مکا ، دھان کے دن آجائیں گے ۔ وہ ساری امید مٹی میں مل گئی ۔ اناج تو ہاتھ سے گیا ہی ،سوروپے کی گٹھری اور سر پر لد گئی ۔ اب کھانے کا کہیں ٹھکانہ نہیں اور گوبر کا کیا حال ہوا رام جانے ! اگر دل اتنا کچا تھا تو ایسا کام ہی کیوں کیا ؟ مگر ہونہار کو کون ٹال سکتا ہے ؟ برادری کا وہ خوف تھا کہ اپنے سر پر اناج ڈھو رہا تھا گویا اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود رہا ہو ۔ زمیندار ، ساہوکار ، سرکار ، کس کا اتنا رعب تھا ؟ کل بال بچے کیا کھائیں گے ، یہ فکر روح کو خشک کیے دیتی تھی ۔ مگر برادری کا خوف بھوت کی طرح سر پر سوار ہوکر کوڑے لگا رہا تھا ۔ برادری سے الگ رہ کر جینے کا تو وہ خیال ہی نہ کرسکتا تھا ۔ شادی، بیاہ، مونڈن ، چھیدن ، جینا ، مرنا سب کچھ برادری کے ہاتھ میں ہے ۔ برادری اس کی زندگی میں پیڑ کی طرح جڑ جمائے ہوئے تھی اور اس کے رگ وریشہ میں پیوست ہو رہی تھی ۔ برادری سے نکل کر اس کی زندگی کا جامہ تار تار ہو جائے گا۔

جب کھلیان میں صرف ڈیڑھ دو من جو اور رہ گیا تو دھنیا نے دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔'' اچھا اب رہنے دو ! ڈھو تو چکے برادری کی لاج اب بچوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ دو گے کہ سب برادری کی ہی بھاڑ میں جھونک دو گے ؟ میں تم سے ہار جاتی ہوں ۔ میرے بھاگ میں تمھیں جیسے مورکھ کا ساتھ بدا تھا ۔ ،،

ہوری نے اپنا ہاتھ چھڑا کر ٹوکری میں باقی غلہ بھرتے ہوئے کہا۔'' یہ نہ ہوگا دھنیا پنچوں کی آنکھ بچا کر ایک دانہ بھی رکھ لینا میرے لیے حرام ہے ۔ میں لے جا کر سب کا سب وہاں ڈھیر کیے دیتا ہو ۔ پھر پنچوں کے من میں دیا اپجے گی تو کچھ میرے بال بچوں کے لیے دے دیں گے ،نہیں بھگوان مالک ہیں ۔''

دھنیا تلملا کر بولی یہ پنچ نہیں ہے راچھس ہیں ۔ پکے اور پورے راچھس ؟ یہ سب ہماری جگہ جمین چھین کر مال مارنا چاہتے ہیں ۔ ڈانڑ باندھ کا تو بہانہ ہے ۔ سمجھاتی جاتی ہوں پر تمھاری آنکھیں نہیں کھلتیں ۔تم ان راچھسوں سے دیا کا آسرا رکھتے ہو۔ سوچتے ہو کہ دس پانچ من تمھیں دے دیں گے منھ دھو رکھو !''

جب ہوری نہ مانا اور ٹوکری سر پہ رکھنے لگا تو دھنیا نے دونوں ہاتھوں سے پوری طاقت کے ساتھ ٹوکری پکڑی اور بولی ۔'' اسے تو میں نہ لے جانے دوں گی چاہے تم میری جان ہی لے لو ۔ مر مر کے ہم نے کمایا ، پہر رات تک گئے ہم نے سینچا ، تو اسی لیے کہ پنچ لوگ مونچھوں پر تاؤ دے کر بھوگ لگا ویں اور ہمارے بچے دانے دانے کو ترسیں ؟ تم نے اکیلے ہی تو سب کچھ نہیں کر لیا ہے ، میں بھی اپنی لڑکیوں کے ساتھ ستی ہوئی ہوں ۔ سیدھے سے ٹوکری یہیں رکھ دو۔ نہیں آج سدا کے لیے ناتا ٹوٹ جائے گا ۔ کہے دیتی ہوں ۔''

ہوری سوچ بچار میں پڑ گیا ۔ دھنیا کا کہنا سچ تھا ۔ اسے اپنے بال بچوں کی کمائی چھین کر تاوان دینے کا کیا حق ہے ؟ وہ گھر کا مالک اس لیے ہے کہ سب کو پالے پوسے اس لیے نہیں کہ ان کی کمائی چھین کر برادری کی نظر میں سرخرو بنے ۔ ٹوکری اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ۔ آہستہ سے بولا ۔'' تو ٹھیک کہتی ہے دھنیا ۔ دوسرے کے حصے پر میرا کوئی بس نہیں ہے۔ جو کچھ بچا ہے وہ لے جا ۔ میں جا کر پنچوں سے کہے دیتا ہوں ۔''

دھنیا اناج کی ٹوکری گھر میں رکھ کر اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ پوتے کی پیدائش کی خوشی میں گلا پھاڑ پھاڑ کر سوہر گا رہی تھی کہ سارا گاؤں سن لے ۔ آج یہ پہلا موقع تھا کہ

ایسے مبارک وقت میں برادری کی کوئی عورت وہاں نہ تھی ۔ زچہ خانے سے جھنیا نے کہلا بھیجا تھا کہ سوہر گانے کا کام نہیں ہے مگر دھنیا کب ماننے لگی ؟ اگر برادری کو اس کی پرواہ نہیں تو وہ بھی برادری کی پرواہ نہیں کرتی ۔

اسی وقت ہوری اپنے گھر کو اسّی روپے پر جھنگری سنگھ کے یہاں رہن کر رہا تھا تاوان کے روپے کا اس کے سوا اور کوئی بندوبست نہ کر سکتا تھا ۔ بیس روپے تلہن ، گیہوں اور مٹر سے مل گئے باقی کے لیے گھر لکھنا پڑا ۔ نوکھے رام تو چاہتے تھے کہ بیل بکوالیے جائیں ۔ لیکن پٹیشوری اور داتادین نے اس کی مخالفت کی ۔ بیل بک گئے تو ہوری کھیتی کیسے کرے گا ؟ برادری اس کی جائداد سے روپے وصول کرے مگر ایسے تو نہ کرے کہ وہ گاؤں چھوڑ کر بھاگ جائے ۔ بس اس طرح بیل بچ گئے ۔

ہوری رہن نامہ لکھ کر کوئی گیارہ بجے رات کو گھر آیا تو دھنیا نے پوچھا ۔'' اتنی رات تک وہاں کیا کرتے رہے ؟''

ہوری نے جلاپے کا غصہ داڑھی پر اتارتے ہوئے کہا ۔'' کرتا کیا رہا ، اس کپوت کی کرنی بھرتا رہا ! ابھاگا آپ تو آگ لگا کر بھاگ گیا ، اب مجھے بجھانا پڑ رہا ہے ۔ اسّی روپے میں گھر کا رہن کرنا پڑا ۔ کرتا کیا؟ اب حکا کھل گیا ۔ برادری نے اپرادھ چھما کر دیا ۔''

دھنیا نے ہونٹ چبا کر کہا ۔'' نہ حکا کھلتا تو ہمارا کیا بگڑ جاتا تھا ؟ چار پانچ مہینے نہیں کسی کا حکا پیا تو کیا چھوٹے ہو گئے ؟ میں کہتی ہوں تم اتنے بھوندو کیوں ہو؟ میرے سامنے تو بڑے گیان والے بنتے ہو ۔ پر باہر تمھارا منہ کیوں بند ہو جاتا ہے ؟ لے دے کر باپ دادوں کی نسانی ایک گھر بچ رہا تھا ،آج تم نے اسی کا وارا نیارا کر دیا ۔ اسی طرح کل یہ تین چار بیگھے دھرتی ہے اسے بھی لکھ دینا اور تب گلی گلی بھیک مانگنا ۔ میں پوچھتی ہوں کہ تمھاری منہ میں جیبھ نہ تھی کہ ان پنچوں سے پوچھتے کہ تم کہاں کے بڑے دھرماتما ہو جو دوسروں پر ڈانبر باندھ لگاتے پھرتے ہو، تمھارا تو منہ دیکھنا بھی پاپ ہے ۔''

ہوری نے ڈانٹا ۔'' چپ رہ ، بہت بڑھ بڑھ کے نہ بول ! برادری کے چکر میں ابھی نہیں ہے پڑی ۔ نہیں تو منہ سے بات نہ نکلتی ۔''

دھنیا مشتعل ہو گئی ۔'' کون سا پاپ کیا ہے جس کے لیے برادری سے ڈریں ؟ کسی کے گھر چوری کی ہے ؟ کسی کا مال لوٹا ہے ؟ مہریا رکھ لینا پاپ نہیں ہے ، ہاں رکھ کر چھوڑ دینا

پاپ ہے ۔ آدمی کا بہت سیدھا ہونا بھی برا ہے ۔ اس کے سیدھے پن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کتے منھ چاٹنے لگتے ہیں ۔ آج ادھر تمھاری سراہنا ہورہی ہوگی کہ برادری کی کیسی مرجاد رکھ لی ، میرے بھاگ پھوٹ گئے تھے کہ تم جیسے مرد سے پالا پڑا ۔ کبھی سکھ کی روٹی نہ ملی ۔''

'' میں تیرے باپ کے پاؤں پڑنے گیا تھا ؟ وہی تجھے میرے گلے باندھ گیا ۔''

'' پتھر پڑ گیا تھا ان کی سمجھ پر اور انھیں کیا کہوں ؟ نہ جانے کیا دیکھ کر لٹو ہو گئے ، ایسے کوئی بڑے سندر بھی تو نہ تھے تم ۔''

بحث مذاق میں منتقل ہو گئی ۔'' اسی روپے گئے تو گئے لاکھ روپے کا پوتا مل گیا ؟ اسے تو کوئی نہ چھین لے گا ۔ گوبر گھر لوٹ آوے ، دھنیا الگ جھونپڑی میں سکھی رہے گی ۔''

ہوری نے پوچھا ۔'' بچہ کس پر پڑا ہے ۔''

دھنیا نے ہنس کر جواب دیا ۔'' بالکل گوبر پر پڑا ہے سچ !''

'' تگڑا تو ہے ؟''

'' ہاں اچھا ہے ۔''

۱۲

رات کو گوبر جھنیا کے ساتھ چلا تو ایسا کانپ رہا تھا جیسے اس کی ناک کٹ گئی ہو ۔ جھنیا کو دیکھتے ہی سارے گاؤں میں کہرام مچ گیا ، لوگ ہر طرف سے آکر کیسا واویلا مچا دیں گے، دھنیا کتنی گالیاں دے گی ، یہ سوچ سوچ کر اس کے پیر پیچھے رہے جاتے تھے ۔ ہوری کا تو اسے خوف نہ تھا ۔ وہ صرف ایک بار دھاڑیں گے پھر چپ ہو جائیں گے ۔خوف تھا دھنیا کا جو زہر کھانے لگے گی اور گھر میں آگ لگانے لگے گی ۔ نہیں ، اس وقت جھنیا کے ساتھ گھر نہیں جاسکتا ۔

مگر کہیں دھنیا نے جھنیا کو گھر میں گھسنے ہی نہ دیا اور جھاڑوں لے کر مارنے دوڑی تو وہ بے چاری کہاں جائے گی ؟ اپنے گھر تو لوٹ ہی نہیں سکتی ، کہیں کنوئیں میں کود پڑے ، یا گلے میں پھانسی لگالے تو کیا ہو؟ اس نے لمبا سانس لیا بھگوان کے سرن !

مگر اماں اتنی بے درد نہیں کہ مارنے دوڑیں ، غصے میں دوچار گالیاں دیں گی ۔مگر جب جھنیا ان کے پاؤں پکڑ کر رونے لگے گی تو انھیں دیا آہی جائے گی ۔ تب تک وہ آپ کہیں چھپا رہے گا ۔ جب معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تب وہ ایک دن چپکے سے آئے گا اور اماں کو منالے گا ۔ اگر اس بیچ میں اسے کہیں مجوری مل جائے اور دوچار روپیہ لے کر گھر لوٹے گا تب تو دھنیا کا منھ بند ہی ہو جائے گا ۔

جھنیا بولی ۔'' میری تو چھاتی دھڑک رہی ہے میں کیا جانتی تھی کہ تم میرے گلے میں یہ روگ باندھ دوگے ۔ نہ جانے کس بری ساعت میں تم نے دیکھا تھا نہ تم گائے لینے آتے نہ یہ سب کچھ ہوتا ۔تم آگے آگے جاکر جو کچھ کہنا سننا ہو وہ کہہ سن لینا ۔ میں پیچھے سے آجاؤں گی ۔''

گوبر نے کہا ۔'' میں نہیں ، پہلے تم جانا اور کہنا کہ میں ہاٹ سے سودا بیچ کر گھر جارہی تھی ، رات ہوگئی ہے ، اب کیسے جاؤں ؟ تب تک میں آجاؤں گا ۔''

جھنیا نے متفکرانہ کہا ۔'' تمھاری اماں بڑی گسیل ہیں ، میرا تو جی کانپتا ہے ، کہیں

مجھے مارنے لگیں تو کیا کروں گی ۔''

گوبر نے دھیرج دلایا '' اماں کی عادت ایسی نہیں ہے ۔ ہم لوگوں تک کو تو کبھی ایک تھپڑ مارا نہیں ہے ، تمھیں کیا ماریں گی ؟ ان کو جو کچھ کہنا ہوگا مجھے کہیں گی ، وہ تم سے تو بولیں گی بھی نہیں ۔''

گاؤں قریب آ گیا گوبر نے رک کر کہا ۔'' اب تم جاؤ۔''

جھنیا نے ضد کی ۔'' تم بھی دیر نہ کرنا ۔''

'' نہیں نہیں ، چھن بھر میں آتا ہوں ، تو چل تو !''

'' میرا جی نہ جانے کیسا ہو رہا ہے ، تمھارے اوپر گسہ آتا ہے ۔''

'' تم اتنی ڈرتی کیوں ہو؟ میں تو آ ہی رہا ہوں ۔''

'' اس سے تو کہیں اچھا تھا کہ کسی دوسری جگہ بھاگ چلتے ۔''

'' جب اپنا گھر ہے تو کیوں کہیں بھاگیں ۔ تم ناحک ڈر رہی ہو ۔''

'' جلدی سے آؤ گے نا ؟''

'' ہاں ۔ ہاں ، ابھی آتا ہوں !''

'' مجھ سے دگا تو نہیں کر رہے ہو کہ مجھے گھر بھیج کر تم کہیں چلتے بنو؟''

'' اتنا نیچ نہیں ہوں جھونا ۔ جب تیری بانہہ پکڑی ہے تو مرتے دم تک نباہوں گا۔''

جھنیا گھر کی طرف چلی ۔ گوبر لمحے بھر دبدھے میں پڑا ہوا کھڑا رہا پھر یکا یک سر پر منڈ لانے والا لعنت ملامت کا خیال خوفناک شکل اختیار کر کے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کہیں سچ مچ اماں مارنے دوڑیں تو کیا ہوگا ؟ اس کے پیر زمین سے چپک گئے ۔ اس کے اور اس کے گھر کے درمیان میں صرف آموں کا چھوٹا سا باغ تھا۔ جھنیا کی کالی پر چھائیں آہستہ آہستہ جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی ۔ اس کے حواسوں میں بڑی تیزی آ گئی تھی ۔ اس کے کانوں میں ایسی بھنک پڑی جیسے اماں جھنیا کو گالیاں دے رہی ہیں ۔ اس کے دل کی کچھ ایسی حالت ہو رہی تھی گویا سر پر گنڈاسے کا ہاتھ چلنے والا ہو۔ بدن کا سارا خون جیسے خشک ہو گیا ہو۔ ایک لمحے کے بعد اس نے دیکھا جیسے دھنیا گھر سے نکل کر کہیں جا رہی ہو ۔ دادا کے پاس جاتی ہوگی ۔ سایت دادا کھا پی کے مٹر کے کھیت پر چلے گئے ہوں ۔ وہ اس کھیت کی طرف چلا ۔ جو اور گیہوں کے کھیتوں کو کچلتا روندتا اس طرح بھاگا جا رہا تھا ۔ گویا پیچھے کوئی دوڑ آ رہی ہو ۔ وہ ہے

دادا کی جھونپڑی ! وہ رک گیا اور دبے پاؤں جاکر اس کے پیچھے بیٹھ گیا ۔ اس کا قیاس ٹھیک نکلا ۔ وہ پہنچا ہی تھا کہ دھنیا کی آواز سنائی دی ۔ دوگجب ہو گیا ! اماں اتنی بے درد ہیں ! ایک اناتھ لڑکی پر انھیں کچھ بھی دیا نہیں آتی اور جو میں ابھی سامنے جاکر پھٹکار دوں کہ تم کو جھنیا سے بولنے کی کوئی مجال نہیں ہے تو ساری سیکھی نکل جائے ۔ اچھا داد بھی بگڑ رہے ہیں ۔ کیلے کے لیے آج ٹھیکر بھی تیز ہو گیا ۔ میں ان کا ادب کرتا ہوں یہ اسی کا پھل ہے ۔ یہ تو دادا بھی وہیں جا رہے ہیں ۔ اگر جھنیا کو انھوں نے مارا پیٹا تو مجھ سے سہا نہ جائے گا ۔ بھگوان ! اب تمھارا ہی بھروسہ ہے میں نہ جانتا تھا کہ اس سنکٹ میں جان پڑے گی ۔ جھنیا اپنے من میں مجھے کتنا مکار، ڈرپوک، اور کمینہ سمجھ رہی ہوگی ۔ مگر اسے مار کیسے سکتے ہیں ! گھر سے نکال بھی سکتے ہیں ؟ کیا گھر میں میرا حصہ نہیں ہے ؟ اگر جھنیا پر کسی نے ہاتھ اٹھایا تو آج مہابھارت ہو جائے گا ۔ ماں باپ جب تک لڑکوں کی رچھا کریں تب تک ماں باپ ہیں ، جب ان میں ماتا نہیں تو کیسے ماں باپ ؟''

ہوری جیوں جھونپڑی سے نکلا گوبر بھی دبے پاؤں آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے چلا ، مگر دروازے پر اجالا دیکھ کر اس کے پیر رک گئے ۔ اس اجالے کی لکیر کے اندر وہ قدم نہیں رکھ سکتا تھا وہ اندھیرے ہی میں دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا ، اس کی ہمت نے جواب دے دیا، ہائے ! بے چاری جھنیا پر یہ لوگ جھلا رہے ہیں اور وہ کچھ نہیں کر سکتا ۔ اس نے کھیل کھیل میں جو ایک چنگاری پھینک دی تھی وہ سارے کھلیان کو بھسم کردے گی یہ اس نے نہ سمجھا تھا ۔ اور اب اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ سامنے آکر کہے ۔'' ہاں میں نے چنگاری پھیکی تھی ۔'' جن سہاروں سے وہ اپنے دل کو سنبھالے ہوئے تھا وہ سب اس زلزلے میں گر پڑے اور وہ جھونپڑا بھی گر پڑا ۔ وہ پیچھا لوٹا ۔ اب وہ جھنیا کو کیا منھ دکھائے ؟

وہ کوئی سو قدم چلا مگر اس طرح جیسے کوئی سپاہی میدان سے بھاگے ۔ اس نے جھنیا سے محبت اور وفا کی جو باتیں کہیں تھیں وہ سب یاد آنے لگیں ۔ وہ وصال کی میٹھی باتیں یاد آئیں ۔ جب وہ اپنے مجنونانہ سانسوں میں ، اپنی نشیلی چتونوں میں ، گویا اپنی جان نکال کر اس کے قدموں میں رکھ دیتا تھا ۔ جھنیا کسی مہجور پرند کی طرح اپنے چھوٹے سے گھونسلے میں اپنی تنہائی کی زندگی کاٹ رہی تھی ، وہاں نر کا مجنونانہ اصرار نہ تھا ، نہ وہ ابلتی ہوئی خوشی اور نہ بچوں کی میٹھی آوازیں ۔ مگر صیاد کا دام اور فریب بھی تو وہاں نہ تھا ۔ گوبر نے اس کی تنہائی والے

گونسلے میں جاکر اسے کچھ سکھ پہنچایا یا نہیں ، یہ کون جانے ۔ مگر اسے عذاب میں تو ڈال ہی دیا تھا۔ وہ سنبھل گیا ۔ بھاگتا ہوا سپاہی گویا اپنے ایک ساتھی کا بڑھاوا سن کر پیچھے لوٹ پڑا !

اس نے دروازے پر آکر دیکھا تو کواڑ بند ہو گئے تھے ۔ کواڑوں کے دروازوں سے روشنی کی شعاعیں باہر نکل رہی تھیں ۔ اس نے ایک دراز سے اندر جھانکا ۔ دھنیا اور جھنیا اندر بیٹھی ہوئی تھیں ۔ ہوری کھڑا تھا ۔ جھنیا کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں ۔ اور دھنیا اسے سمجھا رہی تھی ۔'' بٹی تو چل کر گھر میں بیٹھ ؟ میں ترے کاکا اور بھائیوں کو دیکھ لوں گی ۔ جب تک ہم جیتے ہیں کسی بات کی چنتا نہیں ہے ۔ہمارے رہتے تجھے کوئی ٹیڑھی آنکھ دیکھ بھی نہ سکے گا ۔''

گوبر خوش ہو گیا ۔ آج وہ کسی قابل ہوتا تو دادا اور اماں کو سونے سے منڈھ دیتا اور کہتا '' اب تم کچھ کام نہ کرو ۔ آرام سے بیٹھے بیٹھے کھاؤ اور جتنا دان پن کرنا چاہو کرو ! جھنیا کے متعلق اب اسے کوئی اندیشہ نہیں ہے ۔ وہ اسے جیسا سہارا دینا چاہتا تھا وہ مل گیا تھا۔ جھنیا اسے دغا باز سمجھتی ہے تو سمجھے وہ تو جب ہی گھر آئے گا ۔ جب وہ پیسے کے زور سے گاؤں بھر کا منہ بند کر سکے اور دادا اور اماں اسے گھر آنے کا کلنک نہ سمجھ کر گھرانے کا تلک سمجھیں ۔ دل پر جتنا گہرا صدمہ ہوتا ہے وہ اپنے ردعمل کی صورت میں اتنا ہی موثرؔ ہوتا ہے اس بدنامی نے گوبر کے دل کو متھ کر وہ رتن نکال لیا جو ابھی تک چھپا پڑا تھا ۔ آج پہلی مرتبہ اسے اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا ، اور اس کے ساتھ ہی اس میں مصمم ارادہ پیدا ہو گیا ۔ اب تک وہ کم سے کم کام کرنا اور زیادہ سے زیادہ کھانا اپنا حق سمجھتا تھا ۔ اس کے دل میں یہ خیال ہی نہ آیا تھا کہ گھر والوں کے ساتھ بھی اس کا کچھ فرض ہے ۔ آج والدین کے اس عفو نے گویا اس کے دل میں نور پیدا کر دیا ۔ جب دھنیا اور جھنیا اندر چلی گئیں تو ہوری کی اسی جھونپڑی میں جا بیٹھا اور آئندہ کے لیے منصوبے باندھنے لگا ۔

شہر میں بیل داروں کو پانچ چھ آنے روز ملتے ہیں ، یہ اس نے سن رکھا تھا ۔'' اگر چھ آنے روج ملیں اور وہ ایک آنہ روج میں گجر کرے تو پانچ آنہ روز کی بچت ہو گی ۔ مہینے میں دس روپے ہوتے ہیں اور سال میں سوا سو۔ وہ سوا سو کی تھیلی لے کر گھر آئے تو کس کی مجال ہے جو اس کے سامنے منہ کھول سکے ؟ یہی داتا دین اور یہی پٹیشوری آکر اس کی ہاں میں ہاں

ملائیں گے اور جھنیا تو گھمنڈ سے پھول اٹھے گی ۔ دو چار سال وہ اسی طرح کماتا رہے تو گھر کا سارا دکھ درد دور ہو جائے ابھی تو سارے گھر کی کمائی بھی سوا سو نہیں ہوتی اب وہ اکیلا سوا سو کمائے گا ۔ لوگ یہی تو کہیں گے کہ مجوری کرتا ہے ۔ کہا کریں ۔ مجوری کرنا کوئی پاپ تو نہیں ہے ۔ اور سدا چھ آنے ہی تھوڑے ملیں گے ۔ جیسے جیسے وہ کام میں ہشیار ہوگا ۔ ویسے ویسے مجوری بھی تو بڑھے گی ۔ تب وہ دادا سے کہے گا " کہ اب تم گھر میں بیٹھ کر بھگوان کا بھجن کرو ۔ اس کھیتی میں جان کھپانے کے سوا اور کیا رکھا ہے ؟ سب سے پہلے ایک بچھائیں گائے لے گا جو چار پانچ سیر دودھ دے گی اور دادا سے کہے گا کہ تم گئو ماتا کی سیوا کرو جس سے تمھارا لوک بھی بنے گا اور پر لوک بھی ۔"

اور کیا ایک آنے میں اس کا گجر آرام سے نہ ہوگا ؟ گھر لے کر کیا کرنا ہے ! کسی جگہ پڑ رہے گا ۔ سیکڑوں مندر اور دھرم سالے ہیں ۔ اور پھر وہ جس کی مجوری کرے گا وہ کیا رہنے کی جگہ نہ دے گا ؟ آٹا روپے کا دس سیر آتا ہے ۔ ایک آنہ کا ڈھائی پاؤ ہوا ۔ ایک آنہ کا تو وہ آٹا کھائے گا ۔ لکڑی ، دال ، نمک ، ساگ یہ سب کہاں سے آئیں گے ؟ دونوں جون کے لیے سیر بھر تو آٹا ہی چاہیے ۔اوہ ! کھانے کی کچھ نہ پوچھو ۔ مٹھی بھر چنے سے بھی کام چل سکتا ہے اور حلوا پوری کھا کر بھی کام چل سکتا ہے ، جیسی سمائی ہو ۔ وہ آدھ سیر آٹا کھا کر دن بھر مجے سے کام کرسکتا ہے ۔ ادھر ادھر سے اپلے چن لیے تو لکڑی کا کام چل گیا ۔ کبھی ایک پیسے کی دال لے لی اور کبھی آلو ۔ آلو بھون کر بھرتا بنا لیا ۔ یہاں دن کاٹنا ہے کہ چین کرنا ہے ؟ پتّل پر آٹا گوندھا اپلوں پر باٹیاں سینکیں ، آلو بھون کر بھرتا بنا لیا اور مجے سے کھا کر سو رہے ۔ گھر ہی پر کون دونوں جون روٹی ملتی ہے ؟ ایک جون تو چربن ہی ملتا ہے ۔ وہاں بھی ایک جون چربن پر ہی کاٹیں گے ۔"

اسے شک ہوا کہ اگر مجوری نہ ملی تو وہ کیا کرے گا ۔ مگر مجوری کیوں نہ ملے گی ؟ جب وہ جی توڑ کر کام کرے گا تو سو آدمی اسے بلائیں گے ۔ کام سب کو پیارا ہوتا ہے ، چام نہیں پیارا ہوتا ۔ یہاں بھی تو سوکھا پالا پڑتا ہے ، اوکھ میں دیمک لگتی ہے ، گیہوں میں گردی لگتی ہے اور سرسوں میں لاہی لگ جاتی ہے ۔ اسے رات کو کوئی کام مل جائے گا تو اسے بھی نہ چھوڑے گا ۔ دن بھر مجوری کی رات کو کہیں چوکیداری کرے گا دو آنے بھی رات کے کام کے مل جائیں گے تو چاندی ہے ۔ جب لوٹے گا تو سب کے لیے ساڑھیاں لائے گا ۔ جھنیا کے لیے

ہاتھ کا کنگن جرور بنوائے گا۔ اور دادا کے لیے منڈاسہ لائے گا۔''

یہی خیالی پلاؤ پکاتا ہوا وہ سو گیا۔ مگر ٹھنڈ میں نیند کہاں؟ کسی طرح رات کاٹی اور تڑکے ہی اٹھ کر لکھنؤ کی سڑک پکڑ لی۔ بیس ہی کوس تو ہے، سانجھ (شام) تک پہنچ جائے گا۔ گاؤں کا کون آدمی وہاں پہنچا جاتا ہے اور وہ اپنا پتہ ٹھکانہ ہی کیوں لکھے گا؟ نہیں تو دادا دوسرے ہی دن سر پر سوار ہو جائیں گے۔ اسے کچھ پچھتاوا تھا تو یہی کہ جھنیا سے کیوں نہ صاف صاف کہہ دیا کہ ابھی تو گھر جا میں تھوڑے دنوں میں کچھ کما دھما کر لوٹوں گا، مگر تب وہ گھر جاتی ہی کیوں، کہتی کہ میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گی۔ اسے کہاں کہاں باندھے پھرتا؟''

دن چڑھنے لگا۔ رات کو کچھ نہ کھایا تھا۔ بھوک لگی پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ کہیں بیٹھ کردم لینے کی خواہش ہوئی۔ بلا کچھ کھائے اب وہ نہیں چل سکتا۔ مگر پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ سڑک کے کنارے جھر بیریوں کی جھاڑیاں تھیں۔ اس نے تھوڑے سے بیر توڑ لیے اور پیٹ کو بہلاتا ہوا چلا۔ ایک گاؤں میں گڑ پکنے کی مہک آئی۔ اب جی نہ مانا۔ وہاں جاکر لوٹا ڈور مانگا اور پانی بھر کر چلو سے پینے بیٹھا تو ایک کسان نے کہا ''ارے بھائی کیا یوں ہی پانی پیو گے۔ تھوڑا سا گڑ کھالو۔ اب کے اور چلا لیں کولھو اور بنا لیں کھانڈ، اگلے سال تک مل تیار ہو جائے گی تو ساری اوکھ کھڑی بک جائے گی۔ گڑ اور کھانڈ کے بھاو چینی ملے گی تو ہمارا گڑ کون لے گا۔'' اس نے ایک کٹورے میں گڑ کی کئی پنڈیاں لاکر دی۔ گوبر نے گڑ کھا کر پانی پیا۔ ''تماکو تو پیتے ہوگے؟ گوبر نے بہانہ کیا ''ابھی چلم نہیں پیتا۔ بوڑھے نے خوش ہوکر کہا۔'' بڑا اچھا کرتے ہو بھیا! برا روگ ایک بار پکڑ لے تو پھر جیتے جی نہیں چھوڑتا۔''

انجن کو کوئلہ پانی مل گیا۔ رفتار تیز ہوئی۔ جاڑے کے دن۔ نہ جانے کب دوپہر ہو گئی، ایک جگہ دیکھا کہ ایک نوجوان عورت ایک پیڑ کے نیچے شوہر سے ستیہ گرہ کیے بیٹھی تھی، شوہر سامنے کھڑا اسے منا رہا تھا۔ دو چار راہ گیر تماشہ دیکھنے کھڑے ہو گئے تھے گوبر بھی کھڑا ہوگیا۔ مناون سے زیادہ دلچسپ زندگی کا اورکون ناٹک ہوگا۔

عورت نے شوہر کی طرف گھور کر کہا۔'' میں نہ جاؤں گی، نہ جاؤں گی، نہ جاؤں گی۔''

مرد نے گویا الٹی میٹم دیا۔'' نہ جائے گی؟''

"نہ جاؤں گی۔"

"نہ جائے گی۔"

"نہ جاؤں گی۔"

مرد نے اس کے بال پکڑکر گھسیٹنا شروع کیا عورت زمین پر لوٹ گئی۔

مرد نے ہار کر کہا۔" میں پھر کہتا ہوں کہ اٹھ کر چل۔"

عورت نے اسی استقلال سے کہا" میں تیرے گھر سات جنم نہ جاؤں گی۔ چاہے بوٹی بوٹی کاٹ ڈال۔"

" میں تیرا گلا کاٹ لوں گا۔"

" تو پھانسی پاؤ گے۔"

مرد نے اس کے بال چھوڑ دیے اور سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ مردانگی انتہائی حد تک پہنچ گئی تھی، کہ اس کے آگے اب وہ نہ جاسکتی تھی۔

ایک لمحے میں وہ پھر کھڑا ہوا اور ہاری ہوئی سے آواز میں بولا۔" تو چاہتی کیا ہے؟"

عورت بھی اٹھ بیٹھی اور نہ ڈگنے والی آواز میں بولی" میں یہی چاہتی ہوں تو مجھے چھوڑ دے۔"

" کچھ منھ سے کہے گی بھی کیا بات ہوئی؟"

" میرے بھائی باپ کو کوئی کیوں گالی دے۔"

" کس نے گالی دی تیرے بھائی باپ کو؟"

" جاکر اپنے گھر میں پونچھ۔"

" چلے گی تبھی تو پوچھوں گا۔"

" تو کیا پوچھے گا؟ کچھ دم بھی ہے۔ جاکر اماں کے آنچل میں منھ چھپا کر سو رہ! وہ تیری ماں ہوگی، میری کوئی نہیں ہے۔ تو اس کی گالیاں سن، میں کیوں سنوں؟ ایک روٹی کھاتی ہوں تو چار روٹی کا کام کرتی ہوں، کیوں کسی کی دھونس سہوں؟ میں تیرا ایک پوت کا چھلا نہیں جانتی۔"

راہ گیروں کو اس جھگڑے میں ناٹک کا مزا آرہا تھا۔ مگر اس کے جلد ختم ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔ منزل کھوٹی ہورہی تھی۔ ایک ایک کر کے لوگ کھسکنے لگے۔ گوبر کو مرد کی بے رحمی

بری لگ رہی تھی ۔ بھیڑ کے سامنے تو کچھ نہ کہہ سکتا تھا ، مگر میدان خالی ہوا تو بولا ۔ بھائی مرد عورت کے بیچ میں بولنا تو نہ چاہیے تھا ، پر اتنی بیدردی بھی اچھی نہیں ہوتی ۔''

مرد نے کوڑی سی آنکھیں نکال کر کہا ۔'' تم کون ہو ؟''

گوبر نے بلا خوف کہا ۔'' میں کوئی ہوں پر بے جا بات دیکھ کر سبھی کو برا لگتا ہے۔''

مرد نے سر ہلا کر کہا ۔'' معلوم ہوتا ہے ابھی مہریا نہیں آئی تبھی اتنا درد ہے ۔''

مہریا آئے گی تو بھی اس کا جھونٹا پکڑ کر نہ کھینچوں گا !''

'' اچھا تم اپنی راہ لو ۔ میری عورت ہے ، میں اسے ماروں گا ، کاٹوں گا ۔ تم کون ہوتے ہو بیچ میں بولنے والے ؟ چلے جاؤ سیدھے سے یہاں کھڑے مت رہو ۔''

گوبر کا گرم خون اور گرم ہوگیا وہ کیوں چلا جائے ۔ سڑک سرکار کی ہے کسی کے باپ کی نہیں ہے ۔ وہ جب تک چاہے کھڑا رہ سکتا ہے ۔ وہاں سے اسے ہٹانے کی مجال کسے ہے۔''

مرد نے ہونٹ چبا کر کہا '' تو تم نہ جاؤ گے ،آؤں ؟''

گوبر نے انگوچھا کمر پر باندھ لیا اور لڑنے کے لیے تیار ہوکر بولا ۔'' تم آؤ یا نہ آؤ پر میں تو تبھی جاؤں گا جب میری اچھا ہوگی ۔''

'' یہ کون جانتا ہے کہ کس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹیں گے۔''

'' تو تم نہ جاؤ گے ؟''

'' نہ''

مرد مٹھی باندھ کر گوبر کی طرف جھپٹا ۔ اسی وقت عورت نے اس کی دھوتی پکڑ لی اور اسے اپنی طرف کھینچتی ہوئی گوبر سے بولی ۔'' تم کیوں لڑائی لینے پر اتارو ہورہے ہو ۔ جی،اپنی راہ کیوں نہیں جاتے ؟ یہاں کوئی تماسا ہے ۔ہمارا آپس کا جھگڑا ہے ۔ کبھی وہ مجھے مارتا ہے تو کبھی میں اسے ڈانٹتی ہوں ۔تم سے مطلب ؟''

گوبر یہ پھٹکار پاکر وہاں سے چل دیا ۔ دل میں کہا '' یہ عورت مار کھانے ہی کے لائق ہے ۔ گوبر آگے نکل گیا تو عورت نے اپنی شوہر کو ڈانٹ بتائی '' تم سب سے لڑنے کیوں لگتے ہو۔ اس نے کون سی بری بات کہی تھی کہ تمھارے چوٹ لگ گئی ؟ برا کام کرو گے تو دنیا برا کہے گی ہی ، پر ہے وہ کسی بھلے گھر کا اور اپنی برادری کا ہی جان پڑتا ہے ۔ کیوں اسے اپنی بہن کے لیے نہیں ٹھیک کر لیتے ۔''

شوہر نے شبہ ظاہر کرتے ہوئے کہا ''کیا اب تک کنورا بیٹھا ہوگا۔''

''تو پوچھ ہی کیوں نہ لو۔''

مرد نے دس قدم دوڑ کر مرد کو آواز دی اور ہاتھ سے ٹھہر جانے کا اشارہ کیا۔ گوبر نے سمجھا شاید پھر اس کے سر پر بھوت سوار ہوا ہے، جب ہی للکار رہا ہے بنا مار کھائے نہ مانے گا۔ اپنے گاؤں میں کتا بھی باگھ بن جاتا ہے۔ اچھا آنے دو۔

مگر اس کے منھ پر لڑائی کی للکار نہ تھی۔ دوستی کا بلاوہ تھا۔ اس نے گاؤں، نام اور ذات پوچھی، گوبر نے ٹھیک ٹھاک بتا دیا۔ اس مرد کا نام کودئی تھا۔

''کودئی نے مسکرا کر کہا۔'' ہم دونوں میں دنگا ہوتے ہوتے بچا۔ تم چلے آئے تو میں نے سوچا کہ تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میں ناحک تم سے تن بیٹھا۔ کچھ کھیتی باڑی تو گھر میں ہوتی ہے نا؟''

گوبر نے بتایا کہ اس کی موروثی پانچ بیگہ کھیت ہیں اور ایک ہل کی کھیتی ہوتی ہے۔

''میں نے جو تمھیں برا بھلا کہا اس کی ماپھی دو بھائی! اس میں آدمی اندھا ہوجاتا ہے۔ عورت گن میں پچھی ہے پر کبھی نہ جانے اس پر کون سا بھوت سوار ہوجاتا ہے۔ اب تمھیں بتاؤ اماں پر میرا کیا بس ہے؟ پیدا تو انھیں نے کیا ہے اور پالا پوسا انھیں نے ہے۔ جب کوئی بات ہوگی تو میں تو جو کچھ کہوں گا تو عورت ہی سے کہوں گا۔ اس پر اپنا بس ہے۔ تمھیں سوچو میں بیجا تو نہیں کہہ رہا ہوں۔ ہاں مجھے اس کا جھونٹا پکڑ کر گھسیٹنا نہ تھا۔ مگر عورت جات کوئی تاڑ نا دیے بنا بھی تو بس میں نہیں رہتی۔ چاہتی ہے کہ اماں سے الگ ہو جائیں۔ تمھیں سوچو کہ کیسے الگ ہوجاؤں اور کس سے الگ ہو جاؤں؟ اپنی اماں سے؟ جس نے جنم دیا؟ یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ چاہے عورت رہے یا جائے۔''

گوبر کو بھی اپنی رائے بدلنی پڑی بولا ''ماتا کا تو آدر کرنا سب ہی کا دھرم ہے بھائی! ماتا سے کون اُرِن ہوسکتا ہے۔''

کودئی نے اسے اپنے گھر چلنے کو کہا۔ آج وہ کسی طرح لکھنؤ نہیں پہنچ سکتا۔ کوس دو کوس جاتے جاتے سانجھ ہو ہی جائے گی۔ رات کو کہیں نہ کہیں تو ٹکنا ہی پڑے گا۔

گوبر نے مذاق کیا ''لُگائی مان گئی؟''

''نہ مانے گی تو کیا کرے گی؟''

"مجھے تو اس نے ایسی پھٹکار بتائی کہ میں تو لجا گیا۔"

"وہ اب پچھتا رہی ہے۔ چلو تنک ماتا جی کو سمجھا دینا۔ مجھ سے تو کچھ کہتے نہیں بنتا۔ انھیں بھی سوچنا چاہیے کہ بہو کے باپ بھائی کو گالی کیوں دیتی ہیں۔ ہماری بھی بہن ہے۔ چار دن میں اس کی سگائی ہو جائے گی۔ اس کی ساس ہمیں گالیاں دے گی تو اس سے سنا جائے گا؟ سب دوکھ لگائی ہی کا نہیں، ماتا کا بھی دوکھ ہی ہے۔ جب ہر بات میں اپنی بیٹی کا پچھ کرے گی تو ہمیں برا لگے ہی گا۔ اس میں اتنی بات اچھی ہے کہ گھر سے روٹھ کر چلی جائے مگر گالی کا جواب گالی سے نہیں دیتی۔"

گوبر کو رات کے لیے کوئی ٹھکانہ چاہیے تھا۔ کودئی کے ساتھ ہولیا۔ دونوں پھر اسی جگہ آئے جہاں عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اب گھر گرہستن بن گئی تھی۔ ذرا سا گھونگھٹ نکال لیا تھا اور کچھ لجا رہی تھی کودئی نے مسکرا کر کہا "یہ تو آتے ہی نہ تھے، کہتے تھے کہ ایسی ڈانٹ سننے کے بعد ان کے گھر کیسے جائیں۔"

عورت نے گھونگھٹ کی آڑ سے گوبر کو دیکھ کر کہا۔"اتنی ہی ڈانٹ میں ڈر گئے؟ لگائی آجائے گی تو کہاں بھاگو گے؟"

گاؤں قریب ہی تھا۔ گاؤں کیا تھا، پروا تھا دس بارہ گھروں کا، جو آدھے کھپریل کے تھے اور آدھے پھوس کے۔ کودئی نے اپنے گھر پہنچ کر کھاٹ نکالی اور اس پر ایک دری بچھادی۔ شربت بنانے کو کہہ کر چلم بھر لایا اور لمحہ بھر بعد وہی عورت لوٹے میں شربت لے کر آئی اور گوبر کو پانی کا ایک چھینٹا مار کر گویا معافی مانگ لی۔ وہ اب اس کا نندوئی ہو رہا تھا، پھر کیوں، نہ ابھی سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دے؟

۱۳

گوبر منھ اندھیرے میں اٹھا اور کودئی سے رخصت ہوا۔ سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس کا بیاہ ہو چکا ہے۔ پس اس سے بیاہ کا کوئی چرچا ہی نہ کیا گیا۔ اس کی بھلمنسا ہت نے سارے گھر کو گرویدہ کر لیا تھا۔ کودئی کی ماں کو اس نے ایسے میٹھے لفظوں میں اور اس کے ماں والے درجے کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسی عمدہ نصیحت دی کہ اس نے خوش ہو کر دعا دی تھی۔

'' تم بڑی ہو ماتا جی ! پوجنے جوگ ہو۔ پتر ماتا کا رن سے سو جنم لے کر بھی ارن نہیں ہو سکتا ، لاکھ جنم لے کر بھی اُرن نہیں ہو سکتا ، کروڑ جنم لے کر بھی نہیں ......''

بوڑھی اس بے حساب بھگتی پر مگن ہو گئی اس کے بعد گوبر نے جو کچھ کہا اس میں بڑھیا کو اپنی بھلائی دکھائی دی۔

'' اب جیسے آج ہی بہو گھر سے روٹھ کر چلی گئی تھی تو کس کی ہتک ہوئی ؟ بہو کو کون جانتا ہے کس کی لڑکی ہے۔ کس کی ناتن ہے ، کون جانتا ہے ؟ ممکن ہے اس کا باپ گھسیا را ہی رہا ہو ....''

بڑھیا نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔'' گھسیارا تو ہے ہی بیٹا ، پکا گھسیارا تڑکے اس کا منھ دیکھ لو تو دن بھر پانی نہ ملے۔''

گوبر بولا۔'' تو ایسے آدمی کی ہنسی ہی کیا ہو سکتی ہے ، ہنسی ہوئی تمھاری اور تمھارے آدمی کی۔ جس نے پوچھا '' یہی پوچھا کہ کس کی بہو ہے۔ پھر وہ ابھی لڑکی ہے ، ناسمجھ الھڑ ! نیچ ماں باپ کی لڑکی ہے ، اچھی کہاں سے بن جائے ؟ تم کو تو جیسے بوڑھے طوطے کو رام نام پڑھانا پڑے گا۔ مارنے سے تو وہ پڑھے گا نہیں ، اسے تو پریم ہی سے پڑھایا جا سکتا ہے۔ تاڑنا دو پر اس کے منھ مت لگو۔ اس کا کچھ نہیں بگڑتا تمھاری ہی ہتک ہوتی ہے''۔

جب گوبر چلنے لگا تو بڑھیا نے کھانڈ اور ستو ، ملا کر اسے کھانے کو دیا گاؤں کے اور کئی آدمی مزدوری کی تلاش میں شہر جاتے تھے۔ بات چیت میں راستہ کٹ گیا اور نو بجتے بجتے سب کے سب امین باد کے بازار میں جا پہنچے۔ گوبر حیران تھا کہ اتنے آدمی شہر میں کہاں سے

آ گئے ؟ آدمی پر آدمی گرا پڑتا تھا ۔ اس دن بازار میں چار پانچ سو مزدوروں سے کم نہ تھے ۔ معمار ، بڑھئی ، لوہار ، بیلدار ، کھاٹ بننے والے ، ٹوکری ڈھونے والے اور سنگ تراش سبھی کا مجمع تھا ۔ گوبر یہ بھیڑ بھاڑ دیکھ کر نراس ہو گیا ۔ اتنے سارے مزدوروں کو کہاں کام مل جاتا ہے ؟ اوراس کے ہاتھ میں تو کوئی اوزار بھی نہیں ہے ، کوئی کیا جانے گا کہ وہ کون سا کام کرسکتا ہے؟ کوئی اسے کیوں رکھنے لگا ؟ بلا اوزار اسے کون پوچھے گا ؟

رفتہ رفتہ ایک ایک کرکے مزدوروں کو کام ملتا جاتا تھا ۔ کچھ لوگ مایوس ہوکر گھر لوٹے جارہے تھے ۔ زیادہ تر وہ بوڑھے اور نکمے بچ رہے تھے جن کا کوئی پرسان نہ تھا ۔ ان ہی میں گوبر بھی تھا مگر ابھی آج اس کے پاس کھانے کو ہے ، کوئی غم نہیں ۔ یکا یک خورشید نے مزدوروں کے بیچ میں آکر اونچی آواز سے کہا جس کو چھ آنے پر آج کام کرنا ہو وہ میرے ساتھ آئے ۔ سب کو چھ آنے ملیں گے ۔ پانچ بجے چھٹی ملے گی ۔

دس پانچ معماروں اور بڑھیوں کے علاوہ سب کے سب ان کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے ۔ چار سو خستہ حالوں کی ایک بڑی فوج سج گئی ۔ آگے مرزا تھے ۔ کندھے پر موٹا سونٹا رکھے ہوئے اور پیچھے بھوکوں مرنے والوں کی لمبی قطار تھی جیسے بھیڑیں ہوں ۔

ایک بوڑھے نے مرزا سے پوچھا ۔'' کون کام کرنا ہے مالک ؟''

مرزا صاحب نے جو کام بتایا اس پر سب اور بھی تعجب میں آگئے ، صرف ایک کبڈی کھیلنا ! یہ کیا آدمی ہے جو کبڈی کھیلنے کے لیے چھ آنے دے رہا ہے ۔سنکی تو نہیں ہے کوئی؟ بہت دھن پاکر آدمی سنکی ہو جاتا ہے ۔ بہت پڑھ لینے سے بھی آدمی سنکی ہوجاتا ہے ۔ کچھ کوتو یہ شبہ ہونے لگا کہ کہیں یہ مخول تو نہیں ہے ۔ یہاں سے گھر پر لے جاکر کہہ دے کہ کوئی کام نہیں ہے تو اس کا کوئی کیا کرے گا ؟ وہ چاہے کبڈی کھلائے چاہے آنکھ مچولی اور چاہے گلی ڈنڈا ، مگر مزدوری پہلے دے دے ۔ ایسے جھکی آدمی کا کیا بھروسہ ؟

گوبر نے ڈرتے ڈرتے کہا ۔'' مالک ! ہمارے پاس کچھ کھانے کونہیں ہے ، پیسے مل جائیں تو کچھ لے کر کھالوں ۔''

مرزا نے فوراً چھ آنے پیسے اس کے ہاتھ میں رکھ دیے اور للکار کر بولے '' مزدوری سب کو چلتے چلتے پیشگی دے دی جائے گی اس کی فکر مت کرو ۔''

مرزا صاحب نے شہر کے باہر تھوڑی زمین لے رکھی تھی ۔ مزدوروں نے جاکر دیکھا تو

ایک بڑا احاطہ گھرا ہوا تھا اور اس کے اندر ایک صرف ایک چھوٹی سی پھونس کی جھونپڑی تھی ۔ جس میں تین چار کرسیاں تھیں اور ایک میز جس پر کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں ۔ جھونپڑی بیلوں سے ڈھکی ہوئی بہت عمدہ معلوم ہوتی تھی ۔ احاط میں ایک طرف آم ، لیموں اور امرود کے پودے لگے ہوئے تھے اور دوسری طرف کچھ پھول ، زمین کا زیادہ حصہ پرتی پڑا ہوا تھا ۔ مرزا نے سب کو ایک قطار میں کھڑا کر کے سب سے پہلے سب کو اجرت تقسیم کر دی ۔ اب کسی کو ان کے پاگل ہونے میں شبہ نہ رہا ۔

گوبر پیسے پہلے ہی پاچکا تھا ، مرزا نے اسے بلا کر پودے سینچنے کا کام سونپا ۔ اسے کبڈی کھیلنے کو نہ ملے گی ۔ دل مسوس کر رہ گیا ۔ ان بوڑھوں کو اٹھا کر پٹکتا ۔ مگر کچھ پرواہ نہیں، بہت کبڈی کھیل چکا ہوں پیسے تو پورے مل گئے ۔

آج مدت کے بعد ان بوڑھوں کو کبڈی کھیلنا نصیب ہوا ۔ بیشتر تو ایسے تھے جنھیں یاد بھی نہ آتا تھا کہ کبھی کھیلی ہے یا نہیں ۔ دن بھر شہر میں پستے تھے ، پہر رات گئے گھر پہنچتے تھے اور جو کچھ روکھا سوکھا مل جاتا تھا اسے کھا کر پڑرہتے تھے ۔ علی الصباح پھر وہی چرخہ شروع ہو جاتا تھا ۔ زندگی بے مزہ اور بے لطف ، صرف ایک دھرے پر چلی جارہی تھی ۔ آج جو یہ موقع ملا تو بوڑھے بھی جوان بن گئے ادھ مرے بوڑھے ، ٹھٹھریاں لیے منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت ، جانگھوں کے اوپر تک دھوتیاں یا تہمد چڑھائے خم ٹھوک ٹھوک کر اچھل رہے تھے گویا ان کی بوڑھی ہڈیوں میں جوانی سرایت کر گئی ہو ۔ جھٹ پٹ پالی بن گئی ۔ دو ہیرو بن گئے ساتھیوں کا چناؤ ہونے لگا اور بارہ بجتے بجتے کھیل شروع ہو گیا ۔ جاڑوں کی ٹھنڈی دھوپ ایسے کھیلوں کے لیے بہت خوشگوار ہوتی ہے ۔

ادھر احاطہ کے پھاٹک پر مرزا صاحب تماشائیوں کو ٹکٹ بانٹ رہے تھے ان پر اس طرح کا خبط ہمیشہ سوار رہتا تھا ۔ امیروں سے پیسہ لے کر غریبوں میں بانٹ دینا ۔ اس بوڑھی کبڈی کا اشتہار کئی روز سے ہورہا تھا ۔ بڑے بڑے پوسٹر لگائے گئے تھے ۔ نوٹس تقسیم ہوئے تھے ۔ یہ کھیل اپنے ڈھنگ کا نرالا ہوگا ۔ جیسے پہلے کبھی نہ ہوا ہوگا ۔ ہندستان کے بوڑھے آج بھی کیسے جواں مرد ہوتے ہیں ۔ جنھیں یہ دیکھنا ہو وہ آئے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے ! جس نے یہ تماشا نہ دیکھا وہ پچھتائے گا ۔ ایسا نادر موقع پھر نہ ملے گا ۔ ٹکٹ دس آنے سے لے کر دو آنے تک کے تھے ۔ تین بجتے بجتے پورا احاط بھر گیا ۔ موٹروں اور فٹنوں کا تانتا لگا

ہوا تھا۔ دو ہزار سے کم کا مجمع نہ تھا۔ رؤسا کے لیے کرسیاں اور بینچوں کا انتظام تھا اور عوام کے لیے صاف ستھری زمین۔

مس مالتی مہتا، کھنا، ٹنخا، اور رائے صاحب سبھی موجود تھے۔

کھیل شروع ہوا تو مرزا نے مہتا سے کہا۔'' آیئے ڈاکٹر صاحب ایک پالی ہماری اور آپ کی بھی ہوجائے گی۔''

مس مالتی بولیں'' فلاسفر کا مقابلہ تو فلاسفر ہی سے ہوسکتا ہے۔''

مرزا نے مونچھوں پر تاؤ دے کر کہا۔'' تو کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں فلاسفر نہیں ہوں؟ میرے پاس ڈگری کی دُم نہیں ہے مگر ہوں میں فلاسفر۔ آپ میرا امتحان لے سکتے ہیں مہتا جی۔''

مالتی نے پوچھا بتایئے کہ آپ آئڈیلسٹ ہیں یا میٹریلسٹ (روحانیت کے قائل ہیں یا مادیت کے)؟''

'' میں دونوں ہوں۔''

'' یہ کیوں کر؟''

'' بہت اچھی طرح۔ جب جیسا موقع دیکھا ویسا بن گیا۔''

'' تو آپ کا کوئی طے شدہ اصول نہیں ہے؟''

'' جس بات کا آج تک کبھی تصفیہ نہ ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ اس کے متعلق میں بھلا کیا طے کرسکتا ہوں؟ اور لوگ آنکھیں پھاڑ کر کتابیں چاٹ کر جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہاں میں یوں ہی پہنچ گیا۔ آپ بتا سکتی ہیں کہ کسی فلاسفر نے عقلی گدّے لگانے کے سوا اور بھی کچھ کیا ہے۔''

ڈاکٹر مہتا نے اچکن کے بٹن کھولتے ہوئے کہا'' تو چلیے آپ کی اور ہماری ہوجائے۔ اور کوئی مانے یا نہ مانے میں آپ کو فلاسفر مانتا ہوں۔''

مرزا نے کھنا سے پوچھا۔'' آپ کے لیے بھی کوئی جوڑ ٹھیک کریں؟''

مالتی ''ہاں۔ ہاں انھیں ضرور لے جایئے، مسٹر ٹنخا کے ساتھ۔''

کھنا جھینپتے ہوئے بولے۔'' جی نہیں مجھے معاف کیجیے۔''

مرزا نے رائے صاحب سے پوچھا۔'' آپ کے لیے کوئی جوڑ لاؤں؟''

رائے صاحب بولے ۔'' میرا جوڑ تو اونکار ناتھ کا ہے ۔مگر وہ آج نظر نہیں آتے ۔''
مرزا اور مہتا بھی برہنہ بدن ، صرف جانگھیا پہنے ہوئے میدان میں پہنچ گئے تھے ۔ ایک ادھر دوسرا ادھر کھیل شروع ہو گیا ۔

عوام ان بوڑھی کلیلوں پر ہنستے تھے ، تالیاں بجاتے تھے ، گالیاں دیتے تھے للکارتے تھے اور بازیاں لگاتے تھے ۔واہ ، ذرا ان بوڑھے بابا کو تو دیکھو کس شان سے جارہے ہیں جیسے سب کو مار کر ہی لوٹیں گے ۔ اچھا ، دوسری طرف سے بھی ان کے بڑے بھائی نکلے ۔ دونوں کیسے پینترے بدل رہے ہیں ۔ ان ہڈیوں میں ابھی بڑا جیوٹ ہے بھائی ! ان لوگوں نے جتنا گھی کھایا ہے ، اتنا تو ہمیں اب پانی بھی میسر نہیں ۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہندستان دولت مند ہورہا ہے ۔ ہوتا ہوگا ۔ ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ ان بوڑھوں جیسے جیوٹ کے جوان بھی آج کل مشکل سے نکلیں گے وہ ادھر والے بوڑھے نے اسے دبوچ لیا ۔ بے چارہ چھوٹنے کے لیے کتنا زور مار رہا ہے مگر اب نہیں جاسکتا بچہ ۔ ایک کو تین لپٹ گئے ۔ اس طرح لوگ اپنی دلچسپی کا اظہار کرر ہے تھے ۔ ان کی ساری توجہ میدان پر تھی ۔ کھلاڑیوں کے دھکے مکے ، اوچھل کود ، دھر پکڑ اور ان کے مرنے جینے میں بھی سبھی محو ہورہے تھے ۔ کبھی چاروں طرف سے قہقہ اٹھتے ، کبھی کوئی بے انصافی یا دھوکے کی بات دیکھ کر لوگ '' چھوڑ دو ، کا شور برپا کرتے اور کچھ لوگ تو طیش میں آکر پالی کی ہی طرف دوڑ پڑتے ۔ لیکن تھوڑے سے لوگ پنڈال میں اعلی درجے کے ٹکٹ ۔لے کر بیٹھے تھے انھیں اس کھیل میں کچھ زیادہ مزہ نہ آرہا تھا ۔ وہ اس سے زیادہ اہمیت کی گفتگو میں مصروف تھے ۔

کھنا نے جنجر کا گلاس خالی کرکے سگار جلایا اور رائے صاحب سے بولے ۔'' میں نے آپ سے کہہ دیا کہ بینک اس سے کم سود پر کسی طرح منظوری نہ دے گا ۔ اور یہ رعایت بھی میں نے آپ کے ساتھ کی ہے ۔ کیونکہ آپ سے گھر کا معاملہ ہے ۔'' رائے صاحب نے مونچھوں کے اندر مسکراتے ہوئے کہا ۔'' تو پھر گھر والوں کو الٹے چھرے سے حلال کرنا چاہیے ۔''

'' یہ آپ کیا فرماتے ہیں ؟''

'' ٹھیک کہہ رہا ہوں ۔ سورج پرتاپ سنگھ سے آپ نے صرف سات فیصدی لیا ہے ، مجھ سے نو فیصد مانگ رہے ہیں اور اس پر احسان بھی رکھتے ہیں ۔ کیوں نہ ہو ۔''

کھنا نے قہقہہ لگایا۔ گویا یہ بات ہنسنے کے ہی لائق تھی ۔ ان شرطوں پر میں آپ سے بھی وہی سود لے لوں گا ۔ ہم نے ان کی جائداد رہن رکھ لی ہے اور شاید وہ جائداد پھر ان کے ہاتھ نہ جائے گی ۔''

'' میں بھی اپنی کوئی جائداد نکال دوں گا ۔نو فی صدی سے کہیں بہتر ہے کہ فالتو جائداد الگ کردوں ، میری جیکسن روڈ والی کوٹھی آپ نکلوا دیں ۔کمیشن لے لیجیے گا ۔''

'' اس کوٹھی کا آسانی سے نکلنا ذرا مشکل ہے ۔ آپ جانتے ہیں وہ جگہ بستی سے کتنی دور ہے۔مگر خیر دیکھوں گا ۔ آپ اس کی قیمت کا کیا اندازہ کرتے ہیں ؟''

رائے صاحب نے ایک لاکھ پچیس ہزار بتائے ۔ پندرہ بیگھے زمین تو ہے اس کے ساتھ۔ کھنّا متحیر ہوگئے ۔بولے ۔'' آپ آج کی پندرہ سال پہلے کا خواب دیکھ رہے ہیں ، رائے صاحب آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ادھر جائدادوں کی قیمت میں پچاس فی صدی کی کمی ہوگئی ہے ۔''

رائے صاحب نے برا مان کر کہا ۔'' جی نہیں پندرہ سال پہلے اس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ تھی ۔''

'' میں خریدار کی تلاش میں رہوں گا ۔مگر میرا کمیشن پانچ فی صدی ہوگا آپ سے۔''

'' اوروں سے شاید دس فی صدی ہو ، کیوں ؟ کیا کرو گے اتنے روپے لے کر ؟''

'' آپ جوچاہے دے دیجیے گا ۔ اب تو راضی ہوئے۔شکر کے حصے ابھی تک آپ نے نہ خریدے ۔ اب بہت تھوڑے بچ رہے ہیں ، ہاتھ ملتے رہ جایئے گا۔ بیمہ کی پالسی بھی آپ نے نہ لی آپ میں ٹال مٹول کی بڑی عادت ہے ۔ جب اپنے نفع کی باتوں میں اتنا ٹال مٹول ہے تو دوسروں کو آپ لوگوں سے کیا نفع ہوسکتا ہے ۔ اسی سے کہتے ہیں کہ ریاست آدمی کی عقل چر جاتی ہے ۔ میرا بس چلے تو تعلقداروں کی ریاستیں ضبط کر لوں۔''

مسٹر تنکھا ، مالتی پر جال پھینک رہے تھے ۔ مالتی نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ چناؤ کے جھمیلے میں نہیں پڑنا چاہتی ۔مگر تنکھا اتنی آسانی سے ہار ماننے والے آدمی نہ تھے ۔ آکر کہنیوں کے بل میز پر ٹیک لگا کر بولے ۔'' آپ ذرا اس معاملے پر غور کریں۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا موقع شاید آپ کو پھر نہ ملے ۔ رانی صاحبہ چندا کو آپ کے مقابلہ میں روپے میں ایک آنہ چانس بھی نہیں ہے ۔ میری خواہش صرف یہ ہے کہ کونسل میں صرف ایسے آدمی جائیں جنھوں

نے زندگی میں کچھ تجربہ حاصل کیا ہو اور عوام کی کچھ خدمت بھی کی ہو۔ جس عورت نے عیش وعشرت کے سوا کچھ جانا ہی نہیں جس نے عوام کو ہمیشہ موٹر کا پٹرول سمجھا۔ جس کی سب سے قیمتی خدمات وہ پارٹیاں ہیں جو گورنروں اور سکریٹریوں کو دی جاتی ہیں۔ اس کے لیے کونسل میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ نئی کونسلوں میں بہت کچھ اختیار نمائندوں کے ہاتھ میں ہوگا اور میں نہیں چاہتا کہ وہ اختیار نامستحقوں کے ہاتھ میں جائے۔''

مالتی نے گلا چھڑانے کے لیے کہا۔'' لیکن صاحب، میرے پاس دس بیس ہزار الکشن میں خرچ کرنے کے لیے کہاں ہے؟ رانی صاحبہ تو دو چار لاکھ خرچ کر سکتی ہیں۔ مجھے بھی سال میں ہزار پانچ سو روپے ان سے مل جاتے ہیں، یہ رقم بھی ہاتھ سے نکل جائے گی۔''

'' پہلے آپ یہ بتا دیں کہ آپ جانا چاہتی ہیں یا نہیں؟''

'' جانا تو چاہتی ہوں بشرطیکہ فری پاس مل جائے۔''

'' تو یہ میرا ذمہ رہا۔ آپ کو فری پاس مل جائے گا۔''

'' جی نہیں معاف کیجیے میں ہار کی ذلت نہیں اٹھانا چاہتی۔ جب رانی صاحبہ روپے کی تھیلیاں کھول دیں گی اور ایک ایک ووٹ پر ایک ایک اشرفی چڑھنے لگے گی تو شاید آپ بھی ادھر ہی ووٹ دیں گے۔''

'' آپ کے خیال میں چناؤ محض روپے سے جیتا جاسکتا ہے۔''

'' جی نہیں۔ شخصیت بھی ایک چیز ہے۔ لیکن میں نے صرف ایک مرتبہ جیل جانے کے سوا اور عوام کی کیا خدمت کی ہے؟ اور سچ پوچھیے تو اس بار میں بھی اپنے مطلب سے گئی تھی، اسی طرح جیسے رائے صاحب اور کھنا گئے تھے۔ اس نئے تمدن کی بنیاد دولت ہے۔ علم اور خدمت، خاندان اور ذات، سب دولت کے سامنے ہیچ ہیں۔ کبھی کبھی تاریخ میں ایسے موقع آجاتے ہیں جب دولت کو تحریک کے مقابلے میں نیچا دیکھنا پڑتا ہے۔ مگر اسے مستثنیات میں سمجھیے۔ میں اپنی ہی بات کہتی ہوں کوئی غریب دواخانے میں آجاتی ہے تو اس سے بولتی تک نہیں، مگر کوئی عورت موٹر پر آگئی تو دروازے تک جاکر استقبال کرتی ہوں اور ایسی نازو برادری کرتی ہوں گویا وہ مجسم دیوی ہو۔ میرا اور رانی صاحبہ کا کوئی مقابلہ نہیں۔ جیسی کونسلیں بن رہی ہیں ان کے لیے رانی صاحبہ ہی زیادہ موزوں ہیں۔''

ادھر میدان میں مہتا کی ٹیم کمزور پڑتی جاتی تھی۔ نصف سے زیادہ کھلاڑی مر چکے

تھے۔ مہتا نے اپنی زندگی میں کبھی کبڈی نہ کھیلی تھی ۔ مرزا اس فن میں استاد تھے ۔ مرزا کی تعطیلیں ناٹک کی مشق میں گزرتی تھیں ، بھیس بنانے میں وہ اچھے اچھوں کو متعجب کردیتے تھے ۔ مرزا کی ساری دلچسپی اکھاڑے میں تھی ، پہلوانوں کے بھی اور پریوں کے بھی !

'' مالتی کا دھیان ادھر ہی لگا ہوا تھا ۔ اٹھ کر رائے صاحب سے بولی ۔'' مہتا کی پارٹی تو بری طرح پٹ رہی ہے ۔ ''

رائے صاحب اور کھنا میں بیمہ کی باتیں ہورہی تھیں ۔ رائے صاحب اس سے اکتائے ہوئے معلوم ہوتے تھے ۔ مالتی نے گویا گلو خلاصی دے دی۔ اٹھ کر بولے'' جی ہاں پٹ تو رہی ہے ۔ مرزا پکا کھلاڑی ہے ۔''

'' مہتا کو یہ کیا سنک سوجھی ۔ مفت اپنی بھد کرا رہا ہے ۔''

'' اس میں کاہے کی بھد ۔ دل لگی ہی تو ہے ۔''

مہتا کی طرف سے جو باہر نکلتا ہے وہی مرجاتا ہے ۔''

'' ایک لمحہ بعد اس نے پوچھا '' کیا اس کھیل میں ہاف ٹائم نہیں ہوتا ۔''

کھنا کو شرارت سوجھی بولے'' آپ چلے تھے مرزا سے مقابلہ کرنے ، سمجھے تھے کہ یہ بھی فلسفہ ہے ۔''

'' میں پوچھتی ہوں اس کھیل میں ہاف ٹائم نہیں ہوتا ؟''

کھنا نے پھر چڑھایا ۔'' اب کھیل ہی ختم ہوا جاتا ہے ۔ مزہ آئے گا جب مرزا صاحب مہتا کو دبوچ کر رگڑیں گے اور مہتا صاحب چیں بولیں گے ۔''

'' میں تم سے نہیں پوچھتی رائے صاحب سے پوچھتی ہوں ۔''

رائے صاحب بولے ۔'' اس کھیل میں کیسا ہاف ٹائم ؟ ایک ہی ایک آدمی کرکے تو سامنے آتا ہے ۔''

'' اچھا مہتا کا ایک آدمی اور مر گیا ۔''

کھنا بولے ۔'' آپ دیکھتی رہیے ۔ اسی طرح سب مر جائیں گے ۔ اور آخر میں مہتا صاحب بھی مریں گے ۔''

مالتی جل گئی ۔'' آپ کی تو ہمت نہ پڑی باہر نکلنے کی ۔''

'' میں دیہاتی کھیل نہیں کھیلتا ۔ میرے لیے ٹینس ہے ۔''

''ٹینس میں بھی میں تمھیں سیکڑوں گیم دے چکی ہوں۔''

'' آپ سے جیتنے کا مجھے دعویٰ ہی کب ہے ؟''

'' اگر دعویٰ ہو تو میں تیار ہوں۔''

مالتی انھیں پھٹکار بتا کر پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھی ۔ کسی کو مہتا سے ہمدردی نہیں ہے ۔ کوئی صاحب یہ نہیں کہتے کہ اب کھیل ختم کر دیا جائے ۔ مہتا بھی عجیب احمق آدمی ہیں ، کچھ دھاندلی کیوں نہیں کر بیٹھتے ؟ یہاں بھی اپنی انصاف پسندی دکھا رہے ہیں ۔ ابھی ہار کر لوٹیں گے تو چاروں طرف سے تالیاں پڑیں گی ۔ اب شاید بیس آدمی اور ان کی طرف ہوں گے اور لوگ کتنے خوش ہو رہے ہیں !''

جیوں جیوں خاتمہ قریب آتا جاتا تھا ، لوگ بیتاب ہوتے جاتے اور پالی کی طرف بڑھتے جاتے تھے۔رسی کا جو ایک کٹگھر سا بنایا گیا تھا وہ توڑ دیا گیا ۔ والنٹیر روکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اس شوق کے نشے میں ان کی ایک بھی نہ چلتی تھی حتیٰ کہ بڑھاؤ آخری حد تک آ پہنچا اور مہتا تنہا بچ گئے ۔ اب انھیں گونگے کے پارٹ کھیلنا پڑے گا اب سارا دارو مدار ان ہی پر ہے اگر وہ بچ کر اپنی پالی میں لوٹ آتے ہیں تو ان کی پارٹی کی خیر ہے ورنہ شکست کی ساری ذلت وندامت لیے ہوئے انھیں لوٹنا پڑتا ہے ۔ وہ دوسرے طرف کے جتنے آدمیوں کو چھوڑ کر اپنی پالی میں آئیں گے وہ سب مرجائیں گے اور اتنے ہی آدمی ان کی طرف جی اٹھیں گے ۔ سب کی آنکھیں مہتا پر لگی ہوئی تھیں وہ مہتا چلے ! لوگوں نے چاروں طرف سے آ کر پالی کو گھیر لیا ۔ انتہائی محویت تھی ۔ مہتا کتنے اطمینان سے دشمنوں کی طرف جا رہے ہیں اور ان کی ہر حرکت لوگوں پر منعکس ہوتی جاتی ہے ۔ کسی کی گردن ٹیڑھی ہوتی چلی جاتی ہے تو کوئی آگے جھکا پڑتا ہے فضا گرم ہو گئی ہے ۔ پارہ حرارت کے انتہائی نقطے تک پہنچ گیا ہے ۔ مہتا مخالف جماعت میں داخل ہوئے وہ جماعت پیچھے ہٹتی جاتی ہے ان کا سنگٹھن اتنا مضبوط ہے کہ مہتا کی پکڑ میں کوئی نہیں آ رہا ہے ۔ بہتوں کو جو امید تھی کہ مہتا کم سے کم اپنی پارٹی کے دس پانچ آدمیوں کو جلا ہی دیں گے وہ مایوس ہوتے جا رہے ہیں ۔

دفعتاً مرزا ایک چھلانگ مارتے ہیں اور مہتا کی کمر پکڑ لیتے ہیں ۔ مہتا اپنے چھڑانے کے لیے زور لگا رہے ہیں ۔ مرزا کو پالی کی طرف کھینچے لیے آ رہے ہیں ۔ لوگ پاگل ہوئے جاتے ہیں ۔ اب اس کا پتہ چلنا مشکل ہے کہ کون کھلاڑی ہے اور کون تماشائی ۔ سب ایک

میں مل جل گئے ہیں ، مرزا اور مہتا میں کشتی ہورہی ہے ۔ مرزا کے کئی بڈھے مہتا کی طرف لپکے اور ان سے لپٹ گئے ۔ مہتا زمین پر چپ چاپ پڑے ہوئے ہیں ۔ اگر وہ کسی طرح کھینچ کر دو ہاتھ اور لے جائیں تو ان کے پچاسوں آدمی جی اٹھتے ہیں مگر وہ ایک انچ بھی نہیں کھسک سکتے ۔ مرزا ان کی گردن پر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ مہتا کا چہرہ سرخ ہورہا ہے ، آنکھیں بیر بہوٹی بنی ہوئی ہیں ۔ پسینہ ٹپک رہا ہے اور مرزا اپنے موٹے جسم کا بوجھ لیے ان کی پیٹھ پر اچھل رہے ہیں ۔ مالتی نے قریب جاکر جوش میں کہا '' مرزا خورشید یہ فیئر نہیں ہے ، بازی ڈران رہی ۔''

خورشید نے مہتا کی گردن پر ایک رگڑا لگا کر کہا ۔'' جب تک یہ چیں نہ بولیں گے میں ہرگز نہ چھوڑوں گا ۔ کیوں نہیں چیں بولتے ؟''

مالتی اور آگے بڑھی ۔'' چیں بلانے کے لیے آپ اتنا جبر نہیں کرسکتے ۔''

مرزا نے مہتا کی پیٹھ پر اچھل کر کہا ''بیشک کرسکتا ہوں ۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ چیں بولیں ، میں ابھی اٹھا جاتا ہوں ۔''

مہتا نے ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی مگر مرزا نے ان کی گردن دبادی ۔

مالتی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ۔''یہ کھیل نہیں دشمنی ہے۔''

'' دشمنی ہی سہی ۔''

'' آپ نہ چھوڑیں گے ؟''

اسی وقت جیسے کوئی زلزلہ آگیا ۔ مرزا صاحب زمین پر پڑے ہوئے تھے اور مہتا دوڑے ہوئے پالی کی طرف بھاگے جارہے تھے اور ہزاروں آدمی پاگلوں کی طرح ٹوپیاں ، پگڑیاں ، اور چھڑیاں اچھال رہے تھے ۔ کیسے یہ کایا پلٹ ہوئی ، کوئی نہ سمجھ سکا ۔

مرزا نے مہتا کو گود میں اٹھا لیا اور لیے ہوئے شامیانے تک آئے ۔ ہر شخص کی زبان پر یہ الفاظ تھے ۔'' ڈاکٹر صاحب نے بازی مار لی ۔'' ایک ہر ایک شخص اس ہاری ہوئی بازی کی ایکبارگی پلٹ جانے پر متعجب تھا ۔ سبھی مہتا کے جیوٹ اور دم اور استقلال کی تعریف کررہے تھے ۔

مزدوروں کے لیے پہلے ہی سے نارنگیاں منگائی گئی تھیں انھیں ایک ایک نارنگی دے کر رخصت کیا گیا ۔ شامیانے میں مہمانوں کی چائے پانی کا انتظام تھا ۔ مہتا اور مرزا ایک ہی میز

پر آمنے سامنے بیٹھے، مالتی مہتا کے پاس بیٹھی۔

مہتا نے کہا۔'' مجھے آج ایک نیا تجربہ ہوا۔ عورت کی ہمدردی ہار کو جیت بنا سکتی ہے۔''

مرزا نے مالتی کی طرف دیکھا۔'' اچھا تو یہ بات تھی تبھی تو مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ آپ یکا یک اوپر کیسے آ گئے۔''

مالتی شرم سے سرخ ہوئی جاتی تھی بولی۔'' آپ بڑے بے مروت آدمی ہیں مرزا جی، مجھے آج معلوم ہوا۔''

'' قصور ان کا تھا۔ یہ کیوں چیں نہیں بولتے تھے۔''

'' میں تو چیں نہ بولتا چاہے آپ میری جان ہی لے لیتے۔''

کچھ دیر دوستوں میں غپ شپ ہوتی رہی۔ پھر شکریہ اور مبارک بعد کی تقریریں ہوئیں اور مہمان رخصت ہوئے۔ مالتی کو بھی ایک مریض کے لیے جانا تھا۔ پس وہ بھی چلی گئی۔ صرف مرزا اور مہتا رہ گئے۔ انھیں ابھی نہانا تھا۔ مٹی میں لت پت ہو رہے تھے۔ کپڑے کیسے پہنتے؟ گوبر پانی کھینچ لایا اور دونوں نہانے لگے۔

'' مرزا نے پوچھا۔'' شادی کب تک ہو گی؟''

مہتا نے حیرت سے پوچھا۔'' کس کی؟''

'' آپ کی۔''

'' میری شادی کس کے ساتھ؟''

'' واہ آپ تو ایسا اڑا رہے ہیں گویا یہ بھی کوئی چھپانے کی بات ہے۔''

'' نہیں نہیں، میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے بالکل خبر نہیں ہے۔ کیا میری شادی ہونے جا رہی ہے؟''

'' اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ مس مالتی آپ کی رفیق بن کر رہیں گی۔''

مہتا متانت سے بولے'' آپ کا قیاس بالکل غلط ہے مرزا جی! مس مالتی خوبصورت ہیں، خوش مزاج ہیں، سمجھدار ہیں؟ روشن خیال ہیں اور بھی ان کی کتنی ہی خوبیاں ہیں۔ مگر میں اپنی زندگی کی رفیقہ میں جو بات دیکھنا چاہتا ہوں وہ ان میں نہیں ہے اور نہ شاید ہو سکتی ہے۔ میرے ذہن میں عورت وفا اور ایثار کی مورت ہے جو اپنی بے زبانی اور اپنی قربانی سے اپنے کو بالکل مٹا کر شوہر کی روح کا ایک جزو بن جاتی ہے۔ قالب مرد کا رہتا ہے مگر جان

عورت کی ہوا کرتی ہے ۔ آپ کہیں گے کہ مرد اپنے کو کیوں نہیں مٹاتا عورت ہی سے کیوں یہ امید کرتا ہے ۔ مرد میں وہ سکت ہی نہیں ہے ۔ وہ اپنے کو مٹائے گا تو کچھ نہ رہ جائے گا ۔ وہ کسی گپھا میں جا بیٹھے گا اور وصال حق کا خواب دیکھنے لگے گا۔ اس میں جلال کی زیادتی ہے اور وہ اپنے گھمنڈ میں یہ سمجھ کر کہ وہ عقل کا پتلا ہے ، سیدھا خدا میں جذب ہوجانے کا تصور کیا کرتا ہے ۔ عورت زمین کی طرح صبر اور سکون اور برداشت والی ہے ۔ مرد میں عورت کے اوصاف آجاتے ہیں تو وہ مہاتما بن جاتا ہے اور عورت میں مرد کے گن آجائے تو وہ بدکردار بن جاتی ہے ۔ مرد راغب ہوتا ہے اس عورت کی طرف جو بہمہ وجوہ مکمل ہو ۔ مالتی نے ابھی مجھے راغب نہیں کیا ۔ میں آپ سے کن الفاظ میں کہوں کہ عورت میری نگاہوں میں کیا ہے ۔ دنیا میں جو کچھ خوبصورت ہے اسی کے مجسمہ کو میں عورت کہتا ہوں ۔ میں اس سے امید رکھتا ہوں کہ میں اسے مار بھی ڈالوں تو اس کے دل میں بدی کا خیال تک نہ آئے ۔ اگر میں اس کی آنکھوں کے سامنے کسی عورت کو پیار کروں تو بھی وہ حسد نہ کرے ایسی عورت پاکر میں اس کے قدموں پر گر پڑوں گا اور اس پر اپنے آپ کو نچھاور کر دوں گا ۔''

مرزا نے سر ہلا کر کہا ۔'' ایسی عورت آپ کو اس دنیا میں تو شاید ہی ملے ۔''

مہتا نے ہاتھ مار کر کہا ۔'' ایک نہیں ہزاروں ! ورنہ دنیا ویران ہوجاتی ۔''

'' ایسی ایک ہی مثال دیجیے ۔''

'' مسز کھنا ہی کو لیجیے ۔''

'' لیکن کھنا ۔''

'' کھنا بدنصیب ہیں جو ہیرا پاکر اسے کانچ کا ٹکڑا سمجھ رہے ہیں ۔ سوچیے کتنا ایثار ہے اور اس کے ساتھ ہی کتنی محبت ہے۔ کھنا کے صورت پرست دل میں شاید اس کے لیے ذرا بھی جگہ نہیں ہے مگر آج کھنا پر کوئی آفت آجائے تو وہ خود کو ان پر قربان کردے گی ۔ کھنا آج اندھے اور کوڑھی ہو جائیں تو بھی اس کی وفاداری میں فرق نہ آئے گا ! ابھی کھنا اس کی قدر نہیں کرر ہے ہیں مگر آپ دیکھیں گے کہ ایک دن وہ اس کے پیر دھو دھوکر پئیں گے ۔ میں ایسی بیوی نہیں چاہتا جس سے میں پروفیسر آئینسٹائن کے اصولوں پر بحث کرسکوں یا جو میری کتابوں کے پُروف دیکھا کرے۔ میں ایسی عورت چاہتا ہوں جو میری زندگی کو پاک اور روشن بنا دے اپنی محبت اور قربانی سے ۔''

خورشید نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جیسے کوئی بھولی بات یاد کرکے کہا ۔" آپ کا خیال بہت درست ہے ۔ مسٹر مہتا ایسی عورت کہیں مل جائے تو میں بھی شادی کرلوں ، مگر امید نہیں ہے کہ مجھے ملے ۔"

مہتا نے ہنس کر کہا۔" آپ بھی کھوج میں رہیے اور میں بھی ہوں ۔ شاید قسمت جاگ اٹھے ۔"

" مگر مس مالتی آپ کو چھوڑنے والی نہیں۔ کہیے لکھ دوں۔"

" ایسی عورتوں سے صرف میں دل بہلاؤ کر سکتا ہوں ، بیاہ نہیں ۔ بیاہ تو خود کو سراپا نذر کر دینا ہے اگر بیاہ یہی ہے تو محبت کیا ہے ۔"

" محبت جب اسی نذر کی صورت پکڑ لیتی ہے ۔ جب ہی بیاہ ہے اور اس کے قبل عیاشی ہے ۔"

مہتا نے کپڑے پہنے اور رخصت ہوگئے۔ شام ہو گئی تھی ۔ مرزا نے جاکر دیکھا تو گوبر ابھی تک پیڑوں کو سینچ رہا تھا ۔ مرزا نے خوش ہوکر کہا ۔" جاؤ اب تمھاری چھٹی ہے ۔ کل پھر آؤ گے ؟"

گوبر نے عاجزی سے کہا ۔" میں کہیں نوکری کرنا چاہتا ہوں مالک !"

" نوکری کرنا ہے تو ہم تجھے رکھ لیں گے ۔"

" کتنا ملے گا مالک ؟"

" جتنا تو مانگے ۔"

" میں کیا مانگوں ، آپ جو چاہیں دے دیں ۔"

" ہم تمھیں پندرہ روپے دیں گے اور خوب کس کر کام لیں گے ۔"

گوبر محنت سے نہیں ڈرتا ۔ اسے روپے ملیں تو آٹھوں پہر کام کرنے کو تیار ہے ۔ پندرہ روپے ملیں تو کیا پوچھنا وہ تو جان بھی دے دے گا ۔ بولا ۔" میرے لیے ایک کوٹھری مل جائے تو یہیں پڑا رہوں گا ۔"

" ہاں ۔ہاں جگہ کا انتظام میں کر دوں گا ۔ اسی جھونپڑی میں ایک طرف تم بھی پڑ رہنا۔"

گوبر کو جیسے بیکنٹھ مل گیا ۔

۱۴

ہوری کی پوری فصل جرمانے کے نذر ہوچکی تھی ۔ بیساکھ تو کسی طرح کٹ گیا مگر جیٹھ لگتے لگتے گھر میں غلے کا ایک دانہ نہ رہا۔ پانچ پانچ آدمی کھانے والے اور گھر میں غلہ ندارد۔ دونوں وقت نہ ملے تو ایک وقت تو ملنا چاہیے ۔ پیٹ بھر نہ ملے تو آدھا پیٹ ہی سہی فاقے سے کوئی کتنی دن رہ سکتا ہے ۔ ادھار لے تو کس سے ؟ گاؤں کے سبھی چھوٹے موٹے مہاجنوں سے تو منھ چرانا پڑتا تھا۔ مزدوری بھی کرے تو کس کی ؟ جیٹھ میں تو اپنا ہی کام ڈھیروں تھا ۔ اکھ میں پانی لگا ہوا تھا مگر خالی پیٹ محنت بھی کیسے ہو ۔

شام ہوگئی تھی ۔ چھوٹا بچہ رو رہا تھا ۔ ماں کو کھانا نہ ملے تو دود ھ کہا ں سے ہو؟ سونا یہ سب بات سمجھتی تھی مگر رویا کیا سمجھے ؟ بار بار روٹی روٹی چلا رہی تھی ۔دن بھر تو کچی امیوں سے دل بہلایا مگر اب تو کوئی ٹھوس چیز چاہیے ۔ ہوری دلاری سیٹھانی سے اناج ادھار مانگنے گیا تھا مگر وہ دوکان بند کر کے بازار چلی گئی تھی ۔ منگرو شاہ نے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ ڈانٹ بھی بتائی ۔'' ادھار مانگنے چلے ہیں تین سال سے دھیلا بیاج کا نہیں دیا ۔ اس پر ادھار دیے جاؤ ۔ اب دوسرے جنم میں دیں گے ! کھوٹی نیت ہوجاتی ہے تو یہی حال ہوتا ہے۔ بھگوان سے بھی یہ کھوٹائی دیکھی نہیں جاتی ۔ کارندے کی ڈانٹ پڑی تو کیسے چپ سے روپے اگل دیے۔ میرا روپیہ تو روپیہ ہی نہیں ہے ۔ اور گھر والی ہے تو اس کا مجاج ہی نہیں ملتا ۔''

وہاں سے آبدیدہ ہوکر لوٹا اور اداس بیٹھا ہوا تھا کہ پنیا آگ لینے آئی۔ رسوئی کے وقت دروازے پر جاکر دیکھا تو اندھیرا پڑا ہوا تھا ۔بولی '' آج روٹی نہیں بنا رہی ہو کیا بھابھی جی ؟ اب تو بیرا ہوگئی ہے ۔''

جب سے گوبر بھاگا تھا ، پنیا اور دھنیا میں بول چال ہوگئی تھی ۔ پنیا ہوری کا احسان بھی ماننے لگی تھی ۔ ہیرا کو اب وہ گالیاں دیتی تھی ۔'' ہتیارا گئو ہتیا کر کے بھاگا۔منھ میں کالکھ لگی ہے ، گھر کیسے آوے ؟ اور آوے تو گھر میں پاؤں نہ رکھنے دوں گی ۔ گئو ہتیا کر کے اسے لاج بھی نہ آئی ۔ بہت اچھا ہوتا کہ پولیس باندھ کر لے جاتی اور چکی پسواتی ۔''

دھنیا کوئی حیلہ نہ کرسکی بولی ۔'' روٹی کہاں سے بنے گی گھر میں دانہ تو ہے ہی نہیں۔ تیرے مہتو نے برادری کا پیٹ بھر دیا ، بال بچے مرے یا جئیں ۔ اب برادری جھانکتی تک نہیں ۔''

پنیا کی فصل اچھی ہوئی تھی اور وہ مانتی تھی کہ یہ ہوری کی بدولت ہے ۔ ہیرا کے ہاتھوں کبھی اتنی برکت نہ ہوئی تھی بولی ۔'' اناج میرے گھر سے کیوں نہیں منگوالیا ۔ وہ بھی تو مہتو کی کمائی ہے کہ کسی اور کی ہے ؟ سکھ کے دن آوے تو لڑ لینا ، دکھ تو ساتھ ساتھ رونے ہی سے کٹتا ہے ۔ میں کیا ایسی اندھی ہوں کہ آدمی کا دل نہیں پہچانتی؟ مہتو نے نہ سنبھالا ہوتا تو آج مجھے کہاں ٹھکانا تھا ؟'' وہ الٹے پاؤں لوٹی اور سونا کو بھی ساتھ لیتی گئی ۔ ایک لمحے میں دو بڑے ٹوکرے اناج سے بھرے ہوئے لاکر آنگن میں رکھ دیے ۔ دو من سے کم جو نہ تھا ۔ دھنیا ابھی کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ پھر وہ چل دی اور لمحہ بھر میں ایک بڑی سی ٹوکری ارہر کی دال سے بھری ہوئی لاکر رکھ دی اور بولی '' چلو میں چولھا جلائے دیتی ہوں ۔''

دھنیا نے دیکھا تو جو کے اوپر ایک چھوٹی سی ڈلیا میں چار پانچ سیر آٹا بھی تھا۔ آج زندگی میں پہلی مرتبہ وہ مغلوب ہوئی ۔ آنکھوں میں محبت اور شکریے کے آنسوں بھر کر بولی ۔'' سب کا سب اٹھا لائی کہ گھر میں بھی کچھ چھوڑا ؟ کہیں بھاگا جاتا تھا !''

آنگن میں بچہ کھٹولے پر پڑا رو رہا تھا ۔ پنیا اسے گود میں لے کر دلار کرتی ہوئی بولی۔'' تمھاری دیا سے ابھی بہت ہے بھابی جی ! پندرہ من تو جو ہے اور دس من گیہوں اور پانچ من مٹر ، کیا چھپانا ؟ دونوں گھروں کا کام چل جائے گا۔ دو تین مہینے میں پھر مکا ہو جائے گی آگے بھگوان مالک ہیں ۔''

جھنیا نے آکر آنچل سے چھوٹی ساس کے چرن چھوئے ۔ پنیا نے اسیس دی ۔ سونا آگ جلانے چلی اور روپا نے پانی کے لیے گھڑا اٹھایا ۔ رکی ہوئی گاڑی چل پڑی ۔ پانی میں رکاوٹ کے سبب جو بھنور تھا ، جھاگ تھا ، شور تھا بہاؤ کی تیزی تھی ، وہ رکاوٹ ہٹ جانے سے آہستہ آہستہ میٹھے راگ کے ساتھ برابر ہو کر بہہ چلا !

پنیا بولی ۔'' مہتو کو ڈانٹر دینے کی ایسی جلدی کیا پڑی تھی ؟''

دھنیا نے کہا ۔'' برادری میں اجاگر کیسے ہوتے ۔''

'' بھابھی برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔''

'' کہہ برا کیوں مانوں گی ؟''

'' نہ کہوں گی ، کہیں تم بگڑنے لگو۔''

'' کہتی ہوں کہ کچھ نہ بولوں گی کہہ تو۔''

'' تمھیں جھنیا کو گھر میں نہ رکھنا چاہیے تھا۔''

'' تب کیا کرتی؟ وہ ڈوبی مرتی تھی۔''

'' میرے گھر میں رکھ دیتیں ، تب تو کوئی کچھ نہ کہتا۔''

'' یہ تو تو آج کہتی ہے۔ اس دن بھیج دیتی تو جھاڑو لے کر دوڑتی۔''

'' اتنے کھرچ میں تو گوبر کا بیاہ ہوجاتا۔''

'' ہونہار کو کون ٹال سکتا ہے ، پگلی ؟ابھی اتنے ہی سے گلا نہیں چھوٹا۔ بھولا اب اپنی گائے کے دام مانگ رہا ہے تب تو گائے دی تھی کہ میری سگائی کہیں کردو ، اب کہتا ہے کہ مجھے سگائی نہیں کرنی میرے روپے دے دو۔ اس کے دونوں بیٹے لاٹھی لیے گھومتے ہیں۔ ہمارے کون بیٹھا ہے جو ان سے لڑے؟ اس ستیا ناسی گائے نے تو آکر گھر ہی چوپٹ کردیا۔''

کچھ اور باتیں کرکے پنیا آگ لے کر چلی گئی۔ ہوری سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اندر آکر بولا۔'' پنیا دل کی ساپھ ہے۔''

'' ہیرا بھی تو دل کا ساپھ تھا ؟''

دھنیا نے اناج تو رکھ لیا تھا مگر دل میں نادم ہورہی تھی۔ یہ دنوں کا پھیر ہے آج اسے یوں نیچا دیکھنا پڑا۔

'' تو کسی کا اوپکار نہیں مانتی یہی تجھ میں برائی ہے۔''

'' اپکار کیوں مانوں ؟ میرا آدمی اس کی گرہستی کے پیچھے جان دے رہا ہے ؟ پھر میں نے دان تھوڑے ہی لیا ہے۔ ایک ایک دانہ بھر دوں گی۔''

مگر پنیا اپنی جٹھانی کے خیالات سمجھ کر بھی ہوری کے احسان کا بدلہ چکاتی جاتی تھی۔ جب یہاں اناج ختم ہوجاتا تو من دومن دے جاتی۔ مگر جب چوماسہ آگیا اور برکھا نہ ہوئی تو مسئلہ بہت پیچیدہ ہوگیا۔ ساون کا مہینہ آگیا تھا اور چاروں طرف بگولے اٹھ رہے تھے۔ کنوؤں کا پانی بھی سوکھ گیا تھا اور اکھ دھوپ سے جلی جاتی تھی۔ ندی میں تھوڑا تھوڑا پانی ملتا تھا اس کے لیے آئے دن لاٹھیاں نکلتی رہتی تھیں ، یہاں تک کہ ندی نے بھی جواب دے دیا

۔ جگہ جگہ چوریاں ہونے لگیں اور ڈاکے پڑنے لگے ۔ علاقے بھر میں کہرام مچ گیا ۔ آخر خیرت ہوئی کہ بھادوں میں پانی برس پڑا اور کسانوں کے دل ہرے ہوگئے ۔ کتنی خوشی تھی اس دن ! پیاسی زمین گویا آسودہ ہی نہ ہوئی تھی اور پیاسے کسان اس طرح اچھل رہے تھے گویا پانی نہیں، اشرفیاں برس رہی ہیں ! سمیٹ لو جتنا سمیٹتے بنے ! کھیتوں میں جہاں بگولے اٹھتے تھے وہاں ہل چلنے لگے ، لڑکے گھروں سے نکل نکل کر تالابوں اور گڑھیوں کا معائنہ کرر ہے تھے ۔ اوہو ! تالاب تو آدھا بھر گیا ! اور وہاں سے گڑھیّا کی طرف دوڑے ۔

مگر اب کتنا ہی پانی برسے ایکھ تو ختم ہوگئی ۔ ہاتھ ہاتھ بھر کی ہوجائے گی۔ مکا ، جوار اور کودوں سے لگان تھوڑی ہی چکے گا ؟ مہاجن کا پیٹ تھوڑے ہی بھرا جائے گا ؟ ہاں مویشیوں کے لیے چارہ ہوگیا ۔ اور آدمی جی گیا ۔

جب ماگھ گذر گیا اور بھولا کے روپے نہ ملے تو ایک روز جھلایا ہوا ہوری کے گھر آدھمکا اور بولا ۔'' یہی ہے تمھارا وعدہ ؟ اسی منھ سے تم نے اوکھ پیل کر میرے روپے دینے کا بچن دیا تھا ؟ اب تو اوکھ پیل چکے ، لاؤ روپے میرے ہاتھ میں ۔''

ہوری جب اپنی بپتا سنا کر اور منت و سماجت کرکے ہار گیا اور بھولا دروازے سے نہ ہٹا تو اس نے جھنجھلا کر کہا ۔'' تو مہتو ابھی تو میرے پاس روپے نہیں ہیں اور نہ ہی مجھے کہیں ادھار مل سکتے ہیں ۔ میں کہاں سے لاؤ ں ؟ دانے دانے تنگی ہورہی ہے بسواس نہ ہو تو گھر میں جا کر دیکھ لو ۔ جو کچھ ملے اٹھالے جاؤ ۔''

بھولا نے بے مروتی سے کہا ۔'' میں تمھارے گھر میں کیوں تلاسی لینے جاؤں ؟ اور نہ مجھے اس سے واسطہ ہے کہ تمھارے پاس روپے ہیں کہ نہیں ۔تم نے اوکھ پیل کر روپے دینے کہا تھا اور اوکھ پیل چکے تو اب میرے روپے میرے حوالے کرو ۔''

'' تو پھر جو کہو وہ کروں ۔''

'' میں کیا کہوں ؟''

'' میں تم ہی پر چھوڑتا ہوں ۔''

'' میں تمھارے دونوں بیل کھول لے جاؤں گا ۔''

ہوری نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا گویا اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو ۔ پھر سر جھکا کر رہ گیا ۔ بھولا کیا اسے بھکاری بنا کر چھوڑ دینا چاہتا ہے ؟ دونوں بیل چلے گئے تب تو

اس کے دونوں ہاتھ ہی کٹ جائیں گے ۔ عاجزی سے بولا ۔'' دونوں بیل لے لو گے تو میرا تو سب سواہا ہو جائے گا ۔ اگر تمھارا دھرم یہی کہتا ہے تو کھول لے جاؤ۔''

تمھارے بننے بگڑنے کی مجھے پرواہ نہیں ہے ۔ مجھے تو اپنے روپے چاہئیں ۔''

'' اور جو میں کہہ دوں کہ میں نے روپے دے دیے ہیں ؟''

بھولا سناٹے میں آ گیا اسے بھی اپنے کانوں پر اعتبار نہ ہوا ۔ ہوری اتنی بڑی بے ایمانی کرسکتا ہے ، یہ ممکن نہیں ۔ تیز ہوکر بولا ۔'' اگر تم ہاتھ میں گنگا جل لے کر کہہ دو کہ میں نے روپیہ دے دیا تو صبر کرلوں گا ۔''

'' کہنے کا من تو چاہتا ہے ، مرتا کیا نہ کرتا ، پر کہوں گا نہیں ۔''

'' تم کہہ ہی نہیں سکتے ۔''

'' ہاں بھیا میں کہہ نہیں سکتا ۔ ہنسی کر رہا تھا ۔''

ایک لمحے وہ دبدبے میں پڑا رہا پھر بولا ۔'' تم مجھ سے اتنا بیر کیوں پال رہے ہو، بھولا بھائی ؟ جھنیا میرے گھر میں آ گئی تو مجھے کون سا بیکنٹھ مل گیا ؟ لڑکا ہاتھ سے گیا ، دو سو روپیہ ڈنڈ الگ بھرنا پڑا ، میں تو کہیں کا نہ رہا ۔ اور اب تم بھی میری جڑ کھود رہے ہو ۔ رام جانتے ہیں ، میں بالکل نہ جانتا تھا کہ لونڈا کیا کر رہا ہے ۔ میں سمجھتا تھا کہ گانا سننے جاتا ہوگا ۔ مجھے تو اس دن پتہ چلا جب آدھی رات کو جھنیا گھر میں آئی ۔ اس بکھت میں گھر میں نہ رکھتا تو سوچو کہاں جاتی کس کی ہوکر رہتی ۔''

جھنیا بروٹھے کے دروازے پر چھپ کر کھڑی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھی ۔ باپ کو اب وہ باپ نہیں بیری سمجھتی تھی ۔ ڈری کہ کہیں ہوری بیلوں کو دے نہ دیں ۔ جاکر روپا سے بولی ۔'' اماں کو جلدی بلا لا ، کہنا کہ بڑا کام ہے دیر نہ کرو ۔''

دھنیا کھیت میں گوبر پھینکنے گئی تھی ۔ بہو کا سندیسہ سنا تو آ کر بولی ۔'' کاہے کو بلایا ہے۔ بہو میں تو گھبرا گئی ۔''

'' کاکا کو تم نے دیکھا ہے نا ؟''

'' ہاں دیکھا ہے ، کسائی کی طرح باہر بیٹھا ہوا ہے ۔ میں تو بولی ہی نہیں ۔''

'' ہمارے دونوں بیل مانگ رہے ہیں دادا سے ۔''

دھنیا کے پیٹ کی آنتیں اندر سمٹ گئیں بولی ۔'' دونوں مانگ رہے ہیں !''

'' ہاں کہتے ہیں یا تو ہمارا روپیہ دو یا دونوں بیل کھول لے جائیں گے۔''

'' تیرے دادا نے کیا کہا؟''

'' انھوں نے کہا کہ تمھارا دھرم کہتا ہو تو کھول لے جاؤ۔''

'' تو کھول لے جائے ، پر اسی دوارے پر آکر بھیک نہ مانگیں تو میرے نام پر تھوک دینا۔ ہمارے لہو سے اس کی چھاتی ٹھنڈی ہو تو ٹھنڈی کر لے۔''

وہ اسی طیش میں باہر آکر ہوری سے بولی۔'' مہتو دونوں بیل مانگ رہے ہیں تو دے کیوں نہیں دیتے ؟ ان کا پیٹ بھرے ، ہمارے رام مالک ہیں۔ ہمارے ہاتھ تو نہیں کاٹ لیں گے؟ اب تک اپنی مجوری کرتے ہیں اب دوسروں کی مجوری کریں گے۔ بھگوان کی مرضی ہوگی تو بیل بدھیا ہو جائیں گے۔ اور مجوری ہی کرتے رہے تو کون برائی ہے ؟ سوکھا پالا اور لگان کا بوجھ تو نہ رہے گا۔ میں نہ جانتی تھی کہ یہ ہمارے بیری ہیں نہیں تو گائے لے کر اپنے سر پر بلا کیوں باندھتی۔ اس نگوڑی کا تو را جس دن سے آیا گھر تہس نہس ہو گیا۔''

بھولا نے اب تک جس ہتھیار کو چھپا رکھا تھا اب اسے نکالنے کا وقت آگیا اسے یقین ہوگیا کہ بیلوں کہ سوا ان سب کے پاس اور کوئی سہارا نہیں ہے۔ بیلوں کو بچانے کے لیے یہ لوگ سب کچھ کرنے کو تیار ہوجائیں گے۔ اچھے نشانے باز کی طرح دل کو ٹھہرا کر بولا۔'' اگر تم چاہتے ہو کہ ہمارے بے اجتی ہو اور تم چین سے بیٹھو تو یہ نہ ہوگا۔ تم اپنے سو دو سو روپے کو روتے ہو اور یہاں لاکھ روپے کی آبرو بگڑ گئی۔ تمھاری کسل اسی میں ہے کہ جیسے جھنیا کو گھر میں رکھا تھا ویسے ہی اسے گھر سے نکال دو۔ پھر نہ تو ہم بیل مانگیں گے اور نہ گائے کے دام لیں گے۔ اس نے ہماری ناک کٹوائی ہے تو میں بھی اسے ٹھوکریں کھاتے دیکھنا چاہتا ہوں وہ یہاں رانی بنی بیٹھی رہے اور ہم منھ میں کالکھ پوتے اس کے نام کو روتے رہیں ، میں یہ نہیں دیکھ سکتا۔ وہ میری بیٹی ہے ، میں نے اسے گود میں کھلایا ہے اور بھگوان ساکچھی ہیں کہ میں نے اسے کبھی بیٹوں سے کم نہیں سمجھا ، پر آج اسے بھیک مانگتے اور گھوڑے پر دانے چنتے دیکھ میری چھاتی ٹھنڈی ہوجائے گی۔ جب باپ ہوکر میں نے اپنا دل اتنا کٹھور بنا لیا ہے تب سوچو میرے دل پر کتنی بڑی چوٹ پڑی ہوگی ؟ اس منھ جلی نے سات پیڑھی کا نام ڈبا دیا اور تم اسے گھر میں رکھے ہوئے ہو ، یہ میری چھاتی پر مونگ دلنا نہیں تو اور کیا ہے؟''

دھنیا نے جیسے پتھر کی لکیر کھینچتے ہوئے کہا۔'' تو مہتو، میری بھی سن ! جو بات تم چاہتے

ہو وہ نہ ہوگی ، سو جنم نہ ہوگی ۔ جھنیا ہماری جان کے ساتھ ہے ۔تم بیل ہی تو لے جانے کہتے ہو سو لے جاؤ۔ اگر اس سے تمھاری کٹی ہوئی ناک جڑتی ہو تو جوڑلو ، پرکھوں کی آبرو بچتی ہو تو بچالو ۔ جھنیا سے برائی جرور ہوئی ۔ جس دن اس نے میرے گھر میں پاؤں رکھا میں جھاڑو لے کر مارنے اٹھتی تھی ۔مگر جب اس کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو گرنے لگے تو مجھے اس پر ترس آگیا ۔تم اب بوڑھے ہو گئے ہومہتو ، پر آج بھی تمھیں بیاہ کی دھن سوار ہے ، پھر وہ تو ابھی بچہ ہے ۔''

بھولا نے اپیل بھری آنکھوں سے ہوری کو دیکھا ۔'' سنتے ہو ہوری اس کی باتیں ! اب میرا دوکھ نہیں ، میں بنا بیل لیے نہ جاؤں گا ۔''

ہوری نے استقلال سے کہا '' لے جاؤ ۔''

'' پھر رونا مت کے میرے بیل کھول لیے گئے ۔''

''نہیں روؤ ں گا ۔''

بھولا بیلوں کی رسیاں کھول ہی رہا تھا کہ جھنیا پیوند دار ساڑی پہنے اور بچے کو گود میں لیے نکل کر باہر آگئی اور کانپتی ہوئی آواز میں بولی ۔'' کاکا لو میں اس گھر سے نکلی جاتی ہوں اور جیسا تم چاہتے ہو اسی طرح بھیک مانگ کر اپنا اور اپنے بچے کا پیٹ پالوں گی اور جب بھیک بھی نہ ملے تو کہیں ڈوب مروں گی ۔''

بھولا کھسیا کر بولا ۔'' دور ہو میرے سامنے سے ! بھگوان نہ کرے مجھے تیرا منھ دیکھنا پڑے ، کلچھنی ، کلنکنی کہیں کی ! اب تیرے لیے ڈوب ہی مرنا ٹھیک ہے ۔''

جھنیا نے اس کی طرف تاکا بھی نہیں ۔ اس میں وہ غصہ تھا جو خود کو نگل جاتا چاہتا ہے۔ جس میں ہنسا نہیں ، بلدان ہے ۔ دھرتی اس وقت منھ کھول کر اسے نگل لیتی تو وہ اپنے آپ کو کتنا دھنیہ مانتی ۔ اس نے آگے قدم بڑھایا۔

مگر وہ دو قدم بھی نہ گئی تھی کہ دھنیا نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور سختی بھری محبت سے بولی ۔'' تو کہاں جاتی ہے بہو؟ چل گھر میں ! یہ تیرا گھر ہے ، ہمارے جیتے جی اور ہمارے مرنے پر بھی ۔ ڈوب مرے وہ جسے اپنی اولاد سے بیر ہو ! اس بھلے آدمی کو منھ سے ایسی بات نکالتے لاج بھی نہیں آتی ۔ مجھ پر دھونس جماتا ہے ۔ نیچ لے جا بیلوں کا کھون پی ....''

جھنیا روتی ہوئی بولی ۔'' اماں جب اپنا باپ ہو کے مجھے دھتکار رہا ہے تو مجھے ڈوب ہی

مرنے دو۔ مجھ ابھاگنی کے کارن تو تمھیں دکھ ہی ملا جب سے آئی، تمھارا گھر مٹی میں مل گیا۔ تم نے اتنے دن مجھے جس پریم سے رکھا ماں بھی نہ رکھتی، بھگوان مجھے پھر جنم دیں تو تمھارے کوکھ سے دیں یہی میری اچھا ہے۔''

دھنیا اسے اپنی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔'' وہ تیرا باپ نہیں ہے۔ تیری بیری ہے ہتیارا۔ ماں ہوتی تو اسے درد ہوتا۔ کر سگائی، مہریا جوتوں سے نہ پیٹے تو پھر کہنا!''

جھنیا ساس کے پیچھے پیچھے گھر میں چلی گئی۔ ادھر بھولا نے جاکر دونوں بیلوں کو کھونٹوں سے کھولا اور ہانپتا ہوا گھر چلا جیسے کسی نیوتے میں آکر پوریوں کے عوض جوتے پڑے ہوں۔'' اب کرو کھیتی اور بجاؤ بنسی، میری بے اجتی کرنا چاہتے ہیں سب نہ جانے کب کی عداوت نکال رہے ہیں، نہیں تو ایسی لڑکی کی کون بھلا آدمی اپنے گھر میں رکھے گا؟ سب کے سب بے سرم ہو گئے ہیں، لونڈے کا کہیں بیاہ نہ ہوتا تھا اسی سے اور اس رانڈ جھنیا کی ڈھٹائی دیکھو کہ آکر میرے آگے کھڑی ہوگئی۔ دوسری لڑکی ہوتی تو منھ نہ دکھاتی۔ آنکھ کا پانی مر گیا ہے۔ سب کے سب دشٹ اور مورکھ ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ جھنیا اب ہماری ہو گئی۔ یہ نہیں جانتے کہ جو اپنے باپ کے گھر نہ رہی وہ کسی کے گھر نہ رہے گی۔ بکھت برا ہے نہیں تو بیچ بجار میں اس چڑیل دھنیا کے جھونٹے پکڑ کر گھسیٹتا۔ مجھے کتنی گالیاں دیتی تھی۔''

پھر اس نے دونوں بیلوں کو دیکھا۔ کتنے تیار ہیں۔ اچھی جوڑی ہے جہاں چاہوں سو روپے میں بیچ سکتا ہوں۔ میرے اسی روپے کھرے ہو جائیں گے۔'' ابھی وہ گاؤں کے باہر بھی نہ نکلا تھا کہ پیچھے سے داتادین، پٹیشوری، سوبھا اور دس بیس آدمی اور دوڑے آتے دکھائی دیے۔ بھولا کا لہو سرد ہوگیا۔ اب فوجداری ہوئی۔ بیل بھی چھن جائیں گے، مار بھی پڑے گی۔ وہ رک گیا کمر کس کر۔ مرنا ہے تو لڑ کر مرے گا۔''

داتادین نے پاس جاکر کہا۔'' یہ تم نے کیا انرتھ کیا بھولا؟ اس کے بیل کھول لائے اور وہ کچھ بولا نہیں اسی سے تم سیر ہو گئے۔ سب لوگ اپنے اپنے کام میں لگے تھے کسی کو کھبر بھی نہ ہوئی۔ ہوری نے تنک سا اسارا کیا ہوتا تو تمھارا ایک ایک بال بن جاتا۔ بھلا چاہتے ہو تو لے چلو بیل! کچھ بھی بھلمنسی نہیں ہے تم میں۔''

پٹیشوری بولے۔'' یہ اس کے سیدھے پن کا پھل ہے۔ تمھارے روپے اس پر آتے ہیں تو جاکر دیوانی میں دعویٰ کرو اور ڈگری کراؤ۔ بیل کھول لانے کا تمھیں کیا اکھتیار ہے

ابھی پھوجداری میں دعویٰ کر دے تو بندھے بندھے پھرو۔''

بھولا نے دب کر کہا '' تو لالہ صاحب ہم کچھ جبر دستی تھوڑے ہی کھول لائے ہوری نے آپ دیے۔''

پٹشیوری نے سوبھا سے کہا۔'' تم بیلوں کو لوٹا دو سوبھا ! کسان اپنے بیل کھسی سے دے دے گا تو ہل میں کن کو جوتے گا ؟''

بھولا بیلوں کے سامنے کھڑا ہوگیا '' ہمارے روپے دلوا دو ہمیں بیلوں کو لے کر کیا کرنا ہے ؟''

'' ہم بیل لیے جاتے ہیں ۔ اپنے روپے کے لیے دعویٰ کر و اورنہیں تو مار کر گرا دیے جاؤ گے روپے دیے تھے نگد تم نے ؟ ایک منحوس گائے بیچارے کے سر منڈھ دی اور اب اس کے بیل کھولے لیے جاتے ہو۔''

بھولا بیلوں کے سامنے سے نہ ہٹا ۔ کھڑا رہا گم صم اور مضبوطی سے جما ہوا ، جیسے مر کر ہی ہٹے گا ۔ پٹواری سے حجت کر کے وہ کیسے پیش پاتا ؟

داتادین نے ایک قدم آگے بڑھ کر اپنی جھکی کمر سیدھا کر کے للکارا '' تم سب کھڑے تاکتے کیا ہو؟ مار کے بھگا دو اس کو ! ہمارے گاؤں سے بیل کھول لے جائے گا ؟ ،،

بنسی طاقتور جوان تھا ۔ اس نے بھولا کو زور سے دھکا دیا ۔ بھولا سنبھل نہ سکا ، گر پڑا۔ اٹھنا چاہتا تھا کہ بنسی نے پھر ایک گھونسہ جمایا ۔

ہوری دوڑتا ہوا آرہا تھا بھولا نے اس کی طرف دس قدم بڑھ کر پوچھا '' ایمان سے کہنا ہوری مہتو ! میں نے بیل جبر دستی کھول لیے ؟''

داتادین نے اس کا مطلب یوں نکالا '' یہ کہتے ہیں کہ ہوری نے اپنی کھسی سے بیل مجھے دیے ہمیں الو بناتے ہیں ۔ ،،

ہوری نے لجاتے ہوئے کہا ۔'' یہ مجھ سے کہنے لگے کہ یا تو جھنیا کو گھر سے نکال دو یا میرے روپے دے دو ، نہیں میں بیل کھول لے جاؤ ں گا ۔ میں نے کہا میں بہو کو تو نہ نکالوں گا اور نہ میرے پاس روپے ہیں مگر تمھارا دھرم کہے تو بیل کھول لو ۔ میں نے ان کے دھرم پر چھوڑ دیا اور انھوں نے بیل کھول لیے ۔''

پٹشیوری نے اداس ہو کر کہا ۔'' جب تم نے دھرم پر چھوڑ دیا تب کاہے کی جبر دستی؟

اس کے دھرم نے کہا تو لیے جاتا ہے۔ لے جاؤ بھیا بیل تمھارے ہیں۔"

داتا دین نے تائید کی" ہاں دھرم کی بات آگئی تو کوئی کیا کہے؟"

سب کے سب ہوری کو حقارت سے دیکھتے ہوئے ہار کر لوٹ پڑے اور فتح مند بھولا شان سے گردن اٹھائے ہوئے بیلوں کو لے چلا۔

۱۵

مالتی ظاہر میں تتلی ہے مگر باطن میں شہد کی مکھی۔ اس کی زندگی میں ہنسی ہی ہنسی نہیں ہے۔صرف گڑ کھا کر کون جی سکتا ہے ؟ اور جیے بھی تو وہ کوئی سکھ کی زندگی نہ ہوگی ۔ وہ ہنستی ہے اس لیے کہ اسے اس کی بھی قیمت ملتی ہے ۔ اس کا چہکنا اور چمکنا اس لیے نہیں ہے کہ وہ چہکنے اور چمکنے ہی کو زندگی سمجھتی ہے یا اس نے اپنے آپ کو اپنی آنکھوں میں اتنا بڑا بنا لیا ہے وہ جو کچھ کرے اپنے ہی لیے کرے ۔نہیں ، وہ اس لیے چہکتی ہے اور مذاق کرتی ہے کہ اس سے اس کے فرض کا بار کسی قدر ہلکا ہو جاتا ہے ۔ اس کے باپ ان عجیب آدمیوں میں تھے جو صرف زبان کی مدد سے لاکھوں کے وارے نیارے کرتے تھے ۔ بڑے بڑے زمینداروں اور رئیسوں کی جائیدادیں فروخت کرانا ،انھیں قرض دلانا یا ان کے معاملوں کو افسروں سے مل کر طے کرا دینا یہی ان کا کاروبار تھا ۔ دوسرے لفظوں میں وہ دلال تھے ۔ اس طبقے کے لوگ بڑے طباع ہوتے ہیں ۔ جس کام سے کچھ ملنے کی امید ہو اسے اٹھالیں گے اور کسی نہ کسی طرح اسے پورا بھی کردیں گے ۔کسی راجا کی شادی کسی راجکماری سے طے کرادی اور دس بیس ہزار مار لیے ۔ یہی دلال جب چھوٹے سودے کرتے ہیں تو '' ٹاؤٹ،، کہے جاتے ہیں اور ہم ان سے نفرت کرتے ہیں ۔بڑے بڑے کام کرکے وہی ٹاؤٹ راجاؤں کے ساتھ شکار کھیلتا ہے اور گورنروں کی میز پر چائے پیتا ہے۔ مسٹر کول ان ہی خوش نصیبوں میں تھے ۔ان کے تین لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں۔ان کا ارادہ تھا کہ تینوں کو انگلستان بھیج کر تعلیم کی چوٹی تک پہنچا دیں ۔ اور بہت سے بڑے آدمیوں کی طرح ان کا بھی یہی خیال تھا کہ وہاں تعلیم پاکر آدمی کچھ اور ہوجاتا ہے ۔ شاید وہاں کی آب وہوا میں ذہن کو تیز کر دینے کی کوئی طاقت ہے مگر ان کی یہ خواہش ایک تہائی سے زیادہ پوری نہ ہوئی ۔ مالتی انگلستان ہی میں تھی کہ ان پر فالج گرا جو انھیں نکما بنا گیا۔ اب بڑی مشکل سے دو آدمیوں کے سہارے اٹھتے بیٹھتے تھے ۔ زبان تو بالکل بند ہی ہوگئی تھی ، اور جب زبان ہی بند ہوگئی تو آمدنی بھی بند ہوئی ۔ جو کچھ تھی زبان ہی کی کمائی تھی ۔ کچھ بچا رکھنے کی عادت نہ تھی ۔ غیر مقرّرہ آمدنی تھی اور ویسا ہی

خرچ تھا ، پس ادھر کئی سال سے تنگ حال ہورہے تھے۔ کل ذمہ داری مالتی پر آپڑی تھی ۔ مالتی کے چار پانچ سو روپیوں میں وہ ٹھاٹھ باٹ تو کیا نبھتا ، ہاں اتنا تھا کہ لڑکیوں کی تعلیم ہوتی جاتی تھی اور بھلے مانسوں کی طرح زندگی بسر ہورہی تھی ۔ مالتی صبح سے پہر رات تک دوڑتی رہتی تھی ۔ چاہتی تھی کہ والد پرہیز سے رہیں مگر والد صاحب کو کباب وشراب کا ایسا چسکا پڑگیا تھا کہ کسی طرح گلا نہ چھوٹتا تھا ۔ کہیں سے کچھ نہ ملتا تو ایک مہاجن سے اپنے بنگلے پر پُرنوٹ لکھ کر ہزار دو ہزار لے لیتے تھے ۔ مہاجن ان کا پرانا دوست تھا ۔ جس نے ان کی بدولت لین دین میں لاکھوں پیدا کیے تھے اور مروت کی وجہ سے کچھ بولتا نہ تھا ۔ اس کے پچیس ہزار ہو چکے تھے اور جب چاہتا قرقی کرا سکتا تھا ۔ مگر دوستی کی لاج نبھاتا جاتا تھا ۔ خود پرستوں میں جو بے غیرتی آجاتی ہے وہ مسٹر کول میں بھی تھی ۔ تقاضے ہوا کریں انھیں پرواہ نہ تھی ۔ مالتی ان کی فضول خرچی پر جھنجھلاتی رہتی تھی مگر ان کی ماں جو مجسم دیوی تھی اور اس زمانے میں بھی شوہر کی خدمت کرنا نسوانی زندگی کا مقصد سمجھتی تھی ، اسے سمجھا دیتی تھی ۔ اس لیے خانہ جنگی کی نوبت نہ آتی تھی ۔

شام ہوگئی تھی ۔ ہوا میں ابھی تک گرمی تھی ۔ آسمان پر دھند چھایا ہوا تھا ۔ مالتی اور اس کی دونوں بہنیں بنگلے کے سامنے گھاس پر بیٹھی ہوئی تھیں ۔ پانی نہ پانے کے سبب وہاں دوب جل گئی تھی اور اندر کی مٹی باہر نکل آئی تھی ۔ مالتی نے پوچھا ’’ مالی کیا بالکل پانی نہیں دیتا ؟‘‘

منجھلی بہن سروج نے کہا ۔’’ پڑا پڑا سویا کرتا ہے سُور ۔ جب کہو تو بیس بہانے بنانے لگتا ہے ۔‘‘

سروج بی ۔ اے ۔ میں پڑھتی تھی ، دبلی ،لمبی ، زرد ، خشک اور تلخ مزاج ۔ اسے کسی کی کوئی بات پسند نہ آتی تھی ، ہمیشہ عیب نکالتی رہتی تھی ۔ ڈاکٹروں کی صلاح تھی کہ وہ کوئی محنت کا کام نہ کرے اور پہاڑ پر رہے ، مگر گھر کی حالت ایسی نہ تھی کہ اسے پہاڑ پر بھیجا جاسکتا ۔

سب سے چھوٹی وَرداَ کو سروج سے اس لیے مغائرت تھی کہ سارا گھر سروج کو ہاتھوں ہاتھ لیے رہتا تھا وہ چاہتی تھی کہ جس بیماری میں اتنا آرام ہے وہ اسے ہی کیوں نہیں ہوجاتی؟ گوری سی مغرور وتندروست اور شوخ آنکھوں والی لڑکی تھی ۔ چہرے پر فہم وفراست کی جھلک تھی ۔ سروج کے سوا اسے کل دنیا سے ہمدردی تھی ۔ سروج کی بات کی مخالفت کرنا اس کا

خاصہ تھا۔ بولی '' دن بھر دادا جی بازار بھیجتے رہتے ہیں ، فرصت ہی کہاں پاتا ہے ؟ مرنے کی چھٹی تو ملتی نہیں ، پڑا پڑا سوئے گا ؟''

سروج نے ڈانٹا '' دادا جی اسے کب بازار بھیجتے ہیں ری ؟ جھوٹی کہیں کی ؟''

'' روز بھیجتے ہیں روز ۔ ابھی تو آج ہی بھیجا تھا ۔ کہو تو بلوا کر پچھوا دوں ؟''

'' پچھوائے گی بلواؤں ؟''

'' مالتی ڈری ۔ دونوں گتھ جائیں گی تو بیٹھنا مشکل کردیں گی ۔ بات بدل کر بولی۔'' اچھا خیر ہوگا آج ڈاکٹر مہتا کی تمھارے یہاں تقریر ہوئی تھی ، سروج ۔''

سروج نے ناک سکیڑ کر کہا '' ہاں ہوئی تو تھی ، مگر کسی نے پسند نہیں کی ۔ آپ فرمانے لگے کہ دنیا میں عورتوں کا دائرہ مردوں سے بالکل الگ ہے ، اور عورتوں کا مرود ں کے دائرے میں آنا اس جگ کا ایک کلنک ہے ۔ سب لڑکیوں نے تالیاں اور سیٹیا ں بجانی شروع کیں ۔ بیچارے شرمندہ ہو کر بیٹھ رہے ۔ کچھ عجیب سے آدمی معلوم ہوتے ہیں ۔ آپ نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ پریم صرف شاعروں کا تصور ہے۔ٹھوس زندگی میں اس کا کہیں پتہ نہیں ۔ لیڈی ہکو نے ان کا خوب مضحکہ اڑایا ۔''

مالتی نے اعتراض کیا '' لیڈی ہکو نے ؟ اس بارے میں وہ بھی کچھ بولنے کی ہمت رکھتی ہیں ! تمھیں ڈاکٹر صاحب کا لیکچر شروع سے آخر تک سننا چاہیے تھا ۔ انھوں نے دل میں لڑکیوں کو کیا سمجھا ہوگا ؟''

'' پورا لیکچر سننے کی برداشت کسے تھی ؟ وہ تو جیسے زخم پر نمک چھڑک رہے تھے ۔''

'' تو پھر انھیں بلایا ہی کیوں تھا ؟ آخر انھیں عورتوں سے کوئی بیر تو ہے نہیں ۔ جس بات کو ہم سچ سمجھتے ہیں وہی تو وہ بھی کہتے ہیں ۔ عورتوں کو خوش کرنے کے لیے وہ ان کی سی کہنے والو ں میں نہیں ہیں ، اور پھر ابھی یہ کون جانتا ہے کہ عورتیں جس راستے پر چلنا چاہتی ہیں وہی ٹھیک ہے ۔ بہت ممکن ہے کہ آگے چل کر اپنی رائے بدلنی پڑے ۔''

اس نے فرانس اور جرمنی اور اٹلی کی عورتوں کی زندگی کا معیار بتلایا اور کہا کہ '' جلد ہی ویمنس لیگ (مجلس نسواں) کی طرف سے مہتا کا لیکچر ہونے والا ہے ۔''

سروج کو تعجب ہوا ۔ بولی ۔'' مگر آپ بھی تو کہتی ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق مساوی ہونے چاہئیں ۔''

'' اب بھی کہتی ہوں ، لیکن مخالف پارٹی والے کیا کہتے ہیں یہ بھی تو سننا چاہیے ۔ ممکن ہے کہ ہم ہی غلطی پر ہوں ۔'' یہ لیگ اس شہر کی نئی انجمن ہے اور مالتی کی کوشش سے قائم ہوئی ہے ۔ شہر کی سب سے تعلیم یافتہ خواتین اس میں شریک ہیں ۔ مہتا کی اول تقریر نے عورتوں میں بڑی ہل چل مچادی تھی اور لیگ نے طے کیا تھا کہ انھیں خوب دندان شکن جواب دیا جائے ۔ مالتی ہی پر یہ بار ڈالا گیا تھا ۔ مالتی کئی روز تک اپنی بات کی حمایت میں دلائل اور ثبوت تلاش کرتی رہی ۔ اور بھی کئی عورتیں اپنی تقریریں لکھ رہی تھیں اس دن جب مہتا شام کو لیگ کے ہال میں پہنچے تو معلوم ہوتا تھا ہال پھٹ جائے گا ۔ انھیں فخر ہوا کہ ان کی تقریر سننے کے لیے اتنا شوق ! اور وہ شوق صرف چہرے پر اور آنکھوں میں نہ تھا ! آج سبھی عورتیں سونا اور ریشم سے لدی ہوئی تھیں گویا کسی بارات میں آئی ہوں ۔ مہتا کو مغلوب کرنے کے لیے پوری طاقت سے کام لیا گیا تھا ، اور یہ کون کہہ سکتا تھا کہ جگمگاہٹ طاقت کا جزو نہیں ہے ؟ ما لتی نے تو آج کے لیے نئے فیشن کی ساڑی نکالی تھی ، نئی کاٹ کے جمپر بنوائے تھے اور رنگ روغن اور پھولوں سے خوب سجی ہوئی تھی جیسے اس کا بیاہ ہورہا ہو ۔ لیگ میں اتنی دھوم دھام اور کبھی نہ ہوئی تھی ۔ ڈاکٹر مہتا تنہا تھے ، پھر بھی دیویوں کے دل کانپ رہے تھے ۔ سچائی کی ایک چنگاری جھوٹ کے ایک پہاڑ کو جلا کر خاک کرسکتی ہے ۔

سب سے پیچھے کی صف میں مرزا اور کھنااور اڈیٹر صاحب بھی موجود تھے ۔ رائے صاحب لیکچر شروع ہونے کے بعد آئے اور پیچھے کھڑے ہو گئے ۔

مرزا نے کہا '' آجایئے آپ بھی کھڑے کب تک رہیے گا ؟''

رائے صاحب بولے '' ۔ نہیں بھئی وہاں میرا دم گھٹنے لگے گا ۔''

'' تو میں کھڑا ہوتا ہوں آپ بیٹھیے ۔''

رائے صاحب نے ان کے کندھے دبائے ''تکلف کی ضرورت نہیں بیٹھے رہیے میں تھک جاؤں گا تو آپ کو اٹھا دوں گا اور میں بیٹھ جاؤں گا ۔اچھا مس مالتی جلسے کی صدر ہوئی ہیں ۔ کھنا صاحب کچھ انعام دلوائیے ۔''

کھنا نے رونی صورت بنا کر کہا ۔'' اب تو مسٹر مہتا پر نگاہ ہے ، میں تو گر گیا ۔''

مہتا کی تقریر شروع ہوئی ۔'' دیویوں جب میں اس طرح آپ کو مخاطب کرتا ہوں تو آپ کو کوئی بات کھٹکتی نہیں ۔ آپ اس عزت کو اپنا حق سمجھتی ہیں ۔ مگر کیا آپ نے کسی عورت

کو مردوں کے لیے دیوتا استعمال کرتے سنا ہے ؟ آپ اسے دیوتا کہیں تو وہ سمجھے گا کہ آپ اسے بنا رہی ہیں ۔ آپ کے پاس دان کے لیے دیا ہے ، بھگتی اور تیاگ ہے ۔ مرد کے پاس دان کے لیے کیا ہے ؟ وہ دیوتا نہیں ، لیوتا ہے ۔ وہ حقوق کے لیے ہنسا کرتا ہے ، لڑتا ہے ، اور فتنہ فساد اٹھاتا رہتا ہے ۔'' تالیاں بجیں ۔ رائے صاحب نے کہا ۔'' عورتوں کو خوش کرنے کا اس نے کتنا اچھا ڈھنگ نکالا ہے ۔''

بجلی کے ایڈیٹر کو برا لگا '' کوئی نئی بات نہیں ، میں کتنی ہی بار یہی کہہ چکا ہوں ۔'' مہتا آگے بڑھے ۔'' اس لیے جب میں دیکھتا ہو کہ ہماری ترقی یافتہ دیویاں بھگتی اور تیاگ کی زندگی سے اکتا کر لڑائی اور فساد اور ہنسا کی زندگی کی طرف دوڑ رہی ہیں اور سمجھ رہی ہیں کہ اسی میں سکھ ہے تو میں انھیں مبارک باد نہیں دے سکتا ۔''

مسز کھنا نے مالتی کی طرف غرور سے دیکھا ۔ مالتی نے گردن جھکالی ۔

خورشید بولے ۔'' اب کہیے ۔ مہتا دلیر آدمی ہے ۔ سچ بات کہتا ہے اور منھ پر ۔''

بجلی کے ایڈیٹر نے ناک سکیڑی '' اب وہ دن لد گئے جب دیویاں ان چکموں میں آجاتی تھیں ۔ ان کے حقوق ہضم کرتے جاؤ اور کہتے جاؤ کہ آپ دیوی ہیں ، ماتا ہیں ، لچھمی ہیں ۔''

مہتا آگے بڑھے '' عورت کو مرد کے بھیس میں مردانہ کاموں میں مشغول دیکھ کر مجھے اسی طرح دکھ ہوتا ہے جیسے مرد کو عورت کے روپ میں زنانہ کام کرتے ہوئے دیکھ کر ۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے مردوں کو آپ اپنی محبت اور عقیدت کا مستحق نہیں سمجھتیں ۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسی عورتیں بھی مرد کی عقیدت و محبت کی مستحق نہیں بن سکتیں ۔''

کھنا کے چہرے پر دل کی خوشی چمک اٹھی ۔

رائے صاحب نے چٹکی لی ۔'' آپ بہت خوش ہیں کھنا جی ! ''

کھنا بولے '' مالتی نہ ملے تو پوچھوں کہ اب کہیے ۔''

مہتا آگے بڑھے '' میں انسانی ارتقاء میں عورت کے درجے کو مرد کے درجے سے بہتر سمجھتا ہوں ، اسی طری جیسے پریم ، تیاگ اور بھگتی کو ہنسا اور شر وفساد سے بہتر سمجھتا ہوں ۔ اگر ہماری دیویاں پیدائش اور پرورش کے پاک مندر کو چھوڑ کر ہنسا اور لڑائی کے خوں ریز میدان میں آنا چاہتی ہیں تو اس سے سماج کا بھلا نہ ہوگا ۔ میں اس بارے میں مستقل ہوں ۔ مرد نے

اپنے گھمنڈ میں اپنی شیطانی شہرت کو زیادہ اہمیت دی ہے اور وہ اپنے بھائی کا حق چھین کر اور اس کا خون بہاکر سمجھنے لگا کہ اس نے بڑی فتح پائی ۔ جن بچوں کو دیویوں نے اپنے خون سے پیدا کیا اور پالا انھیں بموں اور مشین گنوں اور ٹینکوں کا شکار بناکر وہ خود کو فاتح سمجھتا ہے ۔ اور جب ہماری ہی مائیں ان کی پیشانی پر زعفرانی ٹیکا لگاکر اور انھیں اپنی دعاؤں کی زرہ پہنا کر خونی میدان میں بھیجتی ہیں تو کیا عجب کہ مرد نے خونریزی ہی کو دینوی فلاح کی چیز سمجھی اور اس کی خونی رغبت روز بروز بڑھتی گئی ! اور آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ شیطنت زور پکڑ کر کل دنیا کو روندتی، جانداروں کو کچلتی ، ہری بھری کھیتیوں کو جلاتی اور آباد بستیوں کو اجاڑتی چلی جاتی ہے ۔ دیویو ! میں آپ سے پوچھتا ہوں کو کہ کیا آپ اس شیطنت میں مدد دے کر اس میدان جنگ میں کود کر دنیا کی بھلائی کریں گی ؟ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ تباہ کاروں کو اپنا کام کرنے دیجیے اور آپ اپنے دھرم پر نگاہ رکھیے ۔"

کھنا بولے " مالتی کی گردن ہی نہیں اٹھتی ۔"

رائے صاحب نے ان خیالات کی تائید کی ۔" مہتا کہتے تو ٹھیک ہی ہیں ۔"

بجلی کے ایڈیٹر بگڑے " مگر کوئی نئی بات تو نہیں کہی ۔تحریک نسواں کے مخالفین ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتوں کا سہارا لیا کرتے ہیں ۔ میں یہ مانتا ہی نہیں کہ تیاگ اور پریم سے دنیا نے ترقی کی ۔ دنیا نے ترقی کی ہے جواں مردی سے ،محنت سے ، عقل سے اور دبدبہ سے !"

خورشید نے کہا ۔" اچھا سننے دیجیے گا یا اپنی ہی گائے جایئے گا ؟"

مہتا کی تقریر جاری تھی" دیویو ! میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو کہتے ہیں کہ عورت اور مرد میں مساوی طاقت ورغبت ہے اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ اس سے زیادہ بھیانک جھوٹ کا میں خیال بھی نہیں کرسکتا ۔ یہ وہ جھوٹ ہے جو پشتہا پشت کے حاصل کیے ہوئے تجربے کو اسی طرح ڈھک لینا چاہتا ہے جیسے بادل کا ایک ٹکڑا سورج کو ڈھک لیتا ہے ۔ میں آپ کو آگاہ کیے دیتا ہوں کہ آپ اس جال میں نہ پھنسیں ،عورت مرد سے اتنی ہی برتر ہے جتنی روشنی تاریکی سے ، انسان کے لیے چھما' دیا ، تیاگ اور اہنسا زندگی کے اعلی ترین معیار ہیں ۔عورت اس معیار پر پہنچ چکی ہے ۔ مرد دھرم اور روحانیت اور رشتوں کا سہارا لے کر اس معیار پر پہنچنے کے لیے صدیوں سے زور لگارہا ہے مگر اب تک کامیاب نہیں ہوسکا ۔ میں کہتا ہوں اس کی ساری روحانیت ایک طرف اور عورتوں کا ایثار ایک طرف ۔"

تالیاں بجیں اور سارا ہال ہل اٹھا، رائے صاحب نے خوش ہوکر کہا ''مہتا وہی کہتے ہیں جو ان کے دل میں ہے۔''

اونکار ناتھ نے تنقید کی ''لیکن باتیں سبھی پرانی ہیں، بالکل سڑی ہوئی۔''

''پرانی بات بھی روحانی طاقت کے ساتھ کہی جاتی ہے تو نئی ہوجاتی ہے۔''

''جو ایک ہزار روپے ہر مہینے لے کر عیش وعشرت میں اڑاتا ہو اس میں روحانیت جیسی شے رہ نہیں سکتی یہ صرف پرانے خیال والی عورتوں اور ویسے ہی مردوں کے خوش کرنے کے ڈھنگ ہیں۔''

کھنا نے مالتی کی طرف دیکھا۔''یہ کیوں پھولی جارہی ہیں؟ انھیں تو شرمانا چاہیے۔''

خورشید نے کھنا کو اکسایا۔''اب تم بھی ایک لیکچر دے ڈالو۔ کھنا، ورنہ مہتا تمھیں اکھاڑ پھینکے گا۔ نصف میدان تو اس نے ابھی مار لیا ہے۔''

کھنا کھسیا کر بولے'' میری نہ کہیے، میں نے ایسی کتنی ہی چڑیوں کو پھانس کر چھوڑ دیا ہے۔''

رائے صاحب نے خورشید کی طرف آنکھیں مار کہا۔'' آج کل آپ عورتوں کے سماج کی طرف بہت آتے جاتے ہیں۔ سچ کہنا، کتنا چندہ دیا؟''

کھنا جھینپ گئے۔'' میں ایسے سماجوں کو چندہ نہیں دیا کرتا جو ہنر بازی کا ڈھونگ کرکے بدکاری پھیلاتے ہیں۔''

مہتا کی تقریر جاری تھی۔'' مرد کہتا ہے کہ جتنے فلسفے اور سائنس کے موجد ہوئے وہ سب مرد تھے۔ جتنے بڑے بڑے مہاتما ہوئے وہ سب مرد تھے۔ سبھی سورما، سبھی سیاسی ماہر بڑے بڑے جہازراں اور بڑے بڑے سب کچھ مرد ہی تھے۔ مگر ان بڑوں کی جماعت نے مل کر کیا کیا؟ مہاتماؤں اور مذہبی بانیوں نے دنیا میں خون کی ندیاں بہانے اور نفرت کی آگ بھڑکانے کے سوا اور کیا کیا؟ سورماؤں نے بھائیوں کی گردن کاٹنے کے سوا اور کیا یادگار چھوڑی؟ سیاسی ماہروں کے نشانات اب صرف مٹی ہوئی سلطنتوں کے کھنڈر رہ گئے ہیں۔ اور موجدوں نے انسان کو مشین کا غلام بنا دینے کے سوا اور کون سا مسئلہ حل کر دیا؟ مردوں کے بنائے ہوئے تمدن میں سکون کہاں ہے، تعاون کہاں ہے؟''

اونکار ناتھ اٹھ کر جانے کو تیار ہوئے'' رئیسوں کے منہ سے بڑی بڑی باتیں سن کر بدن

میں آگ لگ جاتی ہے۔''

خورشید نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھایا'' آپ بھی ایڈیٹر صاحب پورے پونگا ہی رہے۔ اجی یہ دنیا ہے جس کے جی میں جو آتا ہے بکتا ہے۔ کچھ لوگ سنتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ چلیے قصہ ختم۔ ایسے ایسے بے شمار مہتا آئیں گے اور چلے جائیں گے اور دنیا اپنی چال چلتی رہے گی۔ یہاں بگڑنے کی کون سی بات ہے؟''

'' جھوٹ سن کر مجھ سے رہا نہیں جاتا۔''

رائے صاحب نے بڑھاوا دیا۔'' فاحشہ کے منھ سے ستیوں کی سی بات سن کر کس کا جی نہ جلے گا؟''

اونکار ناتھ پھر بیٹھ گئے۔ مہتا کی تقریر جاری تھی۔'' میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا باز کو چڑیوں کا شکار کرتے دیکھ کر ہنس کو یہ زیب دے گا کہ وہ مانسروور کی پر سکون فضا کو چھوڑ کر چڑیوں کا شکار کرنے لگے؟ اگر وہ شکاری بن جائے تو کیا آپ اسے مبارک باد دیں گی؟ ہنس کے پاس اتنی تیز چونچ نہیں ہے، اتنے تیز چنگل نہیں ہیں، اتنی تیز آنکھیں نہیں ہیں، اتنے تیز پر نہیں ہیں اور اتنی تیز خون کی پیاس نہیں ہے۔ ان آلات کو اکٹھا کرنے میں اسے صدیاں لگ جائیں گی، پھر بھی وہ باز بن سکے گا یا نہیں اس میں شک ہے۔ مگر باز بنے یا نہ بنے، وہ ہنس نہ رہ جائے گا، وہ ہنس جو موتی چگتا ہے!''

خورشید نے تنقید کی'' یہ تو شاعروں کی سی دلیلیں ہیں۔ مادہ باز بھی اسی طرح شکار کرتی ہے۔ جیسے نر باز۔''

اونکار ناتھ خوش ہوگئے۔'' اس پر آپ فلاسفر بنتے ہیں، ایسی ہی دلیلوں کے بل بوتے پر!''

کھنا نے دل کا غبار نکالا'' فلاسفر نہیں تو فلاسفر کی دُم ہیں۔ فلاسفر وہ ہے جو............''

اونکار ناتھ نے بات پوری کی'' جو سچائی سے بال بھر بھی نہ ڈِگے۔''

کھنا کو یہ بات پسند نہ آئی۔ میں سچائی جھٹائی نہیں جانتا، میں تو فلاسفر اسے کہتا ہوں جو سچا فلاسفر ہو۔''

مہتا آگے بڑھے۔'' میں نہیں کہتا کہ عورتوں کو علم کی ضرورت نہیں ہے۔ ہے اور

مردوں سے زیادہ ۔ میں نہیں کہتا کہ عورتوں کو طاقت کی ضرورت نہیں ہے ۔ ہے اور مردوں سے زیادہ لیکن وہ علم نہیں اور وہ طاقت نہیں جس سے مرد نے دنیا کو میدان جنگ بنا ڈالا ہے۔ اگر وہی علم اور وہی طاقت آپ بھی لیں گی تو دنیا ریگستان بن جائے گی ۔ آپ کا علم اور آپ کا اقتدار تشدد اور بردباری میں نہیں ، پیدائش اور پرورش میں ہے ۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ ووٹوں سے انسان کو نجات ہوگی یا دفتروں اور عدالتوں میں زبان اور قلم چلانے سے ادھار ہوجائے گا ؟ ان نقلی غیر قدرتی اور تباہ کن حقوق کے لیے آپ ان حقوق کو چھوڑ دینا چاہتی ہیں جو آپ کو قدرت نے عطا کیے ہیں ؟''

سروج اب تک بڑی بہن کے ادب سے ضبط کیے بیٹھی تھی ۔ اب رہا نہ گیا ۔ پکار اٹھی۔'' ہمیں ووٹ چاہیے مردوں کے برابر ۔''

اور کئی نوعمر عورتوں نے نعرے لگائے ۔'' ووٹ ووٹ !''

اونکار ناتھ نے کھڑے ہوکر زور سے کہا'' نسوانی طبقے کے مخالفوں کی پگڑی نیچی ہو!''

مالتی نے میز پر ہاتھ پٹک کر کہا'' چپ رہو جو لوگ موافقت یا مخالفت میں کچھ کہنا چاہیں گے انھیں موقع دیا جائے گا ۔''

مہتا بولے'' ووٹ نئے جگ کا جال ہے ، فریب ہے ، کلنک ہے ، دھوکا ہے ۔ اس کے چکر میں پڑ کر آپ نہ ادھر کی ہوں گی نہ ادھر کی ۔ کون کہتا ہے کہ آپ کا دائرہ عمل محدود ہے اور اس میں آپ کو جوہر نمائی کا موقع نہیں ملتا ۔ ہم سبھی پہلے انسان ہیں ، بعد کو اور کچھ ۔ ہماری زندگی ہمارا گھر ہے ۔ وہیں ہماری پیدائش ہوتی ہے ، وہیں ہماری پرورش ہوتی ہے ۔ اور وہیں زندگی کے سارے کاروبار ہوتے ہیں ۔ اگر یہ دائرہ محدود ہے تو لامحدود کون سا ہے ؟ کیا وہ کشمکش کی جگہ جہاں باقاعدہ چھینا جھپٹی ہے ؟ جس کارخانے میں انسان اوراس کا نصیب بنتا ہے اسے چھوڑ کر آپ ان کارخانوں میں جانا چاہتی ہیں جہاں انسان پیسا جاتا ہے ، جہاں اس کا خون نکالا جاتا ہے !''

مرزا نے ٹوکا'' مردوں کے ظلم ہی نے تو ان میں بغاوت کی اسپرٹ پیدا کردی ہے ۔''

مہتا بولے'' بیشک مردوں نے یہ بے انصافی کی ہے مگر اس کا یہ جواب نہیں ہے بے انصافی کو مٹائیے مگر خود کو مٹا کر نہیں ۔''

مالتی بولی'' عورتیں اس لیے حقوق چاہتی ہیں کہ ان کا استعمال کریں اور مردوں کو ان

کے بے جا استعمال سے باز رکھیں۔"

مہتا نے جواب دیا " دنیا میں سب سے بڑے حقوق خدمت اور قربانی سے ملتے ہیں اور وہ آپ کو ملے ہوئے ہیں۔ ان حقوق کے سامنے ووٹ کوئی چیز نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ہماری بہنیں مغرب کی بات لے رہی ہیں جہاں عورتوں نے اپنا مرتبہ کھودیا ہے اور مالکہ کے درجے سے گر کر شوق و پسند کی چیز بن گئی ہیں۔ مغرب کی عورت آزاد ہونا چاہتی ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ عیش کر سکے۔ ہماری ماؤں کا یہ معیار کبھی نہیں رہا۔ انھوں نے صرف خدمت کے حقوق سے ہمیشہ گرستی چلائی۔ مغرب میں جو چیزیں عمدہ ہیں وہ ان سے لیجیے۔ تمدن میں ہمیشہ لین دین ہوتا آیا ہے مگر کورانہ تقلید تو دماغی کمزوری ہی کی علامت ہے۔ مغرب کی عورت آج گھر کی مالکہ نہیں رہنا چاہتی۔ عیش و عشرت کی زبردست خواہش نے اسے بالکل آزاد بنا دیا ہے۔ اس نے اپنی شرم اور بزرگی کو جو اس کی سب سے بڑی پونجی تھی شوخی اور تفریح کی پسندی پر قربان کر دیا ہے۔ جب میں وہاں کی تعلیم یافتہ لڑکیوں کو اپنی شکل کی یا اپنے بھرے ہوئے گول بازوؤں کی یا اپنی عریانی کی نمائش کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو مجھے ان پر رحم آتا ہے۔ ان کی خواہشوں نے انھیں اتنا مغلوب کردیا کہ وہ اپنی لاج کا بچاؤ بھی نہیں کرسکتیں۔ عورت کی اس سے زیادہ اور کیا گراوٹ ہوسکتی ہے؟

رائے صاحب نے تالیاں بجائیں۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا جیسے پٹاخوں کی باڑھیں چھوٹ رہی ہوں۔ مرزا صاحب نے اڈیٹر سے کہا " اس کا جواب تو آپ کے پاس بھی نہ ہوگا؟"

اڈیٹر نے بے پروائی سے کہا۔" ساری تقریر میں انھوں نہ یہی ایک بات سچ کہی ہے۔"

" تب تو آپ بھی مہتا کے مرید ہوئے۔"

" جی نہیں، ہم لوگ کسی کے مرید نہیں ہوتے۔ میں اس کا جواب کھوج نکالوں گا۔ بجلی میں دیکھیے گا۔"

"اس کے معنی یہ ہے کہ آپ حق کی تلاش نہیں کرتے صرف اپنی بات کے لیے لڑنا چاہتے ہیں۔"

رائے صاحب نے آڑے ہاتھوں لیا " اسی پر آپ کو اپنی حق پسندی کا غرّہ ہے؟"

اڈیٹر صاحب مستقل رہے۔" وکیل کا کام اپنے موکل کا بھلا دیکھنا ہے سچ یا جھوٹ کی

جانچ نہیں ۔''

''تو یوں کہیے کہ آپ عورتوں کے وکیل ہیں ۔

''میں ان سب ہی لوگوں کا وکیل ہوں جو کمزور ہیں بیکس ہیں اور مظلوم ہیں۔''

مہتا جی کہہ رہے تھے ۔'' اور یہ مردوں کی سازش ہے ۔ عورتوں کو اونچی چوٹی سے گھسیٹ کر اپنے برابر بنانے کے لیے ، ان مردوں کے برابر جو بزدل ہیں ، جن میں ازواجی زندگی کی ذمہ داری سنبھالنے کی قابلیت نہیں ہے جو آزادانہ نفس پرستی کی لہر میں سانڈوں کی طرح دوسروں کے ہرے بھرے کھیتوں میں منھ مار کر اپنی کمینہ خواہشوں کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ مغرب میں ان کی سازش کامیاب ہوگئی اور عورتیں تتلیاں بن گئیں ۔ مجھے یہ کہتے شرم آتی ہے کہ اس تیاگ اور تپسیا کی سرزمین ہندستان میں بھی کچھ وہی ہوا بہہ چلی ہے خصوصاً ہماری تعلیم یافتہ بہنوں پر وہ جادو بڑی تیزی سے چڑھ رہا ہے ۔ وہ گرست عورت کے دھرم کو چھوڑ کر تتلیاں کا رنگ پکڑ رہی ہیں ۔''

سروج بھڑک کر بولی ۔'' ہم مردوں کی صلاح نہیں مانگتے۔ اگر وہ اپنے بارے میں آزاد ہیں تو عورتیں بھی اپنے لیے آزاد ہیں ۔ لڑکیاں اب شادی کو پیشہ نہیں بنانا چاہتیں ۔ اب تو وہ صرف پریم کے ناتے بیاہ کریں گی ۔''

زور سے تالیاں بجیں ، خاص کر اگلی قطاروں میں جہاں عورتیں تھیں ۔

مہتا نے جواب دیا '' جسے تم پریم کہتی ہو وہ دھوکا ہے ، بھڑکی ہوئی خواہش کا بگڑا ہوا روپ۔ اسی طرح جیسے سنیاس صرف بھیک مانگنے کی مہذب شکل ہے ۔ وہ پریم اگر ازواجی زندگی میں کم ہے تو آزادنہ عیش میں بالکل نہیں ۔ سچی خوشی ، سچا سکون ، صرف خدمت میں ہے ۔ وہی حقوق کا منبع ہے ۔ وہی طاقت کے پیدا ہونے کی جگہ ہے ۔ خدمت ہی وہ سینٹ ہے جو زن وشوہر کو تمام عمر محبت اور باہمی امداد کے رشتے میں جوڑے رکھتا ہے ۔جس پر بڑے بڑے صدمہ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ جہاں خدمت نہیں ہے وہیں طلاق ترک اور باہمی بداعتقادی ہے اور آپ پر مردانہ زندگی کی کشتی کا ناخدا ہونے کے سبب زیادہ ذمہ داری ہے ۔ آپ چاہیں تو کشتی کو آندھی اور طوفان میں بھی پارلگاسکتی ہیں اور آپ نے غفلت کی تو کشتی ڈوب جائے گی اور اس کے ساتھ آپ بھی ڈوبنے سے نہ بچ سکیں گی ۔''

تقریر ختم ہوگئی ۔ مسئلہ بحث طلب تھا اور کئی عورتوں نے اجازت مانگی مگر دیر بہت ہوگئی

تھی ، اس لیے مالتی نے مہتا کا شکریہ ادا کر کے جلسہ برخاست کر دیا ۔ ہاں یہ اطلاع دے دی گئی ہے کہ اگلے اتوار کو اس موضوع پر کئی دیویاں اپنے خیالات کا اظہار کریں گی ۔

رائے صاحب نے مہتا کو مبارک باد دی " آپ نے میرے جی کی باتیں کہیں ، مسٹر مہتا ! میں آپ کے ایک ایک لفظ سے متفق ہوں ۔"

مالتی ہنسی " آپ کیوں نہ مبارک باد دیں گے ، چور چور موسیرے بھائی ہوتے ہیں ۔ مگر سارا اپدیش غریب عورتوں کے ہی سر پر کیوں تھوپا جاتا ہے ان ہی کے سر پر کیوں معیار اور ایثار پر عمل کرنے کی ذمہ داری لادی جاتی ہے ۔؟"

مہتا بولے " اس لیے کہ وہ بات کو سمجھتی ہیں ۔"

کھنا نے مالتی کی طرف اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے دیکھ کر گویا اس کے دل کی بات سمجھتے ہوئے کہا " ڈاکٹر صاحب کے یہ خیالات بھی تو کوئی سو سال سے پہلے کے معلوم ہوتے ہیں ۔"

مالتی نے ترش رو ہوکر پوچھا " کون سے خیالات ؟"

" یہی خدمت اور فرض وغیرہ کے ۔"

" اگر آپ کو یہ خیالات سو سال پچھڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں تو مہربانی کر کے اپنے تازہ خیالات بتلایئے عورت کیسے مرد کیسے سکھی رہ سکتے ہیں ۔ اس کا کوئی تازہ نسخہ آپ کے پاس ہے؟"

کھنا کھسیا گئے ۔ بات کہی تھی مالتی کو خوش کرنے کے لیے وہ اور بگڑ اٹھی بولے " یہ نسخہ مہتا صاحب کو معلوم ہوگا ۔"

"ڈاکٹر صاحب نے بتلادیا اور آپ کے خیال میں وہ سو سال پرانا ہے تو نیا نسخہ آپ کو بتلانا چاہیے ۔ آپ کو معلوم نہیں کہ دنیا میں ایسی بہت سی باتیں ہیں جو کبھی پرانی ہو ہی نہیں سکتیں ۔ سماج میں اس طرح کے مسئلہ ہمیشہ اٹھتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اٹھتے رہیں گے ۔"

مسز کھنا برآمدے میں چلی گئی تھیں ۔ مہتا نے ان کے پاس جاکر پرنام کرتے ہوئے پوچھا " میری تقریر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟"

مسز کھنا نے آنکھیں جھکا کر کہا ۔" اچھی تھی بہت اچھی ۔ مگر ابھی آپ کنوارے ہیں جبھی عورتیں دیویاں ہیں ، برتر ہیں اور زندگی کے جہاز کی ناخدا ہیں ۔ بیاہ کر لیجیے پھر پوچھوں

گی عورتیں کیا ہیں اور بیاہ آپ کو کرنا پڑے گا کیونکہ آپ بیاہ سے منہ چُرانے والے مردوں کو بز دل کہہ چکے ہیں ۔"

مہتا ہنسے" اسی کے لیے تو زمین تیار کر رہا ہوں ۔"

" مس مالتی کا جوڑ بھی اچھا ہے ۔"

" شرط یہی ہے کہ وہ کچھ دن آپ کے چرنوں میں بیٹھ کر آپ سے استریوں کا دھرم سیکھیں ۔"

" وہی سوار تھی مردوں کی بات ! آپ نے مردوں کے فرائض سیکھ لیے ہیں ؟"

" یہی سوچ رہا ہوں کہ کس سے سیکھوں "

" مسٹر کھنا آپ کو بہت اچھی طرح سیکھا سکتے ہیں ۔"

مہتا نے قہقہہ مارا" نہیں وہ فرض بھی آپ ہی سے سیکھوں گا ۔"

اچھی بات ہے مجھی سے سیکھیے پہلی بات یہی ہے کہ بھول جایئے کہ عورت برتر ہے اور ساری ذمہ داری اسی پر ہے ۔ برتر مرد ہے اوراسی پر گرستی کا سارا بار ہے۔ عورت میں خودی اور نفس کشی اور فرض کی ادائیگی کا احساس سب کچھ وہی پیدا کرسکتا ہے ۔ اگر اس میں یہ باتیں نہیں ہیں تو عورت میں بھی نہ آئیں گی ۔ عورتوں میں جو آج یہ بغاوت ہے اس کا سبب مرد میں ان اوصاف کا نہ ہونا ہے ۔"

مرزا صاحب نے مہتا کو گود میں اٹھا لیا اور بولے" مبارک !"

مہتا نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا" آپ کو میری تقریر پسند آئی ؟"

" تقریر تو خیر جیسی تھی ویسی تھی مگر کامیاب خوب رہی ۔ آپ نے پری کو شیشے میں اتار لیا ۔ اپنا بھاگ سراہیے کہ جس نے آج تک کسی کو منہ نہیں لگایا وہ آپ کا کلمہ پڑھ رہی ہے۔"

مسز کھنا نے دبی زبان سے کہا" جب نشہ ٹھہر جائے تو کہیے ۔"

مہتا نے بے پروائی سے کہا" مجھ جیسے کتاب کے کیڑے کو کون عورت پسند کرے گی ، دیوی جی ؟ میں تو پکا معیار پرست ہوں ۔"

مسز کھنا نے اپنے شوہر کو موٹر کی طرف جاتے دیکھا تو ادھر چلیں گئیں ، مرزا بھی باہر نکل گئے۔ مہتا نے پلیٹ فارم سے اپنی چھڑی اٹھائی اور باہر جانا چاہتے تھے کہ مالتی نے آکر ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اصرار کرتی ہوئی بولی ۔" آپ ابھی نہیں جاسکتے چلیے پاپا سے آپ کی

ملاقات کراؤں اور آج وہیں کھانا بھی کھایئے؟''

مہتا نے کان پر ہاتھ رکھ کر کہا۔'' نہیں مجھے معاف کیجیے۔ وہاں سروج میری جان کھا جائے گی۔ میں ان لڑکیوں سے بہت گھبراتا ہوں۔''

'' نہیں ، نہیں میں ذمہ لیتی ہوں جو منھ بھی کھولے۔''

'' اچھا آپ چلیے میں ذرا دیر میں آجاؤں گا۔''

'' جی ، نہیں یہ نہ ہوگا۔ میرا موٹر سروج کو لے کر چل دیا۔ آپ مجھ کو پہنچانے تو چلیں گے ہی۔''

دونوں مہتا کے موٹر میں بیٹھے۔ موٹر چلا۔ لمحہ بھر بعد مہتا نے پوچھا '' میں نے سنا ہے کہ کھنا جی اپنی بیوی کو مارتے ہیں۔ جب سے مجھے اس کی صورت سے نفرت ہو گئی ہے۔ جو آدمی اتنا بے رحم ہو اسے میں انسان نہیں سمجھتا۔ اس پر آپ عورتوں کی بڑی خیر خواہ بنتی ہیں! تم نے کبھی انھیں سمجھایا نہیں ؟''

مالتی ذرا بگڑ کر بولی۔'' تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے ، یہ آپ بھول رہے ہیں۔''

'' میں ایسے کسی سبب کا خیال ہی نہیں کرسکتا کہ کوئی مرد اپنی عورت کو مارے۔''

'' خواہ عورت کتنی ہی بد زبان ہو۔''

'' ہاں کتنی ہی۔''

'' تو آپ ایک نئی قسم کی آدمی ہیں۔''

'' اگر مرد بد زبان ہو تو تمھاری رائے میں اس مرد پر ہنٹروں کی بوچھار کرنی چاہیے ، کیوں ؟''

'' عورت میں جتنی چھما ہوسکتی ہے اتنی مرد میں نہیں۔ آپ نے خود آج بات تسلیم کی ہے۔''

'' تو عورت کی چھما ہی کا یہ صلہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم کھنا کو منھ لگا کر اسے اور بھی شہہ دیتی ہو۔ تمھاری وہ جتنی عزت کرتا ہے ، تم سے اسے جتنی عقیدت ہے اس کے سبب تم بڑی آسانی سے اسے سیدھا کر سکتی ہو۔ مگر تم اس کی صفائی دے کر ، خود اس قصور میں شریک ہوجاتی ہو۔''

مالتی برا فروختہ ہوکر بولی۔" تم نے اس وقت یہ تذکرہ فضول ہی چھیڑ دیا میں کسی کی برائی نہیں کرنا چاہتی۔ مگر ابھی آپ نے گوبندی دیوی کو پہچانا نہیں۔ آپ نے ان کی بھولی بھالی، سیدھی سادی صورت دیکھ کر سمجھ لیا کہ وہ دیوی ہیں۔ میں انھیں اتنا اونچا درجہ نہیں دینا چاہتی۔ انھوں نے مجھے بدنام کرنے کی جتنی کوشش کی ہے۔ مجھ پر جیسے جیسے حملے کیے ہیں، وہ بیان کروں تو آپ دنگ رہ جائیں گے اور تب آپ کو ماننا پڑے گا کہ ایسی عورت کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے۔"

" آخر انھیں آپ سے جو اتنی نفرت ہے اس کا کوئی سبب تو ہوگا؟"

"سبب ان سے پوچھیے۔ مجھے کسی کے دل کا حال کیا معلوم؟"

" ان سے بلا پوچھے بھی قیاس کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے۔ اگر کوئی مرد میرے اور میری عورت کے درمیان میں آنے کی ہمت کرے تو میں اسے گولی ماردوں گا اور اسے نہ مارسکوں گا تو اپنے سینے میں مارلوں گا۔ اسی طرح اگر میں کسی عورت کو اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان میں لانا چاہوں تو میری بیوی کو بھی حق ہے کہ وہ جو چاہے سو کرے۔ اس بارے میں میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرسکتا۔ یہ غیر سائنٹیفک جذبہ ہے جو ہم نے اپنے وحشی آبا و اجداد سے پایا ہے اور آج کل کچھ لوگ اسے نامہذب اور غیر مجلسی سلوک کہیں گے۔ لیکن میں ابھی تک اس جذبہ پر فتح نہیں پاسکا اور نہ پانا چاہتا ہوں۔ اس بارے میں قانون کی پروا نہیں کرتا۔ میرے گھر میں میرا قانون ہے۔"

مالتی نے تند لہجے میں پوچھا" مگر آپ نے یہ قیاس کیسے کرلیا کہ میں آپ کے لفظوں میں کھنا اور گوبندی کے بیچ میں آنا چاہتی ہوں؟ آپ ایسے قیاس سے میری توہین کررہے ہیں۔ میں کھنا کو اپنی جوتیوں کی نوک کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔"

مہتا نے بے اعتباری کے لہجے میں کہا" یہ آپ دل سے نہیں کہہ رہی ہیں۔ مس مالتی! کیا آپ ساری دنیا کو بیوقوف سمجھتی ہیں؟ جو بات سبھی سمجھ رہے ہیں اگر وہی بات مسز کھنا بھی سمجھیں تو میں انھیں الزام نہیں دے سکتا۔"

مالتی نے بگڑ کر کہا۔" دنیا کو دوسروں کے بدنام کرنے میں مزا آتا ہے۔ یہ اس کا خاصہ ہے۔ میں اس کا خاصہ کیسے بدل دوں؟ لیکن یہ مفت کی بدنامی ہے۔ ہاں میں اتنی بے مروت نہیں ہوں کہ کھنا کو اپنے پاس آتا دیکھ کر دھتکار دیتی۔ میرا کام ہی ایسا ہے کہ مجھے

سبھی کی آؤ بھگت کرنا پڑتی ہے اگر کوئی اس کا کچھ اور مطلب نکالتا ہے تو وہ ....وہ..............''

مالتی کا گلا بھر آیا اور اس نے منھ پھیر کر رومال سے آنسو پونچھے ۔ پھر ایک لمحہ بعد بولی۔'' اوروں کے ساتھ تم بھی مجھے .... مجھے اس کا رنج ہے .... مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی ۔''

پھر شاید اسے اپنی کمزوری پر افسوس ہوا ۔ وہ تیز ہوکر بولی ۔'' آپ کو مجھ پر حملہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔ اگر آپ بھی انھیں مردوں میں ہیں جو کسی عورت مرد کو ساتھ دیکھ کر ان پر انگلی اٹھائے بغیر نہیں رہ سکتے تو شوق سے اٹھایئے ۔ مجھے ذرا بھی پرواہ نہیں ہے ۔ اگر کوئی عورت آپ کے پاس بار بار کسی حیلے سے آئے ،آپ کو اپنا دیوتا سمجھے ، ہر ایک بات میں آپ سے صلاح لے ، آپ کے پیروں تلے آنکھیں بچھائے ، آپ کا اشارہ پاتے ہی آگ میں کود پڑنے کو تیار ہو جائے تو میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ اس سے بے رخی نہ کریں گے۔ اگر آپ اسے ٹھکرا سکتے ہیں تو آپ انسان نہیں ہیں ۔ اس کے خلاف آپ کتنے ہی دلائل لاکر رکھ دیں میں مانوں گی نہیں ۔ میں تو کہتی ہوں کہ بے رخی تو دور رہی ٹھکرانے کی تو بات ہی کیا۔ آپ اس عورت کے پیر دھو دھو کر پئیں گے ، اور بہت دن گزرنے کے قبل ہی وہ آپ کے دل کی رانی ہوگی ۔ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں کہ میرے سامنے کھنا کا کبھی نام نہ لیجیے گا ۔''

مہتا نے اس لپٹ میں گویا ہاتھ سینکتے ہوئے کہا'' شرط یہی کہ میں کھنا کو آپ کے ساتھ نہ دیکھوں ۔''

'' میں انسانیت کا خون نہیں کرسکتی ۔ وہ آئیں گے تو میں انھیں بھگاؤں گی نہیں ۔''

'' ان سے کہیے کہ اپنی اہلیہ کے ساتھ انسانیت سے پیش آئیں ۔''

'' میں کسی کے نجی معاملے میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھتی اور نہ ہی مجھے اس کا حق ہے۔''

'' تو آپ کسی کی زبان بھی نہیں بند کرسکتیں ۔''

مالتی کا بنگلہ آگیا۔ موٹر رکی ۔ مالتی اتر پڑی اور بلا ہاتھ ملائے چلی گئی ۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ اس نے مہتا کو کھانے کی دعوت دی ہے ۔ وہ تخلیہ میں جاکر خوب رونا چاہتی ہے۔ گوبندی نے پہلے بھی حملے کیے ہیں ۔ مگر آج اس نے جو حملہ کیا وہ بہت سخت اور دل شکن ہے۔''

۱۶

رائے صاحب کو جب خبر ملی کے علاقے میں ایک واردات ہو گئی اور ہوری سے گاؤں کے پنچوں نے جرمانہ وصول کر لیا ہے تو وہ فوراً نوکھے رام کو بلا کر جواب طلب کیا ۔ انھیں اس کی اطلاع نہیں دی گئی ؟ ایسے نمک حرام اور دغا باز آدمی کے لیے ان کے دربار میں جگہ نہیں ہے ۔

نوکھے رام نے اپنی گالیاں کھائیں تو ذرا گرم ہوکر بولے ۔ میں اکیلا تھوڑے ہی تھا ۔ گاؤں کے اور پنچ بھی تو تھے ۔ میں اکیلا کیا کرسکتا تھا ؟''

رائے صاحب نے ان کی توند کی طرف برچھی کی سی نوک دار نگاہوں سے دیکھا ،'' مت بکو جی ! تمھیں اسی وقت کہنا چاہیے تھا کہ جب تک سرکار کو اطلاع نہ ہو جائے میں پنچوں کو جرمانہ نہ وصول کرنے دوں گا۔ پنچوں کو میرے اور میری رعایا کے درمیان میں دخل دینے کا حق ہی کیا ہے ؟ اس ڈانڑ باندھ کے سوا علاقے میں اور کون سی آمدنی ہے ؟''

وصولی سرکار کے گھر گئی ، بقایا اسامیوں نے دبالیا۔ اور میں کہاں جاؤں ؟ کیا کھاؤں ؟ تمھارا سر؟ یہ لاکھوں روپے سال کا خرچ کہاں سے آئے ؟ افسوس ہے کہ دو پشتوں سے کارندے کا کام کرتے رہنے پر بھی مجھے آج تمھیں یہ بات بتلانی پڑتی ہے ۔ کتنے روپے وصول ہوئے تھے ہوری سے ؟

نوکھے رام نے سٹپٹا کر کہا ۔'' اسّی روپے ۔''

'' نقد ؟''

'' نکد اس کے پاس کہاں تھے سرکار ؟ کچھ اناج دیا ، کچھ میں اپنا گھر لکھ دیا ۔''

رائے صاحب نے اپنی غرض کو چھوڑتے ہوئے ہوری کی طرفداری کی ۔

'' اچھا تو آپ نے اور آپ کے بگلا بھگت پنڈت نے مل کر ایک معتبر اسامی کو تباہ کر دیا ! میں پوچھتا ہوں تم لوگوں کو کیا حق تھا کہ میرے علاقے میں مجھے اطلاع دیے بغیر میرے اسامی سے جرمانہ وصول کرتے ؟ اگر میں چاہوں تو اسی بات پر آپ کو اور اس جعلے پٹواری

اور اس مکار پنڈت کو سات سات سال کے لیے جیل بھجواسکتا ہوں ۔ آپ نے سمجھ لیا کہ آپ ہی علاقے کے بادشاہ ہیں ۔ میں کہے دیتا ہوں کہ آج شام تک جرمانے کی پوری رقم میرے پاس پہنچ جائے ورنہ اچھا نہ ہوگا ۔ میں ایک ایک سے چکی پسواکر چھوڑوں گا ۔ جائیے ، ہاں ہوری اور اس کے لڑکے کو میرے پاس بھیج دیجیے گا ۔"

نوکھے رام نے دبی زبان سے کہا "اس کا لڑکا تو گاؤں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے جس رات کو یہ واردات ہوئی اسی رات کو بھاگا تھا ۔"

رائے صاحب نے غصہ سے کہا ۔" جھوٹ مت بکو تمھیں معلوم ہے کہ جھوٹ سے میرے بدن میں آگ لگ جاتی ہے ۔ میں نے آج تک نہیں سنا کہ کوئی نوجوان اپنے چہیتی کو اس کے گھر سے لاکر پھر خود بھاگ جائے ۔ اگر اسے بھاگنا ہی ہوتا تو وہ اس لڑکی کو لاتا ہی کیوں؟ تم لوگوں کی اس میں بھی کوئی شرارت ہے ۔تم گنگا میں ڈوب کر بھی اپنی صفائی دو تو میں ماننے کا نہیں ۔تم لوگوں نے اپنے سماج کی پیاری مرجاد کی حفاظت کے لیے اسے دھمکایا ہوگا بے چارا بھاگ نہ جاتا تو کیا کرتا ؟"

نوکھے رام اس کی مخالفت نہ کر سکے ۔ مالک جو کچھ کہیں سب ٹھیک ہے ۔ وہ یہ بھی نہ کہہ سکے کہ آپ خود چل کر جھوٹ سچ کی جانچ کرلیں ۔ بڑے آدمیوں کا غصہ پوری پوری اطاعت چاہتا ہے اپنے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا ۔

پنچوں نے رائے صاحب کا یہ فیصلہ سنا تو نشہ ہرن ہوگیا ۔ غلہ تو ابھی جیوں کا تیوں پڑا ہوا تھا مگر روپے تو کب کے غائب ہوچکے تھے ۔ ہوری کا مکان رہن لکھا گیا تھا ۔مگر اس مکان کو دیہات میں کون پوچھتا ؟ جیسے ہندو عورت شوہر کے ساتھ ہی گھر کی مالکہ ہے اور شوہر کے گھر چھوڑ دینے پر کہیں کی نہیں رہتی اسی طرح یہ گھر ہوری کے لیے تو لاکھ روپے کا ہے مگر اس کی اصلی قیمت تو کچھ بھی نہیں ، اور ادھر رائے صاحب روپے لیے بغیر ماننے کے نہیں ۔ یہی ہوری جاکر روآیا ہوگا ۔ پٹیشوری لال سب سے زیادہ خائف تھے ۔ ان کی تو نوکری چلی جائے گی ۔ چاروں آدمی اس مسئلہ پر غور کررہے تھے مگر کسی کی عقل کام نہ کرتی تھی؟ ایک دوسرے کو الزام دیتا تھا ۔ پھر خوب جھگڑا ہوا ۔

پٹیشوری نے اپنی لمبی گردن ہلاکر کہا " میں منع کرتا تھا کہ ہوری کے معاملے میں ہمیں چپ ہوکر رہ جانا چاہیے ۔ گائے کے معاملے میں سب کو تاوان دینا پڑا ۔ اب اس

معاملے میں تاوان ہی سے گلا نہ چھوٹے گا بلکہ نوکری سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا ۔ مگر تم لوگوں کو روپے کی پڑی تھی نکالو بیس بیس روپے۔ اب بھی کسل ہے ۔ کہیں رائے صاحب نے رپٹ کر دی تو سب کے سب بندھ جاؤگے ۔"

داتا دین نے اپنا برہمنی جلال دکھا کر کہا " میرے پاس بیس روپے تو کیا ، بیس پیسے بھی نہیں ہیں ۔ برہمنوں کو بھوج دیا گیا ، ہوم ہوا ، کیا اس میں کچھ لگا ہی نہیں ؟"

" رائے صاحب کی ہمت ہے کہ مجھے جہل لے جائیں ۔ برمہ بن کر گھر کا گھر مٹا دوں گا ۔ ابھی انھیں کسی برہمن سے پالا نہیں پڑا ۔"

جھنگری سنگھ نے بھی کچھ ایسی ہی بات کہی ۔ وہ رائے صاحب کے نوکر نہیں ہیں۔ انھوں نے ہوری کو مارا نہیں' پیٹا نہیں ، اس پر کوئی دباؤ ڈالا نہیں ، ہوری اگر پرایچت کرنا چاہتا تھا تو انھوں نے اس کا موقع دیا ۔ اس کے لیے انھیں کوئی دکھ نہیں دے سکتا ۔ مگر نوکھے رام کی گردن اتنی آسانی سے نہ چھوٹ سکتی تھی ۔ یہاں مزے سے بیٹھے بیٹھے راج کرتے تھے۔ مشاہرہ تو دس روپے سے زیادہ نہ تھا مگر ایک ہزار سالانہ سے زائد آمدنی نہ تھی ۔ صدہا آدمیوں پر حکومت ، چار چار پیادے حاضر ، بیگار میں سارا کام ہوجاتا تھا ، تھانیدار تک کرسی دیتے تھے ۔ یہ چین انھیں اور کہاں تھا ؟ اور پٹیشوری تو نوکری کی بدولت مہاجن بنے ہوئے تھے ۔ کہاں جاسکتے تھے ؟ دوتین روز اسی تردّد میں پڑے رہے کہ اس مصیبت سے کس طرح نجات ہو ۔ آخر انھیں ایک راستہ سوجھ گیا ۔ کبھی کبھی کچہری میں انھیں " بجلی "، دیکھنے کو مل جاتی تھی ۔ اگر ایک گمنام خط اس کے ایڈیٹر کے خدمت میں بھیج دیا جائے کہ رائے صاحب کس طرح اسامیوں سے جرمانہ وصول کرتے ہیں تو بچہ کو لینے کے دینے پڑ جائیں ۔ نوکھے رام بھی متفق ہو گئے دونوں نے مل کر کسی طرح ایک خط لکھا اور رجسٹری سے بھیج دیا ۔

ایڈیٹر اونکار ناتھ تو ایسے خطوں کی تاک میں رہتے تھے ۔ خط پاتے ہی فوراً رائے صاحب کو اطلاع دی ۔ انھیں ایک ایسی خبر ملی جس پر اعتبار کرنے کو ان کا جی نہیں چاہتا مگر نامہ نگار نے ایسے ثبوت دیے ہیں کہ یکایک بے اعتباری بھی نہیں کی جاسکتی ۔ کیا یہ سچ ہے کہ رائے صاحب نے اپنے علاقے کے ایک اسامی سے اسی روپے تاوان اس لیے وصول کیا کہ اس کے لڑکے نے ایک بیوہ کو اپنے گھر رکھ لیا تھا ؟ ایڈیٹر کا فرض انھیں مجبور کرتا تھا کہ وہ اس معاملے کی جانچ کریں اور عوام کی بھلائی کے لیے اسے چھاپ دیں ۔ رائے صاحب اس کے

متعلق جو کہنا چاہیں اسے بھی وہ چھاپ دیں گے۔ ایڈیٹر صاحب دل سے چاہتے ہیں کہ یہ خبر غلط ہو لیکن اس میں کچھ بھی سچائی ہوئی تو اسے شائع کرنے پر مجبور ہو جائیں گے ۔ دوستی انھیں فرض کے راستے سے نہیں ہٹا سکتی ۔

رائے صاحب کو یہ خبر ملی تو انھوں نے اپنا سر پیٹ لیا ۔ پہلے تو انھیں یہ تحریک ہوئی کہ جا کر اونکار ناتھ کو پچاس ہنٹر گن کر لگائیں کہ جہاں وہ خط چھاپنا وہیں یہ حال بھی چھاپ دینا۔ لیکن اس کا انجام سوچ کر دل کو ٹھنڈا کیا اور فوراً ان سے ملنے چلے ۔ اگر دیر کی اور اونکار ناتھ نے وہ حال چھاپ دیا تو ان کی ساری نیک نامی پر پانی پھر جائے گا ۔

اونکا ناتھ سیر کر کے لوٹے تھے اور کل کے اخبار کے لیے اڈیٹوریل لکھنے کی فکر میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ مگر دل چڑیے کی طرح اڑا اڑا پھرتا تھا ۔ ان کی اہلیہ نے رات میں انھیں کچھ ایسی باتیں کہہ ڈالی تھیں جو ابھی تک کانٹوں کی طرح چبھ رہی تھیں ۔ انھیں کوئی مفلس کہہ لے ، بدنصیب کہہ لے، بیوقوف کہہ لے ، وہ ذرا بھی برا نہیں مانتے تھے مگر یہ کہنا کہ ان میں مردیت نہیں ہے ، ان کی برداشت سے باہر تھا ۔ اور پھر اپنی بیوی کو یہ کہنے کا کیا حق ہے ؟ اس سے تو یہ امید کی جاتی ہے کہ کوئی ایسا کہے تو اس کا منھ بند کر دے۔ بیشک وہ ایسی خبریں نہیں چھاپتے ، ایسے نوٹ نہیں لکھتے کہ سر پر کوئی آفت آجائے ۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں ۔ ان سیاہ قانونوں کے زمانے میں وہ اور کر ہی کیا سکتے ہیں ؟ مگر کیوں وہ کیوں سانپ کے بل میں ہاتھ نہیں ڈالتے ، اسی لیے تو کہ ان کے گھر والوں کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور ان کی اس برداشت کا انھیں یہ صلہ مل رہا ہے ۔ کیا اندھیر ہے ! ان کے پاس روپے نہیں تو بنارسی ساڑھی کہاں سے منگا کر دیں ؟ ڈاکٹر سیٹھ اور پروفیسر بھاٹیا اور نہ جانے کس کس کی بیویاں بنارسی ساڑی پہنتی ہیں تو وہ کیا کریں ؟ کیوں ان کی بیوی ان ساڑی والیوں کو اپنی کھدر کی ساڑی سے نادم نہیں کرتی ؟ ان کی خود تو یہ عادت ہے کہ کسی بڑے آدمی سے ملنے جاتے ہیں تو موٹے سے موٹے کپڑے پہن لیتے ہیں اور کوئی کچھ رائے زنی کرے تو وہ اس کا منھ توڑ جواب دینے کے لیے تیار رہتے ہیں ۔ ان کی بیوی میں کیا وہی خودداری نہیں ہے؟ وہ دوسروں کا ٹھاٹ باٹ دیکھ کر بے چین ہوجاتی ہے ؟ اسے سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک محبّ وطن کی بیوی ہے جس کے پاس حب الوطنی کے سوا اور کون سی پونجی ہے ؟ اسی کو آج افتتاحیہ مضمون بنانے کا خیال کرتے کرتے ان کا دھیان رائے صاحب کے معاملے پر جا پہنچا ۔ رائے

صاحب اس اطلاع کا کیا جواب دیتے ہیں ، یہ دیکھنا ہے ۔ اگر وہ اپنی صفائی دینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو کوئی بات نہیں ، ورنہ اگر وہ یہ سمجھیں کہ اونکار ناتھ دباؤ، خوف یا مروت میں آکر اپنے فرض سے منھ موڑ لیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہے ۔ اس ساری تپسیا کا بدلا انھیں اس کے سوا اور کیا ملتا ہے کہ موقع ملنے پر وہ ان قانونی ڈاکوؤں کی کرتوت کھول دیں ۔ انھیں خوب معلوم ہے کہ رائے صاحب بڑے بااثر آدمی ہیں ۔ کونسل کے ممبر ہونے کے علاوہ حکام میں بھی ان کا کافی رسوخ ہے ۔ وہ چاہیں تو ان پر جھوٹے مقدمے چلواسکتے ہیں ، اپنے غنڈوں سے انھیں راہ چلتے پٹواسکتے ہیں ، مگر اونکار ناتھ ان باتوں سے نہیں ڈرتا ۔ جب تک اس کے جسم میں جان ہے وہ ظالموں کی خبر لیتا ہی رہے گا ۔

دفعتاً موٹر کی آواز سن کر وہ چونک پڑے اور فوراً کاغذ لے کر اپنا مضمون شروع کردیا ۔ ایک ہی لمحہ میں رائے صاحب ان کے کمرے میں داخل ہوئے ۔

اونکار ناتھ نے نہ ان کا خیر مقدم کیا ، نہ مزاج پرسی کی اور نہ کرسی دی ۔ انھیں اس طرح دیکھا گویا کوئی ملزم ان کی عدالت میں آیا ہو اور رعب کی آواز میں پوچھا " آپ کو میرا پرزہ مل گیا تھا ؟ میں خط لکھنے کے لیے مجبور نہ تھا ، میرا فرض تو یہ تھا کہ خود اس کی تحقیقات کرتا مگر مروت میں اصولوں کا کچھ نہ کچھ تو خون کرنا ہی پڑتا ہے ۔ کیا اس خبر میں کچھ سچائی ہے ؟"

رائے صاحب اس کی سچائی سے انکار نہ کرسکے اگر چہ ابھی تک انھیں جرمانے کے روپے نہ ملے تھے ۔ اور وہ اس کے ملنے سے صاف انکار کرسکتے تھے مگر وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ کس پہلو پر چلتے ہیں ۔

اونکار ناتھ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا " تب تو میرے لیے اس خبر کو چھاپ دینے کے سوا اور کوئی چارا نہیں ہے ، مجھے اس کا افسوس ہے کہ مجھے اپنے ایک بڑے خیر خواہ دوست کے متعلق کچھ لکھنا پڑ رہا ہے مگر فرض کے مقابلے میں شخص کوئی چیز نہیں ۔ ایڈیٹر اگر اپنا فرض نہ پورا کرسکے تو اسے اس جگہ پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔"

رائے صاحب کرسی پر بیٹھ گئے اور پان کے بیڑے منھ میں ڈال کر بولے " لیکن یہ آپ کے حق میں اچھا نہ ہوگا مجھے تو جو کچھ ہونا ہے وہ بعد کو ہوگا مگر آپ کو فوراً سزا مل جائے گی ۔ اگر آپ دوستوں کی پرواہ نہیں کرتے تو میں بھی اسی پالیسی کا آدمی ہوں ۔"

اونکار ناتھ نے ایک شہید کی عظمت اختیار کرتے ہوئے کہا'' اس کا تو مجھے کبھی ڈر نہیں ہوا ۔ جس روز میں نے ایڈیٹر ہونے کی ذمہ داری لی اسی روز اپنی جان کا موہ چھوڑ دیا اور میرے نزدیک ایڈیٹر کی سب سے شاندار موت یہی ہے کہ وہ حق و انصاف پر اپنے کو قربان کردے ۔''

'' اچھی بات ہے میں آپ کا چیلنج منظور کرتا ہوں ۔ میں اب تک آپ کو اپنا دوست سمجھتا آیا تھا مگر اب آپ لڑنے کو تیار ہیں تو لڑائی ہی سہی ۔ آخر میں آپ کے اخبار کا پانچ گنا چندہ کیوں دیتا ہوں ؟ صرف اس لیے کہ یہ میرا غلام بنا رہے ۔ مجھے ایشور نے رئیس بنایا ہے ۔ آپ کے بنانے سے نہیں بنا ہوں ۔ معمولی چندہ پندرہ روپے ہیں اور میں پچھتر روپے دیتا ہوں تو اسی لیے کے آپ کا منہ بند رہے ۔ جب آپ گھاٹے کا رونا روتے ہیں اور امداد کے لیے اپیل کرتے ہیں اور ایسی شاید ہی کوئی سہ ماہی جاتی ہو جب آپ کی اپیل نہ نکلے ، تو میں ایسے ہر موقع پر آپ کی کچھ نہ کچھ امداد کر دیتا ہوں کس لیے ؟ دیوالی دسہرہ اور ہولی میں آپ کے یہاں سوغات بھیجتا ہوں اور سال میں پچیس مرتبہ آپ کی دعوت کرتا ہوں ۔ کس لیے ؟ آپ رشوت اور فرض دونوں کو ساتھ ساتھ نہیں نبھا سکتے ۔''

اونکار ناتھ گرم ہوکر بولے'' میں نے کبھی رشوت نہیں لی ۔''

رائے صاحب نے پھٹکارا'' اگر یہ رشوت نہیں ہے تو رشوت کیا ہے ؟ ذرا مجھے سمجھا دیجیے ۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے علاوہ اور سب گدھے ہیں ۔ جو بے غرضانہ آپ کا گھاٹا پورا کرتے ہیں ؟ نکالیے اپنا کھاتا اور مجھے بتایئے کہ اب تک آپ کو میری ریاست سے کتنا مل چکا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ ہزاروں کی رقم نکلے گی ۔ اگر آپ کو سودیشی سودیشی چلا کر بدیشی دواؤں اور چیزوں کا اشتہار چھاپنے میں شرم نہیں آتی تو میں کیوں اپنے آسامیوں سے تاوان اور جرمانہ لینے میں شرم کروں ؟ یہ نہ سمجھیے کہ آپ ہی کسانوں کے بہبود کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں ۔ مجھے کسانوں کے ساتھ جلنا مرنا ہے ، مجھ سے بڑھ کر دوسرا ان کا بہی خواہ نہیں ہوسکتا ۔ لیکن میرا گزر کیسے ہو؟ افسروں کو دعوتیں کہاں سے دوں ؟ سرکاری چندے کہاں سے دوں ؟ خاندان کے صدہا آدمیوں کی ضرورتیں کیسے پوری کروں ؟ میرا گھر کا کیا خرچ ہے ، یہ شاید آپ جانتے ہیں ۔ تو کیا میرے گھر میں روپے پھلتے ہیں ؟ آئیں گے تو آسامیوں کے ہی گھر سے ۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ زمیندار اور تعلقدار دنیا بھر کا سکھ لوٹ رہے ہیں ۔ ان

کی اصلی حالت کا آپ کو پتہ نہیں ۔ اگر وہ دھرماتما بن کر رہیں تو ان کا زندہ رہنا مشکل ہوجائے ۔ حکام کو ڈالیاں نہ دیں تو جیل گھر ہو جائے ۔ ہم بچھو نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ سب کو ڈنک مارتے پھریں اور نہ غریبوں کا گلا دبانا کوئی بڑی خوشی کی بات ہے مگر رواجوں کو تو نبھانا پڑتا ہے۔ جس طرح آپ میرے رئیس ہونے کا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اسی طرح اور سب لوگ ہمیں سونے کا انڈا دینے والی مرغی سمجھتے ہیں ۔ آیئے میرے بنگلے پر تو دکھادوں کہ صبح سے شام تک کتنے نشانے مجھ پر پڑتے ہیں ۔ کوئی کشمیر سے شال دوشالے لیے چلا آتا ہے، کوئی گراموفون لیے سر پر سوار ہے اور کوئی کچھ ۔ چندے والے تو بے شمار ، کیا سب کے سامنے اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ جاؤں ؟ کیا یہ لوگ میرے دروازے پر دکھڑا سننے آتے ہیں ؟ آتے ہیں مجھے الّو بنا کر مجھ سے کچھ اینٹھنے کے لیے ۔ آج رواج کا خیال چھوڑ دوں تو تالیاں پٹنے لگیں ۔ حکام کو ڈالیاں نہ دوں تو باغی سمجھا جاؤں ۔ تب آپ اپنے مضامین سے میری حفاظت نہ کریں گے ۔ کانگریس میں شریک ہوا ، اس کا تاوان ابھی تک دیتا جاتا ہوں ۔ کالی کتاب میں نام درج ہوگیا ۔ میرے سر پر کتنا قرض ہے یہ بھی کبھی آپ نے پوچھا ؟ اگر سبھی مہاجن ڈگریاں کرالیں تو میرے ہاتھ کا چھلا تک بک جائے گا ۔ آپ کہیں گے کیوں یہ جھگڑے پالتے ہو؟ سات پشتوں سے جن حالات میں رہتا آیا ہوں ان سے اب نکل نہیں سکتا ۔ گھاس چھیلنا اب میرے لیے ناممکن ہے ۔ آپ کے پاس زمین نہیں ، جائداد نہیں ، رواجی بندش نہیں ، آپ بے خوف ہو سکتے ہیں مگر آپ بھی دُم دبائے بیٹھے رہتے ہیں ۔ آپ کو کچھ خبر ہے کہ عدالتوں میں کتنی رشوت چل رہی ہے ، کتنے غریبوں کا خون ہو رہا ہے ، کتنی عورتیں بد راہ ہو رہی ہیں ۔ ہے بوتہ لکھنے کا ؟ مثال میں دیتا ہوں مع ثبوت کے ۔''

اونکار ناتھ کچھ نرم ہوکر بولے ۔'' جب کبھی ایسا موقع آیا میں نے قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔''

رائے صاحب بھی کچھ نرم ہوئے '' ہاں میں مانتاہوں کہ دو ایک موقعوں پر آپ نے جواں مردی دکھائی مگر آپ کی نظر ہمیشہ اپنے فائدے پر رہی ، عوام کے فائدے پر نہیں ۔ آنکھیں نہ نکالیے اور نہ چہرہ سرخ بنایئے ۔ جب کبھی آپ میدان میں آئے اس کا اچھا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی عزت اور آمدنی میں اضافہ ہوا ۔ اگر میرے ساتھ بھی آپ وہی چال چل رہے ہوں تو میں آپ کی خاطر کرنے کو تیار ہوں ۔ روپے نہ دوں گا کیونکہ وہ رشوت ہے ، آپ کی اہلیہ کے لیے کوئی زیور بنوادوں گا ۔ ہے منظور ؟ اب میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ

آپ کو جو خبر ملی ہے وہ غلط ہے ، مگر یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اپنے سبھی بھائیوں کی طرح میں بھی اسامیوں سے جرمانہ لیتا ہوں اور سال میں دس پانچ ہزار روپے میرے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ اگر آپ میرے منھ سے یہ لقمہ چھینا چاہیں گے تو آپ گھاٹے میں رہیں گے ۔ آپ بھی دنیا میں آرام سے رہنا چاہتے ہیں اور میں بھی رہنا چاہتا ہوں ۔ اس سے کیا فائدہ کہ آپ انصاف اور فرض کا ڈھونگ کرکے مجھے زیر باز کریں اور خود بھی زیر بار ہوں۔دل کی بات کہیے ۔ میں آپ کا دشمن نہیں ہوں ۔ آپ کے ساتھ کتنے ہی بار ایک چوکے میں ، ایک میز پر کھاچکا ہوں ۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ تکلیف میں ہیں ۔ آپ کی حالت میری حالت سے بھی بدتر ہے ۔ ہاں اگر آپ نے ستیہ ہریش چندر بننے کی قسم کھالی ہے تو آپ کی خوشی ۔ اب میں چلتا ہوں ۔''

رائے صاحب کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اونکار ناتھ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر مصالحانہ انداز سے کہا ۔'' نہیں نہیں ، ابھی آپ کو بیٹھنا پڑے گا ۔ میں اپنی پوزیشن صاف کردینا چاہتا ہوں ۔ آپ نے میرے ساتھ جوسلوک کیے ہیں ان کے لیے میں آپ کا احسان مند ہوں ۔ مگر یہاں اصول کی بات آگئی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اصول جان سے بھی زیادہ پیارے ہوتے ہیں ۔

'' رائے صاحب کرسی پر بیٹھ کر ذرا میٹھے لہجے میں بولے ۔'' اچھا بھئی جو چاہے لکھو ۔ میں تمھارے اصولوں کو توڑنا نہیں چاہتا ۔اور تو کیا ہوگا بدنامی ہوگی ۔ ہاں کہاں تک نام کے پیچھے مروں ؟ کون ایسا تعلقدار ہے جو آسامیوں کو تھوڑا بہت نہیں ستاتا ؟ کتا ہڈی کی حفاظت کرے تو کھائے کیا ؟ میں اتنا ہی کرسکتا ہوں کہ آئندہ آپ کو اس طرح کی کوئی شکایت نہ ملے گی ۔ اگر آپ کو مجھ پر یقین ہے تو اس دفعہ معاف کیجیے ۔ کسی دوسرے ایڈیٹر سے میں ایسی خوشامد نہ کرتا ۔ اسے سرے بازار پٹواتا ۔ لیکن مجھ سے آپ کو دوستی ہے پس مجھے بننا ہی پڑے گا ۔ یہ اخباروں کا زمانہ ہے ۔ سرکار تک ان سے دبتی ہے ، میری ہستی کیا ؟ آپ جسے چاہیں بنادیں اور جسے چاہیں بگاڑدیں ۔ خیر یہ جھگڑا ختم کیجیے ۔ کہیے آج کل اخبار کی کیا حالت ہے ؟ کچھ گاہک بڑھے ؟''

اونکار ناتھ نے نارضامندی سے کہا '' کسی نہ کسی طرح کام چلا جاتا ہے اور موجودہ حالت میں میں اس سے زیادہ امید نہیں رکھتا ۔ میں اس طرف دولت اور آرام کی خواہش لے

کر نہیں آیا تھا۔ اس لیے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں پبلک کی خدمت کرنے آیا تھا اور حتی الا مکان کیے جاتا ہوں۔ ملک وقوم کا بھلا ہو، یہی میری خواہش ہے۔ ایک شخص کے دکھ سکھ کی کوئی قیمت نہیں۔''

رائے صاحب نے ذرا اور ملائم ہوکر کہا'' یہ سب ٹھیک ہے بھائی صاحب، لیکن خدمت کے لیے بھی جینا ضروری ہے۔ مالی افکار میں مبتلا ہوتے ہوئے آپ یکسوئی کے ساتھ خدمت بھی تو نہیں کر سکتے۔ کیا گاہکوں کی تعداد بالکل نہیں بڑھ رہی ؟''

بات یہ ہے کہ میں اپنے اخبار کا معیار کم نہیں کرنا چاہتا۔ اگر میں بھی آج سنیما کے اسٹاروں کی تصاویر اور ان کی سوانح عمریاں چھاپنے لگوں تو گاہک بڑھ سکتے ہیں۔ مگر اپنا تو یہ شعار نہیں۔ اور بھی کتنے ہی ایسے ہتھکنڈے ہیں جن سے اخبار کے ذریعے روپیہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن میں انھیں برا سمجھتا ہوں۔''

اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج آپ کی اتنی عزت ہے۔ میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں، معلوم نہیں آپ اسے منظور کریں گے یا نہیں۔ آپ میری جانب سے سو آدمیوں کے نام مفت پرچہ جاری کر دیجیے اور قیمت میں دے دوں گا۔''

اونکار ناتھ نے ممنوعیت سے سر جھکا کر کہا'' میں شکریہ کے ساتھ آپ کا دان قبول کرتا ہوں۔ افسوس یہی ہے کہ اخباروں کی جانب سے لوگوں میں بڑی بے توجہی ہے۔ اسکولوں، کالجوں اور مندروں کے لیے پیسے کی کمی نہیں ہے مگر آج تک ایک بھی ایسا سخی نہ نکلا جو اخباروں کی اشاعت کے لیے دان دیتا۔ حالانکہ تعلیمی مقصد جتنے کم خرچ میں اخباروں سے پورا ہوسکتا ہے اتنا اور کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ جیسے تعلیم گاہوں کو مختلف انجمنوں سے امداد ملتی ہے اسی طرح اگر اخبار نویسوں کو بھی ملنے لگے تو ان غریبوں کو اپنا جتنا وقت اور جتنی جگہ اشتہاروں کی نذر کرنا پڑتی ہے وہ کیوں کرنا پڑے۔ میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔''

رائے صاحب رخصت ہو گئے۔ اونکار ناتھ کے چہرے پر خوشی کی جھلک نہ تھی۔ رائے صاحب نے کسی طرح کی شرط نہ کی تھی، کوئی بندش نہ لگائی تھی، مگر اونکار ناتھ آج اتنی بڑی نصیحت پاکر بھی اس امداد کو نامنظور نہ کر سکے۔ حالت ایسی تھی کہ انھیں نجات کی کوئی تدبیر ہی نہ سوجھ رہی تھی۔ پریس کے ملازموں کی تین مہینے کی تنخواہ باقی تھی۔ کاغذ والے کو ایک ہزار سے زیادہ دینا تھا۔ یہی کیا کم تھا کہ انھیں ہاتھ نہیں پھیلانا پڑا۔

ان کی اہلیہ گومتی نے آکر خفگی سے کہا۔'' کیا ابھی کھانے کا وقت نہیں آیا؟ یا یہ بھی کوئی قاعدہ ہے کہ جب تک ایک نہ بج جائے جگہ سے نہ اٹھو۔ کب تک کوئی چولھا تاکتا رہے؟''

اونکار ناتھ نے غمگین آنکھوں سے بیوی کی طرف دیکھا۔ گومتی کی خفگی غائب ہوگئی۔ وہ ان کی مشکلات کو سمجھتی تھی۔ دوسری عورتوں کے زیور کپڑے کو دیکھ کر کبھی کبھی اس کے دل میں مخالفت کا جذبہ جاگ اٹھتا تھا اور وہ شوہر کو دوچار کھری کھوٹی سنا جاتی تھی۔ مگر اصل میں یہ غصہ ان پر نہیں بلکہ خود اپنی بدقسمتی پر تھا اور اس کی تھوڑی آنچ خواہ مخواہ اونکار ناتھ تک پہنچ ہی جاتی تھی۔ وہ ان کی ریاضت دیکھ کر دل میں کڑھتی بھی تھی۔ اور ان سے ہمدردی بھی رکھتی تھی۔ بس انھیں تھوڑا سا خبطی سمجھتی تھی۔ ان کا اداس چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

'' کیوں اداس ہو، پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہے کیا؟''

اونکار ناتھ کو مسکرانا پڑا۔'' کون اداس ہے؟ میں! مجھے تو آج جتنی خوشی ہے اتنی تو اپنے بیاہ کے دن بھی نہ ہوئی تھی۔ آج صبح صبح پندرہ سو کا سودا ہوا ہے، کسی اچھے کا منہ دیکھا تھا۔''

گومتی کو یقین نہ آیا بولی۔'' جھوٹے ہو۔ تمھیں پندرہ سو کہاں ملے جاتے ہیں؟ ہاں پندرہ کہو تو مانے لیتی ہوں۔''

'' نہیں، نہیں تمھاری سر کی قسم، پندرہ سو مارے، ابھی رائے صاحب آئے تھے، سو گاہکوں کا چندہ اپنی طرف سے دینے کا وعدہ کر گئے ہیں۔''

گومتی کا چہرا اتر گیا'' تو مل چکے!''

''نہیں رائے صاحب وعدے کے پکے ہیں۔''

'' میں نے کسی تعلقدار کو وعدہ کا پکا دیکھا ہی نہیں۔ دادا ایک تعلقدار کے نوکر تھے۔ سال سال بھر تنخواہ نہ ملتی تھی۔ اسے چھوڑ کر دوسرے کی نوکری کی۔ اس نے دو سال تک ایک پائی نہ دی۔ ایک بار دادا گرم ہو پڑے تو مار بھگادیا۔ ان کے وعدوں کا کوئی اعتبار نہیں۔''

'' میں آج ہی بل بھیجتا ہوں۔''

'' بھیجا کرو۔ کہہ دیں گے کہ کل آنا اپنے علاقے پر چلے جائیں گے اور تین مہینے میں لوٹیں گے۔''

اونکار ناتھ شک میں پڑ گئے ۔ کہیں رائے صاحب بعد کو مکر گئے تو وہ کیا کرلیں گے؟ پھر بھی دل کڑا کر کے بولے" ایسا نہیں ہوسکتا ۔ کم سے کم رائے صاحب کو میں ایسا دھوکے باز نہیں سمجھتا ۔ میرا ان کے یہاں کچھ باقی نہیں ہے ۔"

گومتی نے اسی مشکوک انداز سے کہا " اسی سے تو میں تمھیں بدھو کہتی ہوں ۔ ذرا کسی نے ہمدردی دکھائی اور تم پھول اٹھے ۔ یہ موٹے رئیس ہیں ۔ ان کے پیٹ میں ایسے کتنے ہی وعدے ہضم ہوسکتے ہیں۔ جتنے وعدے کرتے ہیں اگر سب پورا کرنے لگیں تو بھیک مانگنے کی نوبت آجائے گی میرے گاؤں کے ٹھاکر صاحب تو دو دو تین تین سال تک بنیوں کا حساب نہ کرتے تھے ۔ نوکروں کی تنخواہ تو برائے نام دیتے تھے ۔ سال بھر کام لیا اور جب نوکروں نے تنخواہ مانگی تو مار کر نکال دیا ۔ کئی بار اسی نا دہندی میں ان کے لڑکوں کے نام اسکول سے کٹ گئے ۔ آخر انھوں نے لڑکوں کو گھر بلالیا ۔ ایک بار ریل کا ٹکٹ بھی ادھار مانگا تھا ۔ یہ رائے صاحب بھی تو ان کے بھائی بند ہیں چلو کھانا کھاؤ اور چکی پیسو ، جو تمھارے بھاگ میں لکھا ہے ۔ یہ سمجھ لو کہ یہ بڑے آدمی تمھیں پھٹکارتے رہیں وہی اچھا ہے ۔ یہ اگر تمھیں ایک پیسہ دیں گے تو اس کا چوگنا اپنے آسامیوں سے وصول کر لیں گے ۔ ابھی ان کے بارے میں جو کچھ چاہتے ہو لکھتے ہو مگر تب تو ٹھکر سہاتی ہی کہنی پڑے گی۔"

پنڈت جی کھارہے تھے مگر لقمہ منھ میں پھنسا ہوا معلوم ہوتا تھا ۔ آخر دل کا بوجھ ہلکا کیے بغیر کھانا مشکل ہوگیا ۔ بولے ۔" اگر روپے نہ دیے تو ایسی خبر لوں گا کہ یاد کریں گے۔ ان کی چوٹی میرے ہاتھ میں ہے ۔ گاؤں کے لوگ جھوٹی خبر نہیں دے سکتے سچی خبر دیتے تو ان کی جان نکلتی ہے ، جھوٹی کیا دیں گے ؟ رائے صاحب کے خلاف ایک رپورٹ میرے پاس آئی ہے ۔ چھاپ دوں تو بچہ کو گھر سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ مجھے وہ خیرات نہیں دے رہے ہیں ، بڑے دباؤ میں پڑ کر اس راہ میں آئے ہیں ۔ پہلے دھمکیاں دے رہے تھے ، جب دیکھا کہ یوں کام نہ چلے گا تو یہ چارا پھینکا ۔ میں نے بھی سوچا کہ ایک ان کے ٹھیک ہو جانے سے تو ملک سے ظلم مٹا جاتا نہیں تو پھر کیوں نہ اس دان کو قبول کرلوں ؟ میں اپنے معیار سے گر گیا ہوں ضرور ، لیکن اتنے پر بھی رائے صاحب نے دغا کی تو میں بھی شرارت پر اتر آؤں گا ۔ جو غریبوں کو لوٹتا ہے اسے لوٹنے کے لیے اپنے ضمیر کو بہت سمجھانا بجھانا پڑے گا ۔"

۱۷

گاؤں میں خبر پھیل گئی کہ رائے صاحب نے پنچوں کو بلاکر خوب ڈانٹا اور ان لوگوں نے جتنے روپے وصول کیے تھے وہ سب ان کے پیٹ سے نکال لیے ۔ وہ ان لوگوں کو جیل بھجوا رہے تھے لیکن ان لوگوں نے ہاتھ پاؤں جوڑے ، تھوک کر چاٹا ، تب جا کر چھٹکارا ملا۔ دھنیا کا کلیجہ ٹھنڈا ہوگیا ، گاؤں میں گھوم گھوم کر پنچوں کو نادم کرتی پھرتی تھی " آدمی نہ سنے گریبوں کی پکار ، بھگوان تو سنتے ہیں ۔ لوگوں نے سوچا تھا کہ ان سے ڈانڑ لے کر مجے سے پھلوریاں کھائیں گے پر بھگوان نے ایسا تمانچہ لگایا کہ پھلوریاں منھ سے باہر نکل پڑیں ۔ ایک ایک کے دو دو بھرنے پڑے ۔ اب چاٹو میرا گھر لے کر !"

مگر بیلوں کے بغیر کھیتی کیسے ہو؟ گاؤں میں بوائی شروع ہوگئی کاتک کے مہینے میں کسان کے بیل مر جائیں تو ان کے دونوں ہاتھ کٹ جاتے ہیں ۔ ہوری کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے ۔ اور سب لوگوں کے کھیتوں میں ہل چل رہے تھے ، بیج ڈالے جا رہے تھے ، کہیں کہیں گیت کی تانیں سنائی دیتی تھیں مگر ہوری کے کھیت کسی بیکس عورت کے گھر کی طرح سونے پڑے تھے ۔ پنیا کے پاس بھی گوئی تھی ، سوبھا کے پاس بھی گوئی تھی ۔ مگر انھیں اپنے کھیتوں کی بوائی سے فرصت کہاں کہ ہوری کے کھیت بوئیں ؟ ہوری دن بھر ادھر ادھر مارا مارا پھرتا تھا ۔ کہیں اس کے کھیت میں جا بیٹھتا کہیں اس کی بوائی کرا دیتا ۔ اس طرح کچھ اناج مل جاتا ۔ دھنیا ، سونا ، روپا ، سبھی دوسروں کی بوائی میں لگی رہتی تھیں ۔ جب تک بوائی رہی ، پیٹ کی روٹیاں ملتی گئیں اور کوئی خاص تکلیف نہ ہوئی ۔ دماغی تکلیف تو ضرور ہوتی تھی مگر کھانے بھر کو مل جاتا تھا ۔ رات کو روز میاں بیوی میں تھوڑی سی لڑائی ہو جاتی تھی ۔

یہاں تک کے کاتک بیت گیا اور گاؤں میں مزدوری کا ملنا مشکل ہو گیا ۔ اب سارا دار و مدار ایکھ پر تھا جو کھیتوں میں کھڑی تھی ۔

رات کا وقت تھا ، سردی خوب پڑ رہی تھی ۔ ہوری کے گھر میں آج کچھ کھانے کو نہ تھا ۔ دن کو تھوڑا سا بھنا ہوا مٹر مل گیا تھا مگر اس وقت چولھا جلنے کا کوئی ڈول نہ تھا ۔ روپا

بھوک سے بے حال تھی اور دروازے پر الاؤ کے آگے بیٹھی رو رہی تھی گھر میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں ہے تو کیا مانگے کیا کہے ؟

جب بھوک نہ برداشت ہوئی تو وہ آگ مانگنے کے بہانے پنیا کے گھر گئی وہ باجرے کی روٹی اور بتھوے کا ساگ پکا رہی تھی ۔ مہک سے روپا کے منھ میں پانی بھرآیا ۔

'' کیا ابھی تیرے گھر میں آگ نہیں جلی ری ؟''

روپا نے عاجزی سے کہا '' آج تو گھر میں کچھ تھا ہی نہیں کہاں سے آگ جلتی؟''

'' تو پھر آگ کاہے کو مانگنے آئی ہے ؟''

'' دادا تما کو پئیں گے ۔''

پنیا نے اپلے کی آگ اس کی طرف پھینک دی مگر روپا نے آگ اٹھائی نہیں اور پاس جاکر بولی '' تمھاری روٹیاں مہک رہی ہیں ، کاکی ! مجھے باجرے کی روٹیاں بڑی اچھی لگتی ہیں ۔''

پنیا نے مسکرا کر پوچھا '' کھائے گی ؟''

'' اماں ڈاٹیں گی ۔''

'' اماں سے کون کہنے جائے گا ؟''

روپا نے پیٹ بھر روٹیاں کھائیں اور جوٹھے منھ بھاگی ہوئی گھر چلی گئی ۔

ہوری اداس بیٹھا تھا کہ پنڈت داتا دین نے آکر پکارا ۔ ہوری کا سینہ دھڑکنے لگا۔ کیا کوئی نئی مصیبت آنے والی ہے ؟ آکر ان کے پیر چھوئے اور الاؤ کے سامنے ان کے لیے ماچی رکھ دی ۔

داتادین نے بیٹھتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں کہا '' اب کی تو تمھارے کھیت پرتی پڑگئے ہوری۔ تم نے گاؤں میں کسی سے کچھ کہا ہی نہیں ،نہیں تو بھولا کی مجال تھی کہ تمھارے دوارے سے بیل کھول لے جاتا ۔ یہیں لوتھ گر جاتی ۔ میں تم سے جنیؤ ہاتھ میں لے کر کہتا ہوں ہوری، کہ میں نے تمھارے اوپر ڈانڑ نہ لگایا تھا ۔ دھنیا مجھے ناحک بدنام کرتی پھرتی ہے۔ یہ سب پٹیشوری لالہ اور جھنگری سنگھ کی کارستانی ہے ۔ میں تو لوگوں کے کہنے سے پنچایت میں بیٹھ بھر گیا تھا ۔ وہ لوگ تو اور کڑا ڈانڑ لگارہے تھے ، میں نے کہہ سن کر کم کرایا ۔ مگر اب سب لوگ سر پر ہاتھ دھرے رو رہے ہیں ۔ سمجھتے تھے کے یہاں ان ہی کا راج ہے ۔ یہ نہ جانتے تھے

کہ گاؤں کا راجا کوئی اور ہے۔ تو اب اپنے کھیتوں کی بوائی کا کیا بندوبست کر رہے ہو؟''

ہوری نے رندھے گلے سے کہا۔ ''کیا بتاؤں مہراج! پرتی رہیں گے۔''

'' پرتی رہیں گے! یہ تو بڑا انرتھ ہوگا۔''

'' بھگوان کی یہی مرجی ہے تو اپنا کیا بس؟''

'' میرے ہوتے تمھارے کھیت کیسے پرتی رہیں گے۔ کل میں تمھاری بوائی کرا دوں گا! ابھی کھیتوں میں کچھ تری ہے۔ اپج دس دن پیچھے ہوگی، اس کے سوا اور کوئی بات نہیں۔ تمھارا ہمارا آدھا ساجھا رہے گا۔ اس میں نہ تمھیں کوئی گھاٹا ہے نہ ہمیں۔ میں نے آج بیٹھے بیٹھے سوچا تو جی بڑا دکھی ہوا کہ جُتے جُتائے کھیت پرتی پڑے جاتے ہیں۔''

ہوری سوچ میں پڑ گیا ''چوما سا بھر ان کھیتوں میں کھاد ڈالی، جوتا اور آج صرف بوائی کے لیے آدھی فصل دینی پڑ رہی ہے۔ اس پر احسان کیسا جتا رہے ہیں۔ مگر اس سے تو اچھا ہی ہے کہ کھیت پرتی پڑ جائیں اور کچھ نہ ملے گا تو لگان تو نکل ہی آئے گا۔ نہیں اب کے ادا نہ ہوا تو بید کھلی آئی دھری ہے۔''

اس نے یہ تجویز منظور کر لی۔

داتا دین خوش ہوکر بولے '' تو چلو، میں ابھی بیج تول دوں جس میں سیرے کا جھنجھٹ نہ رہے۔ روٹی تو کھالی ہے نا؟''

ہوری نے لجاتے ہوئے آج گھر میں چولہا نہ جلنے کی بات کہی۔

داتا دین نے میٹھے الہنے کے انداز سے کہا '' ارے تمھارے گھر میں چولہا نہیں جلا تو تم نے مجھ سے کہا بھی نہیں! ہم تمھارے بیری تو نہیں تھے۔ اسی بات پر تم سے میرا جی کڑھتا ہے۔ ارے بھلے آدمی، اس میں لاج سرم کی کون سی بات ہے؟ ہم سب ایک ہی تو ہیں۔ تم شودر ہوئے تو کیا۔ ہم براہمن ہوئے تو کیا، ہیں تو سب ایک ہی گھر کے۔ دن سب کے برابر نہیں جاتے۔ کون جانے کل میرے ہی اوپر کوئی سنکٹ آپڑے تو میں تم سے اپنا دکھ نہ کہوں گا تو کس سے کہوں گا؟ اچھا جو ہوا سو ہوا، چلو بوائی کے اناج کے ساتھ تمھیں من دو من کھانے کو بھی تول دوں گا۔''

آدھے گھنٹے میں ہوری من بھر جو کا ٹوکرا سر پر رکھے آیا اور گھر کی چکی چلنے لگی۔ دھنیا روتی تھی اور سونا کے ساتھ پیستی تھی۔ بھگوان اسے کس پاپ کا یہ ڈنڈ دے رہے ہیں۔

دوسرے دن بوائی شروع ہوئی ۔ ہوری کا سارا کنبہ اس طرح کام میں لگا ہوا تھا جیسے سب کچھ اپنا ہی ہے۔ کئی دن کے بعد سنچائی بھی اسی طرح ہوئی داتا دین کو مفت کے مزدور مل گئے ۔ اب کبھی کبھی ان کا لڑکا ماتا دین بھی گھر میں آنے لگا۔ جوان آدمی تھا ، بڑا عیاش اور بات چیت کا میٹھا ۔ داتا دین جو کچھ چھین جھپٹ کر لاتے تھے وہ اسے بھنگ بوٹی میں اڑاتا تھا۔ ایک چماری سے اس کی آشنائی ہو گئی تھی اس لیے ابھی تک بیاہ نہ ہوا تھا ۔ وہ رہتی الگ تھی مگر سارا گاؤں یہ بھید جانتے ہوئے بھی کچھ بول نہ سکتا تھا ۔ ہمارا دھرم ہے کھانا ۔ کھانا پاک رہے پھر ہمارے دھرم پر کوئی آنچ نہیں آسکتی ۔ روٹیاں ڈھال بن کر بے دھرمی سے ہمیں بچاتی ہیں ۔

اب ساجھے کی کھیتی ہونے سے ماتا دین کو جھنیا سے گفتگو کرنے کا موقع ملنے لگا ۔ وہ ایسے وقت آتا جب گھر میں جھنیا کے سوا اور کوئی نہ ہوتا ، کبھی کسی بہانے سے ، کبھی کسی بہانے سے ۔ جھنیا شکیل نہ تھی لیکن جوان تھی اور اس کی چماری سے بہتر تھی ۔ کچھ دن شہر میں رہ چکی تھی ۔ پہننا اور اوڑھنا ، بول چال ، وغیرہ سے واقف تھی ۔ اور حیادار بھی تھی ۔ جو عورت میں سب سے زیادہ کشش کی چیز ہے ۔ ماتا دین کبھی کبھی اس کے بچے کو گود میں اٹھا لیتا اور پیار کرتا ۔ جھنیا خوش ہوجاتی تھی ۔

ایک دن اس نے جھنیا سے کہا '' تم کیا دیکھ کر گوبر کے ساتھ آئیں ، جھونا ؟''

جھنیا نے لجاتے ہوئے کہا ۔'' بھاگ کھینچ لایا مہراج ، اور کیا کہوں؟''

ماتا دین نے افسوس سے کہا '' بڑا بیوقوف آدمی ہے تم جیسی پچھی کو چھوڑ کر نہ جانے کہاں مارا مارا پھر رہا ہے ۔ منچلا آدمی ہے اس سے مجھے شک ہوتا ہے کہ کہیں اور نہ پھنس گیا ہو ۔ ایسے آدمیوں کو تو گولی مار دینی چاہیے آدمی کا دھرم ہے کہ جس کی بانہہ پکڑے اسے نباہے ۔ یہ کیا کہ ایک آدمی کی جندگی بگاڑ دی اور آپ دوسرا گھر جھانکنے لگے ۔''

عورت رونے لگی ۔ ماتا دین نے ادھر ادھر تاک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور سمجھانے لگا۔

'' تم اس کی کیوں پروا کرتی ہو ، جھونا ! چلا گیا تو چلا جانے دو ۔ تمھارے لیے کس بات کی کمی ہے ؟ روپیہ پیسہ، گہنا کپڑا ؟ جو چاہو مجھ سے لو ۔''

جھنیا نے آہستہ سے ہاتھ چھڑا لیا اور پیچھے ہٹ کر بولی '' سب تمھاری دیا ہے مہراج ! میں تو کہیں کی نہ رہی ۔ گھر سے بھی گئی اور یہاں سے بھی گئی ۔ نہ مایا ملی نہ رام ہی ملے ۔ دنیا

کا رنگ ڈھنگ نہ جانتی تھی ۔ اس کی میٹھی میٹھی باتیں سن کر جال میں پھنس گئی ۔''

ماتادین نے گوبر کی برائی کرنی شروع کی '' وہ تو پورا لپھنگا ہے ، نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ! جب دیکھو ، ماں باپ سے لڑائی ۔ کہیں پیسہ پا جائے تو فوراً جوا کھیل ڈالے گا ۔ چرس اور گانجے میں اس کی جان بستی تھی ۔ سہدوں لچوں کے ساتھ گھومنا ، بہو ، بیٹیوں کو چھیڑنا ، یہی اس کا کام تھا ۔ تھانیدار صاحب بدمعاسی میں اس کا چالان کرنے والے تھے ، ہم لوگوں نے بڑی بنتی کی تب جا کر چھوڑا ۔ دوسروں کے کھیت کھلیان سے اناج اڑا لیا کرتا تھا ۔ وہ کئی بار پکڑا گیا مگر گاؤں گھر کا سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ۔''

سونا نے باہر سے آ کر کہا ۔'' بھابھی ، اماں نے کہا ہے کہ اناج نکال کر دھوپ میں ڈال دو ، نہیں تو چوکر بہت نکلے گا ۔ پنڈت نے جیسے بگھار میں پانی ڈال دیا ہو ۔''

ماتادین نے اپنی صفائی دی '' معلوم ہوتا ہے کہ تیرے گھر میں برسات نہیں ہوئی ۔ چومائسے میں لکڑی تک گیلی ہو جاتی ہے ، اناج تو اناج ہی ہے ۔''

یہ کہتا ہوا وہ باہر چلا گیا ۔ سونا نے آ کر اس کا کھیل بگاڑ دیا ۔

سونا نے جھنیا سے پوچھا '' ماتادین کیا کرنے آئے تھے ؟''

جھنیا نے ماتھا سکیڑ کر کہا '' پگہیٔ مانگ رہے تھے ۔ میں نے کہہ دیا کہ یہاں نہیں ہے ۔''

'' یہ سب بہانہ ہے ۔ بڑا برا آدمی ہے ۔''

'' مجھے تو بڑا بھلا آدمی لگتا ہے ۔ کیا برائی ہے اس میں ؟''

'' تم نہیں جانتیں ۔ سلیا چمارن کو رکھے ہے ۔''

'' تو اسی سے برا آدمی ہو گیا ؟''

'' اور کاہے سے آدمی برا کہا جاتا ہے ؟''

'' تمھارے بھیا بھی تو مجھے لائے ہیں ۔ وہ بھی برے آدمی ہیں ؟''

سونا نے اس کا جواب نہ دے کر کہا '' میرے گھر میں پھر کبھی آئے گا تو دتکار دوں گی ۔''

'' اور جو اس سے تمھارا بیاہ ہو جائے ؟''

سونا شرما گئی '' تم تو بھابھی گالی دیتی ہو ۔''

'' کیوں اس میں گالی کی کیا بات ہے ؟''

'' مجھ سے بولے تو منھ جھلس دوں۔''

'' تو کیا تمھارا بیاہ کسی دیوتا سے ہوگا ؟ گاؤں میں ایسا سندر سجیلا جوان دوسرا کون سا ہے ؟''

''تو تم چلی جاؤ اس کے ساتھ، سلیا سے لاکھ درجے اچھی ہو۔''

'' میں کیوں چلی جاؤں ؟ میں تو ایک کے ساتھ چلی آئی ، چاہے وہ اچھا ہو یا برا۔''

'' تو میں بھی جس کے ساتھ بیاہ ہوگا اس کے ساتھ چلی جاؤں گی ، اچھا ہو یا برا۔''

'' اور جو کسی بوڑھے کے ساتھ بیاہ ہوگیا ؟''

سونا ہنسی '' میں اس کے لیے نرم نرم روٹیاں بناؤں گی ، اس کی دوائیاں کوٹوں چھانوں گی ،اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھاؤں گی اور جب مرجائے گا تو منھ ڈھانک کر روؤں گی ۔''

'' اور جو کسی جوان کے ساتھ ہو؟''

'' تب تمھارا سر، ہاں نہیں تو !''

'' اچھا بتاؤ تمھیں بوڑھا اچھا لگتا ہے کہ جوان ؟''

'' جو اپنے کو چاہے وہی جوان ہے ، جو نہ چاہے وہی بوڑھا ہے ۔''

'' بھگوان کرے کہ تمھارا بیاہ کسی بوڑھے سے ہوجائے تو دیکھوں کہ تم اسے کیسے چاہتی ہو ۔ تب تو مناؤ گی کہ یہ نگوڑا کسی طرح مرجائے تو کسی جوان کو لے کر بیٹھ جاؤں ۔''

'' مجھے تو اس بوڑھے پر دیا آوے ۔''

اس سال ادھر شکر کا ایک مل کھل گیا تھا۔ اس کے کارندے اور دلال گاؤں گاؤں گھوم کر کسانوں کی کھڑی ایکھ مول لیتے تھے ۔ یہ وہی مل تھا جسے مسٹر کھنا نے کھولا تھا ۔ ایک دن کارندہ اس گاؤں میں بھی آیا ۔ کسانوں نے جو اس سے مول تول کیا تو معلوم ہوا کہ گڑ بنانے میں کوئی بچت نہیں ہے ۔ جب گھر میں ایکھ پیل کر بھی یہی دام بچتے ہیں ،تو پیلنے کی زحمت کیوں اٹھائی جائے ۔ سارا گاؤں کھڑی ایکھ بیچنے کو تیار ہوگیا ۔ اگر کچھ کم ہی ملے تو پرواہ نہیں، فوراً تو ملے گا ۔ کسی کو بیل لینا تھا ،کسی کو لگان دینا تھا ، اور کوئی مہاجن سے گلا چھڑانا چاہتا تھا ۔ ہوری کو بیل لینے تھے۔ اب کے ایکھ کی پیداوار اچھی نہ تھی ،پس یہ بھی اندیشہ تھا کہ مال نہ پڑے گا ۔ اور جب گڑ کے بھاؤ مل کی چینی ملے گی تو گڑ لے ہی گا کون ؟ سبھی نے

بیعانے لے لیے ۔ ہوری کو لم از م ایک سو روپے کی امید تھی ۔ اتنے میں ایک معمولی جوڑا آجائے گی ۔ لیکن مہاجنوں کو کیا کرے ؟ داتادین ، منگرو ، دلاری ، جھنگری سنگھ ، سبھی تو جان کھا رہے تھے ۔ اگر مہاجنوں کو دینے لگے تو سو روپے سود بھر کو بھی نہ ہوں گے ۔ کوئی ایسی حکمت نہ سوجھتی تھی کہ ایکھ کے روپے آجائیں اور کسی کو خبر نہ ہو ۔ جب بیل گھر آجائیں گے تب کوئی کیا کرلے گا ؟ گاڑی تُلے گی تو سارا گاؤں دیکھے ہی گا ۔ تول پر جو روپے ملیں گے وہ سب کو معلوم ہی ہو جائیں گے ۔ ممکن ہے کہ منگرو اور داتادین ہمارے ساتھ ساتھ رہیں ۔ ادھر روپے ملے اور ادھر انھوں نے گردن دبائی ۔

شام کو گردھر نے پوچھا ''تمھاری اوکھ کب تک جائے گی ، ہوری کاکا ؟'' ہوری نے جھانسہ دیا۔'' ابھی تک تو کچھ ٹھیک نہیں ہے بھائی تم کب تک لے جاؤ گے ؟''

گردھر نے بھی جھانسہ دیا '' ابھی تو میرا بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے ، کاکا ! ،،

اور لوگ بھی اسی طرح باتیں کرتے تھے ، کسی کو کسی پر اعتبار نہ تھا ۔ جھنگری سنگھ کے سبھی قرض دار تھے اور سب یہی چاہتے تھے کہ اس کے ہاتھ روپے نہ جانے پائیں ورنہ وہ سب کا سب ہضم کر جائے گا ۔ اور جب دوسرے دن اسامی پھر روپیہ مانگنے جائے گا تو نیا کاغذ ، نیا نذرانہ اور نئی تحریر ! ۔

دوسرے دن سوبھا آکر بولا '' دادا کوئی ایسی تدبیر کرو کہ جھنگری کو مری آجائے ۔ ایسا گرے کہ پھر نہ اٹھے ۔''

ہوری نے مسکرا کر کہا ۔'' کیوں ، اس کے بال بچے نہیں ہیں ؟''

'' اس کے بال بچوں کو دیکھیں کہ اپنے بال بچوں کو ؟ وہ تو دو دو عورتوں کو آرام سے رکھتا ہے اور یہاں تو ایک ہی کو روکھی روٹی بھی نہیں ملتی ۔ ساری جمع لے لے گا ، ایک پیسہ بھی گھر نہ لانے دے گا ۔''

'' میری تو حالت اور بھی بری ہے بھائی ۔ اگر روپے ہاتھ سے نکل گئے تو مٹ جاؤں گا ۔ گوئی کے بنا تو کام نہ چلے گا ۔''

'' ابھی تو دو تین دن اوکھ ڈھوتے لگیں گے ۔ جیوں ہی ساری اوکھ پہنچ جائے ، جمعدار سے کہیں کہ بھیا کچھ لے لے مگر اوکھ جھٹ پٹ تول لے' دام پیچھے دینا ۔ ادھر جھنگری سے کہہ دیں گے کہ ابھی روپے نہیں ملے ۔''

ہوری نے سوچ کر کہا '' جھنگری ہم سے تم سے کئی گنا چالاک ہے سو بھا ۔ جا کر منیم سے ملے گا اور اسی سے روپے لے لے گا ۔ ہم تم تاکتے ہی رہ جائیں گے ۔ جن کھنا بابو کا مل ہے ان ہی کی مہاجنی کوٹھی بھی ہے ۔ دونوں ایک ہیں ۔''

سوبھا نراس ہوکر بولا '' نہ جانے ان مہاجنوں سے کبھی پنڈ چھوٹے گا کہ نہیں ؟''

ہوری بولا '' اس جنم میں تو کوئی آس نہیں ہے بھائی ! ہم راج پاٹ ،سکھ چین ، نہیں چاہتے ؟ہاں جھوٹا موٹا پہننا اور موٹا جھوٹا کھانا اور مرجاد کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں ۔ وہ بھی نہیں ہوتا ۔''

سوبھا نے شیطنیت سے کہا '' میں تو دادا ان سبوں کو چکما دوں گا ۔ جمعدار کو کچھ دے دلاکر اس بات پر راضی کرلوں گا کہ روپے کے لیے ہمیں خوب دوڑائیں جھنگری کہاں تک دوڑیں گے ؟''

ہوری نے ہنس کر کہا '' یہ سب کچھ نہ ہوگا بھیا ۔کسل اسی میں ہے جھنگری سنگھ کے ہاتھ پاؤں جوڑو ۔ ہم جال میں پھنسے ہوئے ہیں ، جتنا ہی پھڑپھڑائیں گے اتنا ہی اور پھنستے جائیں گے ۔''

'' تم تو دادا ، بوڑھوں کی سی باتیں کررہے ہو ۔کٹگھرے میں پھنسے بیٹھے رہنا تو مردی نہیں ہے۔ پھندا اور جکڑ جائے تو جکڑ جانے پر گلا چھڑانے کے لیے بل تو لگانا ہی پڑے گا ۔ یہی تو ہوگا کہ جھنگری گھر دوار نیلام کرالیں گے ، کرالیں نیلام ! میں تو چاہتا ہوں کہ ہمیں کوئی روپیہ نہ دے ، ہمیں بھوکوں مرنے دے ،لاتیں کھانے دے ، ایک پیسہ بھی ادھار نہ دے تو بیاج کہاں سے پاویں ؟ ایک ہمارے اوپر دعویٰ کرتا ہے تو دوسرا ہمیں کچھ کم بیاج پر روپیہ دے کر اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے ۔ میں تو اسی دن روپیہ لینے جاؤں گا جس دن جھنگری کہیں چلا گیا ہوگا ۔''

ہوری کا دل بھی پھر گیا ،بولا یہ ٹھیک ہے ۔''

'' اوکھ تلوادیں گے ،پھر روپیہ اپنی گھات دیکھ کر لائیں گے ۔''

'' بس بس ، یہی چال چلو ۔''

دوسرے دن بڑے سویرے گاؤں کے کئی آدمیوں نے ایکھ کاٹنا شروع کیا ،ہوری بھی اپنے کھیت میں گنڈاسے لے کر پہنچا ۔ ادھر سے سوبھا بھی اس کی مدد کو آگیا ۔ پنیا ،دھنیا،

جھنیا، سونا، سبھی کھیت میں پہنچ گئیں۔ کوئی ایکھ کاٹتا تھا، کوئی چھیلتا تھا، کوئی گٹھے باندھتا تھا۔ مہاجنوں نے جو ایکھ کٹتے دیکھا تو پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے۔ ایک طرف سے دلاری دوڑی، دوسری طرف سے منگرو ساہ، تیسری طرف سے داتادین اور پٹیشوری اور جھنگری کے پیادے۔ دلاری ہاتھ میں موٹے موٹے چاندی کے کڑے پہنے، کانوں میں سونے کے جھومکے ڈالے، آنکھوں میں کاجل لگائے، بوڑھے شباب کو رنگے اور سنوارے ہوئے آکر بولی'' پہلے میرے روپے دو پھر اوکھ کاٹنے دوں گی۔ میں جتنا ہی گم کھاتی ہوں اتنا ہی تم سیر ہوجاتے ہو۔ دو سال سے ایک دھیلا بیاج نہیں دیا۔ پچاس تو میرے بیاج ہی کے ہوتے ہیں۔''

ہوری نے گھگھیا کر کہا'' بھابھی اوکھ کاٹ لینے دو، اس کے روپے ملتے ہیں تو جتنا ہوسکے تمھیں بھی دوں گا۔ نہ گاؤں چھوڑ کر بھاگا جاتا ہوں، نہ اتنی جلدی مرا جاتا ہوں۔ کھیت میں کھڑی تو اوکھ روپے نہ دے گی۔''

دلاری نے اس کے ہاتھ سے گنڈاسہ چھین کر کہا''نیت اتنی کھوٹی ہے تم لوگوں کی تبھی تو برکت نہیں ہوتی۔''

آج پانچ سال ہوئے'' ہوری نے دلاری سے تیس روپے لیے تھے۔ تین سال میں تیس کے سو ہوگئے۔ اس وقت اسٹامپ لکھا گیا۔ دوسال میں اس پر پچاس روپے سود چڑھ گیا تھا۔

ہوری بولا۔''سیٹھانی، نیت تو کبھی نہیں بگاڑی، اگر بھگوان چاہیں گے تو ایک ایک پائی چکا دوں گا۔ ہاں آج کل تنگ ہوگیا ہوں، جو چاہے کہہ لو۔''

سیٹھانی کو جاتے دیر نہ ہوئی تھی کہ منگرو ساہ آپہنچے۔ سیاہ رنگ توند کمر کے نیچے لٹکتی ہوئی۔ دوبڑے بڑے دانت سامنے جیسے کاٹ کھانے کو نکلے ہوئے، سر پر ٹوپی، گلے میں چادر، عمر ابھی پچاس سے زیادہ نہیں مگر لاٹھی کے سہارے چلتے تھے۔ گٹھیا کا عارضہ تھا۔ کھانسی بھی آتی تھی۔ لاٹھی ٹیک کر کھڑے ہوگئے اور ہوری کو ڈانٹ بتائی'' پہلے ہمارے روپے دے دو ہوری، تب اوکھ کاٹو۔ ہم نے روپے ادھار دیے تھے، دان نہیں دیا تھا۔ تین تین سال ہوگئے نہ سود نہ بیاج۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ تم میرے روپے ہجم کر جاؤ گے میں تمھارے مردے سے بھی وصول کرلوں گا۔''

سوبھا مسخرا تھا بولا '' تب کاہے کو گھبراتے ہو ساہ جی ؟ ان کے مردے سے وصول کر لینا۔ نہیں ایک دو سال کے آگے پیچھے دونوں ہی سرگ میں پہنچو گے تب وہیں بھگوان کے آگے اپنا حساب چکا لینا۔''

منگرو نے سوبھا کو بہت برا بھلا کہا ' جمع مار ، بے ایمان ، وغیرہ۔ '' لینے کی بیر تو دُم ہلاتے ہو اور جب دینے کی باری آتی ہے تو گُراتے ہو۔ گھر بکوا لوں گا، بیل بدھئے نیلام کرالوں گا۔''

سوبھا نے پھر چھیڑا '' اچھا ایمان سے بتاؤ ساہ جی ' کتنے روپے دیے تھے جس کے اب تین سو ہو گئے ہیں ؟''

'' جب تم سال کا سال سود نہ دو گے تو آپ ہی بڑھیں گے۔''

'' پہلے پہل کتنے روپے دیے تھے تم نے ؟ پچاس ہی تو ؟''

'' کتنے دن ہوئے یہ بھی تو دیکھ۔''

'' پانچ چھ سال ہوئے ہوں گے۔''

'' دس سال ہو گئے پورے ! گیارہواں جا رہا ہے۔''

'' پچاس روپے سے تین سو لیتے ہو، تمھیں تنک بھی سرم نہیں آتی ؟ ''

'' سرم کیسی ؟ روپے دیے ہیں کہ کھیرات مانگتے ہیں۔''

ہوری نے انھیں بھی منت سماجت کر کے رخصت کیا۔ داتا دین نے ہوری کی شرکت میں کھیتی کی تھی۔ بیج دے کر آدھی فصل لے لیں گے۔ اس وقت کچھ چھیڑ چھاڑ کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔ جھنگری سنگھ نے مل کر مینیجر سے پہلے ہی سب کچھ کہہ سن رکھا تھا۔ ان کے پیادے گاڑیوں پر اوکھ لدوا کر ناؤ پر پہنچا رہے تھے۔ ندی ناؤ سے نصف میل پر تھی۔ ایک گاڑی دن بھر میں سات آٹھ چکر کر لیتی تھی اور ناؤ ایک کھیوے میں پچاس گاڑیوں کا بوجھ لاد دیتی تھی۔ اس طرح بڑی کفایت ہوتی تھی۔ اس سہولت کا بندوبست کر کے جھنگری سنگھ نے سارے علاقے کو اپنا ممنون بنا لیا تھا۔

تول شروع ہوتے ہی جھنگری نے مل کے پھاٹک پر آسن جما لیا۔ ہر ایک کی اکھ تولاتے تھے ، قیمت کا پرزہ لیتے تھے ،خزانچی سے روپے وصول کرتے تھے اور اپنی یافتنی کاٹ کر اسامی کو دے دیتے تھے۔ اسامی کتنا ہی روئے ،چیخے ،مگر وہ کسی کی نہ سنتے تھے۔ مالک

کا یہی حکم تھا، ان کا کیا بس؟

ہوری کو ایک سو بیس روپے ملے۔ اس میں سے جھنگری نے اپنے کل روپے مع سود کاٹ کر کوئی پچیس روپے ہوری کے حوالے کیے۔

ہوری نے روپے کی طرف بے غرضانہ انداز سے دیکھ کر کہا ''یہ لے کر میں کیا کروں گا ٹھاکر؟ یہ بھی تم ہی لے لو۔ میرے لیے مجوری بہت ملے گی۔''

جھنگری نے پچیسیوں روپے زمین پر پھینک کر کہا ''لو یا پھینک دو، تمھاری خوشی تمھارے کارن مالک کی گھڑکیاں کھائیں اور ابھی رائے صاحب سر پر سوار ہیں کہ ڈنڈ کے روپے ادا کرو۔ تمھاری گریبی پر ترس کھا کر اتنے روپے دیے دیتا ہوں، نہیں ایک دھیلا بھی نہ دیتا۔ اگر رائے صاحب نے کڑائی کی تو الٹے اور گھر سے دینے پڑیں گے۔''

ہوری نے چپکے سے روپے اٹھالیے اور باہر نکلا کہ نوکھے رام نے للکارا ہوری نے جا کر پچیسیوں روپے ان کے ہاتھ میں رکھ دیئے اور بلا کچھ کہے فوراً بھاگ گیا اس کا سر چکرا رہا تھا۔

سوبھا کو بھی اتنے ہی روپے ملے تھے وہ باہر نکلا تو پٹیشوری نے آگھیرا۔

سوبھا بدل پڑا، بولا ''میرے پاس روپے نہیں ہیں، تمھیں جو کچھ کرنا ہے کرلو۔''

پٹیشوری نے گرم ہو کر کہا ''اوکھ بیچی ہے کہ نہیں؟''

''ہاں بیچی ہے۔''

''تمھارا یہی وعدہ تو تھا کہ اوکھ بیچ کر روپیہ دوں گا؟''

''ہاں تھا تو۔''

''پھر کیوں نہیں دیتے؟''

''میرے پاس اب جو کچھ بچا ہے وہ بال بچوں کے لیے ہے۔''

پٹیشوری نے دھمکا کر کہا ''تم تو روپے دو گے سوبھا، ہاتھ جوڑ کر اور آج ہی۔ ابھی جتنا چاہو بہک لو۔ ایک رپٹ میں جاؤ گے چھ مہینے کو۔ ایک دن کم نہ جیادہ۔ یہ جو روج جوا کھیلتے ہو، وہ ایک رپٹ میں نکل جائے گا۔ میں جمیندار یا مہاجن کا نوکر نہیں ہوں۔ میں سرکار بہادر کا نوکر ہوں، جس کا دنیا بھر میں راج ہے، اور جو تمھارے مہاجن جمیندار دونوں کا مالک ہے۔''

پٹیشوری لال آگے بڑھ گئے ۔ سوبھا اور ہوری کچھ دور چپ چاپ چلے گویا اس دھمکی نے انھیں بدحواس کر دیا ہو ۔ پھر ہوری نے کہا '' سوبھا اس کے روپے دے دو سمجھ لو کہ اوکھ میں آگ لگ گئی ۔ میں نے بھی یہی سوچ کر جی کو سمجھا لیا ہے ۔''

سوبھا نے چوٹ کھائے ہوئے لہجہ سے کہا '' ہاں دے دوں گا دادا ۔ نہ دوں گا تو جاؤں گا کہاں؟۔

سامنے سے گردھر تاڑی پیے ہوئے جھومتا چلا آتا تھا ۔ دونوں کو دیکھ کر بولا ۔ ''جھنگڑیا نے سب کا سب لے لیا ، ہوری کاکا چبینا کو بھی ایک پیسہ نہ چھوڑا ہتیارا کہیں کا ! رویا ؟ گڑگڑایا مگر اس پاپی کو دیا نہ آئی ۔''

سوبھا نے کہا '' تاڑی تو پیے ہوئے ہو ، اس پر کہتے ہو کہ ایک پیسہ نہ چھوڑا۔''

گردھر نے پیٹ دکھا کر کہا '' سانجھ ہو گئی جو پانی کی بوند بھی گلے کے نیچے گئی ہو! ایک اکنی منھ میں دبالی تھی سو اسی کی تاڑی پی لی ۔ سوچا کہ سال بھر پسینہ بہایا ہے تو ایک دن تاڑی تو پی لوں ۔ مگر سچ کہتا ہوں کہ نسہ نہیں ہے ۔ ایک آنے میں نسہ کیا ہوگا ؟ ہاں جھوم رہا ہوں جس میں لوگ سمجھیں کہ بہت پیے ہوئے ہے ۔ بڑا اچھا ہوا کاکا ، بیباکی ہو گئی ۔ بیس لیے تھے جس کے کچھ ایک سو ساٹھ بھرے ، کچھ حد ہے !''

ہوری گھر پہنچا تو روپا پانی لے کر دوڑی ، سونا چلم لائی ، دھنیا نے چربن اور نمک لا کر رکھ دیا اور سبھی اسی بھری آنکھوں سے اس کی طرف تاکنے لگیں ۔ جھنیا بھی چھوکھٹ پر آ کھڑی ہوئی تھی ۔ ہوری اداس بیٹھا تھا ، کیسے منھ ہاتھ دھوئے ؟ کیسے چربن چبائے ؟ ایسا نادم اور ملول تھا گویا خون کر کے آیا ہو ۔ دھنیا نے پوچھا '' کتنے کی تول ہوئی؟''

'' ایک سو بیس ملے ۔ پر وہیں لٹ گئے ۔ دھیلا بھی نہ بچا ۔''

دھنیا سر سے پیر تک جل گئی ۔ دل میں ایسا اشتعال ہوا کہ اپنا منھ نوچ ڈالے بولی '' تم جیسا بدھو آدمی بھگوان نے کیوں بنایا ؟ کہیں ملتے تو ان سے پوچھتی تمھارے ساتھ ساری جندگی مٹی ہو گئی۔ بھگوان موت بھی نہیں دیتے کہ اس جنجال سے جی چھوٹے اٹھا کر سب روپے اپنے بہنوئیوں کو دے دیے ، اب اور کون آمدنی ہے جس سے گوئی آوے گی ؟ ہل میں کیا مجھے جوتو گے یا آپ جتو گے ؟ میں کہتی ہو کہ تم بوڑھے ہوئے اور تمھیں اتنی اکل بھی نہ آئی کہ گوئی بھر کے روپے نکال لیتے ۔ کوئی تمھارے ہاتھ سے چھین تھوڑے ہی لیتا ۔ پوس کی یہ

سردی ہے اور کسی کے تن پر لتا نہیں ہے ۔ لے جاؤ سب کو ندی میں ڈبا دو ! رو رو کر مرنے
سے تو ایک دن مرجانا اچھا ہے ۔ کب تک پوال میں گھس کر رات کاٹیں گے ؟ اور پوال میں
گھس بھی رہیں تو پوال کھا کر رہا تو نہ جائے گا ۔ تمھاری اِچھا ہو گھاس ہی کھاؤ پر ہم سے
گھاس نہ کھائی جائے گی ۔''

یہ کہتے کہتے وہ مسکرا پڑی ۔ اتنی دیر میں اس کی سمجھ میں یہ بات آنے لگی تھی کہ مہاجن
جب سر پر سوار ہوجائے اور اپنے ہاتھ میں روپے ہوں اور مہاجن جانتا ہو کہ اس کے پاس
روپے ہیں تو اسامی اپنی جان کیسے بچا سکتا ہے؟

ہوری سر جھکائے اپنی قسمت کو رو رہا تھا ۔ دھنیا کا مسکرانا اسے نہ دکھائی دیا بولا
''مجوری تو ملے گی ۔ مجوری کر کے کھائیں گے ۔''

دھنیا نے پوچھا '' کہاں ہے اس گاؤں میں مجوری ؟ اور کون منھ لے کر مجوری کرو گے؟
مہتو نہیں کہلاتے !''

ہوری نے حقے کے کئی کش لگا کر کہا'' مجوری کرنا کوئی پاپ نہیں ہے ۔ مجور بن جائے تو
کسان ہو جاتا ہے اور کسان بگڑ جائے تو مجور ہوجاتا ہے ۔ مجوری کرنا بدا نہ ہوتا تو یہ سب
بپت کیوں آتی ؟ کیوں گائے مرتی ؟ کیوں لڑکا نالایک نکل جاتا ؟''

دھنیا نے بہو بیٹیوں کی طرف دیکھ کر کہا'' تم سب کی سب کیوں گھیرے کھڑی ہو؟
جاکر اپنا کام دیکھو ۔ وہ اور ہیں جو باہر سے آتے ہیں تو بال بچوں کے لیے دو چار پیسے کا
کچھ لیے آتے ہیں ۔ یہاں تو یہ لالچ لگ رہا ہوگا کہ روپیہ تڑادیں کیسے ؟ ایک کم نہ ہو جائے
گا ! اسی سے ان کی کمائی میں برکت نہیں ہوتی جو کھرچ کرتے ہیں انھیں ملتا ہے ۔ جو نہ
کھا سکیں ، نہ پہن سکیں انھیں روپیہ ملے ہی کیوں ؟ دھرتی میں گاڑنے کے لیے ؟''

ہوری نے ہنس کر پوچھا '' کہاں ہے وہ گڑی ہوئی جمع ؟''

'' جہاں رکھی ہے وہیں ہوگی ۔ رونا تو یہی ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی پیسے کے لیے
مرتے ہو ! چار پیسے کا کچھ لاکر بچوں کے ہاتھ پر رکھ دیتے تو پانی میں نہ پڑ جاتے ۔ جھنگری
سے تم کہہ دیتے کہ ایک روپیہ مجھے دے دو ؛ نہیں تو میں تمھیں ایک پیسہ نہ دوں گا ، جاکر
عدالت میں لینا ، تو وہ جرور دیتا ۔''

ہوری شرمندہ ہوگیا ۔ اگر وہ جھلا کر پچیسوں روپے نوکھے رام کو نہ دے دیتا تو وہ کیا کر

لیتے ؟ بہت ہوتا تو بقایا پر دو چار آنہ سود لے لیتے ۔ مگر اب تو بھول ہوگئی ۔

جھنیا نے اندر جاکر سونا سے کہا '' مجھے تو دادا پر بڑی دیا آتی ہے بے چارے دن بھر کے تھکے ماندے گھر آئے تو اماں کوسنے لگیں ۔ مہاجن گلا دبائے تھا تو کیا کرتے ؟''

'' تو بیل کہاں سے آویں گے ؟''

'' مہاجن اپنے روپے چاہتا ہے ۔ اسے تمھارے گھر کے دکھڑوں سے کیا مطلب؟''

اماں وہاں ہوتیں تو مہاجن کو مجا چکھا دیتیں ۔ ابھا گا روکر رہ جاتا ۔''

جھنیا نے مذاق کیا '' تو یہاں روپیوں کی کون کمی ہے ؟ تم مہاجن سے تنک ہنس کر بول دو پھر دیکھو کہ وہ سارے روپے چھوڑ دیتا ہے کہ نہیں ۔ سچ کہتی ہوں کہ دادا کا سب دکھ درد دور ہو جائے ۔''

سونا نے دونوں ہاتھوں سے اس کا منھ دبا کر کہا '' بس چپ ہی رہنا ، نہیں کہے دیتی ہوں ۔ ابھی جاکر اماں سے ماتادین کی ساری بات کھول دوں تو رونے لگو ۔''

جھنیا نے پوچھا '' کیا کہہ دو گی اماں سے ؟ کہنے کی کوئی بات بھی ہو ۔ جب وہ کسی بہانے سے گھر میں آجاتے ہیں تو کیا کہہ دوں کہ نکل جاؤ ؟ پھر مجھ سے کچھ لے تو نہیں جاتے ، کچھ اپنا ہی دے جاتے ہیں ۔ سوائے میٹھی میٹھی باتوں کے وہ جھنیا سے کچھ نہیں پاسکتے اور اپنی میٹھی باتوں کو مہنگے داموں بیچنا بھی مجھے آتا ہے ۔ میں ایسی نادان نہیں ہوں کہ کسی کے جھانسے میں آجاؤں ۔ ہاں جب جانوں گی کہ تمھارے بھیا نے وہاں کسی کو رکھ لیا ہے ۔ تب کی نہیں چلاتی ۔ تب میرے اوپر کسی کا کوئی بندھن نہ رہے گا ۔ ابھی تو مجھے بسواس ہے کہ وہ میرے ہیں اور میرے ہی کارن انھیں گلی گلی ٹھوکر کھانا پڑرہا ہے ۔ ہنسنے بولنے کی بات اور ہے ، پر میں ان سے بسواس گھات نہ کروں گی ۔ جو ایک سے دو کا ہوا وہ کسی کا نہیں رہتا ۔''

سوبھا نے آکر ہوری کو پکارا اور پٹیشوری کے روپے اس کے ہاتھ میں رکھ کر بولا '' بھیا ،تم جاکر یہ روپے لالا کو دے دو ۔ مجھے اس گھڑی نہ جانے کیا ہوگیا تھا ۔''

ہوری روپے لے کر اٹھا ہی تھا کہ سنکھ کی آواز کانوں میں آئی ۔ گاؤں کے دوسرے سرے پر دھیان سنگھ نامی ایک ٹھاکر رہتے تھے ۔ فوج میں نوکر تھے اور کئی دن ہوئے کہ دس سال بعد رخصت لے کر آئے تھے ۔ بغداد ،عدن ،سنگاپور ،برما ، چاروں طرف گھوم چکے تھے ۔ اب بیاہ کرنے کی فکر تھی ۔ اسی لیے پوجا پارٹ کرکے برہمنوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے ۔

ہوری نے کہا'' معلوم ہوتا ہے کہ ساتوں ادھیائے پورے ہو گئے ۔ آرتی ہو رہی ہے۔''

سوبھا بولا'' ہاں معلوم تو ہوتا ہے ، چلو آرتی لے لیں ۔''

ہوری نے متفکرانے لہجے میں کہا'' تم جاؤمیں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' دھیان سنگھ جس دن آئے تھے سب کے گھر سیر سیر بھر مٹھائی بائن میں بھیجی تھی ۔ ہوری سے جب کبھی راستے میں مل جاتے تو خیر وعافیت پوچھتے ۔ ان کی کتھا میں جاکر آرتی میں کچھ نہ دینا ذلت کی بات تھی ۔

آرتی کا تھال ان ہی کے ہاتھ میں ہوگا ۔ ان کے سامنے ہوری کیسے خالی ہاتھ آرتی لے گا۔ اس سے تو کہیں اچھا ہے کہ وہ کتھا میں جائے ہی نہیں۔ اتنے آدمیوں میں انھیں کیا یاد آئے گی کہ ہوری نہیں آیا ۔کوئی رجسٹر لیے تو بیٹھا نہیں کہ کون آیا ۔ وہ جاکر چار پائی پر لیٹ رہا۔

مگر وہ دل مسوس مسوس کر رہ جاتا تھا ۔ اس کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ تانبے کا ایک پیسہ ! آرتی کے پُن اور مہاتم کا اسے بالکل دھیان نہ تھا ۔ بات تھی صرف بیوہار کی ۔ ٹھاکر جی کی آرتی ہو تو وہ صرف اپنی بھگتی کی بھینٹ دے سکتا تھا ، مگر رواج کیسے توڑے ؟ سب کی نگاہوں میں پوچ کیسے بنے ؟

دفعتاً وہ اٹھ بیٹھا ۔ کیوں رواج کی غلامی کرے ؟ رواج کے لیے آرتی کا پُن کیوں چھوڑے ؟ لوگ ہنسیں گے تو ہنس لیں ؟ اسے پروا نہیں ہے ۔ بھگوان اسے برے کاموں سے بچائے رکھیں ، اور وہ کچھ نہیں چاہتا ۔

وہ ٹھاکر کے گھر کی طرف چل پڑا ۔

(۱۸)

کھنا اور گوبندی میں نہیں پٹتی ۔ کیوں نہیں پٹتی ، یہ بتلانا مشکل ہے ۔ نجوم کے نقط خیال سے ان کے ستاروں میں کوئی مخالفت ہے ، حالانکہ شادی کے وقت ان سب کی پوری مطابقت کر لی گئی تھی ۔ لوک شاستر کے حساب سے اس ان بن کا کوئی اور بھید ہو سکتا ہے اور نفسیات والے کچھ اور ہی سبب کھوج سکتے ہیں ۔ ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ ان میں نہیں بنتی ۔ کھنا دولت مند ہیں ، حسن پرست ہیں ، ملنسار ہیں ، شکیل ہیں ، خاصے پڑھے لکھے ہیں اور شہر کے خاص لوگوں میں ہیں۔ گوبندی حور نہ ہو مگر خوبصورت ضرور ہے ۔ گندمی رنگ ، شرمیلی آنکھیں جو سامنے ایک بار اٹھ کر بھٹک جاتی ہیں ، رخساروں پر سرخی نہ ہو مگر چکنا ہٹ ہے ، نازک بدن ، اعضا کا تناسب درست ، گول گول بازو ، چہرے پر ایک طرح کی بدمزگی جس میں کچھ غرور کی جھلک بھی ہے ، گویا دنیا کے کاروبار کو ہیچ سمجھتی ہے ۔ کھنا کے پاس عیش کے ظاہری سامانوں کی کمی نہیں ۔ اعلی درجے کا بنگلہ ہے ، اعلی درجے کا فرنیچر اعلی درجے کا موٹر،اور بے انتہا دولت ، مگر گوبندی کی نظر میں گویا ان اشیاء کی کوئی وقعت نہیں ۔ اس کھارے سمندر میں وہ پیاسی پڑی رہتی ہے ۔ بچوں کی پرورش و پرداخت اور گرستی کے چھوٹے موٹے کام ہی اس کے لیے سب کچھ ہیں ۔ وہ ان میں اتنی منہمک رہتی ہے کہ عیش وعشرت کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاتا۔ کشش کیا چیز ہے اور وہ کیسے پیدا ہوسکتی ہے اس پر اس نے کبھی غور نہیں کیا ۔ وہ مرد کا کھلونا نہیں ، نہ اس کی لطف آفرینی کی چیز ہے، پھر کیوں دلکش بننے کی کوشش کرے ؟ اگر مرد اس کا اصلی حسن دیکھنے کے لیے آنکھیں نہیں رکھتا ، حسینوں کے پیچھے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے تو یہ اس کی بدقسمتی ہے۔ وہ اسی محبت اور اسی لگن سے شوہر کی خدمت کیے جاتی ہے گویا نفرت اور رغبت کے جذبات کو مغلوب کر لیا ہو ۔ اور یہ بے انتہا دولت تو جیسے اس کی روح کو کچلتی رہتی ہے ، اور دباتی رہتی ہے ۔ اس نمود و نمائش سے چھٹکارا پانے کے لیے اس کا جی ہمیشہ للچایا کرتا ہے ۔ اپنی سادہ اور قدرتی زندگی میں وہ کتنا خوش رہ سکتی تھی ، اس کا وہ ہمیشہ خواب دیکھتی رہتی ہے۔ تب کیوں مالتی اس کی راہ میں آکر حائل ہوجاتی، کیوں طوائفوں

کے مجرے ہوتے ، کیوں یہ شک اور تصنع اور بے اطمینانی اس کی زندگی کے راستے میں کانٹا بنتے ؟ بہت پہلے جب وہ بالکاودیالیہ میں پڑھتی تھی ، اسے شاعری کا روگ لگ گیا تھا جس میں درد وغم ہی زندگی کا ماحصل ہے۔ دولت اور عشرت تو صرف اس لیے ہیں کہ ان کی ہولی جلائی جائے ، جو انسان کو لغویت اور پریشانی کی طرف لے جاتی ہیں ۔ وہ اب بھی کبھی کبھی شعر کہتی تھی مگر سنائے کسے ؟ اس کی نظم صرف دل کی لہر اور تخیل کی اڑان نہ تھی بلکہ اس کے ایک ایک لفظ میں اس کی زندگی کا درد اور اس کے آنسوؤں کی ٹھنڈی جلن بھری ہوتی تھی ۔ کسی ایسی جگہ جا بسنے کی خواہش تھی جہاں وہ ظاہر داریوں اور غیبتوں سے دور رہ کر اپنی پرسکون کٹی میں قدرتی مسرت کا لطف اٹھائے ۔ کھنا اس کے اشعار دیکھتے تو مضحکہ اڑاتے اور کبھی کبھی پھاڑ کر پھینک بھی دیتے ۔ اور دولت کی یہ دیوار روز بروز بلند ہوتی جاتی تھی اور دونوں کو ایک دوسرے سے دور اور جدا کرتی جاتی تھی ۔ کھنا اپنے گاہکوں کے ساتھ جتنا ہی میٹھا اور نرم تھا گھر میں اتنا ہی تلخ اور سخت ۔ اکثر غصے میں گوبندی کو بری بات کہہ بیٹھتا ، خوش خلقی اس کے لیے صرف دنیا کو ٹھگنے کا ایک ذریعہ تھی ، انسانی سرشت نہیں ۔ ایسے موقعوں پر گوبندی اپنے سونے کے کمرے میں جابیٹھتی اور رات کی رات رویا کرتی اور کھنا دیوان کھانے میں مجرا سنتا یا کلب میں جاکر شراب کی بوتلیں خالی کرتا ۔ لیکن یہ سب کچھ ہونے پر بھی کھنا اس کے سب کچھ تھے ۔ وہ پامال اور ذلیل ہوکر بھی کھنا کی لونڈی تھی ۔ اس سے لڑے گی ، جلے گی ، روئے گی ، مگر رہے گی ان ہی کی ۔ اس سے جداگانہ زندگی کا وہ کوئی خیال ہی نہ کرسکتی تھی ۔

آج مسٹر کھنا کسی برے کا منہ دیکھ کر اٹھے تھے ۔ سویرے ہی اخبار کھولا تو ان کے کئی اسٹاکوں کا نرخ گھٹ گیا تھا جس میں انھیں کئی ہزار کا نقصان ہوتا تھا ۔ شکرمل کے مزدوروں نے ہڑتال کردی تھی اور فساد کرنے پر آمادہ تھے ۔ نفع کی امید پر چاندی خریدی تھی مگر اس کا بھاؤ آج اور بھی زیادہ گر گیا تھا ۔ رائے صاحب سے جو سودا ہورہا تھا اور جس میں انھیں بڑے نفع کی امید تھی وہ کچھ دنوں کے لیے ٹلتا ہوا معلوم ہوتا تھا ۔ پھر رات کو زیادہ پی جانے کے سبب اس وقت دردسر اور اعضا شکنی کا غلبہ تھا ۔ ادھر شوفر نے موٹر کے انجن میں کچھ خرابی پیدا ہوجانے کی بات کہی تھی اور لاہور میں ان کے بینک پر ایک دیوانی مقدمہ دائر ہوجانے کی خبر بھی ملی تھی ۔ بیٹھے ہوئے دل میں جھنجھلا رہے تھے کہ اسی وقت گوبندی نے کہا " بھیشم

کا بخار آج بھی نہیں اترا۔ کسی ڈاکٹر کو بلالو۔''

بھیشم ان کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور پیدائشی کمزور ہونے کے سبب اسے روز ہی ایک نہ ایک شکایت رہا کرتی تھی۔ آج کھانسی ہے تو کل بخار، کبھی پسلی چل رہی ہے کبھی ہرے پیلے دست آرہے ہیں۔ دس مہینے کا ہوگیا تھا مگر لگتا تھا پانچ چھ مہینے ہی کا۔ کھنا نے سوچ لیا تھا کہ یہ لڑکا بچے گا نہیں۔ بس اس کی طرف سے بے پرواہ رہتے تھے مگر گوبندی اسی وجہ سے اس کو اور سب بچوں سے زیادہ چاہتی تھی۔

کھنا نے پدرانہ شفقت ظاہر کرتے ہوئے کہا ''بچوں کو دواؤں کا عادی بنا دینا ٹھیک نہیں اور تمھیں دوا دیتے رہنے کا مرض ہے۔ ذرا کچھ ہوا اور ڈاکٹر بلاؤ۔ ایک روز اور دیکھو، آج تیسرا ہی دن تو ہے، شاید آج خود بخود اتر جائے۔''

گوبندی نے اصرار کیا ''تین دن سے نہیں اترا۔ خانگی دوائیں کرکے ہار گئی۔''

کھنا نے پوچھا ''اچھی بات ہے، بلائے دیتا ہوں' کسے بلاؤں؟''

''بلالو ڈاکٹر ناگ کو۔''

''اچھی بات ہے ان ہی کو بلاتا ہوں، مگر یہ سمجھ لوکہ نام ہوجانے ہی سے کوئی اچھا ڈاکٹر نہیں ہوجاتا۔ ناگ فیس خواہ کتنی ہی لے لیں مگر ان کی دوا سے کسی کو شفا پاتے نہیں دیکھا۔ وہ تو مریضوں کو جنت ہی بھیجنے کے لیے مشہور ہیں۔''

''تو جسے چاہو اسے بلالو۔ میں نے ناگ کو اس لیے کہا تھا کہ وہ کئی بار آچکے ہیں۔''

''مس مالتی کو کیوں نہ بلاؤں؟ فیس بھی کم اور بچوں کا حال لیڈی ڈاکٹر جیسا سمجھے گی ویسا کوئی مرد ڈاکٹر نہیں سمجھ سکتا۔''

گوبندی نے جل کر کہا ''میں مس مالتی کو ڈاکٹر نہیں سمجھتی۔''

کھنا نے تیز تیز دیکھتے ہوئے کہا ''تو وہ انگلستان گھاس کھودنے گئی تھیں اور آج ہزاروں آدمیوں کی جان بچا رہی ہیں یہ سب کچھ چیز نہیں ہے؟''

''ہوگا مجھے ان پر بھروسہ نہیں ہے۔ وہ مردوں کے دل کا علاج کرلیں اور کسی کی دوا ان کے پاس نہیں ہے۔'' بس ٹھن گئی۔ کھنا گرج اٹھا۔ گوبندی برس پڑی۔ ان کے درمیان مالتی کا نام آجانا ہی گویا اعلان جنگ تھا۔

کھنا نے سارے کاغذات زمین پر پھینک کر کہا ''تمھارے ساتھ زندگی تلخ ہوگئی۔

گوبندی نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا '' تو مالتی سے بیاہ کرلو نا ! ابھی کیا بگڑا ہے ، اگر وہاں دال گلے ؟''

'' تم مجھے کیا سمجھتی ہو ؟''

'' یہی کے مالتی تم جیسوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتی ہے ، مالک بنا کر نہیں ۔''

تمھاری نگاہ میں میں اتنا ذلیل ہوں ! ،،

اور انھوں نے اس کے خلاف ثبوت دینا شروع کیا ۔ مالتی جتنی ان کی عزت کرتی اتنی شاید ہی کسی کی کرتی ہو ۔ رائے صاحب اور راجا صاحب کو منھ تک نہ لگاتی ، مگر ان سے ایک دن بھی ملاقات نہ ہو تو شکایت کرتی ہے ....

گوبندی نے ان ثبوتوں کو ایک پھونک میں اڑا دیا '' اسی لیے کہ وہ تمھیں سب سے زیادہ آنکھوں کا اندھا سمجھتی ہے ، دوسروں کو اتنی آسانی سے بیوقوف نہیں بنا سکتی ۔''

کھنا نے ڈینگ ماری ۔'' چاہوں تو آج مالتی سے بیاہ کرسکتا ہوں ۔ آج ، ابھی......،،

مگر گوبندی کو بالکل یقین نہیں ہے ، تم سات جنم تک ناک رگڑو تو بھی وہ تم سے بیاہ نہ کرے گی ۔ تم اس کے ٹٹو ہو ، گھاس کھلائے گی ، کبھی کبھی تمھارا منھ سہلائے گی ، تمھارے پٹھوں پر ہاتھ پھیرے گی ، مگر اسی لیے کے تمھارے اوپر سواری کسے ۔ تم جیسے ایک ہزار احمق اس کی جیب میں ہیں ۔''

گوبندی آج بہت بڑھی جاتی تھی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج وہ ان سے لڑنے کو تیار ہو کر آئی ہے ۔ ڈاکٹر کو بلانے کا صرف ایک حیلہ تھا ۔ کھنا اپنی قابلیت ، اہلیت اور مردیت پر اتنا بڑا حملہ کیسے سہ سکتے تھے بولے '' تمھارے خیال میں میں احمق اور نادان ہوں تو یہ ہزاروں کیوں میرے دروازے پر ناک رگڑتے ہیں ؟ کون راجا یا تعلقدار ہے جو مجھے سجدہ نہیں کرتا ۔ سیکڑوں کو الّو بنا کر چھوڑ دیا ۔''

'' یہی تو مالتی کی خاصیت ہے کہ جو اوروں کو سیدھے استرے سے مونڈتا ہے اسے وہ الٹے چھرے سے مونڈتی ہے ۔''

'' تم مالتی کی چاہے جتنی برائی کرو ، تم اس کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہو ۔''

'' میری نظر میں تو وہ بیسواؤں سے گئی گزری ہے کیونکہ وہ پردے کی آڑ سے شکار کھیلتی ہے ۔''

دونوں نے اپنے اپنے آتشیں تیر سر کیے ۔ کھنا نے گوبندی کو کوئی دوسری سخت سے سخت بات کہی ہوتی تو اسے اتنی بری نہ لگتی ، مگر مالتی سے اس کا یہ نفرت انگیز مقابلہ اس کی برداشت کے باہر تھا ۔ گوبندی نے بھی کھنا کو خواہ جو کچھ کہا ہوتا وہ اتنے گرم نہ ہوتے لیکن مالتی کی یہ تحقیر وہ نہیں سہہ سکتے تھے ۔ وہ ایک دوسرے کے کمزور مقامات سے واقف تھے ۔ دونوں کے نشانے ٹھیک بیٹھے اور دونوں تڑپ اٹھے ۔کھنا کی آنکھیں سرخ ہوگئیں ۔ گوبندی کا چہرا سرخ ہوگیا ۔ کھنا جوش میں اٹھے اور اس کے دونوں کان پکڑ کر زور سے مل دیے اور پھر تین چار طمانچے بھی لگا دیے ۔ گوبندی روتی ہوئی اندر چلی گئی ۔

ذرا دیر میں ڈاکٹر ناگ آئے اور سول سرجن مسٹر ڈاڈ آئے اور وید راج نیلکنٹھ شاستری آئے ۔مگر گوبندی اپنے بچے کو لیے کمرے میں بیٹھی رہی ۔ کس نے کیا کہا ، کیا تشخیص کی اسے کچھ معلوم نہیں تھا ۔ جس مصیبت کا وہ خیال کر رہی تھی وہ آج اس پر آگئی ۔ کھنا نے گویا آج اس سے ناتا توڑ لیا ، جیسے اسے گھر سے نکال کر دروازہ بند کر لیا ۔ جو حسن کا بازار لگا کر بیٹھتی ہے ،جس کا سایہ بھی وہ اپنے اوپر نہیں پڑنے دینا چاہتی ، وہ......وہ اس پر در پردہ حکومت کرے ، یہ نہ ہوگا ! کھنا اس کے شوہر ہیں ، ان کو اسے سمجھانے بجھانے کا حق ہے ، ان کی مار بھی وہ سہہ سکتی ہے مگر مالتی کی حکومت ناممکن ! لیکن بچے کا بخار جب تک اتر نہ جائے وہ ہل نہیں سکتی ۔ خودداری کو بھی فرض کے سامنے سر جھکانا پڑے گا ۔

دوسرے روز بچے کا بخار اتر گیا تھا ۔ گوبندی نے ایک ٹانگہ منگوایا اور گھر سے نکلی ۔ جہاں اس کی اتنی بے عزتی ہو وہاں وہ اب نہیں رہ سکتی ۔ صدمہ اتنا سخت تھا کہ بچوں کی محبت بھی دور ہوگئی تھی ۔ ان کے متعلق اس کا جو فرض تھا اسے وہ پورا کر چکی ہے ، باقی جو کچھ ہے وہ کھنا کا فرض ہے ۔ ہاں گود کے بچے کو وہ کسی طرح نہیں چھوڑ سکتی ۔ وہ اس کی جان کے ساتھ ہے ۔ اور وہ اس گھر سے صرف اپنی جان لے کر نکلے گی اور کوئی چیز اس کی نہیں ہے ۔ انھیں یہ دعوی ہے کہ اس کی پرورش کرتے ہیں ، گوبندی دکھا دے گی کہ ان کے آسرے سے الگ ہوکر بھی زندہ رہ سکتی ہے ۔ تینوں بچے اس وقت کھیلنے گئے تھے ۔ گوبندی کا جی چاہا کہ ایک مرتبہ انھیں پیار کر لے ۔ مگر وہ کہیں بھاگی تو نہیں جاتی ، بچوں کو اس سے محبت ہوگی تو اس کے پاس جائیں گے ، اس کے گھر میں کھیلیں گے ۔ جب وہ ضرورت سمجھے گی تو خود بچوں کو دیکھ جایا کرے گی ۔ صرف کھنا کا سہارا نہیں لینا چاہتی ۔

شام ہوگئی تھی ۔ پارک میں خوب چہل پہل تھی ۔ لوگ ہری گھاس پر لیٹے ہوئے ہوا خوری کا لطف اٹھا رہے تھے ۔ گوبندی حضرت گنج سے ہوتی ہوئی چڑیا گھر کی طرف مڑی تھی کہ موٹر پر مالتی اور کھنا سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیے ۔ اسے معلوم ہوا کہ کھنا نے اس کی طرف اشارہ کرکے کچھ کہا اور مالتی مسکرائی ۔ نہیں ، شاید یہ اس کا وہم ہو ۔ کھنا مالتی سے اس کی ہجو نہ کریں گے ۔ مگر کتنی بے شرم ہے سنا ہے کہ اس کی اچھی پریکٹس ہے ، گھر کی بھی مالدار ہے ، پھر بھی یوں خود کو فروخت کرتی پھرتی ہے ۔ نہ جانے کیوں بیاہ نہیں کرلیتی ؟ مگر اس سے بیاہ کرے ہی گا کون ؟ نہیں ، یہ بات نہیں ۔ مردوں میں ایسے بہت سے گدھے ہیں جو اسے پاکر خود کو خوش نصیب سمجھیں گے ، لیکن مالتی خود تو کسی کو پسند کرے ۔

اور بیاہ میں کون سا سکھ رکھا ہوا ہے ؟ بہت اچھا کرتی ہے جو بیاہ نہیں کرتی ۔ ابھی سب ان کے غلام ہیں تب وہ ایک کی لونڈی ہوکر رہ جائے گی ۔ بہت اچھا کررہی ہے ۔ ابھی تو یہ حضرت بھی اس کے تلوے چاٹتے ہیں۔ شادی بعد معاملہ الٹا ہو جائے گا ۔ اور سوسائٹی میں دوچار ایسی عورتیں بھی رہیں تواچھا ۔ مردوں کے کان توگرم کرتی رہیں گی ۔

آج گوبندی کے دل میں مالتی سے بڑی ہمدردی پیدا ہوگئی تھی ۔ وہ مالتی پر حملہ کرکے اس کے ساتھ بڑی بے انصافی کررہی ہے ۔ کیا میری حالت دیکھ کر اس کی آنکھیں نہ کھلتی ہوں گی ؟ ازدواجی زندگی کی درگت اپنی آنکھوں دیکھ کر اگر وہ اس جال میں نہیں پھنستی تو کیا برا کرتی ہے ؟

چڑیا گھر میں چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا ۔ گوبندی نے ٹانگہ روک دیا اور بچے کو لیے ہوئے ہری دوب کی طرف چلی ۔ مگر دو ہی تین قدم چلی تھی کہ چپل پانی میں تر ہوگئے ۔ ابھی ذرا دیر ہی پہلے لان سینچا گیا تھا اور گھاس کے نیچے پانی بہہ رہا تھا۔ عجلت میں اس نے پیچھے مڑکر ایک قدم اور آگے رکھا تو پیر کیچڑ میں سن گئے ۔اس نے پیر کی طرف دیکھا۔ اب یہاں دھونے کا پانی کہاں ملے گا ؟ اس کی ساری پریشانی کافور ہوگئی اور پیر دھونے صاف کرنے کی نئی فکر پیدا ہوئی ۔ اس کے خیالات کا سلسلہ رک گیا ۔ جب تک پیر نہ صاف ہو جائیں وہ کچھ سوچ نہیں سکتی ۔

دفعتاً ایک لمبا پائپ گھاس میں چھپا نظر آیا جس میں سے پانی نکل رہا تھا ۔ اس نے جاکر پیر دھوئے ، ہاتھ منھ دھویا ، تھوڑا سا پانی چلّو میں لے کر پیا اور پائپ کے اس خشک

زمین پر جا بیٹھی ۔ اداسی میں موت کی یاد فوراً آجاتی ہے ۔ کہیں وہ یہیں بیٹھے بیٹھے مر جائے تو کیا ہو ؟ ٹانگہ والا فوراً جاکر کھنا کو خبر دے گا ۔ کھنا سنتے ہی خوش ہو جائیں گے مگر دنیا کو دکھانے کے لیے آنکھوں پر رومال رکھ لیں گے ۔ بچوں کے لیے کھلونے اور تماشے ماں سے زیادہ عزیز ہیں ۔ یہ ہے اس کی زندگی ، جس کے لیے کوئی دو بوند آنسو بہانے والا بھی نہیں ! پھر اسے وہ دن یاد آیا جب اس کی ساس زندہ تھی اور کھنا بدراہ نہ ہوئے تھے ۔ اس وقت اسے ساس کا بات بات پر بگڑنا برا لگتا تھا ۔آج اسے ساس کی اس خفگی میں محبت کی مٹھاس گھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی ۔ اس وقت وہ ساس سے روٹھ جاتی تھی۔ اور ساس اسے دلار سے مناتی تھی۔ آج وہ مہینوں روٹھی پڑی رہے تو کسے پرواہ ؟ یکا یک اس کا من اڑ کر ماں کے چرنوں میں جا پہنچا ۔ہائے ، آج اماں ہوتیں تو کیوں اس کی یہ درگت ہوتی ؟ اس کے پاس اور کچھ نہ تھا تو ماں کی محبت بھری گود تو تھی ، پیار بھرا آنچل تو تھا ، جس میں منھ ڈال کر وہ رو لیتی ! لیکن نہیں ، وہ روئے گی نہیں ۔ اس دیوی کو سورگ میں دکھی نہ بنائے گی ۔ میرے لیے وہ جو کچھ زیادہ سے زیادہ کر سکتی تھیں وہ کر گئیں ، میرے نصیبے کا ساتھی ہونا ان کے بس کی بات نہ تھی ۔ اور وہ کیوں روئے ؟ وہ اب کسی کی ماتحت نہیں ہے ، وہ اپنا گزر بسر کرنے کے لیے کما سکتی ہے وہ کل ہی گاندھی آشرم سے چیزیں لے کر بیچنا شروع کر دے گی ۔شرم کس بات کی ؟ یہی تو ہوگا کہ لوگ انگلی اٹھا کر کہیں گے کہ وہ جارہی ہے کھنا کی بیوی ! لیکن اس شہر میں رہوں کیوں ؟ کسی دوسرے شہر میں کیوں نہ چلی جاؤں جہاں مجھے کوئی جانتا ہی نہ ہو؟ دس بیس روپے کما لینا ایسا کیا مشکل ہے ۔ اپنے پسینے کی کمائی تو کھاؤں گی ، پھر تو کوئی مجھ پر رعب نہ جمائے گا ۔ یہ حضرت تو اسی لیے اتنا مزاج کرتے ہیں کہ وہ میری پرورش کرتے ہیں۔ میں خود اب اپنی پرورش کروں گی ۔

دفعتاً اس نے مہتا کو اپنی طرف آتے دیکھا ۔ اسے الجھن ہوئی ۔ اس وقت تو بالکل تنہا رہنا چاہتی تھی ۔ کسی سے بولنے کی طبیعت نہ تھی ۔مگر یہاں بھی ایک صاحب آہی گئے ۔ اس پر بچہ بھی رونے لگا تھا۔

مہتا نے پاس جاکر تعجب سے پوچھا " آپ اس وقت یہاں کیسے آگئیں ؟"

گوبندی نے بچے کو چپ کراتے ہوئے کہا " اسی طرح جیسے آپ آگئے ۔" مہتا نے مسکرا کر کہا " میری بات نہ چلائیے ، دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ۔لائیے میں بچے کو

چپ کرا دوں ۔''

'' آپ نے یہ ہنر کب سیکھا ؟''

'' مشق کرنا چاہتا ہوں ، اس کا امتحان جو ہوگا ۔''

'' اچھا ،امتحان کے دن قریب آگئے ؟''

''یہ تو میری تیاری پر ہے ۔ جب تیار ہوں گا ، بیٹھ جاؤں گا ۔ چھوٹی چھوٹی سندوں کے لیے ہم پڑھ پڑھ کر آنکھیں پھوڑا کرتے ہیں ، پھر یہ تو زندگی کے کاروبار کا امتحان ہے ۔''

'' اچھی بات ہے ، میں بھی دیکھوں گی کہ آپ کس ڈویژن میں پاس ہوتے ہیں ۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے بچے کو ان کی گود میں دے دیا ۔ انھوں نے اسے کئی بار اچھالا تو وہ چپ ہو گیا ۔ بچوں کی طرح ڈینگ مارتے ہوئے بولے '' دیکھا آپ نے ، کیسا منتر کے زور سے چپ کرا دیا ! اب میں بھی کہیں سے ایک بچہ لاؤں گا ۔''

گوبندی نے مذاق کیا '' بچہ بھی لائیے گا یا اس کی ماں بھی ؟'' مہتا نے مذاقیہ مایوسی سے سر ہلا کر کہا '' ایسی عورت تو کہیں ملتی ہی نہیں ۔''

'' کیوں ، مس مالتی نہیں ہیں ؟ خوبصورت ، تعلیم یافتہ ،ہنر مند دلفریب ! اور آپ کیا چاہتے ہیں؟''

'' مس مالتی میں وہ ایک بات بھی نہیں ہے جو میں اپنی اہلیہ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

گوبندی نے اس مزمت کا مزالیتے ہوئے کہا '' ان میں کیا برائی ہے ، سنوں تو ۔ بھونرے ہمیشہ منڈلاتے رہتے ہیں ۔ میں نے سنا ہے کہ آج کل مردوں کو بھی ایسی عورتیں پسند آتی ہیں ۔''

مہتا نے بچے کے ہاتھوں سے اپنی مونچھیں بچاتے ہوئے کہا '' میری بیوی کچھ اور ہی قماش کی ہوگی ۔ وہ ایسی ہوگی جس کی میں پوجا کر سکوں گا ۔''

گوبندی اپنی ہنسی نہ روک سکی '' تو آپ عورت نہیں کوئی مورت چاہتے ہیں ۔ عورت تو ایسی آپ کو شاید ہی کہیں ملے ۔''

'' جی نہیں ، ایسی ایک دیوی تو اسی شہر میں ہے ۔ ''

'' سچ ! ذرا میں بھی اس کے درشن کرتی ، اور اسی طرح بننے کی کوشش کرتی ۔''

'' آپ اسے خوب جانتی ہیں ۔ وہ ایک لکھ پتی کی بیوی ہے مگر عیش وعشرت کو ہیچ سمجھتی

ہے، جو بے رخی اور بے عزتی سہ کر بھی اپنے فرض سے منحرف نہیں ہوتی جو مادریت کی قربان گاہ پر خود کو چڑھادیتی ہے، جس کے لیے ایثار ہی سب سے بڑا حق ہے اور جو اس قابل ہے کہ اس کی مورت بنا کر پوجی جائے۔''

گوبندی کے دل میں خوشی کی لہر اٹھی ۔ سمجھ کر بھی نہ سمجھنے کا بہانہ کرتی ہوئی بولی ''ایسی عورت کی آپ تعریف کرتے ہیں مگر میری نظر میں وہ رحم کے قابل ہے!،،

مہتا نے تعجب سے کہا '' رحم کے قابل! آپ اس کی توہین کرتی ہیں ۔ وہ مکمل عورت ہے، اور جو مکمل عورت ہوسکتی ہے وہی مکمل بیوی بھی ہوسکتی ہے۔''

''لیکن وہ معیار موجودہ زمانے کے لیے نہیں ہے۔''

'' وہ معیار بدی اور لافانی ہے ۔ انسان اسے مٹا کر خود کو مٹا رہا ہے۔''

گوبندی کا دل شگفتہ ہوا جارہا تھا ۔ ایسی لرزشیں وہاں کبھی نہ ہوئی تھیں ۔ جن لوگوں سے اس کا تعارف تھا ان میں مہتا کا درجہ سب سے اونچا تھا ۔ ان کی زبان سے یہ حوصلہ افزائی پا کر وہ متوالی ہوئی جارہی تھی ۔ اسی نشہ میں بولی '' تو چلیے مجھے اس کے درشن کرا دیجیے۔''

مہتا نے بچے کے رخساروں میں منھ چھپا کر کہا '' وہ تو یہیں بیٹھی ہوئی ہیں۔''

'' کہاں ؟ میں تو نہیں دیکھ رہی ہوں۔''

'' میں اسی دیوی سے بول رہا ہوں ۔''

گوبندی نے زور سے قہقہہ لگایا '' آپ نے آج مجھے بنانے کی ٹھان لی ہے، کیوں؟''

مہتا نے عقیدت سے کہا '' دیوی جی آپ میرے ساتھ نا انصافی کر رہی ہیں اور مجھ سے زیادہ خود اپنے ساتھ ۔ دنیا میں ایسے بہت کم لوگ ہیں جن سے میری دلی عقیدت ہو۔ ان ہی میں ایک آپ ہیں۔ آپ کا تحمل ، ایثار' اخلاق' سب بے نظیر ہیں ۔ میں اپنی زندگی میں سب سے بڑے سکھ کا جو تصور کرسکتا ہوں وہ آپ جیسی کسی دیوی کے چرنوں کی سیوا ہے۔جس نسائیت کو میں مکمل مانتاہوں آپ اس کی زندہ مثال ہیں۔''

گوبندی کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل پڑے ۔ اس عقیدت کی زرہ کو پہن کر وہ کسی آفت کا مقابلہ نہ کر سکے گی؟۔ اس کے روئیں روئیں سے جیسے ایک میٹھے گیت کا راگ جاری ہوگیا۔

اس نے اپنی نسوانی خوشی کو ضبط کر کے کہا '' آپ فلسفی کیوں ہوئے مہتا جی ؟ آپ کو تو شاعر ہونا چاہیے تھا ۔''

مہتا سادگی سے ہنس کر بولے '' کیا آپ سمجھتی ہیں کہ فلسفی ہوئے بغیر ہی کوئی شاعر ہو سکتا ہے ؟ فلسفہ تو محض ایک درمیانی منزل ہے ۔''

'' تو ابھی آپ شاعری کی راہ میں ہیں ۔ مگر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ شاعر کو دنیا میں کبھی آرام نہیں ملتا ؟''

'' جسے دنیا رنج کہتی ہے وہی شاعر کے لیے راحت ہے ۔ دولت اور شہرت ، حسن اور طاقت ،علم اور عقل ، یہ برکتیں دنیا کو خواہ کتنا ہی فریفتہ کرلیں مگر شاعر کے لیے ان میں ذرا بھی کشش نہیں ہے ۔ اس کی کشش ومسرت کی چیز تو مری ہوئی امیدیں ، مٹی ہوئی یادگاریں اور ٹوٹے دلوں کے آنسوں ہیں۔ جس دن ان چیزوں سے اسے محبت نہ رہے گی ، اس دن وہ شاعر نہ رہ جائے گا۔ فلسفہ زندگی کے ان بھیدوں سے صرف کھیلتا ہے ،مگر شاعر ان میں جذب ہوجاتا ہے ۔ میں نے آپ کی دوچار نظمیں پڑھی ہیں اوران میں جتنا سرور،جتنی لرزش ، جتنا میٹھا درد اور جتنی رلانی والی دیوانگی ملی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں ۔ قدرت نے ہمارے ساتھ کتنی بڑی بے انصافی کی ہے کہ اس نے آپ جیسی کوئی دوسری دیوی نہیں بنائی ۔''

گوبندی نے حسرت بھرے لہجے میں کہا '' نہیں مہتا جی! یہ آپ کا خیال ہے۔ ایسی عورتیں یہاں آپ کو جگہ جگہ ملیں گی اور میں تو ان سب سے گئی گزری ہوں ۔ جو عورت اپنے مرد کو خوش نہ رکھ سکے ، خود کو اس کی طبیعت کے موافق نہ بنا سکے ، وہ بھی کوئی عورت ہے ۔ میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ مالتی سے یہ ہنر سیکھوں ۔ جہاں میں ناکامیاب ہوں وہاں وہ کامیاب ہے ۔ میں اپنے کو بھی اپنا نہیں بنا سکتی ۔ وہ دوسروں کو بھی اپنا بنالیتی ہے ۔ کیا یہ اس کے لیے فخر کی بات نہیں ہے ؟''

مہتا نے منھ بنا کر کہا '' شراب اگر لوگوں کو پاگل کردیتی ہے تو کیا اسے پانی سے بہتر سمجھا جائے ، جو پیاس بجھاتا ہے، جلاتا ہے اور تسکین دیتا ہے ؟''

گوبندی نے مذاق سے کہا '' کچھ بھی ہو ، میں دیکھتی ہوں کہ پانی مارا مارا پھرتا ہے اور شراب کے لیے گھر بار بک جاتا ہے ۔اور شراب جتنی ہی تیز اور نشیلی ہو ، اتنی ہی اچھی! میں تو سنتی ہوں کہ آپ کو بھی شراب کا شوق ہے ۔''

گوبندی مایوسی کی اس حالت میں پہنچ گئی تھی ۔ جب انسان کو سچائی اور دھرم میں بھی شبہ ہونے لگتا ہے مگر مہتا کا دھیان ادھر نہ گیا ۔ ان کا دھیان تو آخری فقرے پر جیسے چپک کر رہ گیا تھا ۔ اپنی شراب نوشی پر انھیں جتنی ندامت اور پشیمانی آج ہوئی اتنی بڑی بڑی نصیحتوں سے بھی نہ ہوئی تھی ۔ دلائل کا ان کے پاس جواب تھا اور دنداں شکن ، مگر اس میٹھی چٹکی کا انھیں کوئی جواب نہ سوجھا ، وہ پچھتائے کہ کہاں سے کہاں انھیں شراب کی بات سوجھی بھی ۔ انھوں نے خود مالتی کی مشابہت شراب سی کی تھی مگر ان کا وار الٹ کر کے سر پر پڑا ۔ نادم ہوکر بولے '' ہاں دیوی جی میں مانتا ہوں کہ مجھ میں وہ شوق ہے ۔ میں اپنے لیے اس کی ضرورت بتا کر اور اس کی تخیل افزا اوصاف کا ثبوت دے کر عذر گناہ نہ کروں گا ، جو گناہ سے بھی بدتر ہے ۔ البتہ آج آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ اب شراب کا ایک قطرہ بھی حلق کے نیچے نہ جانے دوں گا۔''

گوبندی نے سناٹے میں آکر کہا '' یہ آپ نے کیا کیا ، مہتا جی ! ایشور گواہ ہے میرا یہ مطلب نہ تھا ۔ مجھے اس کا افسوس ہے ۔''

'' نہیں ، آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ آپ نے ایک شخص کا ادھار کردیا ۔''

'' میں نے آپ کا ادھار کردیا ! میں تو خود آپ سے اپنے ادھار کی التجا کرنے جارہی ہوں ۔''

'' مجھ سے ؟ زہے نصیب !''

گوبندی نے رقت سے کہا '' ہاں آپ کے سوا مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جسے میں اپنی کہانی سناؤں ۔ دیکھیے یہ بات اپنے ہی تک رکھیے گا ، حالانکہ آپ سے ایسا کہنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ مجھے اب اپنی زندگی ناقابل برداشت ہوگئی ہے ۔ مجھ سے اب تک جتنی تپسیا ہوسکی وہ میں نے کی ، لیکن اب نہیں سہا جاتا ۔ مالتی مجھے ہر طرح مٹائے ڈالتی ہے ۔ میں اپنے کسی ہتھیار سے اس پر فتح نہیں پاسکتی ۔ آپ کا اس پر بہت کچھ اثر ہے ۔ وہ جتنی آپ کی عزت کرتی ہے ، شاید اور کسی مرد کی نہیں کرتی ۔ اگر آپ کسی طرح مجھے اس کے پنجے سے چھڑادیں تو عمر بھر آپ کا احسان مانوں گی ۔ اس کے ہاتھوں میرا سہاگ لٹا جارہا ہے ۔ آپ اگر مجھے بچا سکتے ہیں تو بچائیے ۔ میں آج گھر سے یہ سوچ کر چلی تھی کہ پھر واپس نہ جاؤں گی ۔ میں نے بڑا زور مارا کہ موت کی ساری بندشوں کو توڑ کر پھینک دوں لیکن عورت کا دل بڑا کمزور

ہے مہتا جی ! محبت اس کی جان ہے ۔ زندہ رہتے ہوئے محبت توڑنا اس کے لیے ناممکن ہے ۔ میں نے آج تک اپنا دکھ اپنے دل میں رکھا مگر میں آج آپ سے آنچل پھیلا کر بھیک مانگتی ہوں ۔ مالتی سے مجھے چھٹکارا دلائیے ۔ میں اس جادوگرنی کے ہاتھوں مٹی جا رہی ہوں ....''

اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی ۔ وہ زار قطار رونے لگی ۔

مہتا اپنی نظروں میں کبھی اتنا اونچا نہ اٹھے تھے ۔ اس وقت بھی نہیں ، جب ان کی تصنیف کو فرانس کی اکیڈمی نے موجودہ صدی کی بہترین تصنیف قرار دیا تھا اور انھیں مبارک باد دی تھی ۔ جس مورت کی وہ سچے دل سے پوجا کرتے تھے' جسے دل میں وہ اپنی عبادت کی دیوی سمجھے ہوئے تھے اور زندگی کے ناقابل فہم معاملات میں جس سے ہدایت پانے کی امید رکھتے تھے وہ آج ان سے بھیک مانگ رہی تھی ! انھیں اپنے میں ایسی طاقت کا احساس ہوا کہ وہ پہاڑ کو بھی چکنا چور کر سکتے ہیں اور سمندر کو بھی تیر کر پار کر سکتے ہیں ۔ ان پر نشہ سا چھا گیا جیسے بچہ کسی چوبی گھوڑے پر چڑھ کر یہ سمجھ رہا ہو کہ وہ ہوا میں اڑا جا رہا ہے ۔ کام کتنا مشکل ہے ، اس کی خبر نہ رہی ۔ اپنے اصولوں کا کتنا خون کرنا پڑے گا ، اس کا بالکل خیال نہ رہا ۔ تسکین کے لہجے میں بولے '' آپ مالتی کی طرف سے بے فکر رہیں ۔ وہ آپ کی راہ سے ہٹ جائے گی ۔ مجھے نہ معلوم تھا کہ آپ اس کے سبب سے اتنی دکھی ہیں ۔ میری عقل کا قصور آنکھوں کا قصور ، خیال کا قصور ، اور کیا کہوں ؟ ورنہ آپ کو اتنی تکلیف کیوں سہنی پڑتی ۔''

گوبندی کو شک ہوا ۔ بولی '' مگر شیرنی سے اس کا شکار چھیننا سہل نہیں ہے ، یہ سمجھ لیجیے ۔''

مہتا نے استقلال سے کہا '' عورت کا دل زمین کی طرح ہے جس سے شیرینی بھی مل سکتی ہے اور تلخی بھی ، اس کے اندر پڑنے والے تخم میں جیسی تاثیر ہو ۔''

'' آپ پچھتا رہے ہوں گے کہ کہاں سے کہاں آج اس سے بھینٹ ہو گئی ؟''

'' میں اگر کہوں کہ آج ہی مجھے زندگی کا حقیقی لطف ملا ہے تو شاید آپ کو یقین نہ آئے ۔''

'' میں نے آپ کے سر پر اتنا بڑا بار رکھ دیا ۔''

مہتا نے عقیدت کے لہجے میں کہا '' آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں دیوی جی ! میں کہہ

چکا کہ میں آپ کا خادم ہوں ۔ آپ کے فائدے کے لیے میری جان بھی چلی جائے تو میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا ۔ اسے شاعرانہ جذبہ نہ سمجھیے ۔ یہ میری زندگی کی سچائی ہے ۔ میری زندگی کا کیا معیار ہے ، آپ سے یہ بتا دینے کی خواہش میں ضبط نہیں کرسکتا ۔ میں قدرت کا پجاری ہوں اور انسان کو اس کی قدرتی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں ۔ جو خوش ہوکر ہنستا ہے ، غمگین ہوکر روتا ہے اور غصے میں آکر مار ڈالتا ہے۔ جو دکھ اور سکھ دونوں کو دباتے ہیں جو رونے کو کمزوری اور ہنسنے کو ہلکی سمجھتے ہیں ان سے میرا کوئی لگاؤ نہیں ۔ زندگی میرے لیے خوشی بھرا کھیل ہے ، سادہ اور کھلا ہوا ، جہاں برائی ،حسد اور جلن کے لیے کوئی گنجائش نہیں ۔ میں ماضی کی فکر نہیں کرتا اور نہ مستقبل کی پرواہ کرتا ہوں میرے لیے حال ہی میں سب کچھ ہے ۔ مستقبل کی فکر ہمیں بز دل بنا دیتی ہے ، ماضی کا بوجھ ہماری کمر توڑ دیتا ہے ۔ ہم میں زندگی کی طاقت اتنی کم ہے کہ ماضی اور مستقبل میں پھیلا دینے سے وہ اور بھی کمزور ہوجاتی ہے ۔ ہم مفت کا بوجھ اپنے اوپر لاد کر رواجوں اور عقیدوں اور تاریخوں کے ملبے کے نیچے دبے پڑے ہیں ، اٹھنے کا نام نہیں لیتے ۔ وہ طاقت ہی نہیں رہی ۔ جو طاقت ،جو عقل ،انسانی فرائض کے پورا کرنے میں لگنی چاہیے تھی ، باہمی امداد میں اور بھائی چارے میں ، وہ پرانی عداوتوں کا بدلہ لینے اور آباواجداد کا قرضہ ادا کرنے میں تمام ہوجاتی ہے ۔ اور جو یہ ایشور اور مکتی کا چکر ہے اس پر تو مجھے ہنسی ہی آتی ہے ۔ یہ مکتی بھگتی تو انتہائی خودی ہے جو ہماری انسانیت کب تباہ کیے ڈالتی ہے ۔ جہاں زندگی ہے ،کھیل ہے ،چہک ہے ، پریم ہے ، وہیں ایشور ہے ، اور زندگی کو سکھی بنانا ہی عبادت ہے اور نجات ہے ! ۔ گیان والا کہتا ہے کہ ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ آئے ، آنکھوں میں آنسو نہ آئے ۔ میں کہتا ہوں اگر تم ہنس نہیں سکتے تو تم انسان نہیں ہو ، پتھر ہو ۔ وہ گیان جو انسانیت کو پیس ڈالے گیان نہیں ہے ،کولھو ہے ۔مگر معاف کیجیے میں تو ایک پورا لیکچر ہی دے گیا ۔ اب دیر ہورہی ہے ، چلیے میں آپ کو پہنچادوں۔ بچہ بھی میری گود میں سو گیا ۔''

گوبندی نے کہا '' میں تو ٹانگہ لائی ہوں ۔''

'' ٹانگے کو یہیں سے رخصت کیے دیتا ہوں ۔''

مہتا ٹانگے کے پیسے دے کر لوٹے تو گوبندی نے کہا '' لیکن آپ مجھے کہاں لے جائیں گے ؟''

مہتا نے چونک کر پوچھا ''کیوں، آپ کے گھر پہنچا دوں گا۔''

''وہ میرا گھر نہیں ہے، مہتا جی!''

''اور کیا مسٹر کھنا کا گھر ہے؟''

''یہ بھی کیا پوچھنے کی بات ہے۔ اب وہ گھر میرا نہیں رہا۔ جہاں بے عزتی اور فضیحت ہو اسے میں اپنا گھر نہیں سمجھتی اور نہ سمجھ سکتی ہوں۔''

مہتا نے درد بھری آواز میں جن کا ایک ایک حرف دل سے نکل رہا تھا کہا ''نہیں دیوی جی، وہ گھر آپ کا ہے اور سدا رہے گا۔ اس گھر کو آپ نے بنایا ہے، اس کے رہنے والوں کو آپ نے رچایا ہے، اور جس طرح جان جسم کو چلاتی ہے ویسے ہی آپ نے اسے چلایا ہے۔ جان نکل جائے تو جسم کی کیا حالت ہوگی؟ ماں کا درجہ بہت بڑی عظمت کا ہے، دیوی جی! اور ویسے درجے کی بے عزتی اور فضیحت کہاں نہیں ہوئی؟ ماں کا کام حیات افزائی ہے۔ جس کے ہاتھوں میں ایسی بے مثل طاقت ہے اسے اس کی کیا پرواہ کہ اس سے کون روٹھتا ہے یا کون بگڑتا ہے؟ جان کے بغیر جیسے جسم نہیں رہ سکتا ویسے ہی جان کے لیے جسم ہی موزوں ترین مسکن ہے۔ میں آپ کو دھرم اور تیاگ کا کیا اپدیش دوں؟ آپ تو اس کی جیتی جاگتی مورت ہی ہیں!۔ میں تو یہی کہوں گا.........''

گوبندی نے بے صبری سے کہا ''لیکن میں صرف ایک ماں تو ہوں نہیں ایک عورت بھی ہوں۔''

مہتا نے ایک منٹ تک چپ رہنے کے بعد کہا ''ہاں، ہیں! لیکن میں سمجھتا ہوں کہ عورت صرف ماں ہے اور اس کے علاوہ وہ جو کچھ ہے وہ سب اسی کا محض ابتدائی ظہور ہے۔ ماں ہونا دنیا کی سب سے بڑی ریاضت، سب سے بڑا ایثار اور سب سے بڑی فتح ہے۔ میں ایک لفظ میں اسے زندگی کا، شخصیت کا اور انسانیت کا جذب ہوجانا کہوں گا۔ آپ مسٹر کھنا کے بارے میں اتنا ہی سمجھ لیں کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں وہ جنون کی حالت میں۔ مگر اس جنون کے رفع ہونے میں بہت دن نہ لگیں گے اور وہ وقت جلد آئے گا جب وہ آپ کو اپنی پرستش کی چیز سمجھیں گے۔''

گوبندی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ آہستہ آہستہ موٹر کی طرف چلی، مہتا نے بڑھ کر موٹر کا دروازہ کھول دیا اور گوبندی اندر جا بیٹھی۔ موٹر چلا مگر دونوں خاموش تھے۔

گوبندی جو اپنے دروازے پر پہنچ کر گاڑی سے اتری تو مہتا نے برقی روشنی میں دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہیں۔

بچے گھر سے نکل آئے اور "اماں، اماں" کہتے ہوئے ماں سے لپٹ گئے۔ گوبندی کے چہرے پر مادرانہ عظمت کا نور چمک اٹھا۔

اس نے مہتا سے کہا "اس تکلیف کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ" اور سر نیچا کر لیا۔ آنسو کا ایک قطرہ اس کے رخسار پر ڈھلک آیا تھا۔

مہتا کی آنکھیں بھی آشک آلود ہو گئیں۔ اس شان وشوکت اور عیش وعشرت کے سامانوں کے درمیان میں بھی اس عورت کا دل کتنا مغموم ہے!

(۱۹)

مرزا خورشید کا احاطہ کلب بھی ہے ، کچہری بھی اور اکھاڑا بھی ۔ دن بھر بھیڑ لگی رہتی ہے ۔ محلے میں اکھاڑے کے لیے کہیں جگہ نہ ملتی تھی ۔ مرزا نے ایک چھپر ڈلوا کر اکھاڑا بنوادیا ہے وہاں روزسو پچاس کشتی باز جمع ہوجاتے ہیں ۔ مرزا بھی ان کے ساتھ زور آزمائی کرتے ہیں ۔ محلے کی پنچائتیں بھی یہیں ہوتی ہیں ۔ میاں بیوی ساس بہو اور بھائی بھائی کے جھگڑوں بکھیڑوں کا یہیں نپٹارا ہوتا ہے ۔ محلے کی سوشل زندگی کا یہی مرکز ہے اور سیاسی تحریک کا بھی۔ آئے دن سبھائیں ہوتی رہتی ہیں ۔ یہیں والنٹیر ٹھہرتے ہیں ، یہیں ان کا پروگرام بنتا ہے ،یہیں شہر کی سیاسی تحریک چلائی جاتی ہے ۔ پچھلے جلسے میں مالتی شہری کانگریس کمیٹی کی صدر چن لی گئی ہے جب سے اس مقام کی رونق اور بڑھ گئی ہے ۔

گوبر کو یہاں رہتے سال بھر ہوگیا ہے ۔ اب وہ سیدھا سادھا دیہاتی نوجوان نہیں ہے۔ اس نے بہت کچھ دنیا دیکھ لی ہے ۔ اس کے رنگ ڈھنگ بھی کچھ کچھ سمجھنے لگا ہے ۔ اصل میں تو وہ اب بھی دیہاتی ہے ، پیسے کو دانت سے پکڑتا ہے ، مطلب کو کبھی نہیں چھوڑتا اور محنت سے جی نہیں چراتا ، نہ کبھی ہمت ہارتا ہے مگر شہر کی ہوا بھی اسے لگ گئی ہے ۔ اس نے پہلے مہینے تو صرف مزدوری کی اور آدھے پیٹ کھا کر تھوڑے روپے بچا لیے ۔ پھر وہ کچالو اور دہی بڑے کے خوانچے لگانے لگا ۔ ادھر زیادہ منافع دیکھا تو نوکری چھوڑ دی ۔ گرمیوں میں شربت اور برف کی دوکان کھول دی ۔ لین دین میں کھرا تھا بس اس کی ساکھ جم گئی ۔ جاڑا آیا تو اس نے شربت کی دوکان بند کردی اور گرم چائے پلانے لگا ۔ اب اس کی روزانہ آمدنی ڈھائی تین روپے سے کم نہیں ہے ۔ اس نے انگریزی فیشن کے بال کٹالیے ہیں باریک دھوتی اور پمپ شو پہنتا ہے ، ایک سرخ اونی چادر خرید لی ہے اور پان سگریٹ کا بھی شوق ہوگیا ہے۔ جلسوں میں آنے جانے سے اسے کچھ سیاسی واقفیت بھی ہو چلی ہے ۔ قوم اور فرقہ کا مطلب سمجھنے لگا ہے ۔ سوشل رواجوں کا خیال اور دینوی ملامت کا خوف اب اسے بہت کم رہ گیا تھا۔ آئے دن کی پنچائتوں نے اسے نڈر بنا دیا ۔ جس بات کے پیچھے وہ یہاں گھر سے

دور منھ چھپائے پڑا ہوا ہے اسی طرح کی بلکہ اس سے بھی زیادہ بری باتیں یہاں روز ہوا کرتی ہیں اور کوئی کہیں بھاگتا نہیں ۔ پھر وہی کیوں اتنا ڈرے اور من چرائے ؟

اتنے دنوں میں اس نے ایک پیسہ بھی گھر نہیں بھیجا ۔ وہ والدین کو روپے پیسے کے معاملے میں اتنا ہوشیار نہیں سمجھتا ۔ وہ لوگ تو روپیہ پاتے ہی آسمانوں میں اڑنے لگیں گے ۔ دادا کو تو فوراً یگیہ کرنے اور اماں کو گہنے بنوانے کی دھن سوار ہو جائے گی ۔ ایسے فضول کاموں کے لیے اس کے پاس روپے نہیں ہیں ۔ اب وہ چھوٹا موٹا مہاجن ہے ۔ پڑوس کے یکہ اور گاڑی والوں اور دھوبیوں کو سود پر روپیہ قرض دیتا ہے۔ ان دس گیارہ مہینوں ہی میں اس نے اپنی محنت اور کفایت سے اپنی جگہ بنالی ہے اور اب جھنیا کو یہیں رکھنے کی بات سوچ رہا ہے ۔

تیسرے پہر کا وقت ہے ، وہ سڑک کے نل پر نہا کر آیا ہے اور شام کے لیے آلو اوبال رہا ہے کہ مرزا خورشید آ کر دروازے پر کھڑے ہوگئے ۔ گوبر اب ان کا نوکر نہیں ہے مگر ادب اسی طرح کرتا ہے اور ان کے لیے جان دینے کو تیار رہتا ہے ۔ دروازے پر آکر پوچھا '' کیا حکم ہے سرکار ؟''

مرزا نے کھڑے کھڑے کہا '' تمھارے پاس کچھ روپے ہوں تو دے دو ۔ آج تین دن سے بوتل خالی پڑی ہوئی ہے ، طبیعت بہت بے چین ہورہی ہے ۔''

گوبر نے اس سے پہلے بھی مرزا کو روپے دیے تھے مگر اب تک وصول نہ کر سکا تھا۔ تقاضا کرتے ڈرتا تھا مگر مرزا صاحب روپے لے کر دینا نہ جانتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں روپیہ رکتا ہی نہ تھا ۔ ادھر آیا اور ادھر غائب ۔ یہ تو نہ کہہ سکا کہ میں روپے نہ دوں گا یا میرے پاس روپے نہیں ہیں ، شراب کی برائی کرنے لگا '' آپ اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے سرکار ؟ کیا اس کے پینے سے کچھ پھائدہ ہوتا ہے ؟''

مرزا نے کوٹھری کے اندر آکر چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔'' تم سمجھتے ہو کہ میں چھوڑنا نہیں چاہتا اور شوق سے پیتا ہوں ۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ تم اپنے روپیوں کے لیے نہ ڈرو ، میں ایک ایک کوڑی ادا کردوں گا ۔''

گوبر مستقل رہا '' میں سچ کہتا ہوں مالک ، میرے پاس اس سمے روپے نہیں ہیں ۔ روپیہ ہوتا تو آپ سے انکار نہ کرتا ۔''

'' دو روپے بھی نہیں دے سکتے ؟''

''اس سمے تو نہیں ہیں۔''

''میری انگوٹھی گروی رکھ لو۔''

گوبر کا جی للچا اٹھا مگر بات کیسے بدلے؟ بولا'' یہ آپ کیا کہتے ہیں مالک روپے ہوتے تو آپ کو دے دیتا، انگوٹھی کی کون بات تھی؟''

مرزا نے عاجزانہ اصرار سے کہا'' میں تم سے پھر کبھی نہ مانگوں گا گوبر مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جارہا۔ اس شراب کی بدولت میں نے لاکھوں کی حیثیت بگاڑ دی اور بھکاری بن گیا۔ اب مجھے بھی ضد پڑ گئی ہے کہ خواہ بھیک ہی مانگنی پڑے مگر اسے چھوڑوں گا نہیں۔''

جب گوبر نے اب کے بھی انکار کیا تو مرزا صاحب مایوس ہوکر چلے گئے۔ شہر میں ان کے ہزاروں ملنے والے تھے۔ کتنے ہی ان کی بدولت بن گئے تھے کتنوں کی ہی انھوں نے آڑے وقت میں مدد کی تھی مگر ایسوں سے وہ ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ انھیں ہزاروں لٹکے معلوم تھے جن سے وہ وقتاً فوقتاً روپیوں کے ڈھیر لگا سکتے تھے مگر روپے کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی۔ ان کے ہاتھ میں روپے جیسے کاٹتے تھے۔ کسی نہ کسی طرح اڑا کر ہی ان کا دل سکون پاتا تھا۔

گوبر آلو چھیلنے لگا۔ سال ہی بھر کے اندر وہ اتنا چالاک ہوگیا تھا اور پیسے جوڑنے میں اتنا ہوشیار کہ تعجب ہوتا تھا۔ جس کوٹھری میں وہ رہتا ہے وہ مرزا صاحب نے ہی دی ہے۔ اس کوٹھری اور برآمدے کا کرایہ بڑی آسانی سے پانچ روپیہ مل سکتا ہے۔ گوبر تقریباً سال بھر سے اسی میں رہتاہے، لیکن نہ کبھی مرزا نے کرایا مانگا نہ اس نے دیا۔ انھیں شاید یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس کوٹھری کا کچھ کرایہ بھی مل سکتا ہے۔

ذرا دیر میں ایک یکّہ والا روپیہ مانگنے آیا۔ الٰہ دین نام تھا، سرمنڈا ہوا، داڑھی کھچڑی اور کانا۔ اس کی لڑکی رخصت ہو رہی تھی۔ اور پانچ روپے کی اسے بڑی ضرورت تھی۔ گوبر نے ایک آنہ سود پر روپے دے دیے۔

الٰہ دین نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا'' بھیا اب بال بچوں کو بلالو۔ کب تک ہاتھ سے ٹھونکتے رہو گے؟''

گوبر نے شہر کے خرچ کا رونا رویا'' تھوڑی آمدنی میں گرستی کیسے چلے گی؟'' الٰہ دین بیڑی جلاتے ہوئے بولا'' آمدنی اللہ دے گا! بھیا! سوچو کتنا آرام ملے گا۔ میں تو کہتا ہوں

کہ جتنا تم اکیلے خرچ کرتے ہو اسی میں گرستی چل جائے گی ۔ عورت کے ہاتھ میں بڑی برکت ہوتی ہے ۔ خدا قسم ، جب میں اکیلا یہاں رہتا تھا تو چاہے جتنا ہی کماؤں مگر سب کھا پی کر برابر ہو جاتا تھا ۔ بیڑی تماکھو کو بھی پیسہ نہ تھا ۔ اس پر حیرانی الگ ۔ تھکے ماندے آؤ تو گھوڑے کو ٹہلاؤ اور کھلاؤ ، پھر نانبائی کی دوکان پر دوڑو ۔ ناک میں دم آ گیا۔ جب سے بیوی آ گئی ہے ، اسی کمائی میں اس کی روٹیاں بھی نکل آتی ہیں اور آرام بھی ملتا ہے ۔ آخر آدمی آرام ہی کے لیے کماتا ہے ۔ جب جان کھپا کر بھی آرام نہ ملا تو زندگی ہی برباد ہو گئی ۔ میں تو کہتا ہوں کہ تمھاری کمائی بڑھ جائے گی بھیا ۔ جتنی دیر میں آلو اور مٹر ابالتے اتنی دیر میں چار پیالے چائے بیچ لو گے ۔ اب چائے بارہوں مہینے چلتی ہے رات کو لیٹو گے تو عورت پاؤں دبائے گی ۔ ساری تھکاوٹ مٹ جائے گی ۔"

یہ بات گوبر کے دلنشیں ہو گئی ۔ جی اچاٹ ہو گیا ۔ اب تو وہ جھنیا کو لا کر ہی رہے گا ۔ آلو چولھے پر چڑھے رہ گئے اور اس نے گھر جانے کی تیاری کر دی ۔ مگر یاد آیا کہ ہولی آ رہی ہے ، اس لیے ہولی کا سامان بھی لیتا چلے۔ بخیلوں میں خوشی کے موقعوں پر دل کھول کر خرچ کرنے کی جو ایک عادت ہوتی ہے ۔اس نے گوبر کو بھی اکسایا ۔آخر اسی دن کے لیے تو کوڑی کوڑی جوڑ رہا تھا ۔ وہ ماں ، بہنوں اور جھنیا سب کے لیے ایک ایک جوڑ ساڑی لے جائے گا۔ ہوری کے لیے ایک دھوتی اور ایک چادر سونا کے لیے ایک شیشی تیل لے جائے گا اور ایک جوڑ چپل ۔ روپا کے لیے جاپانی گڑیا اور جھنیا کے لیے ایک پٹاری جس میں تیل ' سیندور اور آئینہ ہوگا۔ بچے کے لیے ٹوپ اور فراک جو بازار میں تیار ملتا ہے ۔ اس نے روپے نکالے اور بازار چلا ۔ دوپہر تک سب چیزیں آ گئیں ۔ بستر بندھ گیا ۔ محلے والوں کو خبر ہوگئی کہ گوبر گھر جا رہا ہے ۔ کئی مرد عورت اسے رخصت کرنے آئے ۔ گوبر نے انھیں اپنا گھر سپرد کرتے ہوئے کہا " تمھیں لوگوں پر گھر چھوڑے جاتا ہوں ۔ بھگوان نے چاہا تو ہولی کے دوسرے دن آ جاؤں گا ۔"

ایک نوجوان عورت نے مسکرا کر کہا " مہریا کو لیے بنا نہ آنا ، نہیں گھر میں نہ گھسنے پاؤ گے ۔"

دوسری زیادہ عمر والی نے نصیحت کی " ہاں اور کیا ، بہت دنوں چولھا پھونک چکے ۔ ٹھکانے سے روٹی تو ملے گی ۔"

گوبر نے سب کو" رام رام،، کیا ۔ہندو بھی تھے ، مسلمان بھی سبھی میں دوستانہ تھا ، سب ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک تھے ۔ روز ہ رکھنے والے روزہ رکھتے تھے ، ایکادشی رکھنے والے ایکادیشی ۔ کبھی کبھی مذاق میں ایک دوسرے پر چھینٹے بھی اڑا لیا کرتے تھے ۔ گوبر الہ دین کی نماز کو" اٹھا بیٹھی کہتا تو الہ دین پیپل کے نیچے والے سیکڑوں چھوٹی بڑی شیو کی مورتوں کو" بٹکھرے بتاتا ، مگر فرقہ وارانہ تعصب کا نام بھی نہ تھا ۔

گوبر گھر جا رہا تھا اور سب ہنسی خوشی سے رخصت کرنا چاہتے ہیں ۔

اتنے میں بھورے یکہ لے کر آ گیا ۔ ابھی دن بھر گشت لگا کر آیا تھا خبر ملی کہ گوبر گھر جا رہا ہے ، ویسے ہی یکہ ادھر پھیر دیا ۔ گھوڑے نے احتجاج کیا ۔ اسے کئی چابک لگائے ۔ گوبر نے یکہ پر سامان رکھا ۔ یکہ بڑھا۔ بھیجنے والے گلی کے موڑ تک پہنچانے گئے تب گوبر نے سب کو" رام رام،، کیا اور یکے پر بیٹھ گیا ۔ سڑک پر یکہ سر پٹ دوڑا جا رہا تھا ، گوبر گھر جانے کی خوشی میں مست تھا، بھورے اسے گھر پہنچانے کی خوشی میں مست تھے ۔ اور گھوڑا تھا پانی دار ،اڑا چلا جا رہا تھا ۔ بات کی بات میں اسٹیشن آ گیا ۔

گوبر نے خوش ہو کر ایک روپیہ کمر سے نکال کر بھورے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا" لو گھر والی کے لیے مٹھائی لیتے جانا۔"

بھورے نے تشکرانہ حقارت سے اس کی طرف دیکھا" تم مجھے غیر سمجھتے ہو بھیا ؟ ایک دن یکے پر بیٹھ گئے تو میں تم سے انعام لوں گا ! جہاں تمھارا پسینہ گرے وہاں اپنا لہو گرانے کو تیار ہوں ۔ اتنا چھوٹا دل نہیں پایا ہے اور لے بھی لوں تو گھر والی جیتا چھوڑے گی؟"

گوبر نے پھر کچھ نہ کہا ،شرمندہ ہو کر اپنا اسباب اتارا اور ٹکٹ لینے چلا ۔

(۲۰)

پھاگن اپنی جھولی میں نئی زندگی کی پونجی لے کر آپہنچا تھا ۔ آم کے پیڑ دونوں ہاتھوں سے بور کی مہک بکھیر رہے تھے اور کوئل آم کی ڈالیوں میں چھپی ہوئی اپنے راگوں کی خفیہ خیرات تقسیم کر رہی تھی ۔

گاؤں میں ایکھ کی بوائی شروع ہوگئی تھی ۔ ابھی دھوپ نہیں نکلی مگر ہوری کھیت میں پہنچ گیا ہے۔ دھنیا ،سونا ، روپا ،تینوں تلیا سے ایکھ کے بھیگے ہوئے لتّھے نکال نکال کر کھیت میں لا رہی ہے اور ہوری گنڈاسے سے ایکھ کے ٹکڑے کر رہا ہے ۔ اب وہ داتادین کی مزدوری کرنے لگا ہے۔ کسان نہیں ، مزدور ہے ۔ داتادین سے اب اس کا پروہت اور ججمان کا ناتا نہیں ، بلکہ مالک اور مزدور کا رشتہ ہے ۔

داتادین نے آکر ڈانٹا '' ہاتھ اور پھرتی سے چلاؤ ہوری ! اس طرح توتم دن بھر نہ کاٹ سکوگے۔''

ہوری نے زخم کھائے ہوئے تکبر کے ساتھ کہا '' چلا ہی تو رہا ہوں مہراج ، بیٹھا تو نہیں ہوں ۔''

داتادین مزدوروں سے کس کر کام لیتے تھے ۔ اسی لیے کوئی مزدور ان کے یہاں ٹھہرتا نہ تھا ۔ ہوری ان کے مزاج سے واقف تھا مگر جاتا کہاں؟ پنڈت اس کے سامنے کھڑے ہوکر بولے'' چلانے چلانے میں پھرک ہے ۔ ایک چلانا وہ ہے کہ گھڑی بھر میں کام تمام ، دوسرا چلانا وہ ہے کہ دن بھر میں بھی ایک بوجھ نہ کٹے ۔''

ہوری نے زہر کا گھونٹ پی کر زیادہ تیزی سے ہاتھ چلانا شروع کیا ۔ ادھر مہینوں سے اسے پیٹ بھر کھانا نہ ملتا تھا ۔عموماً ایک وقت تو چربن ہی پر کٹتا تھا اور دوسرے وقت بھی کبھی آدھے پیٹ کھانا ملا ،کبھی فاقہ ہوگیا ۔ کتنا ہی چاہتا تھا کہ ہاتھ جلد جلد اٹھے ،مگر ہاتھ جواب دے رہا تھا ۔ اس پر داتادین سر پر سوار تھے ۔لمحہ بھر دم لے لینے پاتا تو تازہ ہو جاتا مگر دم کیسے لے؟ جھڑکیاں پڑنے کا ڈر تھا۔

دھنیا اور دونوں لڑکیاں ایکھ کے گٹھے لیے بھیگی ساڑیوں سے لت پت ، کیچڑ میں سنی ہوئی آئیں اور گٹھے پٹک کر ذرا ستانے لگیں کہ داتادین نے ڈانٹ بتائی '' یہاں تماسا کیا دیکھتی ہے دھنیا ، جا اور اپنا کام کر ۔ پیسے سینت میں نہیں آتے ۔ پہر بھر میں تو ایک گٹھا لائی ہے ، اس حساب سے تو دن بھر میں اوکھ نہ ڈھل پائے گی ۔''

دھنیا نے تیوری بدل کر کہا '' کیا تنک دم بھی نہ لینے دو گے مہراج ؟ ہم بھی آدمی ہیں ۔ تمھاری مجوری کرنے سے بیل تو نہیں ہوگئے ۔ جرا کھوپڑی پر ایک گٹھا لاد کر لاؤ تو پتہ چلے ۔''

داتادین بگڑ اٹھے '' پیسے دیتے ہیں کام کرنے کے لیے ، دم لینے کے لیے نہیں ۔ دم لینا ہے تو گھر میں جا کر دم لو ۔''

دھنیا کچھ کہنے ہی جارہی تھی کہ ہوری نے ڈانٹا '' تو جاتی کیوں نہیں دھنیا ، کیوں حجت کررہی ہے؟''

دھنیا نے بندھنے کو اٹھاتے ہوئے کہا '' جا تو رہی ہوں ، پر چلتے ہوئے بیل کو اُوگی نہ لگانا چاہیے ۔''

داتادین نے سرخ آنکھیں نکال کر کہا '' معلوم ہوتا ہے ابھی مزاج ٹھنڈا نہیں ہوا تبھی دانے دانے کو ترستے ہو ۔''

دھنیا بھلا کیوں چپ رہنے لگی ، بولی '' تمھارے دوارے پر بھیک مانگنے تو نہیں جاتی ؟''

داتادین نے تیز لہجے میں کہا '' اگر یہی حال ہے تو بھیک بھی مانگو گی ۔''

دھنیا کے پاس جواب تیار تھا مگر سونا اسے کھینچ کر تلیا کی طرف لے گئی ورنہ بات بڑھ جاتی ۔ لیکن آواز کی پہنچ کے باہر جا کر اس نے دل کی بھڑاس نکالی '' بھیک مانگو تم جو بھکمنگوں کی جات ہو ، ہم تو مجور ٹھہرے ، جہاں کام کریں گے وہیں چار پیسے پائیں گے ۔''

سونا نے حقارت سے کہا '' اماں ، جانے بھی دو ۔ تم تو بکھت نہیں دیکھتیں ، بات بات پر لڑنے لگ جاتی ہو ۔''

ہوری پاگلوں کی طرح سر سے اوپر گنڈا سہ اٹھا اٹھا کر ایکھ کے ٹکڑے ڈھیر کرتا جاتا تھا ۔ اس کے اندر جیسے آگ سی لگی ہوئی تھی ۔ اس میں غیر قدرتی طاقت آگئی تھی ۔ اس میں

جو پشتہا پشت سے بہتا ہوا پانی تھا وہ اس وقت گویا بھاپ بن کر اس کو مشین کی سی کورانہ طاقت دے رہا تھا ۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا ۔ سر چکرانے لگا ۔ پھر اس کے ہاتھ مشین کی رفتار سے بلا تھکے اور بلا رکے اٹھ رہے تھے ۔ اس کے بدن سے پسینہ ٹپک رہا تھا ، منھ سے جھاگ نکل رہا تھا اور سر میں دھماکے کی آواز ہورہی تھی ، مگر اس پر جیسے کوئی بھوت سوار ہوگیا ہو ۔

دفعتاً اس کی آنکھوں میں بالکل اندھیرا چھا گیا ۔ معلوم ہوا کہ وہ زمین میں دھنسا جارہا ہے ۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش میں خالی ہاتھ پھیلا دیے اور بے ہوش ہوگیا ۔ گنڈاسہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ اوندھے منھ زمین پر گر پڑا ۔ اسی وقت دھنیا ایکھ کا گٹھا لے آئی ، دیکھا تو کئی آدمی ہوری کو گھیرے کھڑے ہیں ۔ ایک ہلواہا داتادین سے کہہ رہا تھا ،، مالک ! تمھیں ایسی بات نہ کہنی چاہیے جو کہ آدمی کو لگ جائے ۔ پانی مرتے ہی مرتے تو مرے گا ۔''

دھنیا ایکھ کا گٹھا پٹک کر پاگلوں کی طرح دوڑی ہوئی ہوری کے پاس گئی اور اس کا سر اپنی جانگھ پر رکھ کر زور زور سے رونے چلانے لگی ۔'' تم مجھے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ ارے سونا ، دوڑ کر پانی لا اور جاکر سوبھا سے کہہ دے کہ دادا بے حال ہیں ۔ ہائے رام ! اب میں کہاں جاؤں ۔ اب کس کی ہوکر رہوں گی ؟ کون مجھے دھنیا کہہ کر پکارے گا ....؟''

لالہ پٹیشوری بھاگے ہوئے آئے اور محبت بھری سختی سے بولے '' کیا کرتی ہے دھنیا، ہوش سنبھال ! ہوری کو کچھ نہیں ہوا ہے ۔ گرمی سے بیہوش ہوگئے ہیں ۔ابھی ہوش آیا جاتا ہے۔ دل اتنا کچا کرے گی تو کیسے کام چلے گا ؟''

دھنیا نے پٹیشوری کے پیر پکڑ لیے اور روتی ہوئی بولی '' کیا کروں لالا ، جی نہیں مانتا۔ بھگوان نے سب کچھ ہر لیا میں صبر کر گئی ۔ اب دھیرج نہیں ہوتا ہائے میرا ہیرا ! ،،

سونا پانی لائی پٹیشوری نے ہوری کے منھ پر پانی کے چھینٹے دیے۔ کئی آدمی اپنے انگوچھوں سے ہوا دے رہے تھے ۔ ہوری کا بدن سرد پڑ گیا تھا ۔ پٹیشوری کو بھی تشویش ہوئی۔ مگر دھنیا کو وہ برابر دلا سا دیے جاتے تھے ۔

دھنیا نے بے صبری سے کہا '' ایسا کبھی نہیں ہوا تھا لالا ، کبھی نہیں !''

پٹیشوری نے پوچھا '' رات کچھ کھایا تھا ؟''

دھنیا بولی '' ہاں روٹیاں بنائی تھیں ، پر آج کل ہمارے اوپر جو بیت رہی ہے وہ کیا تم

سے چھپا ہے ؟ مہینوں سے پیٹ بھر روٹی نہیں نصیب ہوئی ۔ کتنا سمجھاتی ہوں کہ جان رکھ کر کام کرو مگر آرام تو ہمارے بھاگ میں لکھا ہی نہیں ہے ۔''

دفعتاً ہوری نے آنکھیں کھول دیں اور اڑتی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا ۔

دھنیا جیسے جی اٹھی ۔ بے قرار ہو کر اس کے گلے سے لپٹ کر بولی'' اب کیسا جی ہے تمھارا ؟ میری تو جان نُہوں (ناخونوں) میں آ گئی تھی ۔''

ہوری نے کمزور آواز میں کہا'' اچھا ہوں ۔ نہ جانے کیسا جی ہو گیا تھا ۔''

دھنیا نے محبت بھرے شکوے سے کہا'' دیہہ میں دم تو ہے نہیں اور کام کرتے ہو جان ہوم کر ! لڑکوں کا بھاگ تھا کہ بچ گئے ، نہیں تو تم لے ہی ڈوبے تھے ۔''

پٹیشوری نے ہنس کر کہا'' دھنیا تو رو پیٹ رہی تھی ۔''

ہوری نے بے صبری سے پوچھا'' سچ مچ تو روتی تھی دھنیا ؟''

دھنیا نے پٹیشوری کو پیچھے ڈھکیل کر کہا'' انھیں بکنے دو تم ۔ پوچھو کے یہ کیوں کاگد چھوڑ کر گھر سے دوڑے آئے تھے ۔''

پٹیشوری نے چڑھایا'' تو ہی ہیرا ہیرا ، کہہ کر روتی تھی ۔ اب لاج کے مارے مکرتی ہے۔ چھاتی پیٹ رہی تھی ۔''

ہوری نے دھنیا کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھ کر کہا'' پگلی ہے اور کیا ! اب نہ جانے کون سا سکھ دیکھنے کے لیے مجھے جلائے رکھنا چاہتی ہے ۔''

دو آدمی ہوری کو سہارا دے کر گھر لے گئے اور چار پائی پر لٹا دیا ۔ داتادین تو کڑھ رہے تھے کہ بوائی میں دیر ہوئی جاتی ہے ، مگر ماتادین اتنا بے رحم نہیں تھا وہ دوڑ کر گھر سے گرم دودھ لایا اور ایک شیشی میں گلاب کا عرق بھی ۔ دودھ پی کر ہوری میں جان سی آ گئی ۔

اسی وقت گوبر ایک مزدور کے سر پر اپنا سامان لادے ہوئے آتا دکھائی دیا ۔

گاؤں کے کتے پہلے تو بھوکتے ہوئے اس کی طرف دوڑے ، پھر دم ہلانے لگے ۔ روپا نے کہا'' بھیا آئے ، بھیا آئے ، اور تالیاں بجاتی ہوئی دوڑی ۔ سونا بھی دو تین قدم آگے بڑھی مگر اپنی خوشی کو ضبط کر گئی ۔ ایک سال میں اس کا شباب کچھ اور شرمیلا ہو گیا تھا۔ جھنیا بھی گھونگھٹ نکالے دروازے پر کھڑی ہوئی۔

گوبر نے والدین کے پیر چھوئے اور روپا کو گود میں اٹھا کر پیار کیا ۔ دھنیا نے اسے

اسیس دی اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر گویا اپنے ماں ہونے کا صلہ پا گئی ۔اس کا دل غرور سے اُمڈا پڑتا تھا ۔ آج تو وہ رانی ہے ۔ اس پھٹے حال میں بھی رانی ہے ! کوئی اس کا منھ دیکھے ! رانی بھی لجا جائے گی ۔ گوبر کتنا بڑا ہوگیا اور پہن اوڑھ کر کتنا بھلا آدمی سا لگتا ہے ۔ دھنیا کے دل میں کبھی بدشگونی کا اندیشہ نہیں ہوا تھا ۔ اس کا دل کہتا تھا کہ گوبر خیریت سے ہے اور خوش ہے ۔ آج اسے آنکھوں دیکھ کر گویا اس کی زندگی کی خاک میں گم شدہ جواہر مل گیا ۔ مگر ہوری نے منھ پھیر لیا تھا ۔ گوبر نے پوچھا '' دادا کو کیا ہوا ہے ، اماں ؟''

دھنیا گھر کا حال سنا کر اسے رنجیدہ نہ کرنا چاہتی تھی ، بولی '' کچھ نہیں ہے بیٹا ، ذرا سر میں درد ہے ۔ چلو ، کپڑے اتارو ، ہاتھ منھ دھو ۔ کہاں تھے تم اتنے دن ؟ بھلا کوئی اس طرح گھر سے بھاگتا ہے ؟ اور کبھی ایک چٹھی تک نہ بھیجی ۔آج سال بھر کے پیچھے جاکر سدھ لی ہے ۔تمھاری راہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پھوٹ گئیں ۔ یہی آسرا لگا رہتا تھا کہ کب وہ دن آئے گا اور کب تمھیں دیکھوں گی ۔ کوئی کہتا تھا کہ مرچ بھاگ گیا اور کوئی ڈمراٹاپو بتاتا تھا ۔ میری تو سن سن کے جان سوکھی جاتی تھی ۔ کہاں رہے اتنے دن ؟ ،،

گوبر نے شرماتے ہوئے کہا '' کہیں دور نہیں گیا تھا اماں ، یہیں لکھنو میں تھا ۔''

'' اور اتنے پاس رہ کر بھی کبھی چٹھی تک نہ لکھی ! ،،

ادھر سونا اور روپا گوبر کا سامان کھول کر چیزیں آپس میں بانٹنے لگی تھیں ۔ مگر جھنیا دور کھڑی تھی ۔ اس کے چہرے پر آج رکھائی کا شوخ رنگ جھلک رہا ہے ۔ گوبر نے اس کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے آج وہ اس کا بدلہ لے گی ۔ اسامی کو دیکھ کر مہاجن اس سے دو روپے وصول کرنے بھی بے چین ہو رہا ہے جو اس نے بٹے کھاتے میں ڈال دیے تھے ۔ بچہ ان چیزوں کی طرف لپک رہا تھا اور چاہتا تھا کہ سب کے سب ایک ساتھ منھ میں بھر لے ۔ مگر جھنیا اسے گود سے نہ اتارتی تھی ۔

سونا بولی '' بھیا تمھارے لیے آئینہ اور کنگھی لائے ہیں ، بھابھی ۔''

جھنیا نے رکھائی سے کہا '' مجھے آئینہ کنگھی نہ چاہیے ، اپنے پاس رکھے رہیں ۔''

روپا نے بچے کی چمکدار ٹوپی نکالی '' او ہو یہ تو چنو کی ٹوپی ہے ! ،، اور اسے بچے کے سر پر رکھ دیا ۔

جھنیا نے ٹوپی اتار کر پھینک دی اور یکا یک گوبر کو اندر آتے دیکھ کر وہ بچے کو لیے

ہوئے اپنی کوٹھری میں چلی گئی ۔

گوبر نے دیکھا کہ سارا سامان کھلا پڑا ہے ۔ اس کا جی تو چاہتا ہے کہ پہلے جھنیا سے مل کر اپنا قصور معاف کرائے مگر اندر جانے کی ہمت نہیں پڑی ۔ وہیں بیٹھ گیا اور چیزیں نکال نکال کر ہر ایک کو دینے لگا ۔ مگر روپا اس لیے پھول گئی کہ اس کے لیے چپل کیوں نہیں آئے ، اور سونا اسے چڑھانے لگی " تو کیا کرے گی چپل لے کر اپنی گڑیا کھیل ۔ ہم تیری گڑیا دیکھ کر نہیں روتے ، پھر تو میرا چپل دیکھ کر کیوں روتی ہے؟"

مٹھائی بانٹنے کی ذمہ داری دھنیا نے اپنے اوپر لی ۔ اتنے دنوں کے بعد لڑکا کسل سے گھر آیا ہے ۔ وہ گاؤں بھر میں بائن نبٹائے گی ۔ ایک گلاب جامن روپا کے لیے اونٹ کے منہ میں زیرے کی طرح تھی ۔ وہ چاہتی تھی کہ ہانڈی میں سامان رکھ دی جائے اور وہ کود کود کر کھائے ۔

اب صندوق کھلا اور اس میں سے ساڑھیاں نکلنے لگیں ۔ سبھی کنارے دار تھیں ۔ جیسی پٹیشوری لالا کے گھر میں پہنی جاتی ہیں ۔ مگر ہے بڑی ہلکی ! ایسی باریک ساڑھیاں بھلا کتنے دن چلیں گی ؟ بڑے آدمی چاہے جتنی باریک ساڑھیاں پہنیں ، ان کی عورتوں کو بیٹھنے اور سونے کے سوا اور کون کام ہے ؟ یہاں تو کھیت کھلیان سبھی کچھ ہے ! اچھا ، ہوری کے لیے دھوتی کے سوا ایک ڈوپٹہ بھی ہے!

دھنیا خوش ہوکر بولی " یہ تم نے بڑا اچھا کیا بیٹا ۔ ان کا دوپٹہ بڑا تار تار ہو گیا تھا۔"

گوبر کو اتنی دیر میں گھر کی حالت کا اندازہ ہو گیا تھا ۔ دھنیا کی ساڑی میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے ۔ سونا کی ساڑی سر پر پھٹی ہوئی تھی اور اس میں سے بال دکھائی دے رہے تھے ۔ روپا کی دھوتی میں چاروں طرف جھالر سی لٹک رہی تھی ۔ سبھی کے چہرے روکھے سوکھے تھے ، چکناہٹ کا بدن پر کہیں نام نہ تھا ۔ جدھر دیکھو ، افلاس کا دور دورہ تھا ۔

لڑکیاں تو ساڑیوں میں مگن تھیں ، دھنیا کو لڑکے کے لیے کھانے کی فکر ہوئی ۔ گھر میں تھوڑا سا جو کا آٹا شام کے لیے رکھا ہوا تھا ۔ اس وقت تو چربن پر گزر ہوتا تھا ، مگر گوبر اب وہ گوبر تھوڑے ہی ہے ۔ اس سے جو کا آٹا کھائے بھی جائے گا ؟ پردیس میں نہ جانے کیا کیا کھاتا پیتا رہا ہوگا ۔ جا کر دلاری کی دکان سے گیہوں کا آٹا ، چاول اور گھی ادھار لائی ۔ ادھر مہینوں سے دلاری ایک پیسے کی چیز بھی ادھار نہ دیتی تھی مگر آج اس نے ایک بار بھی نہ پوچھا

کہ پیسے کب دوگی ۔

اس نے پوچھا '' گوبر تو کھوب کما کر لایا ہے نا ؟''

دھنیا بولی '' ابھی تو کچھ نہیں کھلا دیدی ۔ ابھی میں نے بھی کچھ کہنا ٹھیک نہیں سمجھا۔ ہاں سب کے لیے کنارے دار ساڑیاں لایا ہے ۔تمھاری آسیس سے اچھی طرح لوٹ آیا ؛ میرے لیے تو یہی بہت ہے ۔''

دلاری نے دعا دی '' بھگوان کریں وہ جہاں رہے کسل سے رہے ۔ ماں باپ کو اور کیا چاہیے؟ لڑکا سمجھدار ہے اور لڑکوں کی طرح اڑاؤ نہیں ہے ۔ ہمارے روپے ابھی نہ ملے تو بیاج تو دے دو ۔ دن دن بوجھ بڑھ ہی تو رہا ہے ۔''

ادھر سونا چنو کو اس کا فراک اور ٹوپ اور جوتا پہنا کر '' راجا ،، بنا رہی تھی ۔ بچہ ان چیزوں کو پہنے سے زیادہ ہاتھ میں لے کر کھیلنا اور کھانا پسند کرتا تھا ۔ اندر گوبر اور جھنیا میں روٹھنے اور منانے کا ناٹک ہو رہا تھا ۔

جھنیا نے حقارت سے دیکھ کر کہا '' مجھے لاکر یہاں بیٹھا دیا ، آپ پردیس کی راہ لی۔ پھر نہ کھوج نہ کھبر ، کہ مرتی ہے یا جیتی ہے ۔ سال بھر بعد اب جا کر تمھاری نیند ٹوٹی ہے۔ کتنے بڑے کپٹی ہو تم ۔ میں تو سوچتی ہوں کہ تم میرے پیچھے پیچھے آرہے ہوگے اور آپ اُڑے تو سال بھر کے پیچھے لوٹے ۔ مردوں کا بسواس ہی کیا ؟ کہیں کوئی اور تاک لی ہوگی ۔ سوچا ہوگا کہ ایک گھر کے لیے ہے ، ایک باہر کے لیے بھی ہوجائے ۔''

گوبر نے صفائی دی '' جھنیا میں بھگوان کو ساکھی دے کر کہتا ہوں جو میں نے کبھی کسی کی طرف تاکا بھی ہو ۔ لاج اور ڈر کے مارے گھر سے بھاگا تو ، مگر تیری یاد ایک منٹ کے لیے بھی من سے نہ اترتی تھی ۔ اب تو میں نے طے کر لیا ہے کہ تجھے بھی لیتا جاؤں گا ۔ اسی لیے آیا ہوں ۔ تیرے گھر والے تو بہت بگڑے ہوں گے ۔''

'' دادا تو میری جان ہی لینے پر اتارو تھے ۔''

'' سچ !''

'' تینوں آدمی یہاں چڑھ آئے تھے ۔ پر اماں نے ایسی پھٹکار بتائی کہ منہ لے کر رہ گئے ۔ ہاں ہمارے دونوں بیل کھول لے گئے ۔''

'' اتنی بڑی جبردستی اور دادا کچھ بولے نہیں ؟''

" دادا اکیلے کس کس سے لڑتے ؟ گاؤں کے لوگ تو نہیں لے جانے دیتے تھے پر دادا ہی اپنی بھلمنسی میں آگئے تو اور لوگ کیا کرتے ؟"

" تو اب کھیتی باڑی کیسے ہورہی ہے ؟"

" کھیتی باڑی سب ٹوٹ گئی ۔ تھوری سی پنڈت مہراج کے ساجھے میں ہے اور اوکھ بوئی ہی نہیں گئی ۔"

گوبر کی کمر میں اس وقت دوسو روپے تھے ۔ اس کی گرمی یوں ہی کم نہ تھی ۔ یہ حال سن کر تو اس کے بدن میں آگ ہی لگ گئی بولا " تو پھر پہلے میں ان ہی سے سمجھتا ہوں ۔ ان کی یہ مجال کے میرے دوارے پر سے بیل کھول لے جائیں ! یہ ڈاکہ ہے ، کھلا ہوا ڈاکہ ! ۔ تین تین سال کو چلے جائیں گے تینوں ۔ یوں نہ دیں گے تو عدالت سے لوں گا ۔ سارا گھمنڈ توڑ دوں گا ۔"

وہ اسی جوش میں چل پڑا تھا کہ جھنیا نے پکڑ لیا اور بولی " تو چلے جانا ، ابھی ایسی جلدی کا ہے کی ہے ؟ کچھ آرام کر لو ، کچھ کھاپی لو ۔ سارا دن تو پڑا ہے ، یہاں بڑی بڑی پنچایت ہوئی ۔ پنچایت نے اسّی روپے تاوان لگایا اور تیس من اناج اوپر سے اسی میں تو اور تباہی آگئی ۔"

سونا بچے کو جوتے اور کپڑے پہنا کر لائی ۔ کپڑے پہن کر وہ جیسے سچ مچ راجا ہوگیا تھا ۔ گوبر نے اسے گود میں لے لیا ۔ مگر اس وقت بچے کے پیار میں اسے خوشی نہ ہوئی ۔ اس کا خون ابل اٹھا اور کمر کے روپے آنچ کو زیادہ تیز کررہے تھے ۔ وہ ایک ایک سے سمجھے گا ۔ پنچوں کو اس پر تاوان لگانے کا حق ہی کیا ہے ؟ کون ہوتا ہے کوئی اس کے بیچ میں بولنے والا؟ اس نے ایک عورت رکھ لی تو پنچوں کے باپ کا کیا بگڑا ؟ اگر اسی بات پر وہ فوجداری میں دعویٰ کردے تو لوگوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پڑجائیں ساری گرستی تہس نہس ہوگئی ۔ کیا سمجھ لیا ہے اسے ان لوگوں نے ؟

بچہ اس کی گود میں ذرا سا مسکرایا ، پھر زور سے چیخ اٹھا جیسے کوئی ڈراونی چیز دیکھ لی ہو ۔

جھنیا نے بچے کو اس کی گود سے لے لیا اور بولی " اب جاکر نہا دھولو ۔ کس سوچ میں پڑ گئے ؟ یہاں سب سے لڑنے لگو تو ایک دن نباہ نہ ہو ۔ جس کے پاس پیسہ ہے وہی بڑا آدمی ہے ، وہی بھلا آدمی ہے ۔ پیسہ نہ ہو اس پر سبھی رعب جماتے ہیں ۔"

'' میرا گدھا پن تھا کہ گھر سے بھاگا ، نہیں تو دیکھتا کہ کیسے کوئی ایک ڈھیلا ڈنڈ لیتا ہے۔''

'' شہر کی ہوا کھا آئے ہو تب یہ باتیں سوجھنے لگی ہیں ، نہیں گھر سے بھاگتے ہی کیوں ؟''

'' یہی جی چاہتا ہے کہ لاٹھی اٹھاؤں اور پٹیشوری ، داتا دین ،جھنگری ، سب سالوں کو مارگرا دوں اور ان کے پیٹ سے روپے نکال لوں ۔''

'' روپے کی بہت گرمی چڑھی ہوئی ہے سایت ، لاؤ نکالو ، دیکھوں تو کہ اتنے دن میں کیا کما لائے ہو۔''

اس نے گوبر کی کمر میں ہاتھ لگایا ۔ گوبر کھڑا ہوکر بولا '' ابھی کیا کمایا ؟ ہاں اب تم چلوگی تو کماؤں گا ۔ سال بھر تو سہر کے رنگ ڈھنگ پہچاننے ہی میں لگ گئے ۔''

'' اماں جانے دیں گی تب تو ۔''

'' اماں کیوں نہ جانے دیں گی ، ان سے مطلب ؟''

'' واہ ، میں ان کی راجی بنا کہیں نہ جاؤں گی ۔تم تو چھوڑ کر چلتے بنے اور میرا کون تھا یہاں ؟ وہ اگر گھر میں گھسنے نہ دیتیں تو میں کہاں جاتی ؟ جب تک جیوں گی ان کا جس گاؤں گی اور تم بھی کیا پردیس ہی کرتے رہو گے ؟''

'' اور یہاں بیٹھ کر کیا کروں گا ؟ کماؤ اور بھرو ، اس کے سوائے یہاں اور کیا دھرا ہے ؟ تھوڑی سی سمجھ ہو اور آدمی کام کرنے سے نہ ڈرے تو وہاں بھوکوں نہیں مرسکتا ۔ یہاں تو سمجھ کچھ کام ہی نہیں کرتی ۔ دادا کیوں مجھ سے منھ پھلائے ہوئے ہیں ؟''

'' اپنا بھاگ سرا ہو کہ منھ پھلا کر رہے جاتے ہیں ۔تم نے اپرادھ تو اتنا بڑا کیا تھا کہ اسی رِس میں پا جاتے تو منھ لال کردیتے ۔''

'' تو تمھیں بھی بہت گالیاں دیتے ہوں گے ؟''

'' کبھی نہیں ، بھول کے بھی نہیں ! ۔ اماں تو پہلے بگڑی تھیں ، پر دادا نے تو کبھی کچھ نہیں کہا ۔ جب بلاتے ہیں تو بڑے پیار سے ۔ میرا سر بھی دکھتا ہے تو بے چین ہوجاتے ہیں۔ اپنے باپ کو دیکھتے تو میں انھیں دیوتا سمجھتی ہوں ۔ اماں کو سمجھایا کرتے ہیں کہ بہو کو کچھ نہ کہنا ۔تمھارے اوپر سیکڑوں بار بگڑ چکے ہیں کہ اسے گھر میں بیٹھا کر آپ نہ جانے کہاں

بھاگ گیا۔ آج کل پیسے پیسے کی تنگی ہے۔ اوکھ کے روپے باہر ہی باہر اڑ گئے۔ اب تو مجوری کرنی پڑتی ہے۔ آج بے چارے کھیت میں کام کرتے کرتے بیہوس ہو گئے۔ رونا پیٹنا مچ گیا۔ تب سے پڑے ہیں۔"

گوبر منھ ہاتھ دھو کر اور بالوں کو خوب سنوار کر گاؤں فتح کرنے نکلا۔ دونوں چچاؤں کے گھر جاکر "رام رام" کر آیا۔ پھر اور دوستوں سے ملا۔ گاؤں میں کوئی خاص تبدیلی نہ تھی۔ ہاں پٹیشوری کی نئی بیٹھک بن گئی تھی اور جھنگری سنگھ نے دروازے پر نیا کنواں کھدوالیا تھا۔ گوبر کے دل میں مخالفت اور بھی خم ٹھوکنے لگی۔ جس سے ملا اس نے اس کی خاطر کی اور نوجوانوں نے تو اسے اپنا ہیرو بنا لیا اور اس کے ساتھ لکھنؤ جانے کو تیار ہوگئے۔ سال ہی بھر میں وہ کیا سے کیا ہوگیا تھا۔

دفعتاً جھنگری سنگھ اپنے کنوئیں پر نہاتے ہوئے مل گئے۔ گوبر نکلا مگر نہ سلام کیا نہ بولا۔ وہ ٹھاکر کو دکھا دینا چاہتا تھا کہ میں تمھیں کچھ نہیں سمجھتا۔

جھنگری سنگھ نے خود ہی پوچھا "کب آئے گوبر؟ مجے میں تو رہے؟ کہیں نوکر تھے لکھنؤ میں؟"

گوبر نے رعونت سے کہا "لکھنؤ گلامی کرنے نہیں گیا تھا۔ نوکری ہے تو گلامی میں۔ بیوپار کرتا تھا۔"

ٹھاکر نے تعجب سے اسے سر سے پیر تک دیکھا "کتنا روج کماتے تھے؟"

گوبر نے چھری کو بھالا بناکر اس کے اوپر چلایا "یہی کوئی ڈھائی تین روپے مل جاتے تھے۔ کبھی چمک گئی تو چار بھی مل گئے۔ اس سے بیسی نہیں۔"

جھنگری بہت نوچ کھسوٹ کرکے بھی پچیس تیس سے زیادہ نہیں کما پاتے تھے اور یہ گنوار لونڈا سو روپے کمانے لگا۔ ان کا سر جھک گیا۔ اب وہ کس دعوی سے اس پر رعب جما سکتے ہیں؟ ذات میں وہ ضرور اونچے ہیں مگر ذات کون دیکھتا ہے، اس سے مقابلہ کرنے کا یہ وقت نہیں، اب تو اس کی منت ہی کرکے کچھ کام نکالا جاسکتا ہے بولے "اتنی کمائی کم نہیں بیٹا، جو کھرچ کرتے بنے۔ گاؤں میں تو تین آنے بھی نہیں ملتے بھوانی (ان کے بڑے لڑکے کا نام تھا) کو بھی کہیں کام دلادو تو بھیج دوں۔ نہ پڑھے نہ لکھے، ایک نہ ایک جھگڑا کیے رہتا ہے۔ کہیں مُنیمی خالی ہو تو کہنا، نہیں تو ساتھ ہی لیتے جانا۔ تمھارا تو ساتھی ہے۔

طلب تھوری ہو' کچھ بات نہیں ہاں چار پیسے کی اوپری گنجائش ہو۔''

گوبر نے گھمنڈ بھری ہنسی کے ساتھ کہا '' یہی اوپری آمدنی کی چاٹ تو آدمی کو بگاڑ دیتی ہے ٹھاکر! پر ہم لوگوں کی عادت ایسی بگڑ گئی ہے کہ جب تک بے ایمانی نہ کریں، پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ لکھنؤ میں مُنیمی مل سکتی ہے مگر ہر ایک مہاجن ایماندار اور چوکس آدمی چاہتا ہے۔ میں بھوانی کو کسی کے گلے باندھ تو دوں پر پیچھے انھوں نے کہیں ہاتھ لپکایا تو وہ میری گردن پکڑے گا۔ دنیا میں علم کی پوچھ نہیں ہے، ایمان کی پوچھ ہے۔

یہ طمانچہ لگا کر گوبر آگے بڑھ گیا۔ جھنگری دل مسوس کر رہ گئے۔'' لونڈا کتنے گھمنڈ کی باتیں کرتا ہے جیسے دھرم کا اوتار ہی ہو۔''

اسی طرح گوبر نے داتا دین کو بھی رگڑا۔ وہ کھانا کھانے جارہے تھے کہ گوبر کو دیکھ کر خوش ہوکر بولے'' مجے میں تو رہے گوبر؟ سنا کہ وہاں کوئی اچھی جگہ پا گئے ہو۔ ماتادین کو بھی کہیں حیلے سے لگا دو نا؟ بھنگ پی کر پڑے رہنے کے سوائے اور کون کام ہے؟''

گوبر نے بتایا '' تمھارے گھر میں کس بات کی کمی ہے مہراج؟ جس ججمان کے یہاں جا کر کھڑے ہو جاؤ' کچھ نہ کچھ مار ہی لاؤ گے۔ پیدا ہونے میں لو، مرنے میں لو، سادی میں لو، گمی میں لو، کھیتی کرتے ہو، لین دین کرتے ہو، دلالی کرتے ہو۔ کسی سے کچھ بھول چوک ہو جائے تو ڈانڈ باندھ لگاکر اس کا گھر لوٹ لیتے ہو، اتنی کمائی میں پیٹ نہیں بھرتا؟ کیا کروگے بہت سا دھن بٹور کر؟ کہ ساتھ لے جانے کی کوئی جگت نکالی ہے؟''

داتادین نے دیکھا کے گوبر کتنی ڈھٹائی سے بول رہا ہے،ادب لحاظ جیسے بالکل بھول سا گیا ہو۔ ابھی شاید نہیں جانتا کہ باپ میری مجوری کررہا ہے سچ ہے۔ چھوٹی ندی کو اُٹھتے دیر نہیں لگتی۔ مگر چہرے پر کدورت نہ آنے دی جیسے بڑے بوڑھے بچوں سے مونچھیں اکھڑوا کر بھی ہنستے ہیں، انھوں نے بھی اس طعنے کو ہنسی میں لیا اور ہنستے ہوئے کہا'' لکھنؤ کی ہوا کھاکے تو بڑا چنٹ ہوگیا ہے گوبر! لا، کیا کما کے لایا ہے؟ کچھ نکال! سچ کہتا ہوں گوبر، تمھاری یاد بہت آتی تھی۔ اب تو رہو گے کچھ دن؟''

'' ہاں ابھی تو رہوں گا کچھ دن، ان پنچوں پر دعویٰ کرنا ہے جنھوں نے ڈنڈ کے بہانے میرے ڈیڑھ سو روپے ہڑپ لیے ہیں۔ دیکھوں، کون میرا حقہ پانی بند کرتا ہے اور کون برادری مجھے جات باہر کرتی ہے۔''

یہ دھمکی دے کر وہ آگے بڑھا۔ اس کی تمکنت نے اس کے نوجوان عقیدت مندوں کو مرعوب کر دیا تھا۔

ایک نے کہا "کرو دعویٰ گوبر بھیا! بڈھا کالا سانپ ہے، جس کے کاٹے کا منتر نہیں۔ تم نے اچھی ڈانٹ بتائی۔ پٹواری کے کان بھی ذرا گرم کردو۔ بڑا پاجی ہے باپ بیٹے میں آگ لگا دے، بھائی بھائی میں آگ لگادے۔ کارندے سے مل کر آسامیوں کا گلا کاٹتا ہے۔ اپنے کھیت پیچھے جوتو، پہلے اس کے کھیت جوت دو۔ اپنی سینچائی پیچھے کرو، پہلے اس کی سینچائی کردو۔"

گوبر نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "مجھ سے کیا کہتے ہو بھائی، سال بھر میں بھول تھوڑے ہی گیا ہوں۔ یہاں مجھے رہنا ہی نہیں ہے، نہیں تو ایک ایک کو نچا کر چھوڑتا۔ اب کے ہولی دھوم دھام سے مناؤ اور ہولی کا سوانگ بنا کر ان سبوں کو خوب بھگو بھگو کر لگاؤ۔"

ہولی کا پروگرام بننے لگا۔ خوب بھنگ گھٹے، دودھیا بھی اور نمکین بھی۔ اور رنگوں کے ساتھ کالکھ بھی بنے اور مکھیوں کے منھ پر کالکھ ہی پوتی جائے۔ ہولی میں کوئی بول ہی کیا سکتا ہے؟ پھر سوانگ نکلے اور پنچوں کی خوب بھد کی جائے روپے پیسے کی کوئی پرواہ نہیں، گوبر بھائی کما کر آئے ہیں۔

گوبر کھانا کھا کر بھولا سے ملنے چلا۔ جب تک اپنی جوڑی لاکر اپنے دروازے پر نہ باندھے، اسے چین نہیں۔ وہ لڑنے مرنے پر آمادہ تھا۔

ہوری نے عاجزانہ لہجے میں کہا "جھگڑا مت بڑھاؤ بیٹا! بھولا گوئی لے گئے، بھگوان ان کا بھلا کرے! پر روپے تو آتے ہی تھے۔"

گوبر نے بھڑک کر کہا "دادا، تم بیچ میں نہ بولو، ان کی گائے پچاس کی تھی۔ ہماری جوڑی ڈیڑھ سو میں آئی تھی۔ تین سال ہم نے جوتی۔ پھر بھی سو کی تو تھی ہی۔ وہ اپنے روپے کے لیے دعویٰ کرتے، ڈگری کراتے یا جو چاہتے کرتے، ہمارے دوارے سے جوڑی کیوں کھول لے گئے؟ اور تمھیں کیا کہوں؟ ادھر گوئی کھو بیٹھے اور ادھر ڈیڑھ سو روپے تاوان کے بھرے۔ یہ ہے سدھائی کا پھل! میرے سامنے جوڑی لے جاتے تو دیکھتا۔ تینوں کو یہیں دھرتی پر سلا دیتا۔ اور پنچوں سے تو بات تک نہ کرتا۔ دیکھتا کہ کون مجھے برادری سے الگ کیے دیتا ہے۔ مگر تم بیٹھے تاکتے رہے۔"

ہوری نے خطاوار کی طرح سر جھکا لیا مگر دھنیا یہ زیادتی کیسے دیکھ سکتی تھی ؟ بولی '' بیٹا تم بھی تو اندھیر کرتے ہو ۔ حکہ پانی بند ہو جاتا تو گاؤں میں نباہ ہوتا ؟ جوان لڑکی بیٹھی ہے ؟ اس کا بھی کہیں ٹھکانا لگانا ہے کہ نہیں ؟ مرنے جینے میں آدمی برادری ....''

گوبر نے بات کاٹی '' حکہ پانی سب تو تھا ، برادری میں آدر بھی تھا ، پھر میرا بیاہ کیوں نہیں ہوا ؟ بولو۔ اس لیے کہ گھر میں روٹی نہ تھی ۔ روپے ہوں تو نہ حکہ پانی کا کام ہے نہ بھائی برادری کا ۔ دنیا پیسے کی ہے ، اور کوئی کچھ نہیں پوچھتا ۔''

دھنیا تو بچے کا رونا سن کر اندر چلی گئی اور گوبر بھی گھر سے نکلا ۔ ہوری بیٹھا سوچ رہا تھا کہ لڑکے کی سمجھ جیسے کھل گئی ہے ۔ کیسی بے لاگ بات کہتا ہے ۔ اس کی الٹی سمجھ نے ہوری کے ایمان واخلاق کو مغلوب کر دیا تھا ۔

دفعتاً ہوری نے اس سے پوچھا '' میں بھی چلوں ؟''

'' میں لڑائی کرنے نہیں جاتا ،، دادا ! ڈرو نہیں ۔ میری طرف تو کانون ہے ، میں کیوں لڑائی کرنے لگا ؟''

'' میں بھی چلوں تو کوئی ہرج نہیں ؟''

'' ہاں بڑا ہرج ہے ، تم بنی بات بگاڑ دو گے ۔''

ہوری چپ ہوگیا اور گوبر چل دیا ۔

پانچ منٹ بھی نہ ہوئے ہوں گے کہ دھنیا بچے کو لیے ہوئے باہر نکلی اور بولی کیا گوبر چلا گیا ؟ اکیلے؟ میں کہتی ہوں کہ تمھیں بھگوان کبھی بدھی دیں گے یا نہیں ۔ بھولا کیا یوں ہی گوئی سادد ے گا ؟ تینوں اس پر ٹوٹ پڑیں گے ؟ باج کی طرح ۔ بھگوان ہی کسل کریں ۔ اب کس سے کہوں کہ دوڑ کر گوبر کو پکڑے ؟ تم سے تو میں ہار گئی ۔''

ہوری نے کونے سے ڈنڈا اٹھایا اور گوبر کے پیچھے دوڑا۔ گاؤں کے باہر آکر اس نے نظر دوڑائی ، ایک ہلکی سی لکیر افق سے ملی ہوئی دکھائی دی ۔ اتنی ہی دیر میں گوبر اتنی دور کیسے نکل گیا ۔ ہوری کا دل اسے ملامت کرنے لگا ۔ اس نے کیوں گوبر کو روکا نہیں ؟ اگر وہ ڈانٹ کر کہہ دیتا کہ بھولا کے گھر مت جاؤ تو گوبر کبھی نہ جاتا ۔ اب اس سے دوڑا بھی تو نہیں جاتا۔ وہ ہار کر وہیں بیٹھ گیا اور بولا '' اس کی رچھا کرو مہابیر سوامی ! ،،

گوبر اس گاؤں میں پہنچا تو کچھ لوگ برگد کے نیچے بیٹھے جوا کھیل رہے تھے ۔ اسے

دیکھ کر لوگوں نے سمجھا کہ پولیس کا سپاہی ہے ۔ کوڑیاں سمیٹ کر بھاگے کہ دفعتاً جنگی نے پہچان کر کہا " ارے یہ تو گوبر دھن ہے ۔"

گوبر نے دیکھا کہ جنگی پیڑ کی آڑ میں کھڑا جھانک رہا ہے بولا " ڈرو مت جنگی بھیا میں ہوں ۔ رام رام ! آج ہی آیا ہوں ۔ سوچا کہ چل سب سے ملتا آؤں ۔ پھر نہ جانے کب آنا ہو ۔ میں تو بھیا تمھارے آسیر باد سے بڑے مجے میں نکل گیا ۔ جس راجا کی نوکری میں ہوں اس نے مجھ سے کہا کہ ایک دو آدمی مل جائیں تو لیتے آنا ۔ چوکیداری کے لیے چاہیے۔ میں نے کہا ، سرکار ایسے آدمی دوں گا کہ چاہے جان چلی جائے پر وہ میدان سے ہٹنے والے نہیں ۔ چاہو تو میرے ساتھ چلو اچھی جگہ ہے ۔"

گوبر نے بڑے یقین سے کہا " بس کچھ چنتا مت کرو ۔ سب کچھ اپنے ہی ہاتھ میں ہے ، جو چاہو گے ہو جائے گا ۔ ہم نے سوچا کہ جب گھر ہی میں آدمی ہے تو باہر کیوں جائیں؟"

" کام چاہے چوکیداری کرو چاہے تگادے پر جاؤ ۔ تگادے کا کام سب سے اچھا ہے۔ آسامی سے گنٹھ گئے اور ادھر مالک سے آکر کہہ دیا کہ گھر پر ملا ہی نہیں ۔ چاہو تو روپے آٹھ آنے روج بنا سکتے ہو ۔"

" رہنے کی جگہ بھی ملتی ہے ؟"

" جگہ کی کون کمی ؟ پورا محل پڑا ہے ، پانی کا نل ، بجلی کی بتی کسی بات کی کمی نہیں ۔ کامتا ہیں کہ کہیں گئے ہیں ؟"

" دودھ لے کر گئے ہیں ۔ مجھے کوئی ہاٹ نہیں جانے دیتا کہتے ہیں کہ تم تو گانجہ پی جاتے ہو ۔ میں اب بہت کم پیتا ہوں بھیا ، پر دو پیسے روج تو چاہیے ۔ تم کامتا سے کچھ نہ کہنا میں تمھارے ساتھ چلوں گا ۔"

" ہاں ہاں ، بے کھٹکے چلو ۔ ہولی کے بعد ۔"

" تو پکی رہی ۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے بھولا کے دروازے پر جا پہنچے ۔ بھولا بیٹھے ہوئے سُتلی کات رہے تھے ۔ گوبر نے لپک کر ان کے پیر چھوئے اور اس وقت اس کا گلا واقعی بھر آیا " کاکا مجھ سے جو کچھ بھول چوک ہوئی ہو وہ چھما کرو ۔"

بھولا نے سُتلی کاتنا بند کر دیا اور پتھریلی آواز میں بولا ۔'' کام تو تم نے ایسا ہی کیا تھا گوبر کہ تمھارا سر کاٹ لوں تو بھی پاپ نہ لگے گا ، مگر اپنے دوارے پر آئے ہو تو اب کیا کہوں۔ جاؤ جیسا میرے ساتھ کیا اس کا ڈنڈ بھگوان دیں گے ۔ کب آئے ؟،

گوبر نے خوب نمک مرچ لگا کر اپنی تقدیر کے چمکنے کا حال سنایا اور جنگی کو اپنے ساتھ لے جانے کی منظوری چاہی ۔ بھولا کو جیسے بے مانگے بردان مل گیا ۔ جنگی گھر پر ایک نہ ایک فساد کرتا رہتا تھا ۔ باہر چلا جائے گا تو چار پیسے پیدا کر لے گا ۔ نہ کسی کو کچھ دے اپنا بوجھ تو اٹھا لے گا ۔

گوبر نے کہا '' نہیں کاکا ،بھگوان نے چاہا اور ان سے رہتے بنا تو سال دوسال میں آدمی ہو جائیں گے ۔''

'' ہاں جب ان سے رہتے بنے ۔''

'' سر پر آ پڑتی ہے تو آدمی آپ سنبھل جاتا ہے ۔''

'' تو کب تک جانے کا اراداہ ہے ؟''

'' ہولی کر کے چلا جاؤں گا ۔ یہاں کھیتی باڑی کا سلسلہ پھر جمادوں تو بے پھکر ہو جاؤں ۔''

'' ہوری سے کہو کہ اب بیٹھ کر رام رام جپیں ۔''

'' کہتا تو ہوں ،لیکن جب ان سے بیٹھا رہا جائے ۔''

'' وہاں کسی بید سے تو تمھاری جان پہچان ہوگی ۔ کھانسی بہت آ رہی ہے ، ہو سکے تو کوئی دوائی بھیج دینا ۔''

'' ایک نامی بید تو میرے پڑوس ہی میں رہتے ہیں ۔ ان سے حال کہہ کے اور دوا بنوا کر بھیج دوں گا ۔ کھانسی رات کو تنگ کرتی ہے کہ دن کو ؟''

''نہیں بیٹا ، رات کو ۔ آنکھ نہیں لگتی ۔نہیں تو وہاں کوئی ڈول ہو تو میں بھی وہیں چل کر رہوں ۔ یہاں تو کچھ پرتہ نہیں پڑتا ۔''

'' روجگار کا مجا تو وہاں ہے کاکا ،یہاں کیا ہوگا ؟ یہاں روپے کا دس سیر دودھ بھی کوئی نہیں پوچھتا ، حلوائیوں کے گلے لگانا پڑتا ہے ۔ وہاں پانچ چھ سیر کے بھاؤ سے چاہو تو ایک گھڑی میں منوں دودھ بیچ لو ۔''

جنگی گوبر کے لیے دودھیا شربت بنانے چلا گیا تھا۔ بھولا نے تخلیہ دیکھ کر کہا ' اور بھیا، اب اس جنجال سے جی اوب گیا ہے۔ جنگی کا حال دیکھتے ہی ہو کامتا دودھ لے کر جاتا ہے۔ چارا پانی کھولنا باندھنا سب مجھے کرنا پڑتا ہے اب تو یہی چاہتا ہوں کہ سکھ سے کہیں ایک روٹی کھاؤں اور پڑا رہوں۔ کہاں تک ہائے ہائے کروں۔ روج لڑائی جھگڑا، کس کس کے پاؤں سہلاؤں؟ کھانسی آتی ہے، رات کو اٹھا نہیں جاتا، پر کوئی ایک لوٹا پانی کو بھی نہیں پوچھتا۔ پگہی ٹوٹ گئی ہے پر کسی کو اس کی سدھ نہیں ہے جب میں بناؤں گا تبھی بنے گی۔''

گوبر نے یگانگت کے ساتھ کہا '' تم چلو لکھنؤ کاکا، پانچ سیر کا دودھ بیچو نکد۔ کتنے ہی بڑے بڑے آدمیوں سے میری جان پہچان ہے۔ من بھر دودھ کی نکاسی کا جمہ تو میں لیتا ہوں۔ میری چائے کی دکان بھی ہے۔ دس سیر دودھ تو میں ہی روج لیتا ہو۔ تمھیں کسی طرح کی تکلیپھ نہ ہوگی۔''

جنگی شربت لے آیا۔ گوبر نے ایک گلاس پی کر کہا '' تم سانجھ سیرے چائے کی دوکان ہی پر بیٹھ جاؤ کاکا، تو ایک روپیہ کہیں نہیں گیا۔''

بھولا نے ایک منٹ بعد شرماتے ہوئے کہا '' گسے میں بیٹا آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ میں تمھاری گوئی کھول لایا تھا سو لیتے جانا۔ یہاں کون کھیتی باڑی ہوتی ہے۔''

'' میں نے تو ایک نئی گوئی ٹھیک کر لی ہے، کاکا۔''

'' نہیں نہیں، نئی گوئی لے کر کیا کرو گے؟ یہی لیتے جاؤ۔''

'' تو میں تمھارے روپے بھجوادوں گا۔''

'' روپے کہیں باہر تھوڑے ہی ہیں بیٹا، گھر ہی میں تو ہیں۔ برادری کا ڈھکوسلا ہے نہیں تم میں اور ہم میں کون پھرک ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے سکھی ہونا چاہیے تھا کہ جھنیا بھلے گھر میں ہے اور سکھ سے ہے اور میں اس کے کھون کا پیاسا بن گیا تھا۔''

شام کو گوبر وہاں سے چلا تو گوئی اس کے ساتھ تھی اور جنگی دہی کی دو ہانڈیاں لیے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

(۲۱)

دیہاتوں میں سال کے چھ مہینے کسی نہ کسی جشن میں ڈھول مجیرے بجتے ہی رہتے ہیں ۔ ہولی کے ایک ماہ قبل سے ایک ماہ بعد تک پھاگ ہوتا رہتا ہے اساڑہ لگتے ہی آلھا شروع ہوجاتا ہے اور ساون بھادوں میں کجلیاں ہوتی ہیں ۔ کجلیوں کے بعد رامائن شروع ہوجاتی ہے۔ سمری بھی ان مشاغل سے مستثنی نہیں ۔ مہاجن کی دھمکیاں اور کارندوں کی گالیاں اس جشن میں خلل نہیں ڈال سکتیں ۔ گھر میں غلہ نہیں ہے ، بدن پر کپڑا نہیں ہے ، گانٹھ میں پیسہ نہیں ہے ، تو کوئی پرواہ نہیں ۔ زندگی کی تفریحی رغبتیں تو دبائی نہیں جاسکتیں ؛ بلا ہنسے ہوئے تو رہا نہیں جاسکتا۔

یوں تو ہولی میں گانے بجانے کا خاص مقام نوکھے رام کی چوپال تھی ۔ وہیں بھنگ چھنتی تھی ، وہیں رنگ اڑتا تھا ، وہیں ناچ ہوتا تھا ۔ اس جشن میں کارندے صاحب کے دس پانچ روپے خرچ ہوجاتے تھے ۔ اور کس میں یہ سکت تھی کہ اپنے دروازے پر جلسہ کراتا ؟

مگر اب کے گوبر نے گاؤں کے سارے نوجوانوں کو اپنے یہاں کھینچ لیا ہے اور نوکھے رام چوپال خالی پڑی ہے ۔ گوبر کے دروازے پر بھنگ گھٹ رہی ہے ، پان کے بیڑے لگ رہے ہیں ، رنگ گھولا جارہا ہے ۔ فرش بچھا ہوا ہے ، گانا ہورہا ہے اور چوپال میں بالکل سناٹا ہے ۔ بھنگ رکھی ہوئی ہے مگر پیسے کون ؟ ڈھول مجیرا سب موجود ہے مگر گائے بجائے کون؟ جسے دیکھو گوبر کے دروازے کی طرف دوڑا چلا جارہا ہے ۔ یہاں بھنگ میں گلاب ، زعفران اور بادام کی بہار ہے ۔ ہاں سیر بھر بادام گوبر خود لایا ہے ۔ پیتے ہی کلیجہ تر ہوجاتا ہے اور آنکھیں کھل جاتی ہیں ۔ خمیرہ تمباکو بھی لایا ہے ، خاص بسواں کی ۔ رنگ میں بھی کیوڑا ڈالا گیا ہے ۔ وہ روپے کمانا بھی جانتا ہے اور خرچ کرنا بھی ۔ گاڑ کر رکھ لو تو کون دیکھتا ہے ؟ دولت کی یہی تو زیبائش ہے ! اور صرف بھنگ ہی نہیں ہے بلکہ جتنے گویئے ہیں ان سب کا نیوتا بھی ہے اور گاؤں میں نہ ناچنے والوں کی کمی نہیں ہے ، نہ گانے والوں کی اور نہ سوانگ بھرنے والوں کی ۔ سوبھا ہی لنگڑوں کی ایسی نقل کرتا ہے کہ کوئی کیا کرے گا ، اور آواز کی نقل میں تو

اس کا کوئی ثانی نہیں ہے ۔ جس کی بولی کہو اس کی بولے ، انسان کی بھی حیوان کی بھی ! گر دھر بھی نقل کرنے میں بے نظیر ہے ۔ وکیل کی نقل وہ کرے ، پٹورای کی نقل وہ کرے ، تھانیدار، چپراسی ،سیٹھ سبھی کی نقل وہ کرسکتا ہے ۔ ہاں غریب کے پاس ویسا سازو سامان نہیں ہے مگر اب کے گوبر نے اس کے لیے سبھی سامان منگادیا ہے اور اس کی نقلیں دیکھنے کے قابل ہوں گی ۔

یہ چرچا اتنا پھیلا کہ شام ہی سے تماشائیوں کا ہجوم ہونے لگا ۔ قرب وجوار کے گاؤں سے دیکھنے والوں کی ٹولیاں آنے لگیں اور دس بجتے بجتے تین چار ہزار آدمیوں کا مجمع ہوگیا۔اور جب گردھر جھنگری سنگھ کا روپ بھرے ہوئے اپنی منڈلی کے ساتھ آکھڑا ہواتو لوگوں کو کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ ملتی تھی ۔ وہی بے بالوں کا سر وہی بڑی بڑی مونچھیں اور وہی بڑھا اور لٹکتا ہوا پیٹ ۔ بیٹھے کھانا کھارہے ہیں اور پہلی ٹھکرائن بیٹھی پنکھا جھل رہی ہیں۔

ٹھاکر ٹھکرائن کو عاشقانہ انداز سے دیکھ کر کہتے ہیں ۔" اب بھی تمھارے اوپر وہ جوبن ہے کہ کوئی جوان بھی دیکھ لے تو تڑپ جائے ،، اور ٹھکرائن پھول کر جواب دیتی ہے کہ" جبھی تو نئی نویلی لائے ۔"

" اسے تو لایا ہوں تمھاری سیوا کرنے کے لیے وہ تمھاری کیا برابری کرے گی ؟"

دوسری بیوی یہ بات سن لیتی ہے اور منھ پھلا کر چلی جاتی ہے ۔

دوسرے منظر میں ٹھاکر چارپائی پر لیٹے ہیں اور چھوٹی بیوی منھ پھیرے ہوئے زمین پر بیٹھی ہے ۔ ٹھاکر بار بار اس کا منھ اپنی طرف کرنے کی بیکار کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔" مجھ سے کیوں روٹھی ہو ، میری لاڈلی ؟"

" تمھاری لاڈلی جہاں ہو وہاں جاؤ میں تو لونڈی ہوں دوسروں کی سیوا ٹہل کرنے کے لیے آئی ہوں ۔"

" تم میری رانی ہو تمھاری سیوا ٹہل کرنے کے لیے وہ بڑھیا ہے ۔"

پہلی ٹھکرائن سن لیتی ہے اور جھاڑو لے کر گھر میں گھستی ہے اور کئی جھاڑو انھیں رسید کرتی ہے ۔ ٹھاکر جان بچا کر بھاگتے ہیں ۔

پھر دوسری نقل ہوئی جس میں ٹھاکر نے دس روپے کا تمسک لکھا کر پانچ روپے دیئے،بقیہ نذرانہ تحریر ،دستوری اور سود میں کاٹ لیے ۔

کسان آ کر اور ٹھاکر کے پیروں پر گر کر رونے لگتا ہے ۔ بڑی مشکل سے ٹھاکر روپے دینے پر راضی ہوئے ہیں ۔ جب کاغذ لکھ جاتا ہے اور اسامی کے ہاتھ میں پانچ روپے رکھ دیے جاتے ہیں تو وہ چکرا کر پوچھتا ہے'' یہ تو پانچ ہی ہیں ،مالک ! ،،

'' پانچ نہیں دس ہیں ، گھر جا کر گننا ۔''

''نہیں سرکار ، پانچ ہیں ۔''

'' ایک روپیہ نجرانے کا ہوا کہ نہیں ؟''

'' ہاں سرکار ! ،،

ایک لکھائی کا ؟''

'' ہاں ، سرکار! ،،

''ایک کاگد (کاغذ) کا ؟''

''ہاں ،سرکار! ،،

'' ایک دستوری کا ؟''

'' ہاں ، سرکار ! ،،

'' ایک سود کا ؟''

''ہاں ، سرکار ! ،،

'' پانچ نگد، دس ہوئے کہ نہیں ؟''

'' ہاں ، سرکار ! اب یہ پانچوں بھی میری طرپھ سے رکھ لیجیے ۔''

'' کیسا پاگل ہے ؟''

''نہیں سرکار ۔ ایک روپیہ چھوٹی ٹھکرائین کا نجرانہ ہے اور ایک بڑی ٹھکرائن کا ۔ ایک روپیہ چھوٹی ٹھکرائن کے پان کھانے کو اور ایک روپیہ بڑی ٹھکرائن کے پان کھانے کو ۔ رہا ایک روپیہ ،سو وہ آپ کے کِریا کرم کے لیے !''

اسی طرح نوکھے رام ،پٹیشوری ،داتا دین ،سب کی باری باری سے خبر لی گئی ۔ اور پھبتیوں میں خواہ کوئی جدت نہ ہو اور نقلیں چاہے پرانی ہوں، مگر گردھر کا ڈھنگ ایسا ہنسانے والا تھا اور دیکھنے والے اتنے سادہ دل تھے کہ وہ بے بات کی بات میں بھی ہنس پڑتے تھے۔ساری رات یہ نقلیں ہوتی رہیں اور ستائے ہوئے دل اس خیالی بدلے سے خوش ہوتے

رہے ۔ آخری نقل ختم ہوئی تو کوے بول رہے تھے ۔

سویرا ہوتے ہی جسے دیکھو ، اسی کے زبان پر وہی رات کے گانے، وہی نقل ،وہی فقرے ،گاؤں کے مکھیے تماشا بن گئے ۔ جدھر نکلتے ہیں ادھر ہی دو چار لڑکے پیچھے لگ جاتے ہیں اور وہی فقرے کستے ہیں ۔ جھنگری سنگھ تو دل لگی باز آدمی تھے ، اسے محض مذاق سمجھے ۔ مگر پٹیشوری میں چڑھنے کی بری عادت تھی اور پنڈت داتادین تو اتنے تنک مزاج تھے کہ ذرا سی بات میں فوراً لڑنے پر آمادہ ہوجاتے تھے ۔ وہ سب سے آدر پانے کے عادی تھے۔ کارندے کی تو بات ہی کیا ، رائے صاحب انھیں دیکھتے ہی سر جھکادیتے تھے ۔ ان کی ایسی ہنسی اڑائی جائے اور اسی گاؤں میں ، یہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھی ۔ اگر ان میں '' برھمہ تیج ،، (برہمی جلال) ہوتا تو ان ڈشٹوں کو بھسم کردیتے ، ایسا سراپ دیتے کے سب کے سب وہیں بھسم ہوجاتے ۔ مگر اس کلجگ میں تو سراپ کا اثر ہی جاتا رہا ۔ پس انھوں نے بھی کلجگ والا ہتھیار نکالا ۔ ہوری کے دروازے پر گئے اور آنکھیں نکال کر بولے '' کیا آج بھی تم کام کرنے نہ چلو گے ہوری ؟ اب تو تم اچھے ہو گئے ۔ میرا کتنا نکسان ہوگیا ، یہ تم نہیں سوچتے ۔''

گوبر دیر میں سویا تھا ابھی ابھی اٹھا تھا آنکھیں ملتا ہوا باہر آرہا تھا کہ داتادین کی آواز کان میں پڑی۔ پالاگن کرنا تو دور رہا الٹے اور ہیکڑی دکھا کر بولا '' اب وہ تمھاری مجوری نہ کریں گے ہمیں اپنی اوکھ بھی تو بونا ہے۔''

داتا دین نے تمباکو کو پھانکتے ہوئے کہا '' کام کیسے نہیں کریں گے ؟ سال کے بیچ میں کام نہیں چھوڑ سکتے ۔ جیٹھ میں چھوڑنا ہو تو چھوڑ دیں کرنا ہو تو کریں ۔ اس کے پہلے نہیں چھوڑ سکتے ۔''

گوبر نے جماہی لیتے ہوئے کہا '' انھوں نے تمھاری گلامی نہیں لکھی ہے ۔ جب تک من تھا کام کیا اب من نہیں ہے ، نہیں کریں گے ۔ اس میں کوئی جبردستی نہیں کرسکتا ۔''

'' تو ہوری کام نہیں کریں گے ؟''

'' نا!''

'' تو ہمارے روپے سود سمیت دے دو ۔ تین سال کا سود ہوتا ہے سو روپیہ اصل ملا کر دو سو ہوتے ہیں ۔ ہم نے سمجھا تھا کہ تین روپیہ مہینے سود میں کٹتے جائیں گے پر تمھارا من نہیں ہے تو مت کرو ۔ میرے روپے دے دو ۔ دھنا سیٹھ بنتے ہو تو دھنا سیٹھ کا کام کرو ۔''

ہوری نے عاجزی سے کہا '' تمھاری چاکری سے میں کب انکار کرتا ہوں، مہراج؟ پر ہماری اوکھ بھی تو بونے کو پڑی ہے۔''

گوبر نے باپ کو ڈانٹا '' کیسی چاکری اور کس کی چاکری ؟یہاں کوئی کسی کا چاکر نہیں ،سبھی برابر ہیں۔ اچھی دل لگی ہے ! کسی کو سو روپے ادھار دیے اور سود میں عمر بھر کام لیتے رہے ! اصل جیوں کا تیوں ! یہ مہاجنی نہیں ہے کھون چوسنان ہے !''

'' تو روپے دے دو بھیا ، لڑائی کاہے کی ہے ؟ میں آنہ روپیہ بیاج لیتا ہوں تمھیں گاؤں گھر کا سمجھ کر آدھ آنے روپیہ کر دیا تھا۔''

'' ہم تو روپیہ سیکڑہ دیں گے ، ایک کوڑی بیسی نہیں۔ تمھیں لینا ہو تو لو ،نہیں عدالت سے لینا۔ ایک روپیہ سیکڑا بیاج کم نہیں ہوتا۔''

'' معلوم ہوتا ہے کہ روپے کی گرمی ہوگئی ہے۔''

'' گرمی انھیں ہوتی ہے جو ایک کا دس لیتے ہیں ۔ ہم تو مجور ہیں ، ہماری مجوری گرمی پسینے کی راہ بہہ جاتی ہے ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تم نے بیل کے لیے تیس روپے دیے تھے اس کے سو ہوئے ۔ اور اب سو کے دوسو ہو گئے ۔ اسی طرح تم لوگوں نے کسانوں کو لوٹ لوٹ کر مجور بنا ڈالا اور آپ ان کی جمین کے مالک بن بیٹھے ۔تیس کے دوسو ! کچھ ٹھکانا ہے! کتنے دن ہوئے ہوں گے دادا ؟''

ہوری نے غمگین لہجے میں کہا '' یہی آٹھ نو سال ہوئے ہوں گے ۔''

گوبر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا '' نوسال میں تیس روپے کے دوسو۔ ایک روپے کے حساب سے کتنا ہوتا ہے ؟'' اس نے زمین پر ایک ٹھیکرے سے حساب لگا کر کہا '' دس سال میں چھتیس روپے ہوتے ہیں ۔ اصل ملا کر چھا چھٹھ ۔ اُس کے ستر روپے لے لو ۔ اس سے بیسی میں ایک کوڑی نہ دوں گا۔''

داتا دین نے ہوری کو بیچ میں ڈال کر کہا '' سنتے ہو ہوری ، گوبر کا نیاؤ ۔ میں اپنے دوسو روپے چھوڑ کر ستر لے لوں ،نہیں عدالت کروں ۔ اس طرح کا برتاؤ ہوا تو سنسار گے دن چلے گا ؟ اور تم بیٹھے سن رہے ہو ! پر یہ سمجھ لو کہ میں براہمن ہوں ، میرے روپے ہجم کر کے تم چین نہ پاؤگے ۔ میں نے یہ ستر روپے بھی چھوڑے اور عدالت بھی نہ جاؤں گا، اگر میں براہمن ہوں تو اپنے پورے دوسو روپے لے کر دکھا دوں گا اور تم میرے دوارے پر جاؤ گے

اور ہاتھ جوڑ کر دے آؤ گے۔"

داتا دین جھلائے ہوئے لوٹ پڑے۔ گوبر اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ مگر ہوری کے پیٹ میں دھرم کی ہل چل مچی ہوئی تھی۔ اگر ٹھاکر یا بنیے کے روپے ہوتے تو اسے زیادہ فکر نہ ہوتی، مگر برہمن کے روپے! اس کی ایک پائی بھی دب گئی تو ہڈی توڑ کر نکلے گی۔ ایشور نہ کرے برہمن کا گسہ کسی پر گرے۔ گھرانے میں کوئی چلو بھر پانی دینے والا، دیا جلانے والا بھی نہیں رہ جاتا۔ اس کا مذہب پرست دل دہل اٹھا۔ اس نے دوڑ کر پنڈت جی کے پیر پکڑ لیے اور درد بھری آواز میں بولا" مہراج جب تک میں جیتا ہوں میں تمھاری ایک ایک پائی چکا دوں گا۔ لڑکوں کی باتوں پر مت جاؤ۔ معاملہ تو ہمارے تمھارے بیچ میں ہوا ہے، وہ کون ہوتا ہے؟"

داتا دین ذرا نرم پڑے" جرا اس کی جبردستی تو دیکھو، کہتا ہے کہ دو سو روپے کے ستر روپے لو یا عدالت جاؤ، ابھی عدالت کی ہوا نہیں کھائی تبھی۔ ایک بار کسی کے پالے پڑ جائیں گے تو پھر یہ تاؤ نہ رہے گا۔ چار دن سہر میں کیا رہے تانا ساہ ہو گئے۔"

" میں تو کہتا ہوں مہراج کہ میں تمھاری ایک ایک پائی چکاؤں گا۔"

"تو کل سے ہمارے یہاں کام کرنے آنا پڑے گا۔"

" اپنی اوکھ بونا ہے مہراج، نہیں تو تمھارا ہی کام کرتا۔"

داتا دین چلے گئے تو گوبر نے حقارت سے دیکھ کر کہا" گئے تھے دیوتا کو منانے! تمھیں لوگوں نے ان سبھوں کا سوبھاؤ بگاڑ دیا ہے۔ تیس روپے دیے اب دو سو لے گا، اور ڈانٹ اوپر سے بتاوے گا اور تم سے مجوری کراوے گا اور کام کراتے کراتے مار ڈالے گا۔"

ہوری نے اپنے خیال سے سچائی کا پہلو لے کر کہا" دھرم نہ چھوڑنا چاہیے بیٹا، اپنی اپنی کرنی اپنے اپنے ساتھ ہے۔ ہم نے جس بیاج پر روپے لیے وہ تو دینے ہی پڑیں گے۔ پھر بامھن ٹھہرے ان کا پیسہ ہمیں پچے گا؟ ایسا مال تو ان ہی لوگوں کو پچتا ہے۔"

گوبر نے تیوریاں چڑھائیں" دھرم چھوڑنے کو کون کہہ رہا ہے اور کون کہہ رہا ہے کہ بامھن کے پیسے دبالو؟ میں یہی کہتا ہوں کہ اتنا بیاج ہم نہیں دیں گے۔ بنک والے بارہ آنے بیاج لیتے ہیں۔ تم ایک روپیہ لے لو، اور کیا کسی کو لوٹ لوگے؟"

" اِن کا رویاں جو دکھی ہوگا۔"

''ہوا کرے۔''

''بیٹا جب تک میں جیتا ہوں مجھے اپنے رستے چلنے دو۔ جب میں مرجاؤں تو تمھارے جی میں جو آئے وہ کرنا۔''

''تو پھر تمھیں دینا۔ میں تو اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہ ماروں گا۔ میرا گدھا پن تھا کہ تمھارے بیچ میں بولا۔ تم نے کھایا ہے تو بھرو میں کیوں اپنی جان دوں۔''

یہ کہتا ہوا گوبر اندر چلا گیا۔ جھنیا نے پوچھا ''آج سیرے سیرے دادا سے کیوں الجھ پڑے؟''

گوبر نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور آخر میں بولا ''ان کے اوپر رِن کا بوجھ اسی طرح بڑھتا جائے گا۔ میں کہاں تک بھروں گا؟ انھوں نے کما کما کر دوسروں کا گھر بھرا ہے۔ میں کیوں ان کی کھودی ہوئی کھائیں میں پڑوں؟ انھوں نے مجھ سے تو پوچھ کر رِن نہیں لیا اور نہ میرے واسطے لیا، میں اس کا دین دار نہیں ہوں۔'' ادھر مکھیوں میں گوبر کو نیچا دکھانے کی سازش ہورہی تھی۔ یہ لونڈا شکنجے میں نہ کسا گیا تو گاؤں میں ادھم مچا دے گا۔ پیادے سے فرزیں ہوگیا ہے نا، ٹیڑھے تو چلے ہی گا۔ نہ جانے کہاں سے اتنا قانون سیکھ آیا ہے، کہتا ہے کہ روپیہ سیکڑہ سود سے بیسی نہ دوں گا۔ لینا ہو تو لو نہیں عدالت جاؤ۔ رات اس نے سارے گاؤں کے لونڈوں کو اکٹھا کر کے کتنا انرتھ کیا۔ مگر مکھیوں میں بھی حسد کی کمی نہ تھی۔ سبھی اپنے برابری والوں کے مضحکے پر خوش تھے۔ پٹیشوری اور نوکھے رام میں باتیں ہورہی تھیں۔ پٹیشوری نے کہا ''مگر سبھوں کو گھر گھر کا رتی رتی حال معلوم ہے جھنگری سنگھ کو تو سبھوں نے ایسا رگڑا کہ کچھ نہ پوچھو۔ دونوں ٹھکرائینوں کی باتیں سن سن کر لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔''

نوکھے رام نے قہقہہ لگا کر کہا ''مگر نکل سچی تھی۔ میں نے کئی بار ان کی چھوٹی بیگم کو درواجے پر کھڑے ہوئے لونڈوں سے ہنسی کرتے دیکھا ہے۔''

''اور بڑی رانی جی کاجل اور سیندور اور مہاوَر لگا کر جوان بنی رہتی ہیں۔''

''دونوں میں رات دن چھڑی رہتی ہے، جھنگری پکا بے حیا ہے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو پاگل ہوجاتا۔''

''سنا کہ تمھاری بڑی بھدی نکل کی۔ چماری کے گھر میں بند کرا کے پٹوایا۔''

''میں تو بچہ پر لگان کا دعویٰ کر کے ٹھیک کردوں گا۔ وہ بھی کیا یاد کریں گے کہ کسی

سے پالا پڑا تھا!''

''لگان تو اس نے چکا دیا ہے نا؟''

''پر رسید تو میں نے نہیں دی۔ ثبوت کیا ہے کہ لگان چکا دیا؟ اور یہاں کون حساب کتاب دیکھتا ہے؟ آج ہی پیادہ بھیج کر بلاتا ہوں۔'' ہوری اور گوبر دونوں ایکھ بونے کے لیے کھیت سینچ رہے تھے۔ اب کے ایکھ کی کھیتی ہونے کی امید تو تھی نہیں اس لیے کھیت پرتی پڑا ہوا تھا۔ اب بیل آگئے ہیں تو ایکھ کیوں نہ بوئی جائے۔''

مگر دونوں گویا چھتیس کا ہندی عدد (٣٦) بنے ہوئے تھے۔ نہ بولتے تھے نہ تاکتے تھے۔ ہوری بیلوں کو ہانک رہا تھا اور گوبر پر لے رہا تھا۔ سونا اور روپا کھیت میں پانی دوڑا رہی تھیں کہ ان میں جھگڑا ہوگیا۔ جھگڑا یہ تھا کہ جھنگری سنگھ کی چھوٹی ٹھکرائن پہلے خود کھاکر تب ٹھاکر کو کھلاتی ہیں یا ٹھاکر کو کھلا کر تب خود کھاتی ہیں۔ سونا کہتی تھی کہ پہلے وہ آپ کھاتی ہیں۔ روپا کی رائے اس کے خلاف تھی۔

روپا نے جرح کی'' اگر وہ آپ پہلے کھاتی ہیں تو کیوں موٹی نہیں ہیں؟ ٹھاکر کیوں موٹے ہیں؟اگر ٹھاکر ان پر گر پڑے تو وہ پس جائیں۔''

سونا نے اختلاف کیا'' تو سمجھتی ہے کہ اچھا کھانے سے لوگ موٹے ہوجاتے ہیں۔ اچھا کھانے سے لوگ بلوان ہوتے ہیں، موٹے نہیں ہوتے موٹے ہوتے ہیں ساگ پات کھانے سے۔''

تو ٹھکرائن ٹھاکر سے بلوان ہیں؟''

''اور کیا؟ابھی اس دن دونوں میں لڑائی ہوئی تو ٹھکرائن نے ٹھاکر کو ایسا ڈھکیلا کہ گھٹنے پھوٹ گئے۔'' تو تو پہلے آپ کھاکر تب جیجا کو کھلائے گی؟''

''اور کیا؟''

''اماں تو پہلے دادا کو کھلاتی ہیں۔''

''تبھی تو جب دیکھو دادا ڈانٹ دیتے ہیں۔ میں بلوان ہوکر اپنے آدمی کو بس میں رکھوں گی۔ تیرا آدمی تجھے پیٹے گا۔ تیری ہڈی توڑ کر رکھ دے گا۔''

روپا رونی صورت بناکر بولی'' کیوں پیٹے گا؟ میں مار کھانے کا کام ہی نہ کروں گی۔''

''وہ کچھ نہ سنے گا۔ تونے تنک بھی کچھ کہا اور وہ مار چلے گا۔ مارتے مارتے تیری

کھال اڈھیڑ دے گا۔،،

روپا نے بگڑ کر سونا کی ساڑی کو دانتوں سے پھاڑنے کی کوشش کی اور ایسا نہ کر سکنے پر چٹکیاں کاٹنے لگی۔ سونا نے اور چڑھایا ''وہ تیری ناک بھی کاٹ لے گا۔''

اس پر روپا نے بہن کو دانت سے کاٹ لیا۔ سونا کا بازو لہو لہان ہوگیا اس نے روپا کو زور سے ڈھکیل دیا۔ وہ گر پڑی اور اٹھ کر رونے لگی۔ سونا بھی دانتوں کے نشان دیکھ کر رو پڑی۔

ان دونوں کا چلانا دیکھ کر گوبر غصے میں بھرا ہوا آیا اور دونوں کو دو دو گھونسے لگا دیے۔ دونوں روتی ہوئی کھیت سے نکل کر گھر چل دیں۔ سنچائی کا کام رک گیا! اس پر باپ بیٹے میں ایک جھڑپ ہوگئی۔ ہوری نے کہا ''پانی کون چلائے گا؟ دوڑے دوڑے گئے اور دونوں کو بھگا آئے اب جا کر منا کیوں نہیں لاتے؟''

''تم ہی نے ان سب کو بگاڑ رکھا ہے۔''

''اس طرح مارنے سے اور بھی بے سرم ہو جائیں گی۔،،

''دو جو،ن کھانا بند کردو، آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''میں ان کا باپ ہوں کسائی نہیں ہوں۔''

پیر میں ایک بار ٹھوکر لگ جانے کے بعد کسی سبب سے بار بار ٹھوکر لگتی ہے اور کبھی کبھی انگوٹھا پک جاتا ہے اور مہینوں تکلیف دیتا ہے۔ باپ بیٹے کے باہمی خلوص کو آج اسی طرح کی چوٹ لگ گئی تھی اور اب اس پر یہ تیسری چوٹ پڑی۔

گوبر نے گھر جا کر کھیت میں پانی دینے کے لیے جھنیا کو ساتھ لیا۔ جھنیا بچے کو لے کر کھیت میں گئی۔ دھنیا اور اس کی دونوں لڑکیاں بیٹھی تاکتی رہیں۔ ماں کو بھی گوبر کی یہ حرکت بری لگی تھی۔ روپا کو مارتا تو برا نہ مانتی، مگر جوان لڑکی کو مارنا، یہ اس کے برداشت کے باہر تھا۔

آج ہی رات کو گوبر نے لکھنؤ لوٹ جانے کا ارادہ کر لیا۔ یہاں اب وہ نہیں رہ سکتا جب گھر میں اس کی کوئی پوچھ نہیں تو وہ کیوں رہے۔ وہ لین دین کے معاملے میں بول نہیں سکتا۔ لڑکیوں کو تنک مار دیا تو لوگ ایسے جامعے سے باہر ہوگئے جیسے وہ باہر کا آدمی ہے۔ تب وہ اِس گھر میں نہ رہے گا۔

دونوں کھانا کھا کر باہر آئے تھے کہ نوکھے رام کے پیادے نے آ کر کہا ''چلو، کارندے صاحب نے بلایا ہے۔''

ہوری نے گھمنڈ سے کہا ''رات کو کیوں بلاتے ہیں، میں تو لگان دے چکا ہوں۔''

پیادہ بولا۔ ''مجھے تو تمھیں بلانے کا حکم ملا ہے اور جو کچھ کہنا ہو، وہیں چل کر کہنا۔''

ہوری کا جی نہ چاہتا تھا مگر جانا پڑا۔ گوبر بے تعلقی سے بیٹھا رہا۔ آدھ گھنٹے میں ہوری لوٹا اور چلم بھر کر پینے لگا۔ اب گوبر سے رہا نہ گیا پوچھا ''کس مطلب سے بلایا تھا؟''

ہوری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''میں نے پائی پائی لگان چکا دیا اور وہ کہتے ہیں کہ تمھارے اوپر دو سال کی باکی ہے۔ ابھی جس دن میں نے اوکھ بیچی تو پچیس روپے انھیں وہیں دے دیے اور آج وہ دو سال کی باکی نکالتے ہیں۔ میں نے کہہ دیا کہ میں ایک دھیلا نہ دوں گا۔''

گوبر نے پوچھا ''تمھارے پاس رسید تو ہوگی؟''

''رسید کہاں دیتے ہیں۔''

''تو تم بنا رسید لیے روپے کیوں دیتے ہو؟''

''میں کیا جانتا تھا کہ یہ لوگ بے ایمانی کریں گے۔ یہ سب تمھاری کرنی کا پھل ہے۔ تم نے رات کو ان کی ہنسی کی، یہ اسی کا ڈنڈ ہے۔ پانی میں رہ کر مگر سے بیر نہیں کیا جاتا۔ سود لگا کر ستر روپے باکی نکال دیے۔ یہ کس کے گھر سے آویں؟''

گوبر نے اپنی صفائی دیتے ہوئے کہا'' تم نے رسید لے لی ہوتی تو میں لاکھ ان کی ہنسی اڑاتا پر وہ تمھارا بال بھی بیکا نہ کر سکتے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا لین دین میں تم چوکسی سے کیوں کام نہیں لیتے۔ یوں رسید نہیں دیتے تو تم روپیہ ڈاک سے بھیجو۔ یہی تو ہوگا کہ ایک آدھ روپیہ محصول پڑ جائے گا۔ پر اس طرح کی دھاندلی تو نہ ہوگی۔''

''تم نے یہ آگ نہ لگائی ہوتی تو کچھ نہ ہوتا۔ اب تو سب ہی مکھیا بگڑے ہوئے ہیں۔ بید کھلی کی دھمکی دے رہے ہیں۔ رام جانے کیسے بیڑا پار لگے گا۔''

''میں جا کر ان سے پوچھتا ہوں۔''

''تم جا کر اور آگ لگا دو گے۔''

''اگر آگ لگانی پڑے گی تو آگ بھی لگا دوں گا۔ وہ بید کھلی کرتے ہیں تو کریں۔

میں ان کے ہاتھ میں گنگا جلی رکھ کر قسم کھلاؤں گا ۔ تم دم دبا کر بیٹھے رہو ۔ میں اس کے پیچھے جان لڑا دوں گا ۔ میں کسی کا ایک پیسہ دبانہ نہیں چاہتا ، نہ اپنا ایک پیسہ کھونا چاہتا ہوں ۔''

وہ اسی وقت اٹھا اور نو کھے رام کی چوپال میں جا پہنچا ۔ دیکھا تو سبھی لیڈروں کی مجلس جمی ہوئی ہے ۔ گوبر کو دیکھ کر سب کے سب ہوشیار ہو گئے ۔ فضا میں سازش کی سی بو بھری ہوئی تھی ۔

گوبر نے پوچھا یہ کیا بات ہے کارندہ صاحب کہ آپ کو دادا نے حال تک کا لگان چکا دیا اور آپ دو سال کی باکی نکال رہے ہیں ۔ یہ کیسا گول مال ہے ؟

نو کھے رام نے مسند پر لیٹ کر رعب دکھاتے ہوئے کہا '' جب تک ہوری ہے ، میں تم سے لین دین کی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا ۔''

گوبر نے چوٹ کھائی ہوئی آواز میں کہا '' تو میں گھر میں کچھ نہیں ہوں ؟''

'' تم اپنے گھر میں سب کچھ ہوگے ، مگر یہاں تم کچھ بھی نہیں ہو ۔''

'' اچھی بات ہے ، آپ بید کھلی کیجیے ، اب میں عدالت میں تم سے گنگا جلی اٹھوا کر روپے دوں گا ۔ اسی گاؤں سے ایک سو گواہی دلا کر ثابت کردوں گا کہ تم رسید نہیں دیتے ۔ سیدھے سادھے کسان ہیں ، کچھ بولتے نہیں ، تو تم نے سمجھ لیا کہ سب کاٹھ کے الو ہیں ۔ رائے صاحب وہیں رہتے ہیں جہاں میں رہتا ہوں ۔ گاؤں کے سب لوگ انھیں ہوّا سمجھتے ہوں گے ، میں نہیں سمجھتا ۔ رتی رتی حال کہوں گا اور دیکھوں گا کہ تم کیسے مجھ سے دوبارہ روپے وصول کیے لیتے ہو ۔''

اس کی بات میں سچائی کا بل تھا ۔ بزدل لوگوں میں سچائی بھی گونگی ہوجاتی ہے ۔ وہی سیمنٹ جوائینٹ پر چڑھ کر پتھر بن جاتا ہے اگر مٹی پر چڑھا دیا جائے تو مٹی ہوجائے گا ۔ گوبر کی بے باکانہ صاف گوئی نے بدنیتی کی زرہ توڑ ڈالی جسے پہن کر نو کھے رام کا کمزور دل خود کو طاقتور سمجھ رہا تھا ۔

نو کھے رام نے جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کرکے کہا '' تم اتنا گرم کیوں ہو رہے ہو؟ اس میں گرم ہونے کی کون سی بات ہے ؟ اگر ہوری نے روپے دیے ہیں تو کہیں نہ کہیں تو لکھ لیے گئے ہوں گے ۔ میں کل کاغذ نکال کر دیکھوں گا ۔ اب مجھے کچھ کچھ یاد آرہا ہے کہ شاید ہوری نے روپے دیے تھے ۔ تم کھاطر جمع رکھو ۔ اگر روپے یہاں آگئے ہیں تو کہیں

جا نہیں سکتے ۔ تم تھوڑے سے روپیوں کے لیے جھوٹ تھوڑے ہی بولو گے اور نہ میں ہی اتنے روپیوں سے امیر ہوجاؤں گا۔"

گوبر نے چوپال سے آکر ہوری کو ایسے لتاڑا کہ بیچارہ بوڑھا آبدیدہ ہوگیا "تم تو بچوں سے بھی گئے ، بیٹے ہو جو بلی کی میاؤں سن کر رو پڑتے ہیں ۔ میں کہاں کہاں تمھیں بچاتا پھروں گا ۔ میں تمھیں ستر روپے دیے جاتا ہوں ، داتا دین لیں تو دے کر پورے کی رسیدلکھا لینا۔ اس کے اوپر تم نے ایک پیسہ بھی دیا تو مجھ سے ایک پیسہ بھی نہ پاؤ گے ۔ میں پردیس میں اس لیے نہیں پڑا ہوں کہ تم اپنے کولٹواتے رہو اور میں کما کما کر بھرتا رہوں ۔ میں کل چلا جاؤں گا ۔ پر اتنا کہے دیتا ہوں کہ اب کسی سے ایک پیسہ ادھار نہ لینا اور نہ کسی کو کچھ دینا ۔منگرو، دلاری ،داتا دین سبھی سے ایک روپیہ سیکڑا سود کرانا ہوگا ۔"

دھنیا بھی کھانا کھاکر باہر نکل آئی تھی ، بولی "ابھی کیوں جاتے ہو بیٹا ، دوچار دن اور رہ کر اوکھ کی بونی کرالو اور کچھ لین دین کا حساب بھی ٹھیک کرلو تب جانا ۔"

گوبر نے شان جماتے ہوئے کہا "میرا دو تین روپے روج کا گھاٹا ہوزہا ہے یہ بھی سمجھتی ہو؟ یہاں میں بہت بہت کرکے چار آنے کی مجوری ہی تو کرتا ہوں ! اور اب کی میں جھنیا کو بھی لیتا جاؤں گا ۔ وہاں مجھے کھانے پینے کی بڑی تکلیپھ ہوتی ہے ۔"

دھنیا نے ڈرتے ڈرتے کہا ۔" جیسی تمھاری اِچھا ،مگر وہ وہاں کیسے اکیلے گھر سنبھالے گی ۔ کیسے بچے کی دیکھ بھال کرے گی ؟"

"اب بچے کو دیکھوں کہ اپنا سُبھیتا دیکھوں ۔ مجھ سے چولھا نہیں پھونکا جاتا ۔"

"لے جانے کو میں نہیں روکتی ، مگر پردیس میں بال بچوں کو لے کر ، نہ کوئی آگے نہ پیچھے ، سوچو کتنا جھنجھٹ ہے ۔"

"پردیس میں بھی ساتھی نکل ہی آتے ہیں اماں ! اور یہ تو مطلب کی دنیا ہے جس کے ساتھ چار پیسے گم کھاؤ وہی اپنا ۔ کھالی ہاتھ تو ماں باپ بھی نہیں پوچھتے ۔"

دھنیا اس حملے کو سمجھ گئی ۔ وہ سر سے پاؤں تک جل اٹھی ۔ بولی "ماں باپ کو بھی تم نے انھیں پیسے کے یاروں میں سمجھ لیا ۔"

"آنکھوں دیکھ رہا ہوں ۔"

"نہیں دیکھ رہے ہو ۔ ماں باپ کا دل اتنا کڑا نہیں ہوتا ، ہاں لڑکے البتہ جہاں چار

پیسے کمانے لگے کہ ماں باپ سے آنکھیں پھیر لیں ۔ اسی گاؤں میں ایک دو نہیں ، دس بیس کو دکھا دوں ۔ ماں باپ ادھار لیتے ہیں تو کس کے لیے ؟ لڑکوں ، لڑکیوں ہی کے لیے کہ اپنے آرام اڑانے کے لیے ؟''

'' کیا جانے تم نے کس کے لیے ادھار لیا ۔ میں نے تو ایک پیسہ بھی نہیں جانا ۔''

'' بنا پالے ہی اتنے بڑے ہوگئے ؟''

'' پالنے میں تمھارا لگا ہی کیا ؟ جب تک بچہ تھا دودھ پلا دیا ۔ پھر لاوارث کی طرح چھوڑ دیا ۔ جو سب نے کھایا وہی میں نے کھایا ۔ میرے لیے دودھ نہیں آتا تھا ۔ مکھن نہیں آتا تھا ۔ اور اب بھی تم چاہتی ہو اور دادا بھی چاہتے ہیں کہ میں سارا رِن چکاؤں ، لگان دوں اور لڑکیوں کا بیاہ کروں ۔ جیسی میری جندگی تمھارا دینا بھرنے کے لیے ہے ۔ میرے بھی تو بال بچے ہیں ۔''

دھنیا سناٹے میں آگئی ۔ ایک ہی لمحے میں اس کی زندگی کا میٹھا سپنا ٹوٹ سا گیا ۔ اب تک وہ دل میں خوش تھی کہ اب اس کا دکھ دلدّر سب دور ہو گیا ۔ جب سے گوبر گھر آیا اس کے چہرے پر ہنسی کچھ کھیلتی سی رہتی تھی ۔ اس کے کلام میں مٹھاس اور برتاؤ میں فراخ دلی آ گئی تھی ۔ بھگوان نے اس پر دیا کی تھی تو اسے سر جھکا کر چلنا چاہیے ۔ اندر کا سکون باہر کی شرافت بن گیا تھا ۔ یہ الفاظ جلتے ہوئے بالو کی طرح دل پر پڑے اور چنے کی طرح سارے ارمان جھلس گئے ۔ اس کا سارا گھمنڈ چور چور ہوگیا ۔ اتنا سن لینے کے بعد اب زندگی میں کیا لطف رہ گیا ۔ جس کشتی پر بیٹھ کر زندگی کے سمندر کو پار کرنا چاہتی تھی ، جب وہی ٹوٹ گئی تو کس سکھ کے لیے جیے ؟

لیکن نہیں ، اس کا گوبر اتنا مطلبی نہیں ہے ۔ اس نے کبھی ماں کی بات کا جواب نہیں دیا، کبھی کسی بات کے لیے ہٹ نہیں کی ، جو کچھ روکھا سوکھا مل گیا وہی کھا لیتا تھا ۔ وہی بھولا بھالا پریم کا پتلا آج کیوں ایسی دل توڑنے والی باتیں کہہ رہا ہے ؟ اس کی طبیعت کے خلاف تو کسی نے کچھ نہیں کہا ۔ ماں باپ دونوں ہی اس کا منھ تاکتے رہتے ہیں ۔ اس نے آپ ہی لین دین کی بات چلائی ، ورنہ اس سے کون کہتا کہ ماں باپ کا قرضہ ادا کر ؟ ماں باپ کے لیے یہی کیا کم سکھ ہے کہ وہ عزت آبرو کے ساتھ بھلے لوگوں کی طرح کماتا کھاتا ہے ۔ اس سے کچھ ہو سکے تو ماں باپ کی مدد کرے نہیں ہو سکتا تو ماں باپ اس کا گلا نہ دبائیں

گے۔جھنیا کو لے جانا چاہتا ہے تو خوشی سے لے جائے ۔ دھنیا نے صرف اس کی بھلائی کے خیال سے کہا تھا کہ جھنیا کو وہاں لے جانے میں اسے جتنا آرام ملے گا، اس سے کہیں زیادہ جھنجھٹ بڑھ جائے گا ۔ اس میں ایسی کون سی لگنے والی بات تھی کہ وہ اتنا بگڑ اٹھا۔ ہونہ ہو یہ آگ جھنیا نے لگائی ہے ۔ وہی بیٹھے بیٹھے اسے یہ منتر پڑھا رہی ہے۔ یہاں بناؤ سنگار کرنے کو نہیں ملتا ، گھر کا کچھ نہ کچھ کام بھی کرنا پڑتا ہے ۔ وہاں روپے پیسے ہاتھ میں آئیں گے تو آرام سے اچھا کھائے گی ، اچھا پہنے گی ، اور پاؤں پھیلا کر سوئے گی ۔ دو آدمیوں کی روٹی پکانے میں کیا لگتا ہے ۔ وہاں تو پیسہ چاہیے ۔ سنا ہے کہ ہاٹ میں پکائی روٹیاں مل جاتی ہیں۔ یہ سارا بکھیڑا اسی نے کھڑا کیا ہے ۔ سہر میں کچھ دنوں رہ بھی چکی ہے۔ وہاں کا دانہ پانی منھ لگا ہوا ہے ۔ یہاں کوئی پوچھتا نہ تھا ۔ یہ بھوندومل گیا تو اسے پھنسا لیا۔ جب یہاں پانچ مہینے کا پیٹ لے کر آئی تھی تب کیسے میاؤں میاؤں کرتی تھی ۔ تب یہاں ٹھکانا نہ ملا ہوتا تو آج کہیں بھیک مانگتی پھرتی ! یہ اسی نیکی کا بدلہ ہے ! اسی چڑیل کے پیچھے ڈنڈ دینا پڑا ۔ برادری میں بدنامی ہوئی ، کھیتی ٹوٹی ، ساری درگت ہوئی ، اور آج یہ چڑیل جس پتّل میں کھاتی ہے ، اسی میں چھید کر رہی ہے ۔ پیسے دیکھے تو آنکھ ہو گئی ۔ تبھی اینٹھی اینٹھی پھرتی ہے ، مجاج نہیں ملتا ۔ آج لڑکا چار پیسے کمانے لگا ہے ۔ اتنے دنوں بات نہیں پوچھی تو ساس کے پاؤں دبانے کے لیے تیل لیے دوڑتی پھرتی تھی ۔ ڈائن اس کی جندگی کی پونجی کو اس کے ہاتھ سے چھین لینا چاہتی ہے ۔

دکھ بھری آواز میں بولی '' یہ منتر تمھیں کون دے رہا ہے بیٹا ؟ تم تو ایسے نہ تھے ۔ ماں باپ تمھارے ہی ہیں ، بہنیں تمھاری ہی ہیں ، گھر تمھارا ہی ہے ۔ یہاں باہر کا کون ہے ؟ اور کیا ہم بہت دن بیٹھے رہیں گے ؟ گھر کی آبرو بنائے رہو گے تو تم ہی کو سکھ ہوگا۔ آدمی گھر والوں ہی کے لیے پیسہ کماتا ہے کہ اور کسی کے لیے ۔ اپنا پیٹ تو سور بھی پال لیتا ہے ۔ میں نہ جانتی تھی کہ جھنیا ناگن بن کر ہمیں کو ڈسے گی ۔''

گوبر نے بگڑ کر کہا '' اماں میں نادان نہیں ہوں کہ جھنیا مجھے منتر پڑھائے ۔ تم اسے ناحک کوس رہی ہو ۔ تمھاری گرستی کا سارا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا تمھاری مدد کروں گا ۔ پر اپنے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ڈال سکتا ۔''

جھنیا بھی کوٹھری سے نکل کر بولی '' اماں ، جُلاہے کا گُسّہ داڑھی پر نہ اتارو ۔ کوئی بچہ

نہیں ہے کہ میں چھوڑ لوں گی ۔ اپنا برا بھلا سب سمجھتے ہیں ۔ آدمی اسی لیے جنم نہیں لیتا کہ عمر بھر تپسیا کرتا ہے اور ایک دن چھوچھے ہاتھ مر جائے ۔ سب جینے کا کچھ سکھ چاہتے ہیں ۔ سب کا جی چاہتا ہے کہ ہاتھ میں چار پیسے ہوں ۔"

دھنیا نے دانت پیس کر کہا " بہت گیان نہ بگھار ! آج تو بھی اپنا بھلا برا سوچنے لائق ہوگئی ہے ۔ یہاں آکر میرے پاؤں پر سر رکھ کر رو رہی تھی ۔ تب اپنا بھلا برا نہیں سوجھا تھا ؟ اس گھڑی ہم بھی اپنا بھلا برا سوچنے لگتے تو آج تیرا کہیں پتہ نہیں ہوتا ۔"

اس کے بعد جنگ چھڑ گئی ۔طعنے مہنے ، گالی گلوج ،تھُکّا فضیحت ،کوئی بات نہ بچی ۔ گوبر بھی بیچ بیچ میں ڈنک مارتا جاتا تھا ۔ ہوری بروتھے میں بیٹھا سب کچھ سن رہا تھا ۔ سونا اور روپا آنگن میں سر جھکائے کھڑی تھیں ۔ دلاری ، پنیا اور کئی عورتیں بیچ بچاؤں کرنے آ پہنچی تھیں ۔ گرج کے درمیان کبھی کبھی بوندیں بھی پڑ جاتی تھیں ۔ دونوں ہی اپنے اپنے بھاگ کو رو رہی تھیں ۔ دونوں ہی ایشور کو کوس رہی تھیں اور دونوں ہی اپنا اپنا بے قصور ہونا ثابت کررہی تھیں ۔ جھنیا گڑے مردے اکھاڑ رہی تھی ۔ آج اسے ہیرا اور سوبھا سے خالص ہمدردی ہوگئی تھی ۔جنھیں دھنیا نے کہیں کا نہ رکھا تھا ۔ دھنیا کی آج تک کسی سے نہ پٹی تھی تو جھنیا سے کیسے پٹ سکتی ہے ؟ دھنیا اپنی صفائی دینے کی کوشش کررہی تھی ۔ شاید اس لیے کہ جھنیا ضبط کو ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی اور دھنیا آپے سے باہر تھی ، شاید اس لیے بھی کہ جھنیا اب کمانے والے مرد کی بیوی تھی اور اسے خوش رکھنا زیادہ قرین مصلحت تھا ۔

تب ہوری نے آنگن میں آکر کہا " میں تیرے پاؤں پڑتا ہوں دھنیا ، چپ رہ ! میرے منھ میں کالکھ نہ لگا ۔ ہاں ابھی جی نہ بھرا ہو تو اور سن ۔"

دھنیا پھنکارتی ہوئی ادھر دوڑی ۔" تم بھی موٹی ڈال پکڑنے چلے ۔ میں ہی دکھی ہوں ، وہ تو میرے اوپر پھول برسا رہی ہے ۔"

جنگ کا میدان بدل گیا ۔

"جو چھوٹوں کے منھ لگے وہ چھوٹا ۔"

دھنیا کس دلیل سے جھنیا کو چھوٹا مان لے ۔

ہوری نے رنجیدگی سے کہا ۔" اچھا وہ چھوٹی نہیں بڑی سہی ۔ جو آدمی نہیں رہنا چاہتا تو کیا اسے باندھ کر رکھے گی ؟ ماں باپ کا دھرم ہے لڑکے کو پال پوس کر بڑا کر دینا ۔ وہ ہم کر

چکے۔ ان کے ہاتھ پاؤں ہوگئے۔ اب تو کیا چاہتی ہے کہ وہ دانہ چارہ لاکر تجھے کھلا دیں؟ ماں باپ کا دھرم سولہوں آنے لڑکوں کے ساتھ ہے، لڑکوں کا ماں باپ کے ساتھ ایک آنہ بھی دھرم نہیں ہے۔ جو جاتا ہے اسے اسیس دے کر بدا کردے۔ ہمارا بھگوان مالک ہے۔ جو کچھ بھوگنا بدا ہے بھوگیں گے۔ چالیس سات، سینتالیس اسی طرح روتے دھوتے کٹ گئے، دس پانچ سال ہیں وہ بھی یوں ہی کٹ جائیں گے۔''

ادھر گوبر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اب اس گھر کا پانی بھی اس کے لیے حرام ہے۔ ماں ہوکر جب اسے ایسی ایسی باتیں کہے تو اب وہ اس کا منہ بھی نہ دیکھے گا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس کا بستر بندھ گیا۔ جھنیا نے بھی چندری پہن لی۔ مُنّو بھی ٹوپ اور فراک پہن کر راجا بن گیا۔

ہوری نے بھرے گلے سے کہا ''بیٹا، تم سے کچھ کہنے کا منہ تو نہیں ہے، پر جی نہیں مانتا۔ کیا جرا جاکر اپنی ابھاگنی ماتا کے پاؤں چھولوگے تو کچھ برا ہوگا؟ جس ماتا کی کوکھ سے جنم لیا اور جس کا لہو پی کر پلے ہو کیا اس کے ساتھ اتنا بھی نہیں کر سکتے؟''

گوبر نے منہ پھیر کر کہا ''میں اسے اپنی ماتا نہیں سمجھتا۔''

ہوری نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا ''جیسی تمھاری اِچھا۔ جہاں رہو سکھی رہو۔''

جھنیا نے ساس کے پاس جاکر اس کے پیروں کو آنچل سے چھوا۔ دھنیا کے منہ سے دعا کا ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ اس نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا نہیں۔ گوبر بچے کو گود میں لیے آگے آگے تھا اور جھنیا بستر بغل میں دبائے پیچھے پیچھے۔ ایک چمار کا لڑکا صندوق لیے ہوئے تھا۔ گاؤں کے کئی مرد گوبر کو پہنچانے گاؤں کے باہر تک گئے۔

اور دھنیا بیٹھی رو رہی تھی جیسے کوئی اس کے دل کو آرے سے چیر رہا ہو۔ اس کی ممتا اس گھر کی مانند ہو رہی تھی جس میں آگ لگی ہو اور سب کچھ جل کر خاک ہوگیا ہو۔ بیٹھ کر رونے کے لیے بھی جگہ نہ بچی ہو۔

(۲۲)

ادھر کچھ دنوں سے رائے صاحب کی لڑکی کے بیاہ کی بات چیت ہو رہی تھی ۔ چناؤ بھی سر پر آپہنچا تھا مگر ان سب سے زیادہ ضروری انھیں دیوانی کا ایک مقدمہ دائر کرنا تھا ۔ جس کی کورٹ فیس ہی پچاس ہزار ہوتی تھی اور اوپر سے خرچ الگ ۔ رائے صاحب کے سالے جو اپنے ریاست کے واحد اکیلے وارث تھے عین شباب میں موٹر کے لڑ جانے میں فوت ہو گئے تھے ۔ اور رائے صاحب اپنے کنوارے لڑکے کی طرف سے اس ریاست پر قبضہ پانے کے لیے قانون کی پناہ لینا چاہتے تھے ۔ ان کے چچا زاد سالوں نے ریاست پر قبضہ کر رکھا تھا اور رائے صاحب کو ان میں سے کوئی حصہ دینے کو تیار نہ تھے ۔ رائے صاحب نے بہت چاہا کہ باہمی مفاہمت ومصالحت ہو جائے اور ان کے چچا زاد سالے معقول گزارہ لے کر ہٹ جائیں، حتیٰ کے وہ ریاست کی نصف آمدنی چھوڑنے پر راضی تھے ۔ مگر ان کے سالوں نے کسی طرح کا سمجھوتہ منظور نہیں کیا اور صرف طاقت کے زور سے ریاست میں تحصیل وصول کا شروع کردی۔ رائے صاحب کو عدالت جانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا ۔ مقدمے میں لاکھوں کا خرچ تھا مگر ریاست بھی بیس لاکھ سے کم مالیت کی نہ تھی ۔ وکلاء نے یقینی طور سے کہہ دیا تھا کہ آپ کی شرطیہ ڈگری ہوگی ۔ ایسا موقع کون چھوڑ سکتا تھا ؟ مشکل یہی تھی کہ یہ تینوں کام ایک ساتھ آپڑے تھے اور انھیں کسی طرح ٹالا نہ جاسکتا تھا ۔ لڑکی کی عمر اٹھارہ برس کی ہوگئی تھی اور صرف ہاتھ میں روپیہ نہ رہنے کے سبب اس کا بیاہ ٹلتا جاتا تھا ۔ خرچ کا اندازہ ایک لاکھ تھا ۔ جس کے پاس جاتے وہی بڑا سا منھ کھولتا ، مگر حال میں ایک بڑا اچھا موقع ہاتھ آگیا تھا ۔ کنور دِگ وجے سنگھ کی بیوی تپ دق کی نذر ہو چکی تھی اور کنور صاحب اپنے اجڑے گھر کو جلد سے جلد آباد کر لینا چاہتے تھے ۔ سودا بھی کفایت سے طے ہوگیا ۔ اور کہیں شکار ہاتھ سے نکل نہ جائے اسی لیے اسی لگن میں بیاہ ہونا نہایت ضروری تھا ۔ کنور صاحب نفس پرستیوں کے غلام تھے ۔ شراب ،گانجا ،افیون ، مدک ، چرس ، ایسا کوئی نشہ نہ تھا جس کے عادی نہ ہوں اور عیاشی تو رئیس کی زینت ہی ہے ۔ وہ رئیس ہی کیا جو عیاش نہ ہو؟ روپیہ اور خرچ ہی کیسے کیا جائے؟

مگر ان سب بری عادتوں کے ہوتے ہوئے بھی ان میں وہ قابلیت تھی کہ بڑے بڑے علماء ان کا لوہا مانتے تھے۔ موسیقی، ناٹک ،ہاتھ دیکھنا ، جوتش ، لاٹھی ،کشتی ،نشانہ بازی وغیرہ فنوں میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی بڑے دبدبے والے اور بے خوف تھے۔ قومی تحریکوں میں دل کھول کر مدد دیتے تھے مگر پوشیدہ طریقے پر۔ حکام سے یہ بات چھپی نہ تھی پھر بھی ان کی بڑی عزت تھی اور سال میں دو ایک بار گورنر صاحب بھی ان کے مہمان ہوتے تھے۔ عمر تیس بتیس سال سے زیادہ نہ تھی اور صحت تو ایسی تھی کہ تنہا ایک بکرا کھاکر ہضم کر ڈالتے تھے۔ رائے صاحب نے سمجھا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ ابھی کنور صاحب سولھواں وغیرہ سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رائے صاحب نے گفتگو شروع کردی۔ کنور صاحب کے لیے بیاہ صرف اپنا اثر اور زور بڑھانے کا ذریعہ تھا۔ رائے صاحب کونسل کے ممبر تھے ہی ، یوں ہی با اثر تھے۔ قومی جنگ میں اپنا تیاگ دکھلا کر عقیدت عامہ کے مستحق بھی بن چکے تھے۔ بیاہ طے ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوسکتی تھی اور وہ طے بھی ہوگیا۔

رہا چناؤ ، وہ سونے کی کٹار تھی جسے نہ اگلتے بنتا تھا نہ نگلتے۔ اب تک وہ دو مرتبہ چنے جاچکے تھے اور دونوں ہی دفعہ ایک ایک لاکھ کی چپت پڑ چکی تھی۔ مگر اب کے ایک راجا صاحب اسی علاقے سے کھڑے ہوگئے تھے اور ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دیا تھا کہ چاہے ایک ایک ووٹر کو ایک ایک ہزار ہی کیوں نہ دینا پڑے اور چاہے پچاس لاکھ کی ریاست بُرد ہو جائے مگر رائے امر پال سنگھ کو کونسل میں نہ جانے دوں گا اور ان سے حکام نے اپنی امداد کا وعدہ بھی کر رکھا تھا۔ رائے صاحب فہیم تھے ،چالاک تھے اور اپنا نفع سمجھتے تھے۔ مگر راجپوت تھے اور رئیس تھے ، یہ چیلنج پاکر میدان سے کیسے ہٹ جائیں؟ یوں ان راجا سورج پرتاپ سنگھ نے آکر کہا ہوتا کہ بھائی صاحب آپ تو دو بار کونسل میں جاچکے ، اب کے مجھے جانے دیجیے تو شاید رائے صاحب نے ان کا خیر مقدم کیا ہوتا۔ کونسل کا لالچ اب انھیں نہ تھا مگر اس چیلنج کے سامنے خم ٹھوکنے کے سوا اور کوئی چارا نہ تھا۔ ایک مصلحت اور تھی۔ مسٹر تنخا نے انھیں یقین دلایا تھا کہ آپ کھڑے ہوجایئے پھر بعد کو راجا صاحب سے ایک لاکھ کی تھیلی لے کر بیٹھ جایئے گا۔ انھوں نے یہاں تک کہاں کہ راجا صاحب بڑی خوشی سے ایک لاکھ دے دیں گے ، میری ان سے بات چیت ہو چکی ہے۔ مگر اب معلوم ہوا کہ راجا صاحب رائے صاحب کو ہرانے کا افتخار نہیں چھوڑنا چاہتے اور اس کا خاص سبب تھا رائے صاحب کی لڑکی کی شادی

کا کنور صاحب سے طے ہونا ۔ دو باثر گھرانوں کا میل ، وہ اپنی شان کے لیے مضر سمجھتے تھے۔ ادھر رائے صاحب کو سسرالی جائداد ملنے کی قوی امید تھی ۔ راجا صاحب کے پہلو میں یہ کانٹا بھی بری طرح کھٹک رہا تھا ۔ کہیں وہ جائداد انھیں مل گئی ۔ اور قانون رائے صاحب کے مواقف تھا ہی ، تب تو راجا صاحب کا ایک مدِ مقابل کھڑا ہو جائے گا ۔ پس ان کا یہ فرض تھا کہ وہ رائے صاحب کو کچل ڈالیں اور ان کی عزت خاک میں ملا دیں ۔

بے چارے رائے صاحب بڑی سنکٹ میں پڑ گئے تھے ۔انھیں یہ شک ہونے لگا تھا کہ مسٹر ٹنخا نے صرف اپنا مطلب نکالنے کے لیے انھیں دھوکا دیا ۔ یہ خبر بھی ملی تھی کہ اب وہ راجا صاحب کے پیروکار ہو گئے ہیں ۔ یہ رائے صاحب کے زخم پر نمک تھا ۔ انھوں نے کئی بار ٹنخا کو بلایا تھا مگر وہ یا تو گھر پر ملتے ہی نہ تھے یا آنے کا وعدہ کرکے بھول جاتے تھے ۔ آخر آج وہ خود ان سے ملنے کا ارادہ کرکے ان کے یہاں جا پہنچے۔ اتفاق سے ٹنخا گھر پر مل گئے ، مگر رائے صاحب کو پورے گھنٹہ بھر تک ان کا انتظار کرنا پڑا ۔ یہ وہی ٹنخا ہیں جو رائے صاحب کے دروازے پر روزانہ ایک بار حاضری دیا کرتے تھے ۔ آج اتنا مزاج ہوگیا ہے ، جلے بیٹھے تھے ۔ جیوں ہی مسٹر ٹنخا آراستہ پیراستہ ہوکر منھ میں سگار دبائے ہوئے کمرے میں آئے اور ہاتھ بڑھایا کہ رائے صاحب نے بم چھوڑ دیا '' میں گھنٹہ بھر سے یہاں بیٹھا ہوا ہوں اور آپ نکلتے نکلتے اب نکلے ہیں ! میں اسے اپنی توہین سمجھتا ہوں ۔''

ٹنخا نے ایک صوفے پر بیٹھ کر بے پروائی سے دھواں اڑاتے ہوئے کہاں '' مجھے اس کا افسوس ہے میں ایک ضروری کام میں لگا ہوا تھا ۔ آپ کو فون کرکے مجھ سے وقت طے کرلینا چاہیے تھا ۔''

آگ میں گھی پڑ گیا ، مگر رائے صاحب نے غصے کو ضبط کیا ۔ وہ لڑنے نہ آئے تھے ۔ اس توہین کو پی جانے ہی کا موقع تھا ، بولے '' ہاں یہ غلطی ہوئی آج کل آپ کو بہت کم فرصت رہتی ہے شاید ؟''

'' جی ہاں بہت کم ، ورنہ میں ضرور آتا ۔''

'' میں اسی معاملے کے بارے میں آپ سے پوچھنے آیا تھا ۔ سمجھوتے کی تو کوئی امید نہیں معلوم ہوتی ۔ ادھر تو لڑائی کی تیاریاں بہت زوروں سے ہو رہی ہیں ۔''

'' راجا صاحب کو تو آپ جانتے ہیں ، جھگڑو آدمی ہیں ۔ پورے سنکی ! کوئی نہ کوئی دُھن

سوار رہتی ہے ۔ آج کل یہی دھن ہے کہ رائے صاحب کو نیچا دکھا کر رہیں گے اور انھیں جب ایک دُھن سوار ہوجاتی ہے تو پھر کسی کی نہیں سنتے ، خواہ کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے ۔ کوئی چالیس لاکھ کا بار سر پر ہے پھر بھی وہی دم خم ہے وہی اناپ شناپ خرچ ہے ۔ پیسے کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں ۔ نوکروں کی تنخواہ چھ چھ مہینے سے پڑی ہوئی ہے ۔ مگر ہیرا محل بن رہا ہے۔ سنگ مرمر کا تو فرش ہے۔ پچی کاری ایسی ہوئی ہے کہ آنکھ نہیں ٹھہرتی ۔ افسروں کے پاس روز ڈالیاں جاتی رہتی ہیں۔ سنا ہے کہ کوئی انگریز مینیجر رکھنے والے ہیں ۔''

'' پھر آپ نے کیسے کہہ دیا تھا کہ آپ کوئی سمجھوتہ کرادیں گے ۔''

'' مجھ سے جو کچھ ہوسکتا تھا وہ میں نے کیا ۔ اس کے سوا میں اور کیا کرسکتا تھا ؟ اگر کوئی شخص اپنے دو چار لاکھ روپے پھونکنے ہی پر تلا ہوا ہے تو میرا کیا بس ؟''

رائے صاحب اب غصے کو ضبط نہ کر سکے بولے'' خصوصاً جب اس دو چار لاکھ میں سے دس بیس ہزار آپ کے ہتھے چڑھنے کی بھی امید ہو ۔''

تنخا اب کیوں دبتے ؟ بولے'' رائے صاحب ! اب صاف صاف نہ کہلایئے ۔ یہاں نہ میں سنیاسی ہوں نہ آپ۔ ہم سبھی کچھ نہ کچھ کمانے نکلے ہیں ۔ آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے کی تلاش آپ کو بھی اتنی ہی ہے جتنی مجھے ۔ آپ سے میں نے کھڑے ہونے کو کہا ۔ آپ ایک لاکھ کے لالچ سے کھڑے ہو گئے ۔ اگر گوٹی لال ہوجاتی تو آج آپ ایک لاکھ کے مالک ہوتے اور بلا ایک پائی قرض لیے کنور صاحب سے رشتہ بھی قائم ہوجاتا اور مقدمہ بھی دائر ہوجاتا ۔ مگر آپ کی بدقسمتی سے وہ چال پٹ پڑ گئی ۔ جب وہی یوں رہ گئے تو مجھے کیا ملتا ؟ آخر میں نے جھک مار کر ان کی دم پکڑی۔ کسی نہ کسی طرح اس بیترنی کو تو پار کرنا ہی ہے ۔''

رائے صاحب کو ایسا غصہ آرہا تھا کہ اس بدمعاش کو گولی ماردیں۔ اسی نے سبز باغ دکھا کر کھڑا کیا اور اب اپنی صفائی دے رہا ہے ، پیٹھ میں دھول بھی نہیں لگنے دیتا ! مگر اب موقع محل دیکھ کر زبان بند کیے ہوئے تھے ۔

'' تو اب آپ کے کیے کچھ نہیں ہوسکتا ۔''

'' ایسا ہی سمجھیے ۔''

'' میں پچاس ہزار پر بھی سمجھوتہ کرنے کو تیار ہوں ۔''

'' راجا صاحب کسی طرح نہ مانیں گے۔''

'' پچیس ہزار پر تو مان جائیں گے۔''

'' کوئی امید نہیں۔ وہ صاف کہہ چکے ہیں۔''

'' وہ کہہ رہے ہیں یا آپ کہہ رہے ہیں ؟''

'' آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں ؟''

رائے صاحب نے انکسار سے کہا '' میں آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتا مگر اتنا ضرور سمجھتا ہوں کہ آپ چاہتے تو معاملہ ہوجاتا۔''

'' تو آپ کا خیال ہے کہ میں نے معاملہ نہیں ہونے دیا۔''

'' نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آپ چاہتے تو کام ہوجاتا اور میں اس پریشانی میں نہ پڑتا۔''

تنخا نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا '' تو رائے صاحب اگر آپ صاف کہلانا چاہتے ہیں تو سنیے۔ اگر آپ نے دس ہزار کا چیک میرے ہاتھ میں رکھ دیا ہوتا تو آج یقیناً آپ ایک لاکھ کے مالک ہوتے۔آپ شاید چاہتے ہوں گے کہ جب آپ کو راجا صاحب سے روپے مل جاتے تو آپ مجھے ہزار دو ہزار دے دیتے۔ تو میں ایسی کچی گولیاں نہیں کھیلتا۔ آپ راجا صاحب سے روپے لے کر سیلف میں رکھتے اور مجھے انگوٹھا دکھا دیتے۔ پھر میں آپ کا کیا بنا لیتا، بتلائیے ؟ کہیں نالش فریاد بھی تو نہ کرسکتا تھا۔''

رائے صاحب نے جیسے چوٹ کھائی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔'' آپ مجھے اتنا بے ایمان سمجھتے ہیں؟''

تنخا نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا '' اسے بے ایمانی کون سمجھتا ہے۔ آج کل یہی چالاکی ہے کہ کیسے دوسروں کو الو بنایا جائے۔ یہی کامیاب طریقہ ہے اور آپ اس کے استاد کامل ہیں۔''

رائے صاحب نے مٹھی باندھ کر کہا '' میں ؟''

'' جی ہاں، آپ! پہلے چناؤ میں میں نے آپ کی دل وجان سے پیروی کی تو آپ نے بڑی مشکل سے رو دھو کر پانچ سو روپے دیے۔ پھر دوسرے چناؤ میں آپ نے ایک سڑا گلا، ٹوٹا پھوٹا، موٹر دے کر اپنا گلا چھڑایا۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔''

وہ کمرے سے نکل گئے اور موٹر لانے کا حکم دیا۔

رائے صاحب کا خون کھول رہا تھا۔ اس بدتہذیبی کی بھی کوئی حد ہے۔ ایک تو گھنٹہ بھر انتظار کرایا اور اب اتنی بے مروتی سے پیش آ کر انھیں جبراً گھر سے نکال رہا ہے۔ اگر انھیں یقین ہوتا کہ وہ مسٹر ٹنخا کو پٹک سکتے ہیں تو کبھی نہ چوکتے۔ مگر ٹنخا قد و قامت میں ان سے سوا گنا تھے۔ جب ٹنخا نے ہارن بجایا تو یہ بھی آ کر اپنے موٹر میں بیٹھے اور سیدھے مسٹر کھنا کے پاس پہنچے۔

نو بج رہے تھے مگر کھنا صاحب خواب شیریں کے مزے لے رہے تھے۔ وہ دو بجے رات کے پہلے کبھی نہ سوتے تھے اور پھر قدرتاً نو بجے دن تک سوتے رہتے تھے۔ یہاں بھی رائے صاحب کو آدھا گھنٹہ بیٹھنا پڑا۔ اس لیے جب کوئی ساڑھے نو بجے مسٹر کھنا مسکراتے ہوئے نکلے تو رائے صاحب نے ڈانٹ بتائی "اچھا، اب سرکار کی آنکھ کھلی ہے، ساڑھے نو بجے! روپے جمع کر لیے ہیں نا، جبھی یہ بے فکری ہے۔ میری طرح تعلقدار ہوتے تو اب تک آپ بھی کسی کے دروازے پر کھڑے ہوتے۔ بیٹھے بیٹھے سر میں چکر آ جاتا۔"

کھنا نے سگرٹ کیس ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "رات سونے میں بڑی دیر ہوگئی۔ اس وقت کدھر سے آ رہے ہیں؟"

رائے صاحب نے تھوڑے لفظوں میں اپنی ساری مشکلیں بیان کر دیں۔ دل میں کھنا کو گالیاں دیتے تھے جو ان کا ہم سبق ہو کر بھی ہمیشہ ان کو ٹھگنے کی فکر میں لگا رہتا تھا، مگر سامنے ان کی خوشامد کرتے تھے۔

کھنا نے ایسی شکل بنائی گویا انھیں بڑی تشویش ہوگئی بولے "میری تو صلاح ہے کہ آپ چناؤ کو گولی ماریں اور اپنے سالوں پر مقدمہ دائر کریں۔ رہا بیاہ وہ تو تین دن کا تماشا ہے۔ جس کے لیے زیر بار ہونا مناسب نہیں۔ کنور صاحب میرے دوستوں میں ہیں۔ پس لینے دینے کا کوئی سوال نہ اٹھنے پائے گا۔"

رائے صاحب نے طنز سے کہا۔ "آپ یہ بھولے جاتے ہیں، مسٹر کھنا میں بینکر نہیں، تعلقدار ہوں۔ کنور صاحب جہیز نہیں مانگتے انھیں ایشور نے سب کچھ دیا ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ میری ایک اکیلی لڑکی ہے اور اس کی ماں مر چکی ہے۔ وہ آج زندہ ہوتی تو شاید یہ سارا گھر لٹا کر بھی اس کا جی نہ بھرتا، اس وقت میں شاید اسے ہاتھ روک کر خرچ

کرنے کا حکم دیتا۔لیکن اب تو میں ماں بھی ہوں ، باپ بھی ہوں ۔ اور اگر مجھے اپنے دل کا خون بھی نکال کر دینا پڑے تو میں خوشی سے دے دوں گا ۔ اس مجرد زندگی میں میں نے اولاد کی محبت ہی میں اپنے دل کی پیاس بجھائی ہے ۔ دونوں بچوں کے پیار ہی میں میں نے متوفیہ کے متعلق اپنی دفا شعاری کو نبھایا ہے ۔ میرے لیے ناممکن ہے کہ اس مبارک موقع پر اپنے دل کے ارمان نہ نکالوں ۔ میں اپنے دل کو تو سمجھا سکتا ہوں مگر جسے میں متوفیہ کا حکم سمجھتا ہوں اسے نہیں ٹال سکتا ۔ اور چناؤ کے میدان سے بھاگنا بھی میرے لیے ناممکن ہے ۔ میں جانتا ہوں کہ میں ہاروں گا ، راجا صاحب سے میرا کوئی مقابلہ نہیں ہے ، پھر راجا صاحب کو اتنا ضرور دکھا دینا چاہتا ہوں کہ امر پال سنگھ کوئی ملائم چارہ نہیں ہے ۔''

'' اور مقدمہ دائر کرنا تو ضروری ہی ہے ؟''

'' اسی پر تو سارا دار و مدار ہے۔ اب آپ بتایئے کہ آپ میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟''

'' میرے ڈائرکٹروں کا اس بارے میں جو حکم ہے ، آپ جانتے ہی ہیں اور راجا صاحب بھی ہمارے ڈائرکٹر ہیں ، یہ بھی آپ کو معلوم ہی ہے ۔ پچھلا روپیہ وصول کرنے کے لیے بار بار تاکید ہورہی ہے ،کوئی ، نیا معاملہ تو شاید ہی ہو سکے ۔''

رائے صاحب نے اداس ہوکر کہا '' آپ تو میری ناؤ ہی ڈبائے دیتے ہیں مسٹر کھنا!''

'' میرے پاس جو کچھ اپنا ہے وہ آپ کا ہے ،مگر بینک کے معاملے میں تو مجھے مالکوں کا حکم ہی ماننا پڑے گا ۔''

'' اگر یہ جائداد ہاتھ آگئی ، جس کی مجھے پوری امید ہے تو میں پائی پائی ادا کردوں گا ۔''

'' آپ بتلا سکتے ہیں اس وقت آپ پر کتنا قرض ہے ؟'' رائے صاحب نے ہچکتے ہوئے کہا '' پانچ لاکھ سمجھیے ، کچھ کم ہی ہوگا ۔'' کھنا نے بے اعتباری سے کہا '' یا تو آپ کو یاد نہیں یا آپ چھپا رہے ہیں ۔''

رائے صاحب نے زور دے کر کہا '' جی نہیں ، نہ میں بھولا ہوں اور نہ چھپا رہا ہوں۔میری جائداد اس وقت کم از کم پچاس لاکھ کی ہے اور سسرال کی جائداد بھی اس سے کم نہیں ہے ۔ اتنی جائداد پر دس پانچ لاکھ کا بار کچھ نہ ہونے کے برابر ہے ۔''

'' مگر یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سسرال والی جائداد پر قرض نہیں ہے ؟''

'' جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بالکل بے داغ ہے ۔''

'' اور مجھے خبر ملی ہے کہ اس پر دس لاکھ سے کم کا بار نہیں ہے ۔ اس جائداد پر تو اب کچھ ملنے سے رہا۔ آپ کی جائداد پر بھی میرے خیال میں دس لاکھ سے کم قرض نہیں ہے۔ اور وہ جائداد اب پچاس لاکھ کی نہیں بلکہ مشکل سے پچیس لاکھ کی ہے ۔ ایسی حالت میں کوئی بینک آپ کو قرض نہیں دے سکتا ۔ یوں سمجھ لیجیے کہ آپ آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر کھڑے ہیں ۔ ایک ہلکی سی ٹھوکر آپ کو تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی ہے۔ آپ کو اس وقت بہت سنبھل کر چلنا چاہیے۔''

رائے صاحب نے ان کا ہاتھ اپنی طرف کھینچ کر کہا '' میرے دوست ! یہ سب میں خوب سمجھتا ہوں ! مگر زندگی کی ٹریجیڈی اس کے سوا اور کیا ہے کہ آپ کا دل جو کام نہیں کرنا چاہتا وہ آپ کو کرنا پڑے گا۔ آپ کو اس موقع پر میرے لیے کم سے کم دو لاکھ کا بندوبست کرنا پڑے گا۔''

کھنا نے لمبا سانس لے کر کہا '' مائی گاڈ ، دو لاکھ ! غیر ممکن ، بالکل غیر ممکن !''

''میں تمھارے دروازے پر سر پٹک کر جان دے دوں گا ۔ کھنا ، اتنا سمجھ لو ! میں نے تمھارے بھروسے یہ سارے منصوبے باندھے ہیں ۔ اگر تم نے مایوس کر دیا تو شاید مجھے زہر کھالینا پڑے ۔ میں سورج پرتاپ سنگھ کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیک سکتا ۔لڑکی کا بیاہ ! ابھی دوچار مہینے ٹل سکتا ہے ، مقدمہ دائر کرنے کے لیے بھی ابھی کافی وقت ہے ، مگر چناؤ سر پر آ گیا ہے اور مجھے سب سے بڑی فکر یہی ہے ۔''

کھنا نے حیرت سے کہا '' تو آپ چناؤ میں دو لاکھ لگا دیں گے ؟''

'' چناؤ کا سوال نہیں ہے بھئی ، یہ عزت کا سوال ہے ۔ کیا آپ کی رائے میں میری عزت دو لاکھ کی بھی نہیں ؟ میری ساری ریاست بک جائے اس کا غم نہیں ، مگر سورج پرتاپ سنگھ کو میں آسانی سے جیتنے نہ دوں گا۔''

کھنا نے ایک منٹ دھواں اڑانے کے بعد کہا '' بینک کی جو حالت ہے وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دی ۔ بینک نے ایک طرح سے لین دین کا کام بند کر دیا ہے ۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کے ساتھ خاص رعایت کی جائے مگر کاروبار تو کاروبار ہی ہے ، یہ آپ کو معلوم ہے ۔ میرا کمیشن کیا رہے گا ؟ مجھے آپ کے لیے خاص طور پر سفارش کرنی پڑے گی ۔ راجا صاحب کا دوسرے ڈائرکٹروں پر کتنا اثر ہے ، یہ بھی آپ جانتے ہیں۔ مجھے ان کے

خلاف پارٹی بندی کرنی پڑے گی ۔ یوں سمجھ لیجیے کہ میری ذمہ داری ہی پر معاملہ ہوگا ۔''

رائے صاحب کا چہرا اتر گیا ۔ کھنا ان کے خاص دوستوں میں تھے ۔ ساتھ کے پڑھے ہوئے ، ساتھ کے بیٹھنے والے ۔ اور وہ ان سے کمیشن کی امید رکھتے ہیں ۔ اتنی بے مروتی ! آخر وہ جو اتنے دنوں سے کھنا کی خوشامد کرتے آتے ہیں ۔ تو کس دن کے لیے ؟ باغ میں پھل ہوں ۔ ترکاریاں ہوں ، سب سے پہلے کھنا کے یہاں بھیجتے ہیں ۔ کوئی جشن ہو ، کوئی جلسہ ہو ، سب سے پہلے کھنا کو مدعو کرتے ہیں اس کا یہ جواب ہے !

اداس ہوکر بولے '' آپ کی جو مرضی ہو ، مگر میں آپ کو اپنا بھائی سمجھتا تھا ۔''

کھنا نے ممنوعیت کے لہجے سے کہا '' یہ آپ کی مہربانی ہے ۔ میں نے بھی آپ کو ہمیشہ اپنا بڑا بھائی سمجھا ہے اور اب بھی سمجھتا ہوں ۔ کبھی آپ سے کوئی پردہ نہیں رکھا ۔ مگر کاروباری فضا ایک اور ہی فضا ہے ۔ جہاں کوئی کسی کا دوست نہیں کوئی کسی کا بھائی نہیں ۔ جس طرح میں بھائی کے ناتے آپ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے دوسروں سے زیادہ کمیشن دیجیے اسی طرح آپ کو بھی میرے کمیشن میں رعایت کے لیے اصرار نہ کرنا چاہیے ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں جتنی رعایت آپ کے ساتھ کرسکتا ہوں اتنی کروں گا ۔ آپ دفتر کے وقت آئیں اور لکھا پڑھی کردیں ۔ بس معاملہ ختم ! آپ نے کچھ اور سنا ؟ مہتا صاحب آج کل مالتی پر بے طرح ریجھے ہوئے ہیں ۔ ساری فلاسفری نکل گئی ۔ دن میں ایک دو بار ضرور حاضری دے آتے ہیں ۔ اور شام کو اکثر دونوں ساتھ ساتھ گھومنے نکلتے ہیں ۔ یہ تو میری ہی شان تھی کہ کبھی مالتی کے دروازے پر سلام کرنے نہ گیا ۔ شاید اب اسی کی کسر نکال رہی ہے ۔ کہاں تو یہ حال تھا کہ جو کچھ ہیں مسٹر کھنا ہیں ۔ کوئی کام ہوتا تو کھنا کے پاس دوڑی آتیں ۔ جب روپیوں کی ضرورت پڑتی تو کھنا کے نام رقعہ آتا ۔ اور کہاں اب مجھے دیکھ کر منھ پھیر لیتی ہیں ۔ میں نے خاص انھیں کے لیے فرانس سے ایک گھڑی منگوائی تھی ۔ بڑے شوق سے لے کر گیا مگر نہیں لی ۔ ابھی کل میووں کی ڈالی بھیجی تھی ۔ کشمیر سے منگوائے تھے ۔ واپس کردی ۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ آدمی اتنی جلدی کیسے بدل جاتا ہے ۔''

رائے صاحب دل میں تو ان کی بے قدری پر خوش ہوئے مگر ہمدردی دکھا کر بولے '' اگر یہ بھی مان لیں کہ مہتا سے انھیں محبت ہوگئی ہے تو قطع مراسم کی تو کوئی وجہ نہیں ہے ۔''

کھنا نے افسوس سے کہا '' یہی تو رنج ہے ۔ بھائی صاحب ! یہ تو میں شروع ہی سے

جانتا تھا کہ وہ میرے ہاتھ نہیں آسکتیں ۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں کبھی اس کے دھوکے میں نہیں پڑا کہ مالتی کو مجھ سے محبت ہے ۔ محبت جیسی چیز ان سے مل سکتی ہے ، اس کی میں نے کبھی امید ہی نہیں کی ۔ میں تو صرف ان کے روپ کا پجاری ہوں ۔ سانپ میں زہر ہے ، یہ جانتے ہوئے بھی ہم اسے دودھ پلاتے ہیں ۔ طوطے سے زیادہ بے مروت جانور اور کون ہوگا ؟ لیکن اس کی شکل اور اس کی آواز پر گرویدہ ہوکر لوگ اسے پالتے ہیں اور سونے کے پنجڑے میں رکھتے ہیں ۔ میرے لیے بھی مالتی اسی طوطے کی طرح تھی ۔ افسوس یہی ہے کہ میں پہلے کیوں نہ ہوشیار ہوگیا ۔ اس کے لیے میں نے ہزاروں روپے برباد کر دیے ۔ بھائی صاحب ۔ جب اس کا پرزہ پہنچا میں نے فوراً روپے بھیجے ۔ میرا موٹر آج بھی اس کی سواری میں ہے ۔ اس کے پیچھے میں نے اپنا گھر چوپٹ کر دیا ۔ بھائی صاحب ، دل میں جتنا رس تھا وہ اوسر کی طرف اتنی زور سے بہا کہ دوسری طرف کا باغ بالکل خشک ہی رہ گیا ۔ برسوں ہو گئے کہ میں نے گوبندی سے کھول کر بات بھی نہیں کی ۔ اس کی خدمت اور محبت اور قربانی سے مجھے اسی طرح بدمزگی ہوگئی تھی جیسے بدہضمی کے مریض کو حلوے سے ہوجاتی ہے ۔ مالتی مجھے اسی طرح نچاتی تھی ۔ جیسے مداری بندر کو نچاتا ہے ، اور میں خوشی سے ناچتا تھا ۔ وہ میری توہین کرتی تھی اور میں خوش ہوکر ہنستا تھا ۔ وہ مجھ پر حکومت کرتی تھی اور میں سر جھکاتا تھا ۔ اس نے کبھی مجھے منھ نہیں لگایا ۔ یہ میں مانتاہوں ، اس نے کبھی میری حوصلہ افزائی نہیں کی ، یہ بھی سچ ہے ۔ پھر بھی پتنگے کی طرح اس کے چہرے کی چمک پر جان دیتا تھا ۔ اور اب وہ مجھ سے اخلاق کا برتاؤ بھی نہیں کرسکتی ! لیکن صاحب ، میں یہ کہے دیتا ہوں کہ کھنا چپ بیٹھنے والا آدمی نہیں ہے ۔ اس کے رقعے میرے پاس محفوظ ہیں ۔ میں اس سے ایک ایک پائی وصول کر لوں گا ۔ اور ڈاکٹر مہتا کو تو میں لکھنؤ سے نکال کر دم لوں گا ان کا یہاں رہنا ناممکن کردوں گا .. .. .. "

اسی وقت ہارن کی آواز آئی اور ایک لمحے میں مسٹر مہتا آکر کھڑے ہوگئے ۔ گورا چٹا رنگ ، صحت کی سرخی گالوں پر چمکتی ہوئی ، لمبی اچکن ، چوڑی دار پاجامہ اور سنہری عینک ، شرافت کے اوتار سے معلوم ہوتے تھے ۔ کھنا نے اٹھ کر ہاتھ ملایا " آیئے مسٹر مہتا ، آپ ہی کا ذکر ہورہا تھا ۔ "

مہتا نے دونوں صاحبوں سے ہاتھ ملا کر کہا " بڑی اچھی ساعت گھر سے چلا تھا کہ آپ

دونوں صاحبوں سے ایک ہی جگہ ملاقات ہوگئی ۔ آپ نے اخباروں میں دیکھا ہوگا کہ یہاں عورتوں کے لیے ایک ورزش گاہ بنانے کی تجویز ہو رہی ہے ۔ مس مالتی اس کمیٹی کی صدر ہیں۔ اندازہ کیا گیا کہ اس کی تعمیر میں دو لاکھ روپے لگیں گے ۔ شہر میں اب اس کی کتنی ضرورت ہے ، یہ آپ لوگ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ چندہ دینے والوں میں آپ دونوں صاحبوں کا نام سب سے اوپر ہو ۔ مس مالتی خود آنے والی تھیں ، مگر آج ان کے والد کی طبیعت اچھی نہیں ہے ۔ اس لیے نہیں آسکیں ۔''

انھوں نے چندے کے فہرست رائے صاحب کے ہاتھ میں رکھ دی ۔ پہلا نام راجا سورج پرتاپ سنگھ کا تھا ۔ سامنے پانچ ہزار روپے کی رقم درج تھی ۔ اس کے بعد کنور دِگ وجے سنگھ کے تین ہزار روپے تھے ۔ اس کے بعد کئی رقمیں اتنی ہی یا کچھ کم تھیں ۔ مالتی نے پانچ سو روپے دیے تھے ۔ اور ڈاکٹر مہتا نے ایک ہزار۔

رائے صاحب نے شرما کر کہا '' کوئی چالیس ہزار تو آپ لوگوں نے کر ہی لیے ۔''

مہتا فخر سے بولے '' یہ آپ سب لوگوں کی مہربانی ہے ، اور یہ صرف تین گھنٹے کی محنت کا نتیجہ ہے ۔ راجا سورج پرتاپ سنگھ نے شاید ہی کسی رفاہ کے کام میں حصہ لیا ہو ۔ مگر آج انھوں نے بلا کہے سنے چک لکھ دیا ۔ ملک میں بیداری ہے ۔ پبلک کسی بھی نیک کام میں مدد دینے کو تیار ہے ۔ صرف اسے یقین ہونا چاہیے کہ اس کی خیرات کا جائز استعمال ہوگا۔ آپ سے مجھے بڑی امید ہے ، مسٹر کھنا ۔''

کھنا نے بے پروائی سے کہا ۔'' میں ایسے فضول کاموں میں نہیں پڑتا۔ نہ جانے آپ لوگ مغرب کی غلامی میں کہاں تک بڑھتے جائیں گے ۔ یوں ہی عورتوں کو خانہ داری سے نفرت ہو رہی ہے اور ورزش کی دھن سوار ہوئی تو وہ اور بھی کہیں کی نہ رہیں گی ۔ جو عورت گھر کا کام کرتی ہے ۔ اس کے لیے ورزش کی ضرورت نہیں ، اور جو گھر کا کوئی کام نہیں کرتی اور صرف عیش و آرام میں محو ہے ۔ اس کی ورزش کے لیے چندہ دینا میں ادھرم سمجھتا ہوں۔''

مہتا ذرا بھی بے دل نہیں ہوئے ۔'' ایسی حالت میں آپ سے کچھ مانگوں گا بھی نہیں ۔ جس تجویز میں ہمارا یقین نہ ہو اس میں کسی طرح کی امداد دینا واقعی ادھرم ہے ۔ آپ تو مسٹر کھنا سے متفق نہیں ہیں ۔ رائے صاحب ؟''

رائے صاحب بڑے سوچ میں پڑے ہوئے تھے ۔ سورج پرتاپ سنگھ کے پانچ ہزار ان

کا حوصلہ پست کیے ڈالتے تھے۔ چونک کر بولے'' آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟''

'' میں نے کہا آپ تو اس کام میں امداد دینا ادھرم نہیں سمجھتے ؟''

'' جس کام میں آپ شریک ہیں وہ دھرم ہے یا ادھرم میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔''

'' میں چاہتا ہوں کہ آپ خود غور کریں اور اگر آپ اس تجویز کو سماج کے لیے مفید سمجھیں تو اس میں مدد دیں۔''

'' مسٹر کھنا کا طرز عمل مجھے پسند آیا۔''

کھنا بولے'' میں تو صاف کہتا ہوں اسی لیے بدنام ہوں۔''

رائے صاحب نے کمزور مسکراہٹ کے ساتھ کہا'' مجھ میں تو سوچنے کی سکت نہیں ہے۔ شرفا کی تقلید کرنا ہی میں اپنا دھرم سمجھتا ہوں۔''

'' تو لکھیے کوئی اچھی رقم۔''

'' جو کہیے وہ لکھ دوں۔''

'' جو آپ کی خوشی۔''

'' آپ جو کہیے وہ لکھ دوں۔''

'' تو دو ہزار سے کم کیا لکھیے گا۔''

رائے صاحب نے مجروح لہجے میں کہا'' تو آپ کی نگاہ میں میری یہی حیثیت ہے؟''

انھوں نے قلم اٹھایا اور اپنا نام لکھ کر اس کے آگے پانچ ہزار لکھ دیے۔ مہتا نے فہرست ان کے ہاتھ سے لے لی! مگر انھیں اتنا رنج ہوا کہ رائے صاحب کا شکریہ بھی ادا کرنا بھول گئے۔ رائے صاحب کو چندے کی فہرست دکھا کر انھوں نے برا کیا، یہ سوچ کر انھیں افسوس ہوا۔

مسٹر کھنا نے انھیں ترحمانہ نظر سے دیکھا گویا کہہ رہے ہوں'' کتنے بڑے گدھے ہو تم!''

دفعتاً مہتا، رائے صاحب کے گلے سے لپٹ گئے۔ اور زور سے بولے'' رائے صاحب کے لیے تالیاں! ہپ ہپ ہُرّا!''

کھنا نے کھسیا کر کہا'' یہ لوگ راجے مہاراجے ٹھہرے، یہی ان کاموں میں دان نہ دیں تو کون دے؟''

مہتا بولے'' میں تو آپ کو راجاؤں کا راجا سمجھتا ہوں۔ آپ ان پر حکومت کرتے

ہیں۔ان کی چوٹی آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

رائے صاحب خوش ہو گئے۔'' یہ آپ نے بڑے معرکے کی بات کہی ، مہتا جی ، اصلی راجا تو ہمارے بینکر لوگ ہیں۔''

مہتا نے کھنا کی خوشامد کا پہلو اختیار کیا '' مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے ، کھنا جی۔ آپ ابھی اس کام میں شریک نہیں ہونا چاہتے تو نہ سہی ، لیکن کبھی نہ کبھی آپ ضرور شرکت کریں گے ۔ امیروں کی بدولت ہی ہماری بڑی بڑی تحریکیں چل رہی ہیں ۔ قومی تحریکوں کو دو تین سال تک اس دھوم دھام سے کس نے چلایا ؟ اتنے دھرم شالے اور پاٹھ شالے کون بنوا رہا ہے ؟ آج دنیا کی حکومت کی باگ ڈور بینکروں کے ہاتھ میں ہے ۔ سرکاریں ان کے ہاتھ کا کھلونا ہیں ۔ میں ابھی آپ سے نا امید نہیں ہوں ۔ جو شخص قوم کے لیے جیل جاسکتا ہے اس کے لیے دو چار ہزار خرچ کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ۔ ہم نے طے کیا ہے کہ اس عمارت کا بنیادی پتھر گوبندی دیوی کے ہاتھوں سے رکھا جائے ۔ ہم دونوں جلد ہی گورنر صاحب سے بھی ملیں گے اور مجھے یقین ہے کہ ہمیں ان کی مدد مل جائے گی ۔ لیڈی ولسن کو نسوانی تحریکوں سے کتنی ہمدردی ہے ، یہ آپ جانتے ہیں راجا صاحب اور دیگر اصحاب کی بھی رائے تھی کہ لیڈی ولسن ہی سے سنگ بنیاد رکھا جائے مگر بالآخر یہی طے ہوا کہ یہ سب کام کسی اپنی ہی بہن کے ہاتھوں ہونا چاہیے ۔ آپ کم از اس موقع پر تشریف لائیں گے ضرور ؟''

کھنا نے مضحکہ اڑایا '' ہاں جب لارڈ ولسن آئیں گے تو میرا پہنچنا لازمی ہی ہے ۔ اس طرح آپ بہت سے رئیسوں کو پھنسا لیں گے ۔ آپ لوگوں کو لٹکے بھی خوب سوجھتے ہیں ۔ اور ہمارے رئیس ہیں بھی ۔ اسی لائق انھیں الو بنا کر مونڈا جاسکتا ہے ۔''

'' جب روپیہ ضرورت سے زیادہ ہوجاتا ہے تو اپنے لیے نکلنے کا راستہ تلاش کرتا ہے ۔ یوں نہ نکل پائے تو قمار بازی میں جائے گا ۔ گھوڑ دوڑ میں جائے گا ، اینٹ پتھر میں جائے گا یا عیاشی میں جائے گا۔''

گیارہ بجنے کو تھے ۔ کھنا صاحب کے دفتر کا وقت آگیا ۔ مہتا چلے گئے۔ رائے صاحب بھی اٹھے کہ کھنا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھا لیا ۔'' نہیں ، آپ ذرا بیٹھیے ۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مہتا نے مجھے اس بری طرح پھانسا ہے کہ نکلنے کی کوئی سبیل ہی نہیں رہی ۔ گوبندی سے سنگ بنیاد رکھائیں گے ۔ ایسی حالت میں میرا الگ رہنا مضحکہ انگیز ہے یا نہیں؟

گوبندی کیسے رضا مند ہوگئی ، یہ میری سمجھ میں نہیں آتا ، اور مالتی نے اسے کیسے برداشت کر لیا یہ سمجھنا اور بھی مشکل ہے ۔ آپ کا کیا خیال ہے ، اس میں کوئی راز ہے یا نہیں ؟"

رائے صاحب نے اپناوا جتایا ۔" ایسے معاملوں میں عورت کو ہمیشہ اپنے خاوند سے صلاح لے لینی چاہیے ۔"

کھنا نے رائے صاحب کو تشکرانہ نگاہوں سے دیکھا ۔" ان ہی باتوں پر گوبندی سے میرا جی جلتا ہے اور اس پر لوگ مجھی کو برا کہتے ہیں ۔ آپ ہی سوچیے مجھے ان جھگڑوں سے کیا واسطہ ؟ ان میں تو وہ پڑے جس کے پاس فالتو روپیہ ہو ، فالتو وقت ہو ، اور نام ونمود کی ہوس ہو ۔ ہونا یہی ہے کہ دو چار لوگ سکرٹری اور انڈر سکریٹری اور پریسیڈنٹ اور وائس پریسیڈنٹ بن کر افسروں کو دعوتیں دیں گے ، ان کے منظور نظر بنیں گے ۔ اور یونیورسٹی کی چھوکریوں کو جمع کر کے گل چھرے اڑائیں گے ۔ ورزش تو صرف دکھانے کے دانت ہیں ۔ ایسی تحریکوں میں ہمیشہ یہی ہوتا ہے اور یہی ہوگا ، اور الو بنیں گے ہم اور ہمارے بھائی جو دولتمند کہلاتے ہیں ، اور یہ سب گوبندی کے سبب !"

وہ ایک بار کرسی سے اٹھے ، پھر بیٹھ گئے ۔ گوبندی پر ان کا غصہ بڑھ رہا تھا ۔ انھوں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کہا ۔" میں نہیں سمجھتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے ۔"

رائے صاحب نے ہاں میں ہاں ملائی ۔" کچھ نہیں آپ گوبندی دیوی سے صاف کہہ دیں کہ تم مہتا کو انکار کا خط لکھ دو چلو چھٹی ہوئی ۔ میں تو لاگ ڈانٹ میں پھنس گیا ۔ آپ کیوں پھنسیں ؟"

کھنا نے لمحہ بھر اس تجویز پر غور کر کے کہا ۔" لیکن سوچیے تو کتنا مشکل کام ہے ، لیڈی وِلسن سے اس کا ذکر آچکا ہوگا ۔ سارے شہر میں خبر پھیل گئی ہوگئی اور شاید آج اخباروں میں نکل جائے ۔ یہ سب مالتی کی شرارت ہے ۔ اسی نے مجھے زچ کرنے کا یہ ڈھنگ نکالا ہے ۔"

" ہاں معلوم تو یہی ہوتا ہے ۔"

" وہ مجھے ذلیل کرنا چاہتی ہے ۔"

" آپ بنیاد رکھنے کے ایک روز قبل باہر چلے جایئے گا ۔"

" مشکل ہے ، رائے صاحب کہیں منہ دکھانے کی جگہ نہ رہے گی ۔ اس دن تو مجھے ہیضہ بھی ہو جائے تو مجھے وہاں جانا پڑے گا ۔"

رائے صاحب آس باندھے کل آنے کا وعدہ کر جیوں ہی باہر نکلے کہ کھنا نے اندر جا کر گوبندی کو آڑے ہاتھوں لیا '' تم نے اس ورزش گاہ کی بنیاد رکھنا کیوں منظور کیا ۔''

گوبندی کیسے کہے کہ یہ وقار پا کر وہ دل میں کتنا خوش ہو رہی تھی ، اس موقع کے لیے کتنی توجہ سے اپنی تقریر لکھ رہی تھی اور ایک جوشیلی نظم بھی تیار کی تھی ۔ اس نے دل میں سمجھا تھا کہ یہ تجویز منظور کر کے وہ کھنا کو خوش کر دے گی۔ اس کی توقیر تو اس کے شوہر ہی کی توقیر ہے ۔ کھنا کو اس میں کوئی اعتراض ہوسکتا ہے ، اس کا اسے سان گمان بھی نہ تھا ۔ ادھر کئی دنوں سے شوہر کو کچھ مہربان دیکھ کر اس کا حوصلہ بڑھنے لگا تھا وہ اپنی تقریر سے اور اپنی نظم سے لوگوں کو محو بنانے کا خواب دیکھ رہی تھی ۔

یہ سوال سنا اور کھنا کی صورت دیکھی تو اس کا دل دھڑک اٹھا ۔ خطاوار کی طرح بولی '' ڈاکٹر مہتا نے اصرار کیا تو میں نے منظور کر لیا ۔''

'' ڈاکٹر مہتا تمھیں کنوئیں میں گرنے کو کہیں تو شاید اتنی خوشی سے نہ تیار ہوگی ۔''

گوبندی کی زبان بند !

'' تمھیں جب ایشور نے عقل نہیں دی تو کیوں مجھ سے نہیں پوچھ لیا ؟ مہتا اور مالتی دونوں یہ چال چل کر مجھ سے دو چار ہزار روپے اینٹھنے کی فکر میں ہیں اور میں نے ٹھان لی ہے کہ ایک کوڑی بھی نہ دوں گا ۔ تم آج ہی مہتا کو انکار کا خط لکھ دو ۔''

گوبندی نے ایک لمحہ سوچ کر کہا '' تمھیں لکھ دو نا ۔''

'' میں کیوں لکھوں ؟ بات کی تم نے اور لکھوں میں !؟''

'' ڈاکٹر صاحب سبب پوچھیں گے تو کیا بتاؤں گی ؟''

''بتانا اپنا سر اور کیا ! میں اس عشرت گاہ کو ایک کوڑی بھی نہیں دینا چاہتا ۔''

''تو تمھیں کچھ دینے کو کون کہتا ہے ؟''

کھنا نے ہونٹ چبا کر کہا '' کیسی بیوقوفوں کی سی بات کرتی ہو تم ۔ تم وہاں بنیاد رکھو گی اور کچھ دوں گی نہیں تو دنیا کیا کہے گی ؟''

گوبندی نے جیسے سنگین کی نوک پر کہا '' اچھی بات ہے لکھ دوں گی ۔''

'' آج ہی لکھنا ہوگا ۔''

'' کہہ تو دیا لکھ دوں گی ۔''

کھنا باہر آئے اور ڈاک دیکھنے لگے۔ انھیں دفتر جانے میں دیر ہو جاتی تھی تو چپراسی گھر ہی پر ڈاک دے جاتا تھا۔ شکر گراں ہوگئی ہے۔ کھنا کا چہرا کھل اٹھا۔ دوسرا خط کھولا ایکھ کا نرخ مقرر کرنے کے لیے جو کمیٹی بنی تھی۔ اس نے طے کر دیا کہ ایسی بندش نہیں کی جاسکتی۔ دھت تری کی! وہ پہلے ہی یہی بات کہہ رہے تھے مگر اس اگنہو تری نے غل مچا کر جبراً کمیٹی بنائی۔ آخر بچہ کے منھ پر تھپڑ لگا۔ یہ مل والوں اور کسانوں کے درمیان کا معاملہ ہے۔ سرکار اس میں دخل دینے والی کون؟

دفعتاً مس مالتی موٹر سے اتری، کنول کی طرح شگفتہ، چراغ کی طرح روشن، زندہ دلی، اور خوشی کی مورت سی، بے خوف، بے فکر، گویا اسے یقین ہے کہ دنیا میں اس کے لیے عزت و راحت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ کھنا نے برآمدے میں آکر خیر مقدم کیا۔

مالتی نے پوچھا "کیا یہاں مہتا آئے تھے؟"

"ہاں آئے تو تھے۔"

"کچھ کہا، کہاں جارہے ہیں؟"

"یہ تو کچھ نہیں کہا۔"

"جانے کہاں غوطہ لگا گئے۔ میں چاروں طرف گھوم آئی۔ آپ نے ورزش گاہ کے لیے کتنا دیا؟"

"کھنا نے خطاوارانہ کہا "میں نے ابھی اس معاملے کو سمجھا ہی نہیں۔"

"مالتی نے بڑی بڑی آنکھوں سے اس کی طرف تیز تیز دیکھا گویا سوچ رہی تھی کہ اس پر رحم کرے یا غصہ۔ بولی "اس میں سمجھنے کی کیا بات تھی؟ اور سمجھ لیتے تو آگے پیچھے، اس وقت تو کچھ دینے کی بات تھی۔ میں نے مہتا کو جبراً یہاں بھیجا، بے چارے ڈر رہے تھے کہ آپ نہ جانے کیا جواب دیں۔ آپ کے اس بخل کا کیا نتیجہ ہوگا، آپ جانتے ہیں؟ یہاں کی تجارت پیشہ جماعت سے کچھ نہ ملے گا۔ آپ نے شاید مجھے ذلیل کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ سب کی رائے تھی کہ لیڈی وِلسن بنیادی پتھر رکھیں۔ میں نے گوبندی دیوی کی جانبداری کی اور لڑکر سب کو راضی کیا۔ اب آپ فرماتے ہیں کہ آپ نے اس معاملے کو سمجھا ہی نہیں! آپ بینک کی پیچیدگیاں سمجھتے ہیں مگر اتنی موٹی بات آپ کی سمجھ میں نہ آئی۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آپ مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہیں۔ اچھی بات ہے، یہی سہی۔"

مالتی کا چہرا سرخ ہو گیا تھا۔ کھنا گھبرائے ۔ ساری اکڑ جاتی رہی مگر اس کے ساتھ انھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ کانٹوں میں الجھ گئے ہیں تو مالتی دلدل میں پھنس گئی ، اگر ان کی تھیلیوں پر سنکٹ آپڑا ہے تو مالتی کی عزت پر ، جو تھیلیوں سے زیادہ قیمتی چیز ہے ۔ تب ان کا دل مالتی کی اس درگت پر کیوں نہ خوش ہو ؟انھوں نے مالتی کو اَردَب میں ڈال دیا تھا ۔ اور اگر چہ وہ اسے ناراض کردینے کی ہمت کھو چکے تھے مگر دو چار کھری کھری باتیں کہہ سنانے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتے تھے ۔ یہ بھی دکھا دینا چاہتے تھے کہ میں بالکل احمق نہیں ہوں ۔ اس کا راستہ روک کر بولے'' تم مجھ پر اتنی مہربان ہوگئی ہو اس پر مجھے حیرت ہو رہی ہے ، مالتی !،،

مالتی نے ابروؤں کو سکیڑ کر کہا'' میں اس کا مطلب نہیں سمجھی ۔''

'' کیا اب میرے ساتھ تمھارا وہی برتاؤ ہے جو کچھ دنوں پہلے تھا ۔''

'' میں تو اس میں کوئی فرق نہیں دیکھتی ۔''

'' لیکن میں تو زمین آسمان کا فرق دیکھ رہا ہوں ۔''

'' اچھا مان لوں کہ تمھارا قیاس ٹھیک ہے تو پھر ؟ میں تم سے ایک نیک کام میں مدد مانگنے آئی ہوں ۔ اپنے سلوک کی آزمائش کے لیے نہیں اور اگر تم سمجھتے ہو کہ کچھ چندہ دے کر تم نیک نامی اور شکریے کے سوا کچھ اور پاسکتے ہو تو یہ تمھاری خام خیالی ہے ۔''

کھنا ہار گئے ۔ وہ ایسے تنگ گوشے میں پھنس گئے تھے ۔ جہاں ادھر ادھر ہلنے کی بھی گنجائش نہ تھی ۔ کیا وہ اس سے یہ کہنے کی جرات رکھتے ہیں کہ میں نے اب تک تمھارے اوپر ہزاروں روپے الٹا دیے تو کیا اس کا یہی صلہ ہے ؟ شرم سے ان کا منھ ذرا سا نکل آیا جیسے سکڑ گیا ہو ۔ جھینپتے ہوئے بولے'' میرا مطلب یہ نہ تھا ، مالتی ! تم بالکل غلط سمجھیں ۔''

مالتی نے ہنستے ہوئے کہا'' خدا کرے میں نے غلط سمجھا ہو ۔ کیونکہ اگر میں اسے سچ سمجھوں گی تو تمھارے سائے سے بھی بھاگوں گی ۔ میں خوبصورت ہوں اور تم بھی میرے بہت سے چاہنے والوں میں ایک ہو ۔ میری مہربانی تھی کہ جہاں میں اوروں کے تحفے لوٹا دیتی تھی وہاں تمھاری معمولی معمولی سے چیزیں بھی شکر۔یے کے ساتھ قبول کر لیتی تھی ، اور ضرورت پڑنے پر تم سے روپے بھی مانگ لیتی تھی ۔ اگر تم نے اپنے روپے کے نشے میں اس کا کوئی دوسرا مطلب نکال لیا تو میں تمھیں معاف کردوں گی ، یہ مردوں کی سرشت ہے اور تم اس سے

مستثنیٰ نہیں ہو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ روپے نے آج تک کسی عورت کے دل پر فتح نہیں پائی اور نہ کبھی پائے گی۔"

کھنا ایک ایک لفظ پر گویا گز گز بھر نیچے دھنستے جا رہے تھے، اور زیادہ چوٹ سہنے کی ان میں سکت نہ رہی۔ شرمندہ ہوکر بولے" مالتی! میں تمھارے پیروں پڑتا ہوں، اب اور ذلیل نہ کرو۔ اور نہ سہی تو دوستانہ برتاؤ تو قائم رہنے دو۔"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے دراز سے چکوں کی کتاب نکالی اور ایک ہزار کا چک لکھ کر ڈرتے ڈرتے مالتی کی طرف بڑھا دیا۔

مالتی نے چک لے کر بے دردانہ طنز سے کہا" یہ میرے سلوک کی قیمت ہے یا ورزش گاہ کا چندہ ہے؟"

کھنا آبدیدہ ہوکر بولے" اب میری جان بخشو، مالتی! کیوں میرے منھ میں کالکھ لگا رہی ہو۔"

مالتی نے زور کا قہقہہ لگایا۔" دیکھا، ڈانٹ بھی بتائی اور ایک ہزار روپے بھی وصول کیے! اب تم کبھی شرارت نہ کرو گے؟"

"کبھی نہیں، جیتے جی کبھی نہیں!"

"کان پکڑو۔"

"کان پکڑتا ہوں۔ مگر اب تم مجھ پر رحم کرکے چلی جاؤ اور مجھے تخلیے میں بیٹھ کر سوچنے اور رونے دو۔ تم نے آج میری زندگی کی ساری خوشی.. .. .."

مالتی اور زور سے ہنسی۔" دیکھو کھنا، تم میری بڑی توہین کررہے ہو، اور تم جانتے ہو کہ حسن توہین نہیں سہ سکتا۔ میں نے تمھارے ساتھ نیکی کی اور تم اسے بدی سمجھ رہے ہو۔"

کھنا احتجاج کی نگاہوں سے دیکھ کر بولے" تم نے میرے ساتھ نیکی کی ہے یا الٹی چھری سے میرا گلا کاٹا ہے؟"

"کیوں؟ میں تمھیں لوٹ لوٹ کر اپنا گھر بھر رہی تھی۔ تم اس لوٹ سے بچ گئے۔"

"کیوں زخم پر نمک چھڑک رہی ہو مالتی؟ میں بھی آدمی ہوں۔"

مالتی نے اس طرح کھنا کی طرف دیکھا، گویا یقین کرنا چاہتی تھی کہ وہ آدمی ہیں یا نہیں؟ بولی" ابھی تو مجھے اس کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔"

"تم بالکل معما ہو، آج یہ ثابت ہوگیا۔"
"ہاں تمھارے لیے معما ہوں اور معما ہی رہوں گی۔"
یہ کہتی ہوئی وہ چڑیا کی طرح ایک دم اڑ گئی اور کھنا سر پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگے کہ یہ صرف دکھاوا ہے یا اس کا سچا روپ!

(۲۳)

گوبر اور جھنیا کے چلے جانے پر گھر سنسان رہنے لگا۔ دھنیا کو بار بار منو کی یاد آتی رہتی ہے۔ بچے کی ماں تو جھنیا تھی مگر اس کی پرورش دھنیا ہی کرتی تھی۔ وہی اسے ابٹن ملتی، کاجل لگاتی، سلاتی اور جب کام سے فرصت ملتی تو پیار کرتی۔ محبت کا یہ نشہ ہی اس کی تکلیفوں کو بھلاتا رہتا تھا۔ اسی کا بھولا بھالا مکھن سا چہرا دیکھ کر وہ اپنی ساری فکر بھول جاتی اور محبت بھرے گھمنڈ سے اس کا دل پھول اٹھتا۔ وہ زندگی کا سہارا اب نہ تھا۔ اس کا سونے کا کھٹولا دیکھ کر وہ رو اٹھتی۔ وہ تعویذ جو تمام پریشانیوں اور نا امیدیوں سے اسے بچاتا تھا، اس سے چھن گیا تھا۔ وہ بار بار سوچتی اس نے جھنیا کے ساتھ ایسی کون سی برائی کی تھی جس کی اس نے یہ سزا دی۔ ڈائن نے آکر اس کے سونے کا سا گھر مٹی میں ملا دیا۔ گوبر نے تو کبھی اس کی بات کا جواب بھی نہ دیا تھا۔ اسی رانڈ نے اسے پھوڑا اور اب وہاں لے جاکر نہ جانے کون کون سے ناچ نچائے گی۔ یہیں وہ بچے کی کون بہت پرواہ کرتی تھی اسے تو اپنی مسی، کاجل اور مانگ چوٹی ہی سے فرصت نہ ملتی تھی، بچے کی دیکھ بھال کیا کرے گی؟ بے چارہ اکیلا دھرتی پر پڑا روتا ہوگا۔ بے چارہ ایک دن بھی تو سکھ سے نہیں رہنے پاتا۔ کبھی کھانسی، کبھی دست، کبھی کچھ، کبھی کچھ۔ یہ سوچ سوچ کر اسے جھنیا پر غصہ آتا۔ گوبر کے لیے اب بھی اس کے دل میں وہی مامتا تھی۔ اسی چڑیل نے اسے کچھ کھلا پلا کر اسے اپنے بس میں کر لیا۔ ایسی جادو ٹونا جاننے والی نہ ہوتی تو یہ ٹونا کیسے کرتی؟ کوئی بات نہ پوچھتا تھا۔ بھو جائیوں کی لاتیں کھاتی تھی۔ یہ بدھو مل گیا تو آج رانی ہوگئی۔

ہوری نے چڑھ کر کہا "جب دیکھو تب جھنیا کو ہی دوکھ دیتی رہتی ہے۔ یہ نہیں سمجھتی کہ جب اپنا سونا کھوٹا تو سنار کا کیا دوس؟ گوبر اسے نہ لے جاتا تو کیا آپ سے آپ چلی جاتی؟ سہر کا دانہ پانی لگنے سے لونڈے کی آنکھ بدل گئی۔ ایسا کیوں نہیں سمجھ لیتی۔"

دھنیا گرج اٹھی "اچھا چپ رہو۔ تم ہی نے رانڈ کو سر پر چڑھا رکھا تھا نہیں میں پہلے ہی دن جھاڑو مار کر نکال دیتی۔"

کھلیان میں کٹا ہوا اناج جمع ہوگیا تھا۔ ہوری بیلوں کو لیے اسے مانڈنے جارہا تھا۔ منھ پھیر کر بولا '' مان لے کہ بہو نے گوبر کو پھوڑ ہی لیا تو تو اتنا کڑھتی کیوں ہے ؟ جو ساری دنیا کرتی ہے وہی گوبر نے بھی کیا ۔ اب اس کے بچے ہوئے تو میرے بال بچوں کے لیے کیوں اپنی جان آپھت میں ڈالے ؟ کیوں ہمارے سر کا بوجھ اپنے سر پر اٹھائے ؟''

'' تمھیں سارے بکھیڑے کی جڑ ہو۔''

'' تو مجھے نکال دے ۔ لے جا بیلوں کو، اناج مانڈ ۔ میں حکہ پیتا ہوں۔''

'' تم چل کر چکی پیسو، میں اناج مانڈوں۔''

مذاق میں غم دور ہوگیا ۔ یہی اس کی دوا ہے ۔ دھنیا خوش ہوکر روپا کے بال گوندھنے بیٹھ گئی جو بالکل الجھ کر رہ گئے تھے اور ہوری کھلیان چلا ۔ کیف آفریں بسنت نکہت ، فرحت اور جاں بخشی کا سرمایا لٹا رہی تھی دونوں ہاتھوں سے دل کھول کر ۔ کوئل آم کی ڈالیوں میں چھپی اپنی رسیلی ، میٹھی اور دل پر اثر ڈالنے والی آواز سے سوئی ہوئی امیدوں کو جگاتی پھر رہی تھی ۔ مہوے کے ڈالیوں پر مینوں کی برات سی سجی بیٹھی تھی ۔ نیم اور سرسا اور کروندے اپنی خوشبو میں نشہ سہ گھول رہے تھے ۔ ہوری آموں کے باغوں میں پہنچا تو پیڑوں کے نیچے تارے کھلے تھے ۔ اس کا رنج اور مایوسی سے بھرا ہوا دل بھی اس عالم گیر رونق اور رنگینی میں جیسے ڈوب سا گیا ۔ وہ ترنگ میں آکر گانے لگا :۔

جیا جُرت رَہت دن رَین

آم کی ڈریا کوئل بولے تنیک نہ آوت چین

سامنے سے دلاری گلابی ساڑھی پہنے چلی آرہی تھی ۔ پاؤں میں موٹے نقرئی کڑے گلے میں موٹی طلائی ہنسلی ، چہرہ خشک مگر دل میں تازگی ۔ ایک وقت تھا جب ہوری کھیت کھلیان میں اسے چھیڑا کرتا تھا ۔ وہ بھابھی تھی ، اور ہوری دیور تھا ۔ اس ناتے سے دونوں میں مذاق ہوتا رہتا تھا ۔ جب سے سیٹھ جی مر گئے دلاری نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا ۔ سارے دن دوکان پر بیٹھی رہتی اور وہیں سے گاؤں کی خبر لیتی رہتی تھی ۔ کہیں آپس میں جھگڑا ہوجائے تو سیٹھانی وہاں بیچ بچاؤ کرنے ضرور پہنچے گی ۔ ایک آنہ روپیہ سود سے کم پر قرض نہ دیتی تھی اور اگرچہ سود کے لالچ میں اصل بھی ہاتھ نہ آتا تھا مگر اس کے سود کی شرح جیوں کی تیوں بنی ہوئی تھی بے چاری کیسے وصول کرے ؟ نالش فریاد کرنے سے رہی ، تھانے پولیس کرنے سے

رہی ، صرف زبان کا زور تھا ! مگر جیوں جیوں عمر کے ساتھ زبان کی تیزی بڑھتی جاتی تھی ، تیوں تیوں اس کی کاٹ گھٹتی جاتی تھی ۔ اب اس کی گالی پر لوگ ہنس دیتے تھے اور مذاق میں کہتے '' کیا کرے گی ، روپے لے کر کا کی ؟ ساتھ تو ایک کوڑی بھی نہ لے جا سکے گی ۔ غریبوں کو کھلا پلا کر جتنی اسیس مل سکے ، لے لے ۔ یہی پرلوک میں کام آئے گا ۔'' اور دلاری پرلوک کے نام سے جلتی تھی ۔

ہوری نے چھیڑا '' آج تو بھابھی تم سچ مچ جوان لگتی ہو ۔''

سیٹھانی مگن ہوکر بولی '' آج منگل کا دن ہے ، ویٹھ نہ لگا دینا ۔ اسی سے میں کچھ پہنتی اوڑھتی نہیں ۔ گھر سے نکلو تو سبھی گھورنے لگتے ہیں ، جیسے کبھی کوئی مہریا دیکھی ہی نہ ہو ۔ پٹیشوری لالا کی پرانی بان ابھی تک نہیں چھوٹی ۔''

ہوری رک گیا ۔ بڑی دلکش بحث چھڑ گئی تھی ، بیل آگے نکل گئے تھے بولا '' وہ تو آج کل بڑے بھگت ہو گئے ہیں ۔''

'' دیکھتی نہیں ہو کہ ہر پورنما کو ست نرائن کی کتھا سنتے ہیں اور دونوں جون مندر میں درسن کرنے جاتے ہیں ۔''

ایسے بد چلن جتنے ہوتے ہیں ، وہ سبھی بوڑھے ہوکر بھگت بن جاتے ہیں ۔ کُکرم کا پرا سچت تو کرنا ہی پڑتا ہے ۔ پوچھو ، میں اب بڑھیا ہوئی ، مجھ سے ہنسی کیسی ؟''

'' تم ابھی بڑھیا کیسے ہوگئیں ، بھابھی ؟ مجھے تو اب بھی .. .. ..''

'' اچھا چپ ہی رہنا ، نہیں تو ڈیڑھ سو گالی دوں گی ۔ لڑکا پردیس کمانے لگا اور ایک دن نیوتا بھی نہ کھلایا ، سینت میت میں بھابھی بنانے کو تیار !''

'' مجھ سے سوگند لے لو بھابھی ، جو میں نے اس کی کمائی کا ایک پیسہ بھی چھوا ہو ۔ نہ جانے کیا لایا ، کہاں اٹھایا ، مجھے کچھ بھی پتہ نہیں ، بس ایک جوڑا دھوتی اور ایک منڈا سا میرے ہاتھ لگا ۔''

'' اچھا کمانے تو لگا ، آج نہیں تو کل گھر سنبھالے ہی گا ۔ بھگوان اسے سکھی رکھیں ۔ ہمارے روپے تھوڑا تھوڑا دیتے چلو ، سود ہی تو بڑھ رہا ہے ۔''

''تمھاری ایک ایک پائی دوں گا بھابی ، ہاتھ میں پیسے آنے دو اور کھا ہی جائیں گے تو کوئی باہر کے تو نہیں ہیں ، ہیں تو تمھارے ہی !''

'' سیٹھانی ایسی مذاقیہ خوشامد سے نہتی سی ہوجاتی تھی ۔ مسکراتی ہوئی اپنی راہ چلی گئی۔
ہوری لپک کر بیلوں کے پاس پہنچ گیا اور اناج ماڈنے لگا ۔ سارے گاؤں کا یہی ایک کھلیان تھا ۔ کہیں اناج مانڈا جارہا تھا ، کہیں اسایا جارہا تھا ، اور کوئی تول رہا تھا ۔ نائی باری بڑھئی ، لوہار ، پروہت ، بھاٹ ، بھکاری ، سبھی اپنے اپنے '' جیورے ،، لینے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ ایک پیڑ کے نیچے جھنگری سنگھ کھاٹ پر بیٹھے اپنی ''سوائی ،، وصول کر رہے تھے ۔ کئی بنیے کھڑے ہوئے اناج کا مول تول کررہے تھے ۔ سارے کھلیان میں منڈی کی سی رونق تھی ۔ ایک کھٹکن بیرا اور مکوے بیچ رہی تھی اور ایک خوانچہ والا تیل کا سیو اور جلیبیاں لیے گھوم رہا تھا۔ پنڈت داتادین بھی ہوری سے اناج بٹوانے کے لیے آپہنچے تھے اور جھنگری سنگھ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

داتادین نے تمباکو کو ملتے ہوئے کہا '' کچھ سنا ، سرکار بھی مہاجنوں سے کہہ رہی ہے کہ بیاج کی درگھٹا دو ، نہیں ڈگری نہ ملے گی ۔''

جھنگری تمباکو کو پھانک کر بولے '' پنڈت میں تو ایک بات جانتا ہوں ۔ تمھیں گرج پڑے گی تو سو بار ہم سے روپے ادھار لینے آؤ گے اور ہم جو بیاج چاہیں گے ، لیں گے ۔ سرکار اگر آسامیوں کو روپے ادھار دینے کا کوئی بندوبست کرے گی تو ہمیں اس کانون سے کچھ نہ ہوگا ۔ ہم درکم لکھادیں گے ، مگر سیکڑے میں پچیس پہلے ہی کاٹ لیں گے ۔ اس میں سرکار کیا کرسکتی ہے ؟''

'' یہ تو ٹھیک ہے ، پر سرکار بھی ان باتوں کو کھوب سمجھتی ہے ۔ وہ اس کی بھی کوئی روک نکالے گی ، دیکھ لینا ۔''

'' اس کی روک ہو ہی نہیں سکتی ۔''

'' اچھا ، اگر وہ کردے کہ جب تک اسٹام پر گاؤں کے مکھیا یا کارندے کی گواہی نہ ہو ، وہ پکا نہ ہوگا ۔ تب کیا کروگے ؟''

'' اسامی کو سو بار گرج ہوگی تو مکھیا کو ہاتھ پاؤں جوڑ کے لاوے گا اور گواہی کرا دے گا ۔ ہم تو ایک چوتھائی کاٹ ہی لیں گے ۔''

'' اور جو پھنس جاؤ ؟ جعلی حساب لکھا اور گئے چودہ سال کو ۔''

جھنگری سنگھ زور سے ہنسے '' تم کیا کہتے ہو پنڈت ؟ کیا تب سنسار بدل جائے گا؟

کانون اور نیاؤ اس کا ہے جس کے پاس پیسہ ہے ۔ کانون تو ہے کہ مہاجن کسی اسامی سے کڑائی نہ کرے ، کوئی جمیندار کسی کا ستکار کے ساتھ کڑائی نہ کرے ، پر ہوتا کیا ہے ، یہ تو نت ہی دیکھتے ہو ۔ جمیندار مسکیں بندھواکر پٹواتا ہے اور مہاجن لات جوتے سے بات کرتا ہے ۔ ہاں جو کسان ہے اس سے نہ جمیندار بولتا ہے نہ مہاجن ، ایسے کسانوں سے ہم مل جاتے ہیں۔ اور ان کی مدد سے دوسروں کی گردن دباتے ہیں تمھارے ہی اوپر رائے صاحب کے پانچ سو روپے نکلتے ہیں ، پر نوکھے رام میں ہے اتنی ہمت کہ تم سے کچھ بولیں ؟ وہ جانتے ہیں کہ تم سے میل ہی کرنے میں ان کی بھلائی ہے ۔ کس اسامی میں اتنا بوتا ہے کہ نت عدالت دوڑے ؟ سب کاروبار اسی طرح چلا جائے گا جیسے چل رہا ہے ۔ کچہری ، عدالت اسی کے ساتھ ہے جس کے پاس پیسہ ہے ۔ ہم لوگوں کے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ۔''

یہ کہہ کر انھوں نے کھلیان کا ایک چکر لگایا اور پھر آکر کھاٹ پر بیٹھے ہوئے بولے'' ہاں، متئی کے بیاہ کا کیا ہوا ؟ ہماری صلاح تو یہ ہے کہ اس کا بیاہ کر ڈالو ۔ اب تو بڑی بدنامی ہورہی ہے ۔''

داتادین کو جیسے بھڑنے کاٹ کھایا ۔ اس کہنے کا کیا مطلب تھا ، وہ خوب سمجھتے تھے گرم ہوکر بولے ۔'' پیٹھ پیچھے آدمی جو چاہے بکے ، ہمارے منھ پر کوئی کچھ کہے تو اس کی مونچھیں اکھاڑ لوں ۔ کوئی ہماری طرح نیمی بن تو لے ۔ کتنوں کو جانتا ہوں جو کبھی سندھیا پوجا نہیں کرتے ۔ نہ انھیں دھرم سے مطلب نہ کرم سے ۔ نہ کتھا سے مطلب نہ پران سے ۔ وہ بھی اپنے کو براہمن کہتے ہیں ۔ ہمارے اوپر کیا ہنسے گا کوئی ۔ جس نے اپنی عمر میں ایک ایکادسی کبھی نہیں چھوڑی ، کبھی بنا اسنان دھیان کیے ، منھ میں پانی نہیں ڈالا ۔ نیم کا نباہنا کٹھن ہے ۔ کوئی بتادے کہ ہم نے باٹ کی کوئی چیج کھائی ہو یا کسی دوسرے کے ہاتھ کا پانی پیا ہو ، تو اس کی ٹانگ کی راہ نکل جاؤں ۔ سلیا ہماری چوکھٹ نہیں نانگھنے پاتی ، برتن بھانڈے چھونا تو بڑی بات ہے ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ متئی کوئی بہت اچھا کام کررہا ہے ، پر جب ایک بار ایک بات ہوگئی تو یہ ادھرم کا کام ہے کہ عورت کو چھوڑدے میں تو کھلم کھلا کہتا ہوں ، اس میں چھپانے کی کوئی بات نہیں استری جات پوتر ہے ۔''

داتا دین خود اپنی جوانی میں بڑے عیاش رہ چکے تھے مگر اپنے نیم دھرم سے کبھی نہیں چوکے ۔ ماتادین بھی لائق لڑکے کی طرح ان ہی کے نقش قدم پر چل رہا تھا ۔ دھرم کا اصلی

جزو ہے پوجا پاٹ ، کتھا برت اور چوکا چولھا ، جب باپ بیٹھے دونوں ہی اصلیت کو پکڑے ہوئے ہیں ، تو کس کی مجال ہے کہ انھیں ادھرمی کہہ سکے ۔''

جھنگری سنگھ نے قائل ہوکر کہا '' میں نے تو جو سنا تھا وہ تم سے کہہ دیا ۔''

داتا دین نے مہابھارت اور پرانوں سے ان برہمنوں کی فہرست پیش کردی ، جنھوں نے دوسری ذات کی لڑکیوں سے تعلق پیدا کر لیا تھا اور ساتھ ہی یہ ثابت کر دیا کہ ان سے جو اولاد ہوئی وہ برہمن کہلائی اور آج کل کے جو براہمن ہیں وہ اسی اولاد کی اولاد ہیں ۔ یہ رواج شروع ہی سے چلا آرہاہے اور اس میں کوئی شرم کی بات نہیں ۔

جھنگری سنگھ نے ان کی قابلیت پر خوش ہوکر کہا '' تب کیوں آج کل لوگ پاکیزگی اور شُکل بنے پھرتے ہیں ۔''

'' سمے سمے کا رواج ہے اور کیا ؟ کسی میں اتنا تیج تو ہو ۔ وِس کھاکر اسے بچانا تو چاہیے ۔ وہ ست جگ کی بات تھی، ست جگ کے ساتھ گئی ۔ اب تو اپنا نباہ برادری کے ساتھ مل کر رہنے میں ہے ۔ مگر کروں کیا ، کوئی لڑکی والا آتا ہی نہیں تم سے بھی کہا اوروں سے بھی کہا ، پر جب کوئی نہیں سنتا تو کیا میں لڑکی بناؤ ں ؟''

جھنگری سنگھ نے ڈانٹا '' جھوٹ مت بولو ، پنڈت ! میں دو آدمیوں کو پھانس کر لایا پر تم منھ پھلانے لگے تو دونوں کان کھڑے کرکے نکل بھاگے ۔ آخر کس برتے پر ہجار پانچ سو مانگتے ہوتم ؟ دس بیگھے اور بھیک کے سوا تمھارے پاس اور کیا ہے ؟''

داتادین کے گھمنڈ کو چوٹ لگی ۔ داڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولے '' میرے پاس کچھ نہ سہی ، میں ہی بھیک مانگتا ہوں ، پر میں نے اپنی لڑکیوں کے بیاہ میں پانچ پانچ سو دیے ہیں ۔ پھر لڑکے کے لیے پانچ سو کیوں نہ مانگتا ؟ کسی نے سینت میں میری لڑکی بیاہ لی ہوتی تو میں بھی سینت میں اپنا لڑکا بیاہ دیتا ۔ رہی حیثیت کی بات ، سوتم ججمانی کو بھیک سمجھو ، پر میں تو اسے جمینداری سمجھتا ہو ں ، بنک گھر ! جمینداری مٹ جائے ، بنک گھر ٹوٹ جائے ، پر ججمانی تو انت تک بنی رہے گی ۔ جب تک ہندو جات رہے گی تب تک باھمن بھی رہیں گے اور ججمانی بھی رہے گی ۔ سہالگ میں آرام سے گھر بیٹھے سو دوسو پھٹکار لیتے ہیں ۔ کبھی بھاگ لڑگیا تو چار پانچ سو مار لیے ۔ کپڑے برتن ، کھانا اوپر سے ۔ کہیں نہ کہیں نت ہی کام بنا رہتا ہے ۔ کچھ نہ ملے تب بھی ایک دو تھال اور دوچار آنے دچھنا کے مل جاتے ہیں ۔ ایسا چین نہ

جمینداری ہی میں ہے نہ ساہوکاری میں ! اور پھر میرا تو سلیا سے جتنا کام نکلتا ہے اتنا باھمن کی کنیا سے کیا ہوگا ۔ وہ تو بہو بنی بیٹھی رہے گی بہت ہوگا تو روٹی بنا دے گی یہاں سلیا اکیلی تین آدمیوں کا کام کرتی ہے اور میں اسے روٹی کے سوا اور کیا دیتا ہوں ؟ بہت ہوا تو سال میں ایک دھوتی دے دی ۔"

دوسرے پیڑ کے نیچے داتادین کا نجی ،، پَرا ،، تھا چار بیلوں سے منڈائی ہورہی تھی ۔ دھنا چمار بیلوں کو ہانک رہا تھا ۔ سلیا پیرے سے اناج نکال نکال کر اُسا رہی تھی اور ماتادین دوسری طرف بیٹھا ہوا اپنی لاٹھی پر تیل مل رہا تھا ۔

سلیا سانولی ، سلونی اور چھریری لڑکی تھی جو شکیل نہ ہونے پر بھی دلکش تھی ۔ اس کی ہنسی میں ، چتون میں ، اس کی حرکتوں میں مسرت کا جنون تھا ۔ جس سے اس کا عضوعضو ناچتا رہتا تھا ۔ سر سے پیر تک بھُس کے ذروں سے آلودہ ، پسینے سے تر سر کے بال آدھے کھلے ، دوڑ دوڑ کر اناج اُسا رہی تھی ، گویا دل و جان سے کسی کھیل میں مصروف تھی ۔

ماتادین نے کہا " آج سانجھ تک اناج باکی نہ رہے ۔ سلیا تو تھک گئی ہو تو میں آؤں ۔"

سلیا خوش ہوکر بولی " تم کاہے کو آؤ گے پنڈت ، میں سانجھ تک سب اُسا ڈالوں گی ۔"

" اچھا تو میں اناج ڈھو ڈھو کر رکھ آؤں ، تو اکیلی کیا کیا کرلے گی ؟"

"تو تم گھبراتے کیوں ہو ؟ میں اسا بھی دوں گی اور ڈھو کر رکھ بھی آؤں گی ۔ پہر رات تک یہاں ایک دانہ بھی نہ رہے گا ۔"

دلاری آج اپنی یافتنی وصول کر رہی تھی ۔ سلیا اس کی دوکان سے ہولی کے دن دو پیسے کا گلابی رنگ لائی تھی اور ابھی تک پیسے نہیں دیے تھے ۔ وہ سلیا کے پاس جاکر بولی

" کیوں ری سلیا ، مہینہ بھر رنگ لائے ہوگیا اور ابھی تک پیسے نہیں دیے ۔ مانگتی ہوں تو مٹک کر چلی جاتی ہے ۔ آج میں بنا پیسے لیے نہ جاؤں گی ۔"

ماتادین چپکے سے کھسک گیا ۔ سلیا کا سب کچھ لے کر بھی وہ بدلے میں کچھ نہ دینا چاہتا تھا ۔ سلیا اب اس کی نگاہ میں صرف کام کرنے کی مشین تھی اور بس اس کی محبت کو وہ بڑی چالاکی سے نچاتا رہتا تھا ۔

سلیا نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ ماتادین وہاں نہ تھا ۔ بولی " چلاؤ مت سیٹھانی ۔ یہ لے

لو دو کی جگہ چار پیسے کا اناج ۔ اب کیا جان لو گی ؟ میں مری تھوڑے ہی جاتی تھی ۔"

اس نے اندازہ سے کوئی سیر بھر اناج ڈھیر میں سے نکال کر سیٹھانی کے پھیلے ہوئے آنچل میں ڈال دیا ۔ اسی وقت ماتادین پیڑ کی آڑ سے جھلایا ہوا نکلا اور دلاری کا آنچل پکڑ کر بولا " اناج سیدھے سے رکھ دو سیٹھانی ، لوٹ نہیں ہے ۔"

پھر اس نے سرخ سرخ آنکھوں سے سلیا کو دیکھ کر ڈانٹا " تو نے اناج کیوں دیا ؟ کس سے پوچھ کر دیا ؟ تو کون ہوتی ہے میرا اناج دینے والی ؟"

سیٹھانی نے اناج ڈھیر میں ڈال دیا اور سلیا متحیر ہوکر ماتادین کا منہ تاکنے لگی ۔ ایسا معلوم ہوا کہ جس ڈال پر وہ بے فکری سے بیٹھی ہوئی تھی وہ ٹوٹ گئی ہے اور اب وہ بلا سہارے کے نیچے گری جا رہی ہے ۔ کھسیائے ہوئے منہ سے آنسو بھر کر دلاری سے بولی ۔

" تمھارے پیسے میں پھر دوں گی ، سیٹھانی جی آج مجھ پر دیا کرو ۔"

سیٹھانی نے اسے رحم کی نگاہوں سے دیکھا اور ماتادین کو ملامت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی چلی گئی ۔ تب سلیا نے اناج اساتے ہوئے چوٹ کھائے ہوئے گھمنڈ سے پوچھا۔

" تمھاری چیج پر میرا کچھ اختیار نہیں ہے؟"

ماتادین آنکھیں نکال کر بولا " نہیں تیرا کوئی اکھتیار نہیں ہے ، کام کرتی ہے کھاتی ہے ، تو چاہے کھا بھی اور لٹا بھی تو یہ نہ ہوگا ۔ اگر تجھے یہاں پرتہ نہ پڑتا ہو تو کہیں اور جا کر کام کر مجوروں کی کمی نہیں ہے ۔ سینت میں کام نہیں لیتے کھانا کپڑا دیتے ہیں ۔"

سلیا نے اس چڑیا کی طرح جسے مالک نے پر کاٹ کر پنجرے سے نکال دیا ہو ، ماتادین کی طرف دیکھا ۔ اس کی چتون میں درد زیادہ تھا یا شکوہ ، یہ کہنا مشکل ہے ۔ مگر اسی چڑیا کی طرح اس کا دل پھڑ پھڑا رہا تھا اور اونچی ڈال پر اس آزاد فضا میں اڑنے کی سکت نہ پا کر اسی پنجرے میں جا بیٹھنا چاہتی تھی ، خواہ اسے بے آب و دانہ رہ کر پنجرے کی تیلیوں سے سر ٹکراتے ہوئے مر ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ سلیا سوچ رہی تھی کہ اب اس کے لیے دوسری کون سی جگہ ہے ۔ وہ بیاہتا نہ ہوکر بھی فطرتاً اور عملاً بیاہتا تھی اور اب ماتادین چاہے اسے مارے یا کاٹے اسے دوسرا سہارا نہیں ہے ۔ اسے وہ دن یاد آئے اور ابھی دو سال بھی تو نہیں ہوئے جب یہی ماتادین اس کے تلوے چاٹتا تھا ۔ جب اس نے جنیو ہاتھ میں لے کر کہا تھا۔" سلیا ! جب تک دم میں دم ہے ، تجھے بیاہتا کی طرح رکھوں گا ۔" جب وہ بے قرار ہوکر

جنگل اور باغ میں اور ندی کے کنارے اس کے پیچھے پیچھے دیوانوں کی طرح پھرا کرتا تھا اور آج اس کا یہ بے دردانہ سلوک! مٹھی بھر اناج کے لیے اس کا پانی اتار لیا!

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ حلق میں نمک کی ایک ڈلی سی محسوس کرتی ہوئی زخمی دل اور سست ہاتھوں سے پھر کام کرنے لگی۔

اسی وقت اس کے ماں باپ ، دونوں بھائی اور چماروں نے نہ جانے کدھر سے آکر ماتادین کو گھیر لیا۔ سلیا کی ماں نے آتے ہی اس کے ہاتھ سے اناج کی ٹوکری لے کر پھینک دی اور گالی دے کر بولی " رانڈ تجھے جب مجوری ہی کرنی تھی تو گھر کی مجوری چھوڑ کر یہاں کیوں مرنے آئی ؟ جب باہمن کے ساتھ رہتی ہے تو باہمن کی طرح رہ۔ ساری برادری کی ناک کٹوا کر بھی چمارن بنا تھا تو یہاں کیا گھی کا لونڈا لینے آئی تھی ؟ چلو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرتی ۔"

جھنگری سنگھ اور داتادین دونوں دوڑے اور چماروں کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ جھنگری نے سلیا کے باپ سے پوچھا ۔ کیا بات ہے چودھری ؟ کس بات کا جھگڑا ہے؟"

سلیا کا باپ ہرکھو ساٹھ سال کا بوڑھا تھا ۔ کالا ، دبلا اور سوکھی مرچ کی طرح پچکا ہوا ، مگر اتنا ہی تلخ وتیز ! بولا " جھگڑا کچھ نہیں ہے ٹھاکر ، ہم آج یا تو ماتادین کو چمار بنا کر چھوڑیں گے یا ان کا اور اپنا رکت ایک کردیں گے ۔ سلیا کنیا جات ہے ، کسی نہ کسی کے گھر تو جائے گی ہی ، اس پر ہمیں نہیں کہنا ۔ پر اسے جو کوئی بھی رکھے وہ ہمارا ہوکر رہے ۔ تم ہمیں باہمن نہیں بنا سکتے مدا ہم تمھیں چمار بنا سکتے ہیں ۔ ہمیں باہمن بنا دو ، ہماری ساری برادری بننے کو تیار ہے ۔ جب یہ سامرتھ نہیں تو تم بھی چمار بنو ، ہمارے ساتھ کھاؤ پیو ، ہمارے ساتھ اٹھو بیٹھو ۔ ہماری اِجت لیتے ہو تو اپنا دھرم ہمیں دو۔"

داتادین نے لاٹھی گھما کر کہا " منہ سنبھال کر باتیں کر ہرکھو ! تیری لڑکی وہ کھڑی ہے لے جا ، جہاں چاہے ۔ ہم نے اسے باندھ نہیں رکھا ہے ۔ کام کرتی تھی مجوری لیتی تھی یہاں مجوروں کی کمی نہیں ہے۔"

سلیا کی ماں انگلی مٹکا کر بولی " واہ واہ پنڈت ، اچھا نیاؤ کرتے ہو ۔ تمھاری لڑکی کسی چمار کے ساتھ نکل گئی ہوتی اور تم اس طرح کی باتیں کرتے تو دیکھتی ۔ ہم چمار ہیں ۔ اس

لیے ہماری کوئی اجت نہیں ! ہم سلیا کو اکیلی نہ لے جائیں گے ، اس کے ساتھ ماتادین کو بھی لے جائیں گے جس نے اس کی اجت بگاڑی ہے ۔ تم بڑے نیمی دھرمی ہو ۔ اس کے ساتھ سوؤ گے ، پر اس کے ہاتھ کا پانی نہ پیو گے ! وہی چڑیل ہے کہ یہ سب سہتی ہے ۔ میں تو ایسے آدمی کو سنکھیا دے دیتی ۔" ہرکھو نے اپنے ساتھیوں کو للکارا " سن لی ان لوگوں کی باتیں کہ نہیں ؟ اب کیا کھڑے منھ تاکتے ہو ۔"

اتنا سننا تھا کہ دو چماروں نے لپک کر ماتادین کے ہاتھ پکڑے اور تیسرے نے جھپٹ کر اس کا جنیو توڑ ڈالا اور اس کے قبل کہ داتادین اور جھنگری سنگھ اپنی اپنی لاٹھیاں سنبھال سکیں دو چماروں نے ماتادین کے منھ میں ایک بڑی سی ہڈی کا ٹکڑا ڈال دیا ۔ ماتادین نے دانت جکڑ لیے پھر بھی وہ گھن کی چیز اس کے ہونٹوں میں تو لگ ہی گئی ، انھیں متلی ہوئی اور منھ خود بخود کھل گیا ۔ اور ہڈی حلق تک جا پہنچی ۔ اتنے میں کھلیان کے سب آدمی جمع ہو گئے مگر تعجب تو یہ ہے کہ کوئی ان دھرم کے لیٹروں سے مزاحم نہ ہوا ۔ ماتادین کا برتاؤ سبھی کو ناپسند تھا ۔ وہ گاؤں کی بہو بیٹیوں کو تاکا کرتا تھا ۔ پس دل میں سبھی اس کی درگت پر خوش تھے ۔ ہاں ظاہراً لوگ چماروں پر رعب جمار ہے تھے ۔

ہوری نے کہا " اچھا اب بہت ہوا ہرکھو ! بھلا چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ ۔"

ہرکھو نے بے خوفی سے جواب دیا " تمھارے گھر میں بھی لڑکیاں ہیں ہوری مہتو ! اتنا سمجھ لو ۔ اس طرح گاؤں کی مرجاد بگڑنے لگی تو کسی کی آبرو نہ بچے گی ۔"

ایک لمحے میں دشمن پر پوری فتح پا کر دشمنوں نے وہاں سے ٹل جانا ہی مناسب سمجھا ۔ لوگوں کی رائے بدلتے دیر نہیں لگتی ، اس سے بچے رہنا ہی اچھا ہے ۔ ماتادین قے کر رہا تھا ۔ داتادین نے اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا " ایک ایک کو پانچ پانچ سال کے لیے بڑے گھر نہ بجھوایا تو کہنا ۔ پانچ پانچ سال تک چکی پسواؤں گا ۔"

ہرکھو نے ہیکڑی سے جواب دیا ۔" اس کا یہاں کوئی غم نہیں ہے کون تمھاری طرح بیٹھے موج کرتے ہیں ؟ جہاں کام کریں گے وہیں آدھا پیٹ دانہ بھی مل جائے گا ۔"

ماتادین نے قے کر چکنے کے بعد مردہ سا زمین پر پڑا رہا گویا کمر ٹوٹ گئی ہو ، گویا ڈوب مرنے کے لیے چلو بھر پانی کی تلاش ہو ۔ جس عزت کے بل بوتے پر اس کی رنگین مزاجی اور رعونت اور مردیت اکڑتی پھرتی تھی وہ مٹ چکی تھی ۔

اس ہڈی کے ٹکڑے نے صرف اس کے منھ کو نہیں بلکہ اس کی روح کو بھی ناپاک کر دیا تھا ۔ اس کا دھرم اسی کھانے پینے اور چھوت اچھوت کے سمجھنے پر قائم تھا ۔ آج اس دھرم کی جڑ کٹ گئی ۔ اب وہ لاکھ پراسچت کرے ، لاکھ گوبر کھائے اور گنگا جل پیے ، لاکھ دان پُن اور تیرتھ برت کرے ،اس کا مرا ہوا دھرم جی نہیں سکتا ۔ اگر تنہائی کی بات ہوتی تو چھپائی جاتی مگر یہاں تو سب کے سامنے اس کا دھرم لٹا ۔ اب اس کا سر ہمیشہ کے لیے نیچا ہوگیا ۔ آج سے وہ اپنے ہی گھر میں اچھوت سمجھا جائے گا ۔ اس کی مامتا بھری ماں بھی اس سے گھن کرے گی ۔ اورسنسار سے دھرم ایسا اٹھ گیا کہ اتنے آدمی کھڑے سبھی تماشہ دیکھتے رہے ، کسی نے چوں تک نہ کی ۔ ایک لمحہ پہلے جو لوگ اسے دیکھتے ہی پالا گن کرتے تھے اب اسے دیکھ کر منھ پھیر لیں گے ۔ وہ کسی مندر میں بھی نہ جا سکے گا ، نہ کسی کے برتن چھو سکے گا ۔ اور یہ سب اس ابھاگنی سلیا کے کارن ۔

سلیا جہاں اناج اُسا رہی تھی وہیں سر جھکائے کھڑی تھی جیسے یہ اسی کی درگت ہو رہی ہو۔ یکا یک اس کی ماں نے آکر ڈانٹا " کھڑی تاکتی کیا ہے ؟ چل سیدھے گھر! نہیں تو بوٹی بوٹی کاٹ ڈالوں گی ۔ باپ دادا کا نام تو کھوب اجاگر کر چکی اب اور کیا کرنے پر لگی ہے ؟"

سلیا بت بنی کھڑی رہی ۔ ماں باپ اور بھائیوں پر اسے غصہ آرہا تھا ۔ یہ لوگ کیوں اس کے بیچ میں بولتے ہیں ؟ وہ جیسے چاہتی ہے رہتی ہے دوسروں سے کیا مطلب ؟ کہتے ہیں کہ یہاں تیری ہتک ہوتی ہے ۔ تب کیا کوئی باھمن اس کا پکایا کھائے گا یا اس کے ہاتھ کا پانی پی لے گا ؟ ابھی ذرا دیر پہلے اس کا دل ماتادین کے برتاؤ سے بے حال ہو رہا تھا، مگر اپنے گھر والوں اور برادری کی اس زیادتی نے اس نفرت کو گہری رغبت میں تبدیل کر دیا ۔ احتجاج کے لہجے سے بولی ۔" میں کہیں نہ جاؤں گی ۔ تو کیا یہاں بھی مجھے جینے نہ دے گی؟"

بڑھیا نے کڑی آواز میں کہا " تو نہ چلے گی ؟"

"نہیں "

" چل سیدھے سے "

"نہیں جاتی "

فوراً دونوں بھائیوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے اور اسے گھسیٹے ہوئے لے چلے ۔ سلیا زمین پر بیٹھ گئی ۔ بھائیوں نے اس پر بھی نہ چھوڑا ، گھسیٹے ہی رہے ، اس کی ساڑی پھٹ گئی ۔

پیٹھ اور کمر کی کھال چھل گئی ، پھر بھی وہ جانے پر راضی نہ ہوئی ۔

تب ہرکھو نے لڑکوں سے کہا " اچھا اب اسے چھوڑ دو سمجھ لیں گے کہ مرگئی ۔ مگر اب جو کبھی میرے دوارے پر آئی تو لہو پی جاؤں گا ۔"

سلیا جان پر کھیل کر بولی " ہاں جب تمھارے دوارے پر جاؤں تو پی لینا ۔"

بڑھیا نے غصے کے جنون میں سلیا کو کئی لاتیں جمائیں اور ہرکھو نے اسے ہٹا نہ دیا ہوتا تو شاید جان ہی لے کر چھوڑتی ۔

بڑھیا پھر جھپٹی تو ہرکھو نے اسے دھکے دے کر پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا " تو بڑی ہتیارنی ہے ، کلیا ! کیا اسے مار ہی ڈالے گی ؟"

سلیا باپ کے پیروں سے لپٹ کر بولی " مار ڈالو دادا ، سب لوگ مل کر مار ڈالو ۔ ہائے اماں ، تم اتنی بے درد ہو ، اسی لیے دودھ پلا کر پالا تھا ؟ پیدا ہوتے ہی کیوں نہ گلا گھونٹ دیا؟ ہاں میرے پیچھے تم نے پنڈت کو بھی بھرشٹ کردیا ۔ اس کا دھرم لے کر تمھیں کیا ملا ؟ اب تو وہ نہ پوچھے گا ، مگر پوچھے یا نہ پوچھے رہوں گی تو اسی کے ساتھ وہ مجھے چاہے بھوکوں رکھے چاہے مار ڈالے ، پر اس کا ساتھ نہ چھوڑوں گی ۔ ان کی اتنی درگت کراکے کیسے چھوڑوں ؟ مرجاؤں گی پر ہرجائی نہ بنوں گی ۔ ایک بار جس نے باہنہ پکڑلی اسی کی رہوں گی ۔"

کلیا نے ہونٹ چبا کر کہا " جانے دو رانڈ کو ۔ سمجھتی ہے کہ وہ اس کا نباہ کرے گا ، مگر آج ہی مار کر بھگا نہ دے تو منھ نہ دکھاؤں ۔"

بھائیوں کو بھی رحم آگیا سلیا کو وہیں چھوڑ کر سب کے سب چلے گئے ، تب وہ آہستہ سے اٹھ کر لنگڑاتی اور کراہتی ہوئی کھلیان میں جاکر بیٹھ گئی اور آنچل سے منھ ڈھانک کر رونے لگی ۔

داتا دین نے جلاہا کا غصہ داڑھی پر اتارا " ان کے ساتھ کیوں نہیں چلی گئی سلیا ؟ اب کیا کرانے پر لگی ہوئی ہے ؟ میرا ستیا ناس کراکے بھی پیٹ نہیں بھرا ؟"

سلیا نے آنسو بھری آنکھیں اوپر اٹھائیں ۔ ان میں نور کی جھلک تھی بولی ۔" ان کے ساتھ کیوں جاؤں ؟ جس نے باہنہ پکڑی اسی کے ساتھ رہوں گی ۔"

پنڈت جی نے دھمکایا " میرے گھر میں پاؤں رکھا تو لاتوں سے بات کروں گا ۔"

سلیا نے بھی گستاخانہ کہا " مجھے جہاں وہ رکھیں گے وہاں رہوں گی ۔ پیڑ تلے رکھیں ،

چاہے محل میں رہیں۔''

ماتا دین بدحواس سا بیٹھا تھا۔ دوپہر ہونے کو تھی۔ دھوپ پتیوں سے چھن چھن کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، ماتھے سے پسینہ ٹپک رہا تھا مگر وہ خاموش بلاحس وحرکت بیٹھا ہوا تھا۔

دفعتاً جیسے اس نے ہوش میں آکر کہا ''میرے لیے اب کیا کہتے ہو دادا؟'' داتا دین نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ڈھارس دیتے ہوئے کہا ''تمھارے لیے ابھی میں کیا کہوں بیٹا؟ چل کر نہاؤ، کھاؤ، پھر پنڈتوں کی جیسی رائے ہوگی کیا جائے گا۔ ہاں ایک بات ہے، سلیا کو اب چھوڑنا پڑے گا۔''

ماتا دین نے سلیا کی طرف خون بھری نگاہوں سے دیکھا۔'' میں اب کبھی اس کا منھ نہ دیکھوں گا مگر پراسچت ہوجانے پر پھر تو کوئی دوکھ نہ رہے گا؟''

''پراسچت ہوجانے پر کوئی دوکھ پاپ نہیں رہتا۔''

''تو آج ہی پنڈتوں کے پاس جاؤ۔''

''آج ہی جاؤں گا بیٹا!''

''مگر پنڈت کہیں اس کا پراسچت نہیں ہوسکتا تب؟''

''وہ جو کچھ کہیں۔''

''تو تم مجھے گھر سے نکال دوگے؟''

داتا دین نے پدرانہ محبت سے بے قرار ہوکر کہا ''ایسا کہیں ہوسکتا ہے بیٹا؟ دھن جائے، دھرم جائے، پر تمھیں نہیں چھوڑ سکتا۔''

ماتا دین نے لاٹھی اٹھائی اور باپ کے پیچھے پیچھے گھر چلا۔ سلیا بھی اٹھی اور لنگڑاتی ہوئی اس کے پیچھے ہولی۔ ماتا دین نے پیچھے پھر کر بے دردی سے کہا ''میرے ساتھ مت آ۔ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ اتنی درگت کرواکے بھی تیرا پیٹ نہیں بھرا؟''

سلیا نے گستاخانہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''واسطہ کیسے نہیں ہے؟ اسی گاؤں میں تم سے دھنی، تم سے سُندر، تم سے اِجّت دار لوگ ہیں، میں ان کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑتی؟ تمھاری یہ درگت ہی آج کیوں ہوئی؟ جو رَسّی تمھارے گلے میں پڑ گئی ہے اسے تم لاکھ چاہو پر توڑ نہیں سکتے اور نہ میں تمھیں چھوڑ کر کہیں جاؤں گی۔ مجوری کروں گی بھیک مانگوں گی، پر تمھیں

چھوڑوں گی نہیں ۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ماتادین کا ہاتھ چھوڑ دیا اور پھر کھلیان میں جا کر اناج اسانے لگی۔ ہوری ابھی تک وہاں غلہ مانڈ رہا تھا ۔ دھنیا اسے کھانا کھانے کو بلانے آئی تھی ۔ ہوری نے بیلوں کو پیرے سے باہر نکال کر ایک درخت سے باندھ دیا ۔ اور سلیا سے بولا " تو بھی جا ، کھا پی آ سلیا ۔ دھنیا یہاں بیٹھی ہے۔ تیری پیٹھ پر کی ساڑی تو لہو سے رنگ گئی ہے رے ! کہیں گھاؤ پک نہ جائے تیرے گھر والے بڑے کسائی ہیں ۔"

سلیا نے ان کی طرف غمگین آنکھوں سے دیکھا ۔" یہاں کسائی کون نہیں ہے دادا ؟ میں نے تو کسی کو دیاوان نہیں پایا ۔"

" کیا کہا پنڈت نے ؟"

" کہتے ہیں کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ۔"

" اچھا ، ایسا کہتے ہیں !"

" سمجھتے ہوں گے کہ اس طرح اپنے منھ کی لالی رکھ لیں گے ، پر جس بات کو دنیا جانتی ہے اسے کیسے چھپالیں گے ؟"

" میری روٹیاں بھاری ہیں تو نہ دیں ۔ میرے لیے کیا ؟ مجوری اب بھی کرتی ہوں ، تب بھی کروگی ۔ سونے کو ہاتھ بھر جگہ تم ہی سے مانگوں گی تو کیا تم نہ دو گے ؟"

دھنیا ترس کھا کر بولی " جگہ کی کون کمی ہے بیٹی ؟تو چل ، میرے گھر رہ !"

ہوری نے آزردگی سے کہا " بلاتی تو ہے پر پنڈت کو جانتی نہیں ؟"

دھنیا نے بے خوفی سے کہا " بگڑیں گے تو ایک روٹی بیسی کھالیں گے ، اور کیا کریں گے ؟ کوئی ان کی دبیل ہوں ؟ اس کی آبرو لی ، برادری سے نکلوایا اور اب کہتے ہیں کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ۔ آدمی ہے کہ کسائی ؟ یہ اسی نیت کا آج پھل ملا ہے ۔ پہلے نہیں سوچ لیا تھا ۔ تب تو موج اڑاتے رہے ۔ اب کہتے ہیں کہ مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ۔"

ہوری کے خیال سے دھنیا غلطی کر رہی تھی ۔" سلیا کے گھر والوں نے متئی کو کتنا بے دھرم کردیا ۔ یہ کوئی اچھا کام نہیں کیا ۔ سلیا کو چاہے مار کر لے جاتے ، چاہے دلار کر کے لے جاتے وہ ان کی لڑکی ہے ۔ متئی کو کیوں بے دھرم کیا ؟"

دھنیا نے ڈانٹ بتائی " اچھا رہنے دو ، بڑے نیائی بنے ہو ! مرد مرد سب ایک ہوتے

ہیں ۔ اس کو متئی نے بھرسٹ کیا تب تو کسی کو برا نہ لگا اور اب جو متئی بے دھرم ہو گئے تو کیوں برا لگتا ہے؟ کیا سلیا کا دھرم دھرم نہیں ہے؟ رکھنے کو تو چمارن ، اس پر بڑے نیم دھرم والے بنتے ہیں ! بڑا اچھا کیا ہرکھو چودھری نے ۔ ایسے گنڈوں کی یہی دوا ہے ۔ تو چل سلیا میرے گھر ، نہ جانے کیسے بے درد ماں باپ ہیں کہ بیچاری کی ساری پیٹھ لہو لہان کردی ۔ تم جاکے سونا کو بھیج دو میں اسے لے کر آتی ہوں ۔''

ہوری گھر چلا اور سلیا دھنیا کے پیروں میں گر کر رونے لگی ۔

۲۴

سونا سترھویں سال میں تھی اور اس سال اس کا بیاہ کرنا ضروری تھا۔ ہوری تو دو سال سے اسی فکر میں تھا مگر ہاتھ خالی ہونے سے کوئی قابو نہ چلتا تھا مگر اس سال جیسے بھی ہو اس کا بیاہ کر ہی دینا چاہیے ، چاہے قرض لینا پڑے چاہے کھیت رہن رکھنے پڑیں اور تنہا ہوری کی بات چلتی تو دوسال پہلے ہی بیاہ ہو گیا ہوتا۔ وہ کفایت سے کام کرنا چاہتا مگر دھنیا کہتی تھی کہ چاہے کتنا ہاتھ باندھ کر کھرچ کرو ، دو ڈھائی سو تو لگ ہی جائیں گے ۔ جھنیا کے آجانے سے برادری میں ان لوگوں کا درجہ کچھ گر گیا تھا اور سو دو سو دیے بغیر کوئی اچھا لڑکا نہ مل سکتا تھا۔ پچھلے سال چیت کی فصل میں کچھ نہ ملا تھا تو پنڈت داتا دین سے آدھے کا ساجھا ،مگر پنڈت جی نے بیج اور مزدوری کی کچھ ایسی تفصیل بتائی کہ ہوری کے ہاتھ ایک چوتھائی سے زیادہ اناج نہ لگا اور لگان دینا پڑ گیا پورا ۔ ایکھ اور سَن کی فصل برباد ہوگئی ، سن تو بارش زیادہ ہونے اور ایکھ دیمک لگ جانے سے ۔ ہاں اس سال کی فصل اچھی تھی ، اور ایکھ بھی خوب لگی ہوئی تھی ۔ بیاہ کے لیے اناج تو موجود ہی تھا ، دو سو روپے بھی ہاتھ آجائیں تو وہ لڑکی کے فرض سے سبکدوش ہو جائے ۔ اگر گوبر سو روپے کی مدد کرے تو بقیہ روپے ہوری کو آسانی سے مل جائیں گے ۔جھنگری سنگھ اور منگرو ساہ دونوں ہی اب کچھ نرم پڑ گئے تھے ۔ جب گوبر پردیس میں کما رہا ہے تو ان کے روپے ماریں نہ پڑ سکتے تھے ۔

ایک دن ہوری نے گوبر کے پاس دوتین دن کے لیے جانے کی تجویز کی ۔مگر دھنیا ابھی تک گوبر کے وہ سخت الفاظ نہ بھولی تھی ۔ وہ گوبر سے ایک پیسہ بھی نہ لینا چاہتی تھی ، کسی طرح بھی نہیں !

ہوری نے جھنجھلا کر کہا ''پر کام کیسے چلے گا یہ بتا ۔''

دھنیا سر ہلا کر بولی ''مان لو کہ گوبر پردیس نہ گیا ہوتا تب تم کیا کرتے ، وہی اب کرو۔''

ہوری کی زبان بند ہوگئی ، لمحہ بھر بعد بولا ''میں تو تجھ سے پوچھتا ہوں ۔''

دھنیا نے جان بچائی '' یہ سوچنا مردوں کا کام ہے ۔''

ہوری کے پاس جواب تیار تھا '' مان لے میں نہ ہوتا اور تو ہی اکیلے ہوتی تب تو کیا کرتی ؟ وہی کرے ''

دھنیا نے حقارت سے دیکھا '' تب میں گسا کنیا بھی دے دیتی تو کوئی ہنسنے والا نہ تھا۔''

ایسا تو ہوری بھی کرسکتا تھا۔ اسی میں اس کی خیر بھی تھی ۔ مگر گھر کی مرجاد کیسے چھوڑ دے؟ اس کی بہنوں کے بیاہ میں تین تین سو براتی دروازے پر آئے تھے۔ جہیز بھی اچھا دیا گیا تھا۔ ناچ ،تماشا ،باجے گاجے ،ہاتھی گھوڑے ، سبھی تھے۔ آج بھی برادری میں اس کا نام ہے ۔دس گاؤں کے لوگوں سے اس کا میل جول ہے ۔ گسا کنیا دے کر وہ کسے منہ دکھائے گا ؟ اس سے تو مرجانا اچھا ہے اور وہ کیسے کسا کنیا دے؟ درخت ہیں ، زمین ہے اور کچھ ساکھ بھی ہے ۔ اگر وہ ایک بیگھہ بھی بیچ دے تو دو سو مل جائیں ،مگر کسان کے لیے زمین جان سے بھی زیادہ عزیز ہے ، خاندانی وقار سے بھی زیادہ عزیز ہے ! اور کل تین ہی بیگھے اس کے پاس ہیں ۔ اگر ایک بیگھ بیچ دے تو پھر کھیتی کیسے کرے گا ؟

اِسی حیص بیص میں کئی دن گزر گئے اور ہوری کچھ فیصلہ نہ کرسکا۔

دسہرے کی چھٹیوں کے دن تھے ۔ جھنگری ،پٹیشوری اور نوکھے رام تینوں کے لڑکے تعطیل میں گھر آئے تھے۔ تینوں انگریزی پڑھتے تھے اور اگرچہ تینوں بیس بیس برس کے ہوگئے تھے مگر ابھی تک یونیورسٹی میں جانے کا نام نہ لیتے تھے ۔ ایک ایک درجے میں دو دو تین تین سال پڑے رہتے ۔ تینوں کی شادیاں ہوچکی تھیں ۔

پٹیشوری کے سپوت بندیشوری تو ایک لڑکے کے باپ بھی ہوچکے تھے۔ تینوں دن بھر تاش کھیلتے ، بھنگ پیتے اور چھیلا بنے گھومتے پھرتے تھے اور دن میں کئی کئی بار ہوری کے دروازے کی طرف تاکتے ہوئے نکلتے اور ایسا اتفاق تھا کہ جس وقت وہ نکلتے اس وقت سونا بھی کسی نہ کسی کام سے دروازے پر آ کھڑی ہوتی ۔ ان دنوں وہ وہی ساڑی پہنتی تھی جو گوبر اس کے لیے لایا تھا۔ یہ سب تماشا دیکھ دیکھ کر ہوری کا خون خشک ہوجاتا تھا گویا اس کی کھیتی چوپٹ کرنے کے لیے آسمان پر اولے والے زرد بادل اٹھے چلے آتے ہوں ۔

ایک دن تینوں اسی کنوئیں پر نہانے جا پہنچے ، جہاں ہوری ایکھ سینچنے کے لیے پُر چلا رہا تھا ۔ سونا پُر لے رہی تھی ۔ ہوری کا خون آج کھول اٹھا۔

اسی شام کو وہ دلاری کے پاس گیا۔ سوچا کے عورتوں کا دل نرم ہوتا ہے شاید اس کا دل پسیج جائے اور کم سود پر روپیہ دے دے مگر دلاری اپنا ہی رونا لے بیٹھی ۔ گاؤں میں ایسا کوئی گھر نہ تھا جس پر اس کے کچھ روپے نہ آتے ہوں ، حتیٰ کے جھنگری سنگھ پر اس کے بیس روپے آتے تھے ۔لیکن کوئی دینے کا نام نہیں لیتا تھا ۔ بیچاری کہاں سے روپے لائے ؟

ہوری نے گڑ گڑا کر کہا '' بھابھی ، بڑا پن ہوگا ۔تم روپے نہ دوگی ، یہ میرے گلے کی پھانسی کھول دوگی ۔ جھنگری اور پٹیشوری میرے کھیتوں پر دانت لگائے ہوئے ہیں ۔ میں سوچتا ہوں کہ باپ دادوں کی یہی تو نسانی ہے ، یہ نکل گئی تو جاؤں گا کہاں ؟ ایک سپوت وہ ہوتا ہے جو گھر کی سمپت بڑھاتا ہے ۔ میں ایسا کپوت ہو جاؤں کہ باپ دادوں کی کمائی پر جھاڑو پھیردوں !''

دلاری نے قسم کھائی '' ہوری ! میں ٹھاکر جی کے چرن چھوکر کہتی ہوں کہ اس سمے میرے پاس کچھ نہیں ہے ۔ جس نے لیا وہ دیتا نہیں تو میں کیا کروں ؟ تمھارا ہی بھائی ہیرا ہے ۔ بیل کے لیے پچاس روپے لیے ۔ اس کا تو کہیں ، پتا ٹھکانا نہیں ، اس کی گھروالی سے مانگو تو لڑنے کو تیار ہے ۔ سوبھا بھی دیکھنے میں بڑا سیدھا ہے مگر پیسہ دینا نہیں جانتا اور اصل بات تو یہ ہے کہ کسی کے پاس ہے ہی نہیں ، دے کہاں سے ؟ سب کی دسا دیکھتی ہوں ، اسی مارے صبر کر جاتی ہوں ۔ لوگ کس طرح پیٹ پال رہے ہیں اور کیا کھیتی باڑی بیچنے کی میں صلاح نہ دوں گی ۔ کچھ نہیں ہے ، مرجاد تو ہے۔''

پھر سرگوشی کرتی ہوئی بولی '' پٹیشری لالا کا لونڈا تمھارے گھر کی طرف بہت چکر لگاتا ہے ۔ تینوں کا وہی حال ہے ۔ ان سے چوکنا رہنا ۔ یہ سہر کے ہوگئے ہیں ، گاؤں کا بھائی چارا کیا سمجھیں ؟ لڑکے گاؤں میں بھی ہیں ۔مگر ان میں کچھ سرم ہے ، کچھ ادب ہے اور کچھ ڈر ہے ۔ یہ سب تو چھوٹے سانڈ ہیں ۔ میری گوسلیا سسرال سے آئی تھی مگر میں نے ان سبوں کے ڈھنگ دیکھ کر اس کے سسر کو بلا کر بدا کردیا ۔کوئی کہاں تک پہرا دے ؟''

ہوری کو مسکراتا دیکھ کر اس نے میٹھے شکوے کے لہجے میں کہا '' ہنسوگے ہوری ، تو میں بھی کچھ کہہ دوں گی ۔تم کیا کسی سے کم نٹ کھٹ تھے ؟ دن میں پچاسوں بار کسی نہ کسی بہانے سے میری دکان میں آیا کرتے تھے ، پر میں نے کبھی تاکا تک نہیں ۔''

ہوری نے نرم احتجاج کے ساتھ کہا '' یہ تو تم جھوٹ بولتی ہو بھابھی ! میں بنا کچھ رس

پائے تھوڑا ہی آتا تھا۔ چڑیا ایک بار پُرج جاتی ہے تبھی دوسری بار آنگن میں آتی ہے۔''

''چل جھوٹے!''

''آنکھوں سے نہ تاکتی رہی ہو، پر تمھارا من تو تاکتا ہی تھا، بلکہ بلاتا تھا۔''

''اچھا رہنے دو بڑے آئے جوتسی بن کے! تمھیں بار بار منڈرات دیکھ کے مجھے دیا آجاتی تھی، نہیں تم ایسے کوئی بانکے جوان نہ تھے۔''

حسینی ایک پیسے کا نمک لینے آگیا اور یہ مذاق بند ہوگیا۔ حسینی نمک لے کر چلا گیا تو دلاری نے پھر کہا ''گوبر کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟ دیکھتے بھی آؤگے سایت کچھ مل بھی جائے۔''

ہوری مایوسی سے بولا ''وہ کچھ نہ دے گا۔ لڑکے چار پیسے کمانے لگتے ہیں تو آنکھ بدل جاتی ہے۔ میں تو بے حیائی کرنے کو تیار تھا پر دھنیا نہیں مانتی۔ اس کے بنا کہے چلا جاؤں تو گھر میں رہنا دوبھر کردے۔ اس کا سُبھاؤ تو جانتی ہو۔''

دلاری نے طنزیہ کہا ''تم تو مہریا کے جیسے گُلام ہوگئے۔''

''تم نے پوچھا ہی نہیں تو کیا کرتا؟''

''میری گلامی کرنے کہتے تو میں نے لکھا لیا ہوتا، سچ۔''

''تو اب سے کیا بگڑا ہے؟ لکھا لونا!۔ دو سو میں لکھتا ہوں، ان داموں مہنگا نہیں ہوں۔''

''تب دھنیا سے تو نہ بولو گے؟''

''نہیں، کہو کسم کھالوں۔''

''اور جو بولے؟''

''تو میری جیبھ کاٹ لینا۔''

''اچھا تو جاؤ، لڑکا ٹھیک ٹھاک کرو، میں روپے دے دوں گی۔''

ہوری نے آنسو بہاتے ہوئے دلاری کے پیر پکڑ لیے۔ رقت سے زبان بند ہوگئی۔

سیٹھانی نے پاؤں کھینچ کر کہا ''اب یہی سرارت تو مجھے اچھی نہیں لگتی۔ میں سال بھر کے اندر اپنے روپے سود سمیت کان پکڑ کر لے لوں گی۔ تم تو بیوہار کے ایسے سچے نہیں ہو مگر دھنیا پر مجھے بسواس ہے۔ سنا کہ پنڈت تم سے بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسے

گاؤں سے نکال کر نہ چھوڑا تو باھمن نہیں ۔ تم سلیا کو نکال باہر کیوں نہیں کرتے ؟ بیٹھے بیٹھائے جھگڑا مول لے لیا ۔"

" دھنیا اسے رکھے ہوئے ہے میں کیا کروں ؟"

" سنا ہے کہ پنڈت کاسی گئے تھے ۔ وہاں ایک بڑا نامی پنڈت ہے ۔ وہ پانچ سو مانگتا ہے تب پراسچت کرے گا ۔ بھلا پوچھو ، ایسا اندھیر کہیں ہوا ہے ۔ جب دھرم چلا گیا تو ایک نہیں ہجار بار پراسچت کرو تو کیا ہوتا ہے ۔ تمھارے ہاتھ کا چھوا پانی کوئی نہ پیے گا ، چاہے جتنا پراسچت کرو ۔"

ہوری یہاں سے گھر چلا تو اس کا دل اچھل رہا تھا ۔ زندگی میں ایسا سکھ دینے والا تجربہ کبھی نہ ہوا تھا ۔ راستے میں سوبھا کے گھر گیا اور سگائی لے کر چلنے کے لیے نیوتہ دے آیا۔ پھر دونوں داتادین کے پاس سگائی کی ساعت پوچھنے گئے ۔ وہاں سے آکر دروازے پر سگائی کی تیاریوں کا مشورہ کرنے لگے ۔

دھنیا نے باہر نکل کر کہا " پہر رات گئی ، ابھی روٹی کھانے کی بیرا نہیں آئی ؟ کھا کر بیٹھو۔ باتیں کرنے کو تو ساری رات پڑی ہے ۔"

ہوری نے اس سے بھی مشورے میں شریک ہونے کا اصرار کرتے ہوئے کہا ۔"اسی سہالگ میں لگن ٹھیک ہوئی ہے ۔ بتا کیا کیا سامان لانا چاہیے ۔ مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔"

" جب کچھ معلوم ہی نہیں تو صلاح کرنے کیا بیٹھے ہو؟ کچھ روپے پیسہ کا ٹھیک بھی ہوا ہے کہ من کی مٹھائی کھا رہے ہو؟"

ہوری نے شان سے کہا " تجھے اس سے کیا مطلب ؟ تو اتنا بتا دے کہ کیا کیا سامان لانا ہوگا ؟"

" تو میں ایسی من کی مٹھائی نہیں کھاتی ۔"

" تو اتنا بتادے کہ ہماری بہنوں کے بیاہ میں کیا کیا سامان آیا تھا ؟"

" پہلے یہ بتادو کہ روپے مل گئے ۔"

" ہاں مل گئے اور نہیں تو کیا بھنگ کھائی ہے ۔"

" تو پہلے چل کر کھالو ، پھر صلاح کریں گے ۔"

مگر جب اس نے سنا کے دلاری سے بات چیت ہوئی ہے تو ناک سکیڑ کر بولی "اس

سے روپے لے کر آج تک ارن ہوا ہے ؟ چڑیل کتنا کس کر سود لیتی ہے ۔''

'' لیکن کرتا کیا ؟ دوسرا دیتا کون ہے ؟''

'' یہ کیوں نہیں کہتے کہ اسی بہانے دو گال ہنسنے بولنے گیا تھا ؟بوڑھے ہوگئے پر وہ بان نہ گئی ۔''

'' تو تو دھنیا بچوں کی سی باتیں کرنے لگتی ہے ۔ میرے جیسے پھٹے حالوں سے وہ ہنسے بولے گی ؟ سیدھے منھ بات تو کرتی نہیں ۔''

'' تم جیسے کو چھوڑ کر اس کے پاس اور جائے ہی گا کون ؟''

'' اس کے دوارے پر اچھے اچھے ناک رگڑتے ہیں ۔ دھنیا! تو کیا جانے ؟ اس کے پاس لچھمی ہے ۔''

'' اس نے تنک سی حامی بھر دی تو تم سب جگہ گاتے پھرنے لگے۔''

'' حامی نہیں بھر دی ، پکا وعدہ کیا ہے ۔''

ہوری روٹی کھانے لگا اور سوبھا اپنے گھر چلا گیا تو سونا سلیا کے ساتھ باہر نکلی ۔ وہ دروازے پر کھڑی ساری باتیں سن رہی تھی ۔ اس کی سگائی کے لیے دو سو روپے دلاری سے ادھار لیے جارہے ہیں ، یہ بات اس کے پیٹ میں ایسی کھلبلی مچا رہی تھی جیسے تازہ چونا پانی میں پڑ گیا ہو ۔ دروازے پر ایک کپی جل رہی تھی جس سے طاق کے اوپر کی دیوار سیاہ ہوگئی تھی ۔ دونوں بیل ناند میں سانی کھارہے تھے اور ایک کتا زمین پر ٹکڑا کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا ۔ یہ دونوں بیلوں کی چرنی کے پاس آکر کھڑی ہوگئیں ۔

سونا بولی '' تو نے کچھ سنا ؟ دادا میری سگائی کے لیے سیٹھانی سے دو سو روپے ادھار لے رہے ہیں۔''

سلیا گھر کا ذرا ذرا حال جانتی تھی بولی '' گھر میں پیسہ نہیں ہے تو کیا کریں ؟''

سونا نے سامنے کے سیاہ درختوں کی طرف تاکتے ہوئے کہا '' میں ایسا بیاہ نہیں کرنا چاہتی جس میں ماں باپ کو ادھار لینا پڑے ۔ کہاں سے دیں گے بے چارے ؟ بتا ! پہلے ہی رِن کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں ، دو سو اور لیں گے تو بوجھ اور بھاری ہوجائے گا کہ نہیں؟''

'' بِنا دیے لیے بڑے آدمیوں کا کہیں بیاہ نہیں ہوتا پگلی ؟ دہیج کے بِنا تو کوئی بوڑھا

باڑھا ہی ملے گا ۔ جائے گی بوڑھے کے ساتھ ؟''

'' بوڑھے کے ساتھ کیوں جاؤ ں؟ بھیا بوڑھے تھے جو جھنیا کو لے آئے ؟ انھیں کس نے دہیج میں گئے پیسے دیے تھے ؟''

'' اس میں باپ دادا کا نام ڈوبتا ہے ۔''

'' میں تو سناری والوں سے کہہ دوں گی کہ اگر تم نے ایک پیسہ بھی دہیج لیا تو میں تم سے بیاہ نہ کروں گی ۔''

سونا کا بیاہ سناری کے ایک مالدار کسان کے لڑکے سے طے ہوا تھا ۔

'' اور جو وہ کہہ دے کہ میں کیا کروں ، تمھارے باپ دیتے ہیں اور میرے باپ لیتے ہیں ، تو اس میں میرا کیا بس ؟''

سونا نے جس ہتھیار کو بہت کارگر سمجھا تھا ، اب معلوم ہوا کہ وہ بالکل نکما ہے مایوس ہوکر بولی '' میں ایک بار اس سے کہہ کر دیکھ لینا چاہتی ہوں ۔ اگر اس نے کہہ دیا کہ میرا کوئی بس نہیں تو کیا گومتی یہاں سے بہت دور ہے ؟ جاکر ڈوب مروں گی ۔ ماں باپ نے مرمر کے پالا پوسا تو اس کا بدلہ کیا یہی ہے کہ ان کے گھر سے جانے لگوں تو انھیں کرجے اور لادتی جاؤں ؟ بھگوان نے ماں باپ کو دیا ہوتو جتنا جی میں آوے لڑکی کو دیں ، میں منع نہیں کرتی ۔ لیکن جب وہ پیسے پیسے کو تنگ ہورہے ہیں ، تو کنیا کا دھرم یہی ہے کہ ڈوب مرے ۔ گھر کی جمین ، جگہ اور جائجات تو بچ جائے گی ،روٹی کا سہارا تو رہ جائے گا ۔ ماں باپ چار دن میرے نام کو رو کر صبر کرلیں گے ۔ یہ تو نہ ہوگا کہ انھیں میرا بیاہ کر کے جنم بھر رونا پڑے ۔ تین چار سال میں دوسو کے دونے ہو جائیں گے ۔ دادا کہاں سے لاکر دیں گے ؟''

سلیا کو معلوم ہوا جیسے اس کی آنکھوں میں نئی چمک آ گئی ہے ۔ جوش میں سونا کو سینے سے لگا کر بولی '' تو نے اتنا گیان کہاں سے سیکھ لیا سونا ؟ دیکھنے میں تو بڑی بھولی بھالی ہے ۔''

'' اس میں گیان کی کون بات ہے ؟ کیا میرے آنکھ نہیں ہے ؟ کہ میں پاگل ہوں؟ دو سو میرے بیاہ میں لیں ۔ تین سال میں دونا ہوجائے ۔ تب روپیا کی سگائی میں دوسو اور لیں اور جو کچھ کھیتی باری ہے سب لیلام ہوجائے اور دوارے دوارے بھیک مانگتے پھریں ، یہی نا؟ اس سے تو کہیں اچھا ہے کہ میں اپنی ہی جان دے دوں ۔ تو منھ اندھیرے سناری چلی جانا

اور اسے بلا لانا ۔مگر نہیں ، بلانے کا کام نہیں ہے ۔ مجھے اس سے بولتے لاج آئے گی۔تو ہی میرا یہ سندیسہ کہہ دینا ۔ دیکھیں کیا جواب ملتا ہے ۔کون دور ہے ؟ندی کے اس پار ہی تو ہے ! کبھی کبھی ڈھور لے کر ادھر آجاتا ہے ۔ایک بار اس کی بھینس میرے کھیت میں گھس گئی تھی تو میں نے اسے بہت گالیاں دی تھیں ۔ ہاتھ جوڑنے لگا ۔ ہاں یہ تو بتا کہ ادھر متئی سے تیری بھینٹ ہوئی ؟ سنا کہ باھمن اسے برداری میں نہیں لے رہے ہیں ۔''

سلیا نے حقارت سے کہا '' برادری میں کیوں نہ لیں گے، ہاں وہ بوڑھا روپیہ نہیں کھرچ کرنا چاہتا۔اس کو پیسہ مل جائے تو جھوٹی گنگا اٹھالے ۔لڑکا آج کل باہر کی دالان میں ٹِکّر لگاتا ہے ۔''

'' تو اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتی ؟ اپنی برادری میں کسی کے یہاں بیٹھ جا اور آرام سے رہ ۔ وہ تیری ہتک تو نہ کرے گا ؟''

'' ہاں ری ، کیوں نہیں ۔ میرے پیچھے اس کی اتنی درگت ہوئی تو اب میں اسے چھوڑ دوں ؟ اب وہ چاہے پنڈت بن جائے ، چاہے دیوتا بن جائے پر میرے لیے تو وہی متئی ہے جو میرے پیروں پر ماتھا رگڑا کرتا تھا ۔ اور باھمن بھی ہوجائے اور باھمنی سے بیاہ بھی کرلے تو بھی جتنی اس کی سیوا میں نے کی ہے وہ کوئی باھمنی کیا کرے گی ۔ ابھی مرجاد کے موہ میں وہ چاہے مجھے چھوڑے دے پر دیکھ لینا کہ پھر دوڑا آئے گا ۔''

'' آچکا اب ۔تجھے پائے تو کچا ہی کھاجائے ۔''

'' تو اسے بلانے ہی کون جاتا ہے ؟ اپنا اپنا دھرم اپنے اپنے ساتھ ہے ۔ وہ اپنا دھرم توڑ رہا ہے تو میں اپنادھرم کیوں توڑوں ؟''

بڑے سویرے سِلیا سُناری کی طرف چلی مگر ہوری نے روک لیا ۔ دھنیا کے سر میں درد تھا ۔ اس کی جگہ کیاریوں کو برانا تھا سلیا انکار نہ کرسکی ۔ یہاں سے جب دوپہر کو چھٹی ملی تو وہ سناری چلی ۔ ادھر تیسرے پہر ہوری پھر کنوئیں پر چلا تو سلیا کا پتہ نہ تھا ، بگڑ کر بولا '' سلیا کہاں اڑ گئی ؟ رہتی ہے ، رہتی ہے ، نہ جانے کدھر چل دیتی ہے ۔ جیسے کسی کام میں من ہی نہیں لگتا ۔تو جانتی ہے سونا ، کہاں گئی ہے ؟'' سونا نے حیلہ کیا '' مجھے تو کچھ معلوم نہیں ۔ کہتی تھی کہ دھوبن کے گھر کپڑے لینے جانا ہے ، وہیں چلی گئی ہوگی ۔''

دھنیا نے چارپائی سے اٹھ کر کہا '' چلو میں کیاری برائے دیتی ہوں ۔کون اسے مجوری

دیتے ہو جو بگڑ رہے ہو؟''

''ہمارے گھر میں رہتی نہیں ہے؟ اس کے پیچھے سارے گاؤں میں بدنامی نہیں ہو رہی ہے؟''

''اچھا رہنے دو۔ ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے تو اس سے کرایہ لوگے؟''

''ایک کونے میں نہیں پڑی ہوئی ہے، ایک پوری کوٹھری لیے ہوئے ہے۔''

''تو اس کوٹھری کا کرایہ ہوگا کوئی پانچ روپیہ مہینہ؟''

''اس کا کرایہ ایک پیسہ سہی! ہمارے گھر میں رہتی ہے، تو جہاں جائے پوچھ کر جائے، آج آتی ہے تو کھبر لیتا ہوں۔''

پُر چلنے لگا۔ دھنیا کو ہوری نے نہ آنے دیا۔ روپا کیاری براتی تھی اور سونا پُر لے رہی تھی۔ روپا گیلی مٹی کے چولھے اور برتن بنا رہی تھی اور سونا یاس اور امید بھری آنکھوں سے سناری کی طرف تاک رہی تھی۔۔ امید کم تھی، یاس زیادہ سوچتی تھی کہ ان لوگوں کو روپے مل رہے ہیں تو کیوں چھوڑنے لگے؟ جن کے پاس پیسہ ہے وہ تو پیسے پر اور جان دیتے ہیں۔ پھر گوری مہتو تو ایک ہی لالچی ہیں۔ متھرا میں دَیا ہے، دھرم ہے مگر باپ کی اِچھا جو ہوگی وہی اسے ماننی پڑے گی۔ مگر سونا بھی بچہ کو ایسا پھٹکارے گی کہ یاد کریں گے۔ وہ کھلم کھلا کہہ دے گی کہ جا کر کسی امیر کی لڑکی سے بیاہ کر؟ تجھ جیسے مرد کے ساتھ میرا نباہ نہ ہوگا۔ کہیں گوری مہتو مان گئے تو وہ ان کے چرن دھو دھو کر پیے گی۔ ان کی ایسی سیوا کرے گی جیسی اپنی باپ کی بھی نہ کی ہوگی۔ اور سلیا کو بھر پیٹ مٹھائی کھلا دے گی۔ گوبر نے جو روپیہ اسے دیا اسے وہ ابھی تک رکھے ہوئی تھی۔ اس شیریں تصور سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور رخساروں پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی۔

مگر سلیا ابھی تک آئی کیوں نہیں؟ کون بڑی دور ہے؟ نہ آنے دیا ہوگا ان لوگوں نے۔ آہا، وہ آرہی ہے! لیکن بہت دھیرے دھیرے آتی ہے۔ سونا کا دل بیٹھ گیا۔ ابھاگے نہیں مانے سایت، نہیں تو سلیا دوڑتی آتی۔ تو سونا سے ہو چکا بیاہ منھ دھو رکھو۔

سلیا آئی ضرور مگر کنوئیں پر نہ جا کر کھیت میں کیاری برانے لگی۔ ڈر رہی تھی کہ اگر ہوری پوچھیں گے کہ کہاں گئی تھی اب تک، تو کیا جواب دے گی۔ سونا کے یہ دو گھنٹے بڑی مشکل سے گزرے۔ پر بند ہوتے ہی وہ دوڑی ہوئی سلیا کے پاس گئی۔

’’ وہاں جاکر تو مرگئی تھی کیا ؟ تاکتے تاکتے آنکھیں پھوٹ گئیں ۔‘‘

سلیا کو برا لگا ’’ تو کیا میں وہاں سوتی تھی ؟ اس طرح کی بات چیت راہ چلتے تھوڑے ہوجاتی ہے ۔ موکا دیکھنا پڑتا ہے ۔ متھرا ندی پر ڈھور چرانے گیا تھا ۔ کھوجتی کھوجتی اس کے پاس گئی اور تیرا سندیسہ کہا ۔‘‘

’’ ایسا کھس ہوا کہ تجھ سے کیا کہوں ۔ میرے پاؤں پر گر پڑا اور بولا میں نے تو جب سے سنا ہے کہ سونا میرے گھر میں آرہی ہے تب سے آنکھوں کی نیند ہر گئی ہے ۔ اس کی وہ گالیاں مجھے پھل گئیں ۔ پر کاکا کو کیا کروں ، وہ کسی کی نہیں سنتے ۔‘‘

سونا نے ٹوکا ’’ تو نہ سنیں سونا بھی ہٹیلی ہے ۔ جو کہا ہے وہ کر دکھائے گی ۔ پھر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے ۔‘‘

’’ بس اسی چھن ڈھوروں کو وہیں چھوڑ کے مجھے لیے ہوئے گوری مہتو کے پاس گیا ۔ مہتو کے چار پُر چلتے ہیں ۔ کنواں بھی ان کا ہے ۔ دس بیگھے اوکھ ہے مہتو کو دیکھ کے مجھے ہنسی آگئی جیسے کوئی گھسیارا ہو ۔ ہاں بھاگ اچھے ہیں ۔ باپ بیٹے میں بڑی کہا سنی ہوئی ۔ گوری مہتو کہتے تھے کہ تجھ سے کیا مطلب ، میں چاہے کچھ لوں یا نہ لوں ، تو کون ہوتا ہے بولنے والا؟ متھرا کہتا تھا کہ تم کو لینا دینا ہے تو میرا بیاہ مت کرو ، میں اپنا بیاہ جیسے چاہوں گا کرلوں گا ۔ بات بڑھ گئی اور گوری نے پنہیں اتار متھرا کو خوب پیٹا ۔ کوئی دوسرا لڑکا اتنی مار کھاکے بگڑ کھڑا ہوتا ۔ متھرا ایک گھونسہ بھی جمادیتا تو مہتو پھر نہ اٹھتے ۔ مگر بے چارہ پنہیں کھاکر بھی کچھ نہ بولا ۔ آنکھوں میں آنسوں بھرے میرا منھ تاکتا ہوا چلا گیا ۔ تب مہتو مجھ پر بگڑنے لگے ۔ سیکڑوں گالیاں دیں ۔ مگر میں کیوں سننے لگی ؟ مجھے ان کا کیا ڈر تھا ؟ میں نے ساپھ کہہ دیا کہ مہتو ! دوتین سو کوئی بڑی بھاری رکم نہیں ہے اور ہوری مہتو اتنے میں بک نہ جائیں گے اور نہ تم ہی امیر ہو جاؤ گے ، پر وہ سب دھن ناچ تماسے میں ہی اڑ جائے گا ۔ ہاں ایسی بہو نہ پاؤ گے ۔‘‘

سونا نے آنسوبھر کر پوچھا ’’ تو مہتو اتنی ہی بات پر اسے مارنے لگے ؟‘‘

سلیا نے بات چھپا رکھی تھی ، ایسی ذلیل بات سونا کے کانوں نہ ڈالنا چاہتی تھی مگر یہ سوال سن کر ضبط نہ کرسکی اور بولی ’’ وہی گوبر بھیا والی بات تھی ۔ مہتو نے کہا آدمی جوٹھا تو تبھی کھاتا ہے جب میٹھا ہو ، اور کلنک چاندی ہی سے دھلتا ہے ۔ اس پر متھرا بولا کہ کاکا کون

گھر کلنک سے بچا ہے ؟ ہاں کسی کا کھل گیا اور کسی کا چھپا ہوا ہے ۔ گوری مہتو بھی پہلے ایک چمارن سے پھنسے تھے اوراس سے دو لڑکے بھی ہیں ۔ متھرا کے منھ سے اتنا نکلنا تھا کہ بوڑھے پر جیسے بھوت چڑھ گیا ۔ جتنا لالچی ہے ۔ اتنا گُسیل بھی ہے ۔ بِنا لیے نہ مانے گا ۔"

دونوں گھر چلیں ۔ سونا کے سر پر پُر، رسّا اور جوئے کا بھاری بوجھ تھا ۔ مگر اس وقت تو وہ اسے پھول سے بھی ہلکا لگ رہا تھا ۔ اس کے دل میں جیسے خوشی اور زندہ دلی کا سوتا کھل گیا تھا ۔ متھرا کی وہ مردانہ مورت سامنے کھڑی تھی اور وہ گویا اسے اپنے دل میں بیٹھا کر اس کے پیروں کو اپنے آنسوں سے دھو رہی تھی ۔ جیسے آسمانی روحیں اسے گود میں اٹھائے آسمان میں پھیلی ہوئی سرخی میں لیے چلی جارہی تھیں !۔

اسی رات سونا کو شدت کا بخار ہو آیا ۔

تیسرے دن گوری مہتو نے نائی کے ہاتھ یہ خط بھیجا۔

"سری سَرب اُپما جوگ سری ہوری مہتو کو گوری رام کا رام رام بانچنا ۔ آگے جو ہم لوگوں میں دہیج کی بات چیت ہوئی تھی ۔ اس پر ہم نے من سے بچار کیا تو سمجھ میں آیا کہ لین دین سے بَر اور کنیا دونوں ہی کے گھر والے جیر بار ہوتے ہیں۔ جب ہمارا تمھارا ناتا ہوگیا تو ہمیں ایسا برتاؤ کرنا چاہیے کہ کسی کو نہ اکھرے ۔تم دہیج کی کوئی چنتا مت کرنا ۔ ہم تم کو سوگند دیتے ہیں ۔ جو کچھ موٹا مہین ہوسکے ، براتیوں کو کھلا دینا ۔ ہم تو وہ بھی نہ مانگیں گے۔ رسد کا بندوبست ہم نے کرلیا ہے ۔ ہاں تم کُھسی سے جو ہمارے کھاطر کروگے وہ سر جھکا کر منجور کریں گے ۔"

ہوری نے خط پڑھا اور دوڑتے ہوئے اندر جاکر دھنیا کو سنایا ۔ خوشی کے مارے اچھلا پڑتا تھا ۔ مگر دھنیا کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی بیٹھی رہی ۔ ایک لمحہ بعد بولی " یہ گوری مہتو کی بھلمنسی ہے پر ہمیں بھی تو اپنی مرجاد کا نباہ کرنا ہے ۔ سنسار کیا کہے گا ؟ روپیہ ہاتھوں کا میل ہے ۔ اس کے لیے گھر کی مرجاد نہیں چھوڑی جاسکتی ۔ جو کچھ ہم سے ہوسکے گا ہم دیں گے اور گوری مہتو کو لینا پڑے گا ۔تم یہی جواب لکھ دو ۔ ماں باپ کی کمائی میں کیا لڑکی کا کوئی حصہ نہیں ہے ؟ نہیں ، لکھنا کیا ہے ۔ چلو میں نائی سے سندیسہ کہلائے دیتی ہوں۔"

ہوری بدحواس سا آنگن میں کھڑا تھا اور دھنیا اس فیاضی کے جواب میں جو گوری نے کی تھی ، اپنا سندیسہ کہہ رہی تھی ۔ پھر اس نے نائی کو شربت پلایا اور رخصتانہ دے کر

رخصت کیا۔

وہ چلا گیا تو ہوری نے کہا " یہ تو نے کیا کرڈالا دھنیا ؟ تیرا سبھاؤ آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔ تو آگے بھی چلتی ہے اور پیچھے بھی چلتی ہے۔ پہلے اس بات پر لڑرہی تھی کہ کسی سے ایک پیسہ ادھار مت لو۔ کچھ دینے دلانے کا کام نہیں ہے اور جب بھگوان نے گوری کے دل میں بیٹھ کر یہ چٹھی لکھوائی تو تونے گھرانے کی مرجاد کا راگ چھیڑدیا۔ تیرا بھید بھگوان ہی جانیں۔"

دھنیا بولی " منھ دیکھ کر بیڑا دیا جاتا ہے، جانتے ہوکہ نہیں ؟ تب گوری اپنی سان دکھاتے تھے، اب وہ بھلمنسی دکھاتے ہیں۔ اینٹ کا جواب چاہے پتھر ہومگر پرنام کا جواب تو گالی نہیں ہے۔"

ہوری نے ناک سکیڑ کر کہا " تو دکھا اپنی بھلمنسی ! دیکھوں کہ کہاں سے روپے لاتی ہے۔"

دھنیا آنکھیں مٹکا کر بولی " روپیہ لانا میرا کام نہیں ہے، تمھارا کام ہے۔"

" میں تو دلاری ہی سے لوں گا۔"

" لے لو اسی سے۔ سود تو سبھی لیں گے۔ جب ڈوبنا ہی ہے تو کیا گڑھئی اور کیا گنگا۔"

ہوری باہر جاکر حُقّہ پینے لگا۔ کتنے مزے سے گلا چھوٹا جاتا تھا۔ مگر دھنیا جان چھوڑے تب تو جب دیکھو الٹا ہی چلتی ہے۔ اسے جیسے کوئی بھوت سوار ہوجاتا ہے۔ گھر کی دسا دیکھ کر بھی اس کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔

۲۵

بھولا ادھر دوسری سگائی کر لائے تھے ۔ عورت کے بغیر ان کی زندگی بے کیف تھی ۔ جب تک جھنیا تھی انھیں حقہ پانی دے دیتی تھی اور وقت پر کھانے کو بھی بلا لے جاتی تھی ۔ اب بے چارے بے بس ہوگئے تھے ۔ بہوؤں کو گھر کے کام کاج ہی سے چھٹی نہ ملتی تھی ۔ ان کی خدمت کیا کرتیں ؟ اس لیے اب سگائی بہت ضروری ہوگئی تھی ۔ اتفاق سے ایک جوان بیوہ مل گئی جس کے شوہر کو مرے ہوئے صرف تین مہینے ہوئے تھے ۔ ایک لڑکا بھی تھا بھولا کی رال ٹپک پڑی اور جھٹ پٹ شکار مار لائے ۔ جب تک سگائی نہ ہوئی اس کا گھر کھود ڈالا ۔

ابھی تک ان کے گھر میں جو کچھ تھا وہ بہوؤں کا تھا ۔ جو چاہتی تھیں کرتی تھیں ، جیسے چاہتی تھیں رہتی تھیں ۔ جنگی جب سے اپنی عورت کو لے کر لکھنؤ چلا گیا تھا اس وقت سے کامتا ہی کی عورت گھر کی مالکہ تھی ۔ پانچ چھ مہینے ہی میں اس نے تیس چالیس روپے اپنے ہاتھ میں کر لیے تھے ۔ سیر آدھ سیر دودھ دہی چرا کر بیچ لیتی تھی ۔ اب مالکہ ہوئی اس کی سوتیلی ساس۔ اس کی حکومت بہو کو بری لگتی تھی اور آئے دن دونوں میں جھگڑا ہوتا رہتا تھا ، حتیٰ کے عورتوں کے پیچھے بھولا اور کامتا میں بھی کہا سنی ہوگئی ۔ جھگڑا اتنا بڑھا کہ الگاوے کی نوبت آگئی اور یہ ریت سدا سے چلی آئی ہے کہ الگاوے کے وقت مار پیٹ بھی ضروری ہوتی ہے۔ یہاں بھی اسی قاعدے پر عمل کیا گیا ۔ کامتا جوان آدمی تھا ۔ بھولا کا اس پر جو کچھ دباؤ تھا وہ باپ کے ناتے مگر نئی عورت لا کر اسے بیٹے سے عزت پانے کا اسے کوئی حق نہ رہا ۔ کم از کم کامتا اسے تسلیم نہ کرتا تھا ۔ اس نے بھولا کو پٹک کر کئی لاتیں لگائیں اور گھر سے نکال باہر کر دیا ۔ گھر کی چیزیں چھونے بھی نہ دیں ۔ گاؤں والوں میں بھی کسی نے بھولا کی حمایت نہ کی ۔ نئے بیاہ نے انھیں نکو بنا دیا تھا ۔ رات تو انھوں نے کسی طرح ایک پیڑ کی نیچے کاٹی مگر صبح ہوتے ہی نوکھے رام کے یہاں جا پہنچے اور فریاد کی ۔ بھولا کا گاؤں بھی انھیں کے حلقے میں تھا اور حلقے بھر کے مالک مکھیا جو کچھ تھے وہی تھے ۔ نوکھے رام کو بھولا پر تو کیا رحم آتا ، مگر ان کے ساتھ ایک رنگیلی چھبیلی عورت دیکھی تو فوراً جگہ دینے پر راضی ہوگئے ۔ جہاں ان کی گائیں

بندھتی تھیں ، وہی ایک کوٹھری رہنے کو دے دی ۔ اپنے جانوروں کی دیکھ بھال ،سانی پانی کے لیے انھیں یکایک ایک واقف کار آدمی کی ضرورت محسوس ہونے لگی ۔ بھولا کو تین روپے ماہوار اور ایک سیر روز اناج پر رکھ لیا۔

نوکھے رام ناٹے ، موٹے ، چندوے ، لمبی ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے آدمی تھے ۔ بڑا سا پگڑ باندھتے ، نیچا کرتہ پہنتے اور جاڑوں میں لحاف اوڑھ کر باہر آتے جاتے تھے۔ انھیں تیل کی مالش کرانے میں بڑا مزا آتا تھا ۔ پس ان کے کپڑے ہمیشہ میلے کچیلے رہتے تھے ۔ ان کا کنبہ بہت بڑا تھا ۔سات بھائی اور ان کے بال بچے ،سبھی ان کے سہارے تھے خود ان کا لڑکا نویں درجہ میں انگریزی پڑھتا تھا اور اس کے بابو پن کا ٹھاٹ باٹ نبھانا بھی کوئی آسان کام نہ تھا ۔ رائے صاحب سے انھیں صرف بارہ روپے تنخواہ ملتی تھی مگر خرچ سوروپے سے کوڑی کم نہ تھا ۔ اسی لیے آسامی کسی طرح ان کے چنگل میں پھنس جائے تو اسے خوب چوسے بغیر نہ چھوڑتے تھے ۔ پہلے چھ روپے تنخواہ ملتی تھی ، تب آسامیوں سے اتنی نوچ کھسوٹ نہ کرتے تھے مگر جب سے بارہ روپے ہوگئے تھے اس وقت سے ان کی ہوس اور بھی بڑھ گئی تھی ۔ اس لیے رائے صاحب ان کی ترقی نہ کرتے تھے ۔

گاؤں میں اور تو سبھی کسی نہ کسی صورت میں ان کا دباؤ مانتے تھے حتیٰ کہ داتادین اور جھنگری سنگھ بھی ان کی خوشامد کرتے تھے ، صرف پٹیشوری ان سے خم ٹھونکنے کو ہمیشہ تیار رہتے تھے ۔ نوکھے رام کو اگر یہ زعم تھا کہ ہم برہمن ہیں اور کایستھوں کو انگلی پر نچاتے ہیں تو پٹیشوری کو گھمنڈ تھا کہ ہم کایستھ ہیں ، قلم کے بادشاہ ۔ اس میدان میں کوئی دوسرا ہم سے کیا بازی لے جائے گا ۔ پھر وہ زمیندرا کے نوکر نہیں ۔ بلکہ ایسی سرکار کے نوکر ہیں جس کے راج میں آفتاب کبھی نہیں غروب ہوتا ۔ نوکھے رام اگر ایکادیشی کو ورت رکھتے ہیں اور پانچ برہمنوں کو کھلاتے ہیں تو پٹیشوری ہر پورن ماسی کو ست نرائن کی کتھا سنیں گے اور دس برہمنو ں کو کھلائیں گے ۔ جب سے ان کا بڑا لڑکا پتر دل ہو گیا تھا ، نوکھے رام اس تاک میں رہتے تھے کہ ان کا لڑکا بھی کسی طرح دسواں درجہ پاس کرلے تو اسے بھی کہیں نقل نویسی دلادیں ۔اسی لیے حکام کے پاس فصلی تحفے لے کر برابر سلام کرنے جایا کرتے تھے ۔ پٹیشوری ایک اور بات میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے ۔ لوگوں کا خیال تھا وہ اپنی بیوہ کہارن کو رکھے ہوئے ہیں تو اب نوکھے رام کو بھی اپنی شان میں یہ کسر پوری کرنے کا موقع ملتا ہوا معلوم ہوا ۔

بھولا کو ڈھارس دیتے ہوئے بولے " تم یہاں آرام سے رہو بھولا ، کسی بات کا کھٹکا نہیں۔ جو ضرورت ہو ہم سے آکر کہو۔ تمھاری گھر والی ہے سو اس کے لیے بھی کوئی نہ کوئی کام نکل آوے گا۔ بکھاروں میں اناج رکھنا ، نکالنا ، پچھوڑنا ، پھٹکنا کیا یہ سب تھوڑا کام ہے۔"

بھولا نے عرض کیا " ایک بار کامتا کو بلا کر پوچھ لو کیا باپ کے ساتھ بیٹے کا یہی برتاؤ ہونا چاہیے۔ گھر ہم نے بنوایا ، گائے بھینسیں ہم نے لیں ، اب سب کچھ اس نے ہتھیالیا اور ہمیں نکال باہر کر دیا ہے۔ یہ انیاؤ نہیں تو کیا ہے ؟ ہمارے مالک تو تم ہی ہو ، تمھارے دربار سے اس کا نیاؤ ہونا چاہیے۔"

نوکھے رام نے سمجھایا " بھولا تم اس سے لڑ کر جیت نہ پاؤ گے۔ اس نے جیسا کیا اس کا ڈنڈ اسے بھگوان دیں گے۔ بے ایمانی کر کے کوئی آج تک پھلا پھولا نہیں۔ دنیا میں بے ایمانی نہ ہوتی تو اسے نرک کیوں کہا جاتا ؟ یہاں نیائے اور دھرم کو کون پوچھتا ہے ؟ بھگوان سب دیکھتے ہیں۔ سنسار کا رتی رتی حال جانتے ہیں۔ تمھارے من میں اس سمے کیا بات ہے، یہ ان سے کیا چھپا ہے ؟ اسی سے تو انتر جامی کہلاتے ہیں۔ ان سے بچ کر کوئی کہاں جائے گا ؟ تم چپکے ہو کے بیٹھو۔ بھگوان کی اِچھا ہوئی تو یہاں تم اس سے بُرے نہ رہوگے۔"

یہاں سے اٹھ کر بھولا نے ہوری کے پاس جا کر اپنا دکھڑا رویا۔ ہوری نے اپنی بیتی سنائی " لڑکوں کی آج کل کچھ نہ پوچھو، بھولا بھائی ! مرمر کے پالو پوسو اور جوان ہو تو بیری بن جائیں۔ میرے ہی گوبر کو دیکھو ، ماں سے لڑ کر گیا ہے اور برسوں ہوگئے ، نہ چٹھی نہ پتری ! اس کے لیکھے تو ماں باپ مر گئے۔ لڑکی کا بیاہ سر پر ہے پر اس سے کوئی مطلب نہیں۔ کھیت رہن رکھ کر دو سو روپے لیے ہیں۔ اجت آبرو کا نباہ تو کرنا ہی ہوگا۔"

کامتا نے باپ کو نکال باہر تو کر دیا مگر اسے معلوم ہونے لگا کہ بوڑھا کتنے کام کا آدمی تھا۔ سویرے اٹھ کر سانی پانی کرنا ، دودھ دوہنا ، پھر دودھ لے کر بازار جانا ، پھر وہاں سے آکر سانی پانی کرنا ، پھر دودھ دوہنا ، کوئی پندرہ روز میں اس کا حلیہ بگڑ گیا۔ مرد عورت میں لڑائی ہوئی۔ عورت نے کہا کہ میں جان دینے کے لیے تمھارے گھر نہیں آئی ہوں ، اگر میری روٹی تمھیں بھاری ہو تو میں اپنے گھر چلی جاؤں۔ کامتا ڈرا کہ یہ کہیں چلی جائے تو روٹی کا بھی ٹھکانہ نہ رہے۔ اپنے ہی ہاتھ سے ٹھوکنا پڑے۔ آخر ایک نوکر رکھا۔ مگر اس سے کام نہ چلا۔ نوکر کھلی بھوسہ چرا چرا کر بیچنے لگا تو اسے الگ کیا۔ پھر عورت مرد میں لڑائی ہوئی۔

عورت روٹھ کر میکے چلی گئی ۔ کامتا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ۔ ہار کر بھولا کے پاس آیا اورخوشامد کرنے لگا ۔'' دادا مجھ سے جو کچھ بھول چوک ہوئی چھما کرو ۔ اب چل کر گھر سنبھالو۔ جیسے تم رکھو گے ویسے ہی رہوں گا ۔''

بھولا کو یہاں مزدوروں کی طرح رہنا کھل رہا تھا ۔ پہلے مہینے دو مہینے ان کی جو خاطر ہوئی وہ اب نہ تھی ۔ نوکھے رام کبھی کبھی ان سے چلم بھرنے اور چارپائی بچھانے کو بھی کہتے تھے ، اس وقت بے چارہ بھولا زہر کا گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا ۔ اپنے گھر میں لڑائی جھگڑا بھی ہو تو کسی کی سیوا ٹہل تو نہ کرنی پڑے گی ۔

اس کی عورت نُہرا نے یہ تجویز سنی تو اینٹھ کر بولی '' جہاں سے لات کھا کر آئے وہیں پھر جاؤ گے ؟ تمھیں لاج بھی نہیں آتی ؟''

بھولا نے کہا '' تو یہیں کون سنگھاسن پر بیٹھا ہوا ہوں ۔''

نہرا نے مٹک کر کہا '' تمھیں جانا ہو تو جاؤ ، میں نہیں جاتی ۔''

بھولا جانتا تھا کہ نہرا مخالفت کرے گی ۔ اس کا سبب بھی وہ کچھ کچھ سمجھتا تھا اور کچھ کچھ دیکھتا بھی تھا ۔ اس کے یہاں سے بھاگنے کا ایک سبب یہ بھی تھا ۔ یہاں اس کی تو کوئی بات نہ پوچھتا تھا مگر نہرا کی بڑی خاطر ہوتی تھی ۔ پیادے اور شحنے تک اس کا دباؤ مانتے تھے ۔ اس کا جواب سن کر بھولا کو غصہ آیا مگر کرتا کیا ؟ نُہرا کو چھوڑ کر جانے کی ہمت اس میں ہوتی تو نہرا بھی جھک مار کر اس کے پیچھے چلی جاتی ۔ اسے یہاں تنہا رکھنے کی ہمت نوکھے رام میں نہ تھی ۔ وہ ٹٹی کی آڑ سے شکار کھیلنے والے آدمی تھے مگر نہرا بھولا کے مزاج سے واقف ہو چکی تھی ۔

بھولا منت کر کے بولا '' دیکھ نُہری ! تنگ مت کر ۔ اب تو وہاں بہوویں بھی نہیں ہیں ، میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ رہے گا ۔ یہاں مجوری کرنے سے برادری میں کتنی بدنامی ہو رہی ہے ، یہ سوچ ! ''

نُہرا نے انگوٹھا دکھا کر کہا '' تمھیں جانا ہو تو جاؤ میں تمھیں روک نہیں رہی ہوں ۔ تمھیں بیٹے کی لاتیں پیاری لگتی ہوں ، مجھے تو نہیں لگتیں ۔ میں اپنی مجوری میں مگن ہوں ۔''

بھولا کو رہنا پڑا اور کامتا اپنی عورت کو خوشامد کر کے اسے منا لایا ۔ ادھر نُہرا کے بارے میں بھی سرگوشیاں ہوتی رہیں ۔

''نُہرا نے آج گلابی ساڑی پہنی ہے ۔ اب کیا پوچھنا ہے ۔ چاہے نت نئی ساڑی پہنے سَیاں بھئے کوتوال اب ڈر کا ہے کا ؟ بھولا کی آنکھیں پھوٹ گئی ہیں کیا ؟''

سوبھا بڑا پر مذاق تھا ۔ سارے گاؤں کا مسخرا بلکہ نارَد ۔ ہر بات کی ٹوہ لگاتا رہتا تھا ۔ ایک دن نُہری اسے گھر میں مل گئی ، کچھ ہنسی کر بیٹھا ۔ نُہری نے نوکھے رام سے جڑ دیا ۔ سوبھا کی چوپال میں طلبی ہوئی اور ایسی ڈانٹ پڑی کے عمر بھر نہ بھولے گا ۔

ایک دن لالا پٹیشوری پر شاد کی شامت آ گئی ۔ گرمیوں کے دن تھے ۔ لالا باغیچے میں آم توڑ وا رہے تھے ۔ نُہری بنی ٹھنی ادھر سے نکلی ۔ لالا نے پکارا '' نُہری رانی ، ادھر آؤ تھوڑے سے آم لیتی جاؤ ، بڑے میٹھے ہیں ۔''

نُہری کو شک ہوا کہ لالا میرا مذاق اڑا رہے ہیں ۔ اسے اب گھمنڈ ہونے لگا تھا ۔ وہ چاہتی تھی کہ لوگ اسے زمیندارنی سمجھیں اور اس کی عزت کریں ۔ مغرور شخص عموماً شکی ہوا کرتا ہے اور جب دل میں چور ہو تو یہ شک اور بھی بڑھ جاتا ہے ۔ وہ مجھے دیکھ کر کیوں ہنسا؟ سب لوگ مجھے دیکھ کر کیوں جلتے ہیں ؟ میں کسی سے کچھ مانگنے نہیں جاتی ۔ کون بڑی سَتونتی ہے ؟ تنک میرے سامنے آئے تو دیکھوں !

اتنے دنوں میں نہری گاؤں کے بھیدو ں سے واقف ہوچکی تھی ۔ یہی لالا کہارن کو رکھے ہوئے ہیں اور مجھے ہنستے ہیں ! انھیں کوئی کچھ نہیں کہتا ، بڑے آدمی ہیں نا ۔ نُہری غریب ہے ، کم ذات کی ہے اسی لیے سبھی اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اور جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا ۔ انھیں کارمیسوری تو سلیا کے پیچھے پاگل بنا پھرتا ہے ۔ چماریوں پر تو گدھ کی طرح ٹوٹتے ہیں ، اس پر دعویٰ ہے کہ ہم اونچے ہیں ۔

اس نے وہیں کھڑے ہوکر کہا '' تم ایسے دانی کب سے ہوگئے لالا ؟ پاؤ تو دوسروں کے تھالی کی روٹی اڑا جاؤ ۔ آج بڑے آم والے ہوئے ہیں ۔ مجھ سے چھیڑ کھانی کی تو اچھا نہ ہوگا کہے دیتی ہوں ۔''

اوہو ، اس اہیرن کا اتنا مزاج ! نوکھے رام کو کیا پھانس لیا سمجھتی ہے کہ ساری دنیا پر اسی کا راج ہے ۔ بولے '' تو تو ایسی تنک رہی ہے جیسے اب کسی کو گاؤں میں نہ رہنے دے گی ۔ جرا جبان سنبھال کر بات کیا کر ، اتنی جلدی اپنے کو بھول نہ جا ۔''

'' تو کیا تمھارے دوارے پر کبھی بھیک مانگنے آئی تھی ۔''

''نو کھے رام نے چھانہہ نہ دی ہوتی تو بھیک بھی مانگتی ۔''

نُہری کو لال مرچ سی لگ گئی ۔ جو کچھ منھ میں آیا بکا'' دادی جاز ، منھ جھونسا ،، وغیرہ نہ جانے کیا کیا کہا اور اسی غصے میں بھری ہوئی ، اپنی کوٹھری میں گئی اور اپنا سامان نکال نکال کر باہر رکھنے لگی ۔

نو کھے رام نے سنا تو گھبرائے ہوئے آئے اور پوچھا '' یہ کیا کر رہی ہو نہری! کپڑے لتّے کیوں نکال رہی ہو؟ کسی نے کچھ کہا کیا ؟''

نہری مردوں کے نچانے کی حکمت جانتی تھی ۔ اپنی زندگی میں اس نے یہی فن سیکھا تھا۔ نو کھے رام پڑھے لکھے آدمی تھے ۔ قانون بھی جانتے تھے اور مذہبی کتابیں بھی بہت پڑھی تھیں ۔ بڑے بڑے وکیلوں بیرسٹروں کی جوتیاں سیدھی کی تھیں مگر اس گنوار نہری کے ہاتھ کھلونا بنے ہوئے تھے۔ بھویں سکیڑ کر بولی '' دن کا پھیر ہے کہ یہاں آگئی پر اپنی آبرو نہ گنواؤں گی ۔'' براہمن آپے میں آ گیا ۔ مونچھیں کھڑی کر کے بولا '' تیری طرپھ جو تاکے اس کی آنکھیں نکال لوں ۔''

نہری نے لوہے کو گرم کر کے گھن جمایا '' لالا پٹیشوری جب دیکھو مجھ سے بے بات کی بات کیا کرتے ہیں ۔ میں ہر جائی تھوڑے ہی ہوں کہ کوئی مجھے پیسے دکھائے ؟ گاؤں بھر میں سبھی عورتیں تو ہیں پر کوئی ان سے نہیں بولتا ۔ جسے دیکھو وہ مجھی کو چھیڑتا ہے ۔''

نو کھے رام پر بھوت سوار ہوگیا ۔ اپنا موٹا ڈنڈا اٹھایا اور آندھی کی طرح ہر ہراتے ہوئے باغ میں پہنچ کر لگے للکارنے '' آجا بڑا مرد ہے تو ! مونچھیں اکھاڑ لوں گا ' کھود کر گاڑ دوں گا ! نکل آ سامنے ! اگر پھر کبھی نہری کو چھیڑا تو لہو پی جاؤ ں گا۔ ساری پٹواری گری نکال دو ں گا۔ جیسا آپ ہے ویسا ہی اوروں کو بھی سمجھتا ہے ۔ تو ہے کس گھمنڈ میں ۔''

لالا پٹیشوری سر جھکائے اور سانس روکے ہوئے بت کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ ذرا بھی زبان کھولی اور شامت آئی۔ ان کی اتنی توہین زندگی میں کبھی نہ ہوئی تھی ۔ ایک مرتبہ لوگوں نے انھیں تالا ب کے کنارے رات کو گھیر کر خوب پیٹا تھا مگر گاؤں میں کسی کو خبر نہ ہوئی تھی۔ کسی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا ۔ مگر آج تو سارے گاؤں کے سامنے ان کا پانی اتر گیا ۔ کل جو عورت گاؤں میں ٹھکانہ کھوجنے آئی تھی ، آج سارے گاؤں پر اس کا دبدبہ تھا ۔ اب کس کی ہمت ہے جو اس کو چھیڑ سکے ؟ جب لالا پٹیشوری کچھ نہ کر سکے تو دوسروں کی

بساط ہی کیا؟''

اب نُہری گاؤں کی رانی تھی ۔ اسے آتا دیکھ کسان لوگ اس کے راستے سے ہٹ جاتے تھے ۔ یہ کھلا ہوا راز تھا ۔ اس کی تھوڑی سی پوجا کرکے نوکھے رام سے بہت کام نکل سکتا ہے ۔ کسی کو بٹوارا کرانا ہو ، لگان کے لیے مہلت مانگنی ہو ،مکان بنانے کے لیے زمین کی ضرورت ہو ،نُہری کی پوجا کیے بغیر اس کا کام نہیں ہوسکتا تھا ۔ کبھی کبھی وہ اچھے اچھے اسامیوں کو ڈانٹ بتادیتی تھی ۔ اسامی ہی نہیں ، اب وہ کارکن صاحب پر بھی رعب جمانے لگی تھی ۔

بھولا اس کے محتاج بن کر نہ رہنا چاہتے تھے ۔عورت کی کمائی کھانے سے زیادہ برا کام ان کی نظر میں دوسرا کام نہ تھا ۔ انھیں کل تین روپے ماہوار ملتے تھے اور وہ ان کے ہاتھ نہ لگتے تھے ۔نُہری اوپر ہی اوپر اڑا دیتی تھی ۔ انھیں تمباکو پینے کو ایک کوڑی میسر نہیں اور نُہری دوآنے کے روزانہ پان کھاجاتی تھی ۔ جسے دیکھو وہی ان پر رعب جماتا تھا ۔ پیادے ان سے چلم بھرواتے اور لکڑی کٹواتے ۔ بے چارہ دن بھر کا تھکا ماندا آتا اور دروازے پر پیڑ کے نیچے ایک جھِنگی چارپائی پر پڑ رہتا ۔کوئی ایک لوٹا پانی دینے والا بھی نہیں ۔ دوپہر کی باسی روٹیاں رات کو کھانی پڑتیں اور وہ بھی پانی اور نمک کے ساتھ ۔

آخر تنگ ہوکر اس نے گھر میں کامتا کے ساتھ رہنے کا ارادہ کیا ۔ کچھ نہ ہوگا ، ایک ٹکڑا روٹی تو مل ہی جائے گی ۔ اپنا گھر تو ہے ۔

نُہری بولی'' میں وہاں کسی کی گلامی کرنے نہ جاؤں گی ۔''

بھولا نے جی کڑا کر کے کہا''تمھیں جانے کوتو میں نہیں کہتا ، میں تو اپنے جانے کو کہتا ہوں ۔''

'' تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے ؟ کہتے لاج نہیں آتی ؟''

لاج تو گھول کر پی گیا ۔''

'' لیکن میں نے تو اپنی لاج نہیں پی ۔تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے ۔''

'' تو، اپنے من کی ہے ،تو میں تیری گُلامی کیوں کروں ؟ ،،

پنچایت کراکے منھ میں کالکھ لگاؤں گی ، اتنا سمجھ لینا ۔''

'' کیا ابھی کچھ کم کالکھ لگی ہے ؟ کیا اب بھی مجھے دھوکے میں رکھنا چاہتی ہے ۔؟''

'' تم تو ایسا تاؤ دکھا رہے ہو جیسے مجھے روج گہنے ہی تو گڑھواتے ہو ۔تو یہاں نُہری کسی کا تاؤ سہنے والی نہیں ہے ۔''

بھولا جھلا کر اٹھے اور سرہانے سے لکڑی اٹھا کر چلے کہ نہری نے لپک کر ان کا ہاتھ پکڑلیا ۔ اس کے طاقت ور پنجے سے نکلنا بھولا کے لیے مشکل تھا ۔ چپکے سے قیدی کی طرح بیٹھ گئے ۔ ایک وقت تھا جب عورتوں کو انگلیوں پر نچایا کرتے تھے ۔ آج وہ ایک عورت کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اور کسی طرح نکل نہیں سکتے ۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرکے وہ پردہ فاش نہیں کرنا چاہتے تھے ، اپنی طاقت کا اندازہ انھیں ہوگیا ہے ۔ مگر وہ کیوں اس سے نڈر ہوکر نہیں کہہ دیتے کہ تو ، میرے کام کی نہیں ہے اور میں تجھے چھوڑتا ہوں ۔ پنچایت کی دھمکی دیتی ہے تو کیا پنچایت کوئی ہَوّا ہے ۔ اگر تجھے پنچایت کا ڈر نہیں تو میں کیوں پنچایت سے ڈروں ؟

لیکن یہ خیال لفظوں میں آنے کی ہمت نہ کرسکتا تھا ۔ نہری نے جیسے ان پر کوئی جادو کردیا تھا ۔

۲۶

لالا پٹیشوری پٹواریانہ اوصاف کے مجسمہ تھے ۔ وہ یہ نہ دیکھ سکتے تھے کہ کوئی اسامی اپنے دوسرے بھائی کی اِنچ بھر بھی زمین دبالے اور نہ وہ یہی دیکھ سکتے تھے کہ اسامی کسی مہاجن کے روپے دبالے ۔ گاؤں کے سبھی لوگوں کے فوائد کی حفاظت کرنا ان کا اولین فرض تھا ۔ سمجھوتہ یا میل جول پر ان کا اعتقاد نہ تھا ۔ یہ تو مردہ دلی کی علامتیں ہیں۔وہ کشمکش کے قائل تھے جو زندگی کی علامت ہے۔ آئے دن اس زندگی کو ابھارنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ایک نہ ایک شگوفہ چھوڑتے رہتے تھے ۔ منگرو ساہ پر ان دنوں ان کی خاص مہربانی تھی ۔ وہ گاؤں کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی تھے ۔ مگر مقامی سیاسیات میں بالکل حصہ نہ لیتا تھا۔ رعب یا اقتدار کا لالچ اسے نہ تھا ۔ مکان بھی اس کا گاؤں سے باہر تھا ۔ جہاں اس نے ایک باغ اور کنواں اور ایک چھوٹا سا شوالہ بنوالیا تھا ۔ بال بچہ کوئی نہ تھا اس لیے لین دین بھی کم کردیا تھا اور زیادہ تر پوجا پاٹ ہی میں لگا رہتا تھا۔ کتنے ہی اسامیوں نے اس کے روپے ہضم کر لیے تھے مگر اس نے کسی پر نالش نہیں کی ۔ ہوری پر بھی اس کے سود سمیت تقریباً ڈیڑھ سو ہو گئے تھے مگر نہ ہوری کو قرض ادا کرنے کی کوئی فکر تھی اور نہ منگرو کو اسے وصول کرنے کی ۔ وہ چار بار تقاضا کیا ۔ ڈانٹ بھی بتائی ،مگر ہوری کی عادت دیکھ کر چپ ہو بیٹھا۔ اب کے اتفاق سے ہوری کی اکھ گاؤں بھر کے اوپر تھی ۔ کچھ نہیں تو اس کے دو ڈھائی سو سیدھے ہو جائیں گے ، لوگوں کو ایسا اندازہ تھا ۔ پٹیشوری نے منگرو کو سمجھایا کہ اگر اس وقت ہوری پر دعویٰ کردیا جائے تو سب روپے وصول ہو جائیں ۔منگرو اتنا رحیم نہیں جتنا کاہل تھا ، جھنجھٹ میں نہ پڑنا چاہتا تھا ۔مگر جب پٹیشوری نے ذمہ لیا کہ اسے ایک دن بھی کچہری نہ جانا پڑے گا ، نہ کوئی اور تکلیف ہوگی ، بیٹھے بیٹھائے اس کی ڈگری ہو جائے گی ،تو وہ نالش کرنے پر راضی ہوگیا اور عدالتی صرفہ کے لیے روپے بھی دے دیے ۔ ہوری کو پتہ بھی نہ تھا کہ یہاں کیا کھچڑی پک رہی ہے ۔کب دعویٰ دائر ہوا اور کب ڈگری ہوئی ، اسے بالکل معلوم نہ ہوا ۔ جب قرق امین اس کی اکھ نیلام کرنے آیا تب اسے خبر ہوئی ۔ سارا گاؤں

کھیت کے کنارے جمع ہوگیا۔ ہوری منگرو ساہ کے پاس دوڑا اور دھنیا پٹیشوری کو گالیاں دینے لگی وہ سمجھ گئی کہ یہ سب کام پٹیشوری ہی کا ہے۔ مگر منگرو ساہ پوجا پر تھے مل نہ سکے اور دھنیا گالیوں کی برکھا کرکے بھی پٹیشوری کا کچھ بگاڑ نہ سکی۔ ادھر ایکھ ڈیڑھ سو روپے میں نیلام ہو گئی اور بولی منگرو ہی کے نام پر ختم ہوگئی۔ کوئی دوسرا آدمی نہ بول سکا۔ داتا دین میں بھی دھنیا کی گالیاں سننے کی ہمت نہ تھی۔

دھنیا نے ہوری کو اکسا کر کہا "بیٹھے کیا ہو، جاکر پٹواری سے پوچھتے کیوں نہیں کہ یہی دھرم ہے تمھارا گاؤں گھر کے لوگوں کے ساتھ؟"

ہوری نے عاجزانہ کہا۔ "پوچھنے کے لیے تم نے منھ بھی رکھا ہو۔ تیری گالیاں کیا انھوں نے نہ سنی ہوں گی؟"

"جو گالی سننے کا کام کرے گا اسے گالی ہی ملے گی۔"

"تو گالیاں بھی دے گی اور بھائی چارہ بھی نبھائے گی؟"

"دیکھوں گی کہ میرے کھیت کے پاس کون آتا ہے؟"

"مل والے آکر کاٹ لے جائیں گے۔ تو تو کیا کرے گی اور میں کیا کروں گا؟ گالیاں دے کر اپنی جیبھ کی کھجلی چاہے مٹالے۔"

"میرے جیتے میرا کھیت کوئی کاٹ لے جائے گا۔؟"

"ہاں ہاں، تیرے اور میرے جیتے! سارا گاؤں مل کر بھی اسے نہیں روک سکتا۔ اب وہ چیج میری نہیں منگرو ساہ کی ہے۔"

"منگرو ساہ نے مر مر کر جیٹھ کی دوپہری میں سنچائی اور گڑائی کی تھی؟"۔

"وہ سب تو نے کیا، مگر اب وہ چیج منگرو ساہ کی ہے ہم ان کے کرج دار نہیں ہیں؟"

ایکھ تو گئی مگر اس کے ساتھ ایک نیا مسئلہ آپڑا۔ دلاری اسی ایکھ پر روپے دینے کو تیار ہوئی تھی۔ اب وہ کس ضمانت پر روپے دے؟ ابھی اس کے پہلے ہی کے دوسو پڑے ہوئے تھے۔ سوچا تھا کہ ایکھ کے پُرانے روپے مل جائیں گے تو نیا حساب چلنے لگے گا۔ اس کی نظر میں ہوری کی ساکھ دوسو تک کی تھی۔ اس سے زیادہ دینا جوکھم تھا۔ سہالگ سر پر تھا۔ تاریخ طے ہوچکی تھی۔ گوری مہتو نے ساری تیاریاں کرلی ہوں گی۔ اب بیاہ کا ٹلنا ناممکن تھا۔ ہوری کو ایسا غصہ آتا تھا کہ جاکر دلاری کا گلا گھونٹ دے۔ جتنی منت سماجت ہوسکتی تھی وہ کر چکا،

مگر وہ پتھر کی دیوی ذرا بھی نہ پسیجی ۔ اس نے چلتے چلتے ہاتھ جوڑ کر کہا '' دلاری میں تمھارے روپے لے کر بھاگ نہ جاؤں گا نہ ہی اتنی جلدی مرا جاتا ہوں ۔ کھیت ہیں ، پیڑ ہیں ، گھر ہے، جوان لڑکا ہے ، تمھارے روپے مارے نہ جائیں گے ۔ میری مرجاد جارہی ہے ، اسے سنبھالو ۔'' مگر دلاری نے کاروبار میں رحم کی شمولیت منظور نہ کی ۔ اگر کاروبار کو وہ رحم کی صورت دے سکتی تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا ، مگر رحم کو کاروباری صورت دینا اس نے سیکھا نہ تھا۔

ہوری نے گھر آکر دھنیا سے کہا '' اب ؟''

دھنیا نے اسی پر دل کا غبار نکالا '' یہی تو چاہتے تھے ۔''

ہوری نے زخمی آنکھوں سے دیکھا '' میرا ہی دوکھ ہے ؟''

'' کسی کا دوکھ ہو ، پر ہوئی تو تمھارے من کی ۔''

'' تیری اچھا ہے کہ جمین رہن رکھ دوں ؟''

'' جمین رہن رکھ دوگے تو کروگے کیا ؟''

'' مجوری ۔''

مگر زمین دونوں کو یکساں عزیز تھی ۔ اس پر تو ان کی عزت اور آبرو قائم تھی جس کے پاس زمین نہیں وہ گرست نہیں ، مزدور ہے ۔

ہوری نے کچھ جواب نہ پاکر پوچھا '' تو کیا کہتی ہے ؟''

دھنیا نے زخمی گلے سے کہا '' کہنا کیا ہے ۔ گوری برات لے کر آئیں گے تو ایک جُون کھلا کر سیرے لڑکی کو بدا کردینا ۔ دنیا ہنسے گی تو ہنس لے ۔ بھگوان کی یہی اِچھا ہے کہ ہماری ناک کٹے اور ہمارے منھ کالکھ لگے تو ہم کیا کریں گے ؟''

دفعتاً نہری چوندری پہنے سامنے سے جاتی ہوئی نظر پڑی ۔ ہوری کو دیکھتے ہی اس نے ذرا گھونگھٹ نکال لیا ۔ اس سے سمدھی کا ناتا مانتی تھی ۔

دھنیا سے اس کی شناسائی ہوچکی تھی ۔ اس نے پکارا '' آج کدھر چلیں سمدھن ؟ آؤ بیٹھو ۔''

نہری نے فتح پائی تھی اور اب رائے عامہ کو اپنی موافقت میں لانے کی کوشش کر رہی تھی ۔ آکر کھڑی ہوگئی ۔

دھنیا نے اسے سر سے پیر تک نقادانہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا '' آج ادھر کیسے بھول پڑیں ؟''

نہری نے انکسار سے کہا ’’ ایسے ہی تم لوگوں سے ملنے چلی آئی ۔ لڑکی کا بیاہ کب تک ہے ؟‘‘

دھنیا نے شبہ سے بولی ’’ بھگوان مالک ہیں، جب ہو جائے ۔‘‘

میں نے سنا کہ اسی لگن میں ہوگا ۔ ساعت ٹھیک ہوگئی ہے ؟‘‘

’’ ہاں ، ساعت تو ٹھیک ہوگئی ہے ۔‘‘

’’ مجھے بھی نیوتا دینا ۔‘‘

’’ تمھاری تو لڑکی ہے نیوتا کیسا ؟‘‘

’’ دہیج کا سامان تو منگوالیا ہوگا ۔ جرا میں بھی دیکھوں ۔‘‘

دھنیا شش و پنج میں پڑی ، کیا کہے ؟ ہوری نے اسے سنبھالا ’’ ابھی تو کوئی سامان نہیں منگایا ہے اور سامان کیا کرنا ہے ، کسا کنیا تو دینا ہے ۔‘‘

نہری نے بے اعتباری سے دیکھا ’’ کسا کنیا کیوں دوگے مہتو ؟ پہلی لڑکی ہے ، دل کھول کر کرو ۔‘‘

ہوری ہنسا ، گویا کہہ رہا تھا کہ تمھیں تو چاروں طرف ہرا ہی ہرا دکھائی دیتا ہوگا مگر یہاں تو سوکھا ہی پڑا ہوا ہے ۔’’ روپے پیسے کی تنگی ہے ، کیا دل کھول کر کروں ؟ تم سے کون پردہ ہے ۔‘‘

’’ لڑکا کماتا ہے ۔ تم کماتے ہو ، پھر بھی روپے پیسے کی تنگی ؟ کسے بسواس آئے گا؟‘‘

’’ بیٹا ہی لایک ہوتا تو پھر کاہے کا رونا تھا ؟ چٹھی پتری تک بھیجتا نہیں ، تو روپے کیا بھیجے گا ؟ یہ دوسرا سال ہے ایک بھی چٹھی نہیں آئی ۔‘‘

اتنے میں سونا بیلوں کے واسطے سبز چارے کا ایک گٹھا سر پر لیے ہوئے اپنے شباب کو آنچل سے چھپاتی ہوئی معصومانہ رفتار سے آئی اور گٹھا وہیں پٹک کر اندر چلی گئی ۔

نہری نے کہا ’’ لڑکی تو سیانی ہوگئی ہے ۔‘‘

دھنیا بولی ’’ لڑکی کی باڑھ تو رینڈ کی باڑھ ہے ، نہیں ، ہے ابھی کے دن کی ۔‘‘

’’ بر تو ٹھیک ہو گیا ہے نا ؟‘‘

’’ ہاں بر تو ٹھیک ہے روپے کا بندوبست ہو گیا تو اسی مہینے میں بیاہ کردیں گے ۔‘‘

نہری اوچھی طبیعت کی تھی ۔ ادھر جو اس نے تھوڑے سے روپے جمع کیے تھے وہ اس

کے پیٹ میں اچھل رہے تھے ۔ اگر وہ سونا کے بیاہ میں کچھ روپے دے دے تو کتنا نام ہوگا۔ سارے گاؤں میں اس کا چرچہ ہو جائے گا ۔ لوگ تعجب سے کہیں گے کہ نہری نے اتنے روپے دے دیے ۔ بڑی دیوی ہے ۔ ہوری اور دھنیا گھر گھر اس کا بکھان کرتے پھریں گے۔ گاؤں میں اس کی مرجاد کتنی بڑھ جائے گی ۔ وہ انگلی دکھانے والوں کا منھ سی دے گی ۔ پھر کس کی ہمت ہے جو اس پر ہنسے یا بولیاں بولے ؟ ابھی گاؤں بھر اس کا بیری ہے ، پھر گاؤں بھر اس کا ہتوا ہو جائے گا ۔ اس خیال سے اس کا چہرا کھِل اٹھا ۔بولی '' تھوڑے بہت سے کام چلتا ہوتو مجھ سے لے لو جب ہاتھ میں روپے آجائیں تو دے دینا ۔''

ہوری اور دھنیا نے اس کی طرف دیکھا نہیں ، نہری مذاق نہیں کررہی ہے۔ دونوں آنکھوں میں حیرت تھی ،ممنونیت تھی ، رشک تھا اورشرم تھی ۔ نہری اتنی بری نہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں ۔

نہری نے پھر کہا '' تمھاری اور ہماری آبرو ایک ہے ۔ تمھاری ہنسی ہوتو کیا میری ہنسی نہ ہوگی ؟ کیسے ہی ہو ، پر اب تو تم ہمارے سمدھی ہو ۔''

ہوری نے شرماتے ہوئے کہا '' تمھارے روپے تو گھر ہی میں ہیں ، جب کام پڑے گا، لے لیں گے ۔ آدمی اپنوں ہی کا بھروسہ کرتا ہے مگر اوپر سے بندوبست ہو جائے تو گھر کے روپے کیوں چھوئیں ؟'' دھنیا نے تائید کی '' ہاں اور کیا ۔''

نہری نے اپناوا جتایا '' جب گھر میں روپے ہیں تو باہر والوں کے سامنے ہاتھ کیوں پھیلاؤ ؟ بیاج بھی دینا پڑے گا ، اس پر اسٹام لکھو ، گواہی کراؤ۔ دستوری دو اور کھو سامد کرو ۔ ہاں میرے روپے میں چھوت لگی ہوتو دوسری بات ہے ۔''

ہوری نے سنبھالا '' نہیں نہیں ، جب گھر میں کام چل جائے گا تو باہر کیوں ہاتھ پھیلائیں گے ؟ پر آپس والی بات ہے ،کھیتی باڑی کا بھروسہ نہیں ،تمھیں جلدی کوئی کام پڑا اور ہم روپے نہ دے سکے تو تمھیں بھی برا لگے گا اور ہماری جان بھی سنکٹ میں پڑے گی ۔ اسی سے کہتا تھا ۔نہیں لڑکی تو تمھاری ہے ۔''

'' مجھے ابھی روپے کی ایسی جلدی نہیں ہے ۔''

'' تو تم ہی سے لے لیں گے ۔ کنیا دان کا پھل بھی کیوں باہر جائے ؟''

'' کتنے روپے چاہیے ؟''

'' تم کتنے دے سکو گی ؟''

''سو میں کام چل جائے گا؟''

ہوری کو لالچ آیا بھگوان نے چھپّر پھاڑ کر روپے دیے ہیں تو جتنا لے سکے کیوں نہ لے۔

'' سو میں بھی چل جائے گا، پانسو میں بھی چل جائے گا، جیسا حوصلہ ہو۔''

'' میرے پاس کل دو سو روپے ہیں، سو میں دے دوں گی۔''

'' تو اتنے میں بہت اچھی طرح کام چل جائے گا۔ اناج گھر میں ہے۔ مگر ٹھکرائن آج تم سے کہتا ہوں کہ میں تمھیں ایسی لچھمی نہ سمجھتا تھا۔ آج کل کون کس کی مدد کرتا ہے اور کس کے پاس ہے؟ تم نے مجھے ڈوبنے سے بچا لیا۔''

چراغ جلنے کا وقت آ گیا تھا۔ ٹھنڈک پڑنے لگی تھی۔ زمین نے نیلی چادر اوڑھ لی تھی۔ دھنیا اندر جا کر انگیٹھی لائی اور سب تاپنے لگے۔ پوال کی روشنی میں چھبیلی، رنگیلی، بدچلن نُہری ان کے سامنے بردان کی طرح بیٹھی تھی۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں کتنی ہمدردی تھی، گالوں پر کتنی حیا اور ہونٹوں پر کتنی راست کلامی! کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کر کے نہری اٹھ کھڑی ہوئی اور یہ کہتی ہوئی گھر چلی '' اب دیر ہو رہی ہے۔ کل تم آ کر روپے لے لینا مہتو۔''

'' چلو میں تمھیں پہنچا دوں۔''

'' نہیں نہیں، تم بیٹھو میں چلی جاؤں گی۔''

'' جی تو چاہتا ہے کہ تمھیں کندھے پر بٹھا کر پہنچا آؤں۔''

نو کھے رام کی چوپال گاؤں کے دوسرے سرے پر تھی اور باہر جانے کا راستہ صاف تھا۔ دونوں اسی راستے سے چلے اب چاروں طرف سناٹا تھا۔

نہری نے کہا '' تنک سمجھا نہیں دیتے راوت کو، کیوں سب سے لڑائی کیا کرتے ہیں۔ جب ان ہی لوگوں کے بیچ میں رہنا ہے تو ایسے رہنا چاہیے نا، کہ چار آدمی اپنے ہو جائیں اور ان کا حال یہ ہے کہ سب سے لڑائی، سب سے جھگڑا، جب تم مجھے پردے میں نہیں رکھ سکتے اور مجھے دوسروں کی مجوری کرنی پڑتی ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نہ کسی سے ہنسوں نہ بولوں اور نہ کوئی میری طرف تاکے نہ ہنسے؟ یہ سب تو پردے ہی میں ہو سکتا ہے۔ پوچھو، کوئی مجھے تاکتا ہے یا گھورتا ہے تو میں کیا کروں؟ اس کی آنکھیں تو نہیں پھوڑ سکتی۔ پھر میل محبت سے آدمی کے سو کام نکلتے ہیں۔ جیسا بکھت دیکھو ویسا بیوہار کرو۔ تمھارے گھر

ہاتھی جھومتا تھا تو اب وہ تمھارے کس کام کا ؟ اب تو تم تین روپے کے مجور ہو ۔ میرے گھر سو بھینسیں لگتی تھیں پر اب تو مجورن ہوں ۔ مگر ان کی سمجھ میں کوئی بات آتی ہی نہیں۔ کبھی لڑکوں کے ساتھ رہنے کی سوچتے ہیں اور کبھی لکھنؤ جاکر رہنے کی سوچتے ہیں ۔ میری ناک میں دم کر رکھا ہے۔"

ہوری نے چاپلوسی کی" یہ بھولا کی سراسر نادانی ہے ۔ بوڑھے ہوئے اب تو انھیں سمجھ آنی چاہیے ۔ میں سمجھا دوں گا۔"

" توسیرے آجانا، میں روپے دے دوں گی ۔"

" کچھ لکھا پڑھی ...."

" تم میرے روپے کھا نہ جاؤگے یہ میں جانتی ہوں ۔"

اس کا گھر آگیا تھا ۔ وہ اندر چلی گئی ۔ ہوری گھر لوٹا ۔

۲۷

گوبر کو شہر آنے پر معلوم ہوا کہ جس جگہ وہ اپنا خوانچہ لے کر بیٹھا تھا وہاں ایک دوسرا خوانچہ والا بیٹھنے لگا ہے اور گاہک اب گوبر کو بھول گئے ہیں وہ گھر بھی اب اسے پنجرا سا لگتا تھا۔ جھنیا اب اس میں تنہا بیٹھی ہوئی رویا کرتی ۔ لڑکا دن بھر آنگن میں یا دروازے کا عادی تھا۔ وہاں اس کے کھیلنے کی کوئی جگہ نہ تھی ۔ کہاں جائے ؟ دروازے پر مشکل سے گز بھر کا راستہ تھا ۔ جہاں عفونت پھیل رہی تھی ۔ گرمی میں کہیں باہر لیٹنے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی ۔ لڑکا ماں کو ایک لمحہ کے لیے چھوڑتا نہ تھا ۔ اور جب کچھ کھیلنے کو نہ ہو تو کچھ کھانے اور دودھ پینے کے علاوہ اور کیا کرے ؟ گھر پر کبھی دھنیا کھلاتی کبھی روپا، کبھی ہوری کبھی پنیا ۔ یہاں تنہا جھنیا تھی اور اسے گھر کا سارا کام بھی کرنا پڑتا تھا ۔

اور گوبر شراب کے نشے میں بد مست تھا ۔ اس کی آسودہ نہ ہونے والی خواہشیں نفس پرستیوں کے سمندر میں غرق ہو جانا چاہتی تھیں ۔ کسی کام میں اس کا جی نہ لگتا تھا ۔خوانچہ لے کر جاتا تو گھنٹہ ہی بھر میں واپس آجاتا ۔ دلچسپی کا کوئی دوسرا سامان نہ تھا ۔ پڑوس کے مزدور اور یکے والے رات رات بھر تاش اور جوا کھیلتے تھے ۔ پہلے وہ بھی خوب کھیلتا تھا ، مگر اب اس کے لیے صرف ایک ہی دلچسپ مشغلہ تھا اور وہ تھا جھنیا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا ۔ تھوڑے ہی دنوں میں جھنیا اس کی زندگی سے اکتا گئی ۔ وہ چاہتی تھی کہ کہیں تخلیہ میں جا کر بیٹھے اور خوب بے فکری سے لیٹے ، سوئے ، مگر وہ تخلیہ کہیں نہ ملتا تھا ۔ اسے اب گوبر پر غصہ آ رہا تھا ۔ اس نے شہری زندگی کی کتنی دلکش تصویر کھینچی تھی اور یہاں اس کال کوٹھری کے سوا اور کچھ نہیں تھا ۔ بچے پر بھی اسے چڑ ہوتی تھی ۔ کبھی کبھی وہ اسے مار کر باہر نکال دیتی اور اندر سے کواڑ بند کر لیتی ۔ بچہ روتے روتے بے دم ہو جاتا ۔

اس پر مصیبت یہ کہ اس کے دوسرا بچہ ہونے والا تھا اور کوئی آگے نہ پیچھے اکثر سر میں درد ہوا کرتا تھا ۔ کھانے سے بھی نفرت ہو گئی تھی ایسی سستی تھی کہ گوشے میں خاموش پڑی رہے اور کوئی اس سے نہ بولے چالے ۔ مگر یہاں گوبر کی بے دردانہ محبت اپنے خیر مقدم کے

لیے ہمیشہ دروازہ کھٹکھٹاتی رہتی تھی اگر چہ دودھ نام کو بھی نہیں تھا پھر بھی للو سینے پر سوار رہتا۔ جسم کے ساتھ اس کا دل بھی کمزور ہوگیا تھا ۔ وہ جو ارادہ کرتی اسے ذرا سے اصرار پر فسخ کردیتی ۔ وہ لیٹی ہوتی اور للو آکر جبراً اس کے سینے پر بیٹھ جاتا اور دودھ پینے کی کوشش کرتا ۔ وہ اب دو سال کا ہوگیا تھا ۔ بڑے تیز دانت نکل آئے تھے منھ میں دودھ نہ جاتا تھا تو وہ غصے میں آکر دانتوں سے کاٹ لیتا ۔مگر جھنیا میں اب اتنی سکت بھی نہ تھی کہ اسے اپنے اوپر سے ڈھکیل دے۔ اسے ہر وقت موت سامنے کھڑی نظر آتی ۔شوہر اور بچہ کسی سے بھی اسے رغبت نہ تھی سبھی اپنے مطلب کے یار ہیں ۔ برسات کے دنوں میں جب للو کو دست آنے لگے اور اس نے دودھ پینا چھوڑ دیا تو جھنیا کو اپنے سر سے ایک بلاٹل جانے کا سا احساس ہوا ۔مگر جب ایک ہفتے کے بعد لڑکا مر گیا تو اس کی یاد مہر مادری سے زندہ ہوکر اسے رلانے لگی ۔

جھنیا کو اب للو کی یاد للو سے بھی زیادہ عزیز تھی ۔للو جب تک سامنے تھا وہ اس سے جتنا سکھ پاتی تھی اب اس سے کہیں زیادہ دکھ پاتی ہے ۔ اب للو اس کے اندر والے للو، کا محض عکس تھا ۔ وہ عکس سامنے نہ تھا جو باطل اور ناپائیدار تھا ۔حقیقی مجسمہ تو اس کے اندر تھا جو اس کی تمناؤں اور خیر اندیشیوں سے زندہ ہو رہا تھا ۔ دودھ کے بجائے وہ اسے اپنا خون پلا پلا کر پال رہی تھی ۔ اسے اب وہ بند کوٹھری اور بدبو دار ہوا اور وہ دونوں وقت آگ کے سامنے جلنا ، ان باتوں کا گویا احساس ہی نہ رہ گیا تھا ۔ وہ میٹھی یاد دلنشیں ہوکر گویا اسے قوت دے رہی تھی ۔ جیتے جی جو اس کی زندگی کا بار تھا وہ مر کر اس کی روح میں سما گیا تھا ۔ اس کی ساری مامتا اندر کی طرف جاکر باہر کی جانب سے بے نیاز ہوگئی تھی ۔گوبر دیر میں آتا ہے یا جلد رغبت سے کھانا کھاتا ہے یا نہیں ،خوش ہے یا رنجیدہ ، ان باتوں کی اب اسے بالکل فکر نہ تھی ۔ گوبر کیا کماتا اور کیسے خرچ کرتا ہے ، اس کی بھی اسے پروا نہ تھی ۔ اس کی زندگی جو کچھ تھی اندر تھی ، باہر تو صرف ایک بے جان مشین تھی !

اس کے غم میں شریک ہوکر اس کی اندرونی زندگی میں داخل ہوکر ، گوبر اس کے پاس جاسکتا تھا اور اس کی زندگی کا جزو بن سکتا تھا ۔مگر وہ اس بیرونی زندگی کے خشک ساحل پر جاکر ہی پیاسا لوٹ آتا تھا !

ایک دن اس نے رکھائی سے کہا " تو للو کے نام کب تک روئے جائے گی ؟ چار پانچ مہینے تو ہو گئے ۔"

جھنیا نے سرد آہ بھر کر کہا ''تم میرا دکھ نہیں سمجھ سکتے ۔ اپنا کام دیکھو میں جیسی ہوں ویسی پڑی رہنے دو۔''

''تیرے روتے رہنے سے للو لوٹ آوے گا ؟''

جھنیا کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اٹھ کر دیگچی میں کچالو کے لیے آلو ابالنے لگی ۔ اس نے گوبر کو ایسا سنگدل نہ سمجھا تھا ۔

گوبر نے خوانچے سے بزاس ہوکر شکر مل میں نوکری کر لی تھی ۔ مسٹر کھنا نے پہلے مل سے حوصلہ پاکر حال ہی میں یہ دوسرا مل کھول دیا تھا۔ گوبر کو وہاں بڑے سویرے جانا پڑتا تھا اور دن بھر کے بعد جب وہ چراغ جلتے گھر واپس آتا تو اس کے بدن میں ذرا بھی جان نہ رہ جاتی ۔ پہلے گھر پر بھی اسے کچھ کم محنت نہ کرنی پڑتی تھی ، مگر وہاں اسے ذرا بھی تھکان نہ ہوتا تھا ۔ بیچ بیچ میں وہ ہنس بول بھی لیا کرتا تھا پھر اس کھلے میدان میں ، کھلے آسمان کے نیچے ، گویا اس کی کمی بھی پوری ہوجاتی تھی ۔وہاں اس کا جسم چاہے کتنا کام کرے ، دل آزاد رہتا تھا۔ اب یہاں اتنی جسمانی محنت نہ ہونے پر بھی جیسے اس طوفانی شور اور ہلچل کا اس پر بوجھ سا لدا رہتا تھا ۔ یہ اندیشہ بھی لگا رہتا تھا کہ ناجانے کب ڈانٹ پڑ جائے ۔ سبھی مزدوروں کی یہی حالت تھی ، سبھی تاڑی یا شراب میں اپنے جسمانی اور دماغی تکان کو ڈبو دیا کرتے تھے ۔ گوبر کو بھی شراب کا چسکا پڑا ۔ گھر آتا تو نشہ میں چور اور پہر رات گئے ۔ اور آکر کوئی نہ کوئی بہانہ کھوج کر جھنیا کو گالیاں دیتا ، گھر سے نکالنے لگتا اور کبھی کبھی مار بھی دیتا ۔

جھنیا کو اب یہ اندیشہ ہونے لگا تھا کہ وہ داشتہ ہے ۔ اسی لیے اس کی یہ ذلت ہورہی ہے ۔ منکوحہ ہوتی تو گوبر کی مجال نہ تھی کہ اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ۔ برادری اسے سزا دیتی ، حقہ پانی بند کردیتی ۔ اس نے کتنی بڑی غلطی کی کہ اس بے وفا کے ساتھ گھر سے نکل بھاگی۔ ساری دنیا میں ہنسی بھی ہوئی اور ہاتھ کچھ نہ آیا۔ وہ گوبر کو اپنا دشمن سمجھنے لگی ۔ نہ اس کے کھانے پینے کی پرواہ کرتی اور نہ اپنے کھانے پینے کی ۔ جب گوبر اسے مارتا تو اسے ایسا غصہ آتا کہ اس کا گلا چھرے سے کاٹ ڈالے ۔ زچگی کا زمانہ جیوں جیوں قریب آتا جاتا ہے ، اس کی تشویش بڑھتی جاتی ہے ۔ اس گھر میں اس کا مرن ہوجائے گا کون اس کی دیکھ بھال کرے گا ؟ کون اسے سنبھالے گا ؟ اور جو گوبر اسی طرح مارتا پیٹا رہا تو اس کا جینا اور بھی کٹھن ہو گا ۔

ایک روز نل پر پانی بھرنے گئی تو پڑوس کی ایک عورت نے پوچھا ''گے مہینے کا ہے رے؟''
جھنیا نے لجا کر کہا ''کیا جانے دیدی، میں نے تو گنا ہی نہیں۔''
دوہرے بدن کی سیاہ فام، پستہ قد، بدصورت عورت تھی۔ اس کا شوہر یکہ ہانکتا تھا اور وہ خود لکڑی کی دوکان کرتی تھی۔ جھنیا کئی بار اس کے یہاں سے لکڑی لائی تھی۔ اِسی قدر تعارف تھا۔
مسکرا کر بولی ''مجھے تو جان پڑتا ہے کہ دن پورے ہو گئے ہیں آج ہی کل میں ہوگا کوئی دائی ٹھیک کرلی ہے؟''
جھنیا نے ڈری ہوئی آواز میں کہا ''میں تو یہاں کسی کو نہیں جانتی۔''
''تیرا مرد کیسا ہے جو کان میں تیل ڈالے بیٹھا ہے؟''
''انھیں میری کیا پھکر۔''
''ہاں دیکھ تو رہی ہوں۔ تم تو سُوَر (زچہ خانہ) میں بیٹھو گی، کوئی کرنے دھرنے والا چاہیے کہ نہیں؟ ساس، نند، دیورانی، جٹھانی کوئی ہے کہ نہیں؟ کسی کو بلا لینا تھا۔''
''میرے لیے سب مر گئے۔''
وہ پانی لاکر جوٹھے برتن ملنے لگی تو زچگی کے اندیشے سے دل دھڑکنے لگا ''کیسے کیا ہوگا بھگوان؟''
''اُنہہ! یہی تو ہوگا کہ مر جاؤں گی، اچھا ہے، جنجال سے چھوٹ جاؤں گی۔''
شام کو اس کے پیٹ میں درد شروع ہوا۔ سمجھ گئی کے بپتا کی گھڑی آپہنچی۔ پیٹ کو ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے اور پسینے سے بھیگی ہوئی۔ اس نے چولھا جلایا کھچڑی ڈالی اور درد سے بیتاب ہوکر وہیں زمین پر پڑی رہی۔ کوئی دس بجے رات کو گوبر آیا، تاڑی کی بدبو اڑاتا ہوا لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے اوٹ پٹانگ بک رہا تھا۔ ''مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے جسے سو بار گرج ہو رہے، نہیں چلا جائے۔ میں کسی کا تاؤ نہیں سہہ سکتا۔ اپنے ماں باپ کا تاؤ نہیں سہا جس نے جنم دیا، تب دوسروں کا تاؤ کیوں سہوں؟ جمعدار آنکھیں دکھاتا ہے تو یہاں کسی کی دھونس سہنے والے نہیں ہیں۔ لوگوں نے پکڑ نہ لیا ہوتا تو کھون پی جاتا کھون! کل دیکھوں گا بچہ کو۔ پھانسی ہی تو ہوگی۔ دکھاؤں گا کہ مرد کیسے مرتے ہیں۔ ہنستا ہوا، اکڑتا ہوا اور مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا پھانسی پر چڑھ جاؤں تو سہی۔ عورت کی جات! کتنی مطلبی ہوتی ہے

کھچڑی ڈال دی اور پاؤں پسار کر سو رہی ۔ کوئی کھائے چاہے نہ کھائے ، اس کے ٹھینگے سے ! آپ مَجے پھُلکے اڑاتی ہے اور میرے لیے کھچڑی ۔ اچھا ستالے جتنا ستاتے بنے ، تجھے بھگوان ستائیں گے ۔''

اس نے جھنیا کو جگایا نہیں ۔ کچھ بولا بھی نہیں ، چپکے سے کھچڑی تھالی میں نکالی اور دوچار لقمے نگل کر برامدے میں لیٹ رہا ۔ پچھلے پہر اسے سردی لگی ۔ کوٹھری میں کمبل لینے گیا تو جھنیا کے کراہنے کی آواز سنی ۔ نشہ اتر چکا تھا ۔

پوچھا '' کیسا جی ہے جھنیا ؟ کہیں درد ہے کیا ؟''

'' ہاں پیٹ میں بڑا درد ہو رہا ہے ۔''

'' تو نے پہلے کیوں نہیں کہا ؟ اب اس بکھت کہاں جاؤں ؟''

'' کس سے کہتی ؟''

'' میں کیا مر گیا تھا ؟''

'' تمھیں میرے مرنے جینے کی کیا چنتا ؟''

گوبر گھبرا یا ۔ کہاں دائی کھوجنے جائے ؟ اس وقت وہ آنے ہی کیوں لگی ۔ گھر میں کچھ ہے بھی تو نہیں ، چڑیل نے پہلے بتادیا ہوتا تو کسی سے دوچار روپے مانگ لاتا ۔ ان ہی ہاتھوں میں سو پچاس روپے ہر دم پڑے رہتے تھے ، چار آدمی کھسا مد کرتے تھے ۔ اس کلچھنی کے یہاں آتے ہی جیسے لچھمی روٹھ گئی ، ٹکے ٹکے کو محتاج ہو گیا ۔

دفعتاً کسی نے پکارا '' یہ کیا تمھاری گھر والی کراہ رہی ہے ؟ درد تو نہیں ہو رہا ہے؟''

یہ وہی موٹی کالی عورت تھی جس سے آج جھنیا کی بات چیت ہوئی تھی ۔ گھوڑے کو دانہ کھلانے اٹھی تھی اور جھنیا کا کراہنا سن کر پوچھنے آگئی تھی ۔

گوبر نے برامدے میں جا کر کہا '' پیٹ میں درد ہے چھٹ پٹا رہی ہے ۔ یہاں کوئی دائی ملے گی ؟''

'' وہ تو میں آج اسے دیکھ گئی تھی ۔ دائی کچی سرائے میں رہتی ہے ۔ لپک کر بلا لاؤ ۔ تب تک میں یہیں بیٹھی ہوں ۔''

'' میں نے کچی سرائے نہیں دیکھی ، کدھر ہے ؟''

'' اچھا تم اسے پنکھا جھلتے رہو ، میں بلائے لاتی ہوں ۔ یہی کہتے ہیں کہ اناڑی آدمی

کسی کام کا نہیں ۔ پورا پیٹ اور دائی کی کھوج نہیں ۔''

یہ کہتی ہوئی وہ چل دی ۔ اس کے منھ پر تو لوگ اسے چوہیا کہتے تھے لیکن غیبت میں مٹلی کہا کرتے تھے ۔ کسی کو مٹلی کہتے سن لیتی تھی تو اس کے سات پرکھوں تک چڑھ جاتی تھی ۔

گوبر کو بیٹھے دس منٹ بھی نہ ہوئے ہوں گے کہ وہ لوٹ آئی اور بولی '' اب سنسار میں گریبوں کا کیسے نباہ ہوگا ۔ رانڈ کہتی ہے کہ پانچ روپے لوں گی ،تب چلوں گی ،اور آٹھ آنے روج اور بارھویں دن ایک ساڑی ۔ میں نے کہا تیرا منھ جھلس دوں ! تو جا چولھے میں ! میں دیکھ لوں گی ، بارہ بچوں کی ماں یوں ہی نہیں ہوگئی ہوں ۔تم باہر آجاؤ گو بردھن ، میں سب کر لوں گی ۔ بکھت پڑے پر آدمی ہی آدمی کے کام آتا ہے۔ چار بچے جنا لیے تو دائی بن بیٹھی ۔''

وہ جھنیا کے پاس جا بیٹھی اور اس کا سر اپنی جانگھ پر رکھ کر اس کا پیٹ سہلاتی ہوئی بولی '' میں تو آج تجھے دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی ۔ سچ پوچھو تو آج اسی دھڑکے میں مجھے نیند نہیں آئی ۔ یہاں تیرا کون سگا بیٹھا ہے ؟''

جھنیا نے درد سے دانت جما کر سی ، کرتے ہوئے کہا '' اب نہ بچوں گی دیدی ! میں تو بھگوان سے مانگنے نہ گئی تھی ۔ ایک کو پالا پوسا ، اسے تم نے چھین لیا تو پھر اس کا کون کام تھا؟ میں مر جاؤں ماتا ،تو اس بچے پر دیا کرنا ،اسے پال پوس لینا ۔ بھگوان تمھارا بھلا کریں گے۔''

چوہیا محبت سے اس کے بال سلجھاتی ہوئی بولی '' دھیرج دھر بیٹی ، دھیرج دھر! ابھی چھن بھر میں کشٹ کٹا جاتا ہے ۔تو نے بھی جیسے چپی سادھ لی تھی ۔ اس میں کس بات کی لاج؟ مجھ سے بتا دیا ہوتا تو میں مولوی صاحب کے پاس سے گنڈا لا دیتی ، وہی مرجا جی جو اس حاطے میں رہتے ہیں ۔''

اس کے بعد جھنیا کو کچھ ہوش نہ رہا ۔ نو بجے صبح اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ چوہیا بچے کو لیے بیٹھی ہے اور وہ صاف ساڑی پہنے ہوئے لیٹی ہے ۔ ایسی کمزور تھی گویا بدن میں خون کا نام نہ ہو ۔

چوہیا روزانہ صبح آکر جھنیا کے لیے حریرہ اور حلوہ پکاجاتی اور دن میں بھی کئی بار آکر بچے کو ابٹن ملتی اور اوپر کا دودھ پلاجاتی ۔ آج چوتھا دن تھا مگر جھنیا کے دودھ نہ اترا تھا۔ بچہ رو رو کر گلا پھاڑے لیتا تھا کیونکہ اوپر کا دودھ اسے ہضم نہ ہوتا تھا ۔ ایک لمحہ بھی چپ نہ رہتا ۔ چوہیا اپنا دودھ اس کے منھ میں دیتی ۔ بچہ ایک منٹ چوستا مگر جب دودھ نہ نکلتا تو چیخنے

لگتا۔ جب چوتھی شام تک بھی جھنیا کے دودھ نہ اترا تو چوہیا گھبرائی ۔ بچہ سوکھتا چلا جاتا تھا ۔ نخاس پر ایک پنشنر ڈاکٹر رہتے تھے وہ انھیں لے آئی ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا ''اس کے بدن میں خون تو ہے نہیں ، پھر دودھ کہاں سے آئے ؟ معاملہ پیچیدہ ہو گیا ہے ۔ بدن میں خون لانے کے لیے مہینوں مقوی دوائیں کھانی پڑیں گی تب کہیں دودھ اترے گا ۔ اس وقت تک تو اس گوشت کے لوتھڑے کا کام ہی تمام ہو جائے گا۔''

پھر رات ہو گئی تھی ۔ گوبر تاڑی پیے ہوئے دالان میں پڑا تھا ۔ چوہیا بچے کو چپ کرانے کے لیے اس کے منھ میں اپنا دودھ ڈالے ہوئے تھی ۔ یکا یک اسے معلوم ہوا کہ اس کے خود میں دودھ اتر آیا ہے ۔ خوش ہو کر بولی ۔

'' لے جھنیا اب تیرا بچہ جی جائے گا ، میرے دودھ آ گیا۔''

جھنیا نے تعجب سے کہا ''تمھارے دودھ آ گیا ! ،،

''نہیں ری ، سچ ! ،،

'' میں تو نہیں بسواس کرتی ۔''

'' دیکھ لے ۔''

اس نے اپنا دودھ دبا کر دکھایا ۔ دھار پھوٹ نکلی ۔

جھنیا نے پوچھا ''تمھاری چھوٹی لڑکی تو آٹھ سال سے کم نہیں ہے ؟''

'' ہاں آٹھواں برس ہے ، پر میرے دودھ بہت ہوتا تھا ۔''

'' ادھر تو تمھیں کوئی بال بچہ نہیں ہوا ؟''

'' وہی لڑکی پیٹ پوچھنی تھی ۔ چھاتی بالکل سوکھ گئی تھی مگر بھگوان کی لیلا ہے اور کیا۔''

اب سے چوہیا چار پانچ بار آ کر بچے کو دودھ پلا جاتی ۔ بچہ پیدا تو ہوا تھا کمزور ، مگر چوہیا کا صحت بخش دودھ پی کر موٹا ہوتا جاتا تھا ۔ ایک روز چوہیا ندی نہانے چلی گئی ۔ بچہ بھوک سے چھپٹ پٹانے لگا ۔ چوہیا دس بجے لوٹی تو جھنیا بچے کو کندھے سے لگائے ، جھلا رہی تھی اور وہ روئے جاتا تھا ۔ چوہیا نے بچے کو اس کی گود سے لے کر دودھ پلا دینا چاہا مگر جھنیا نے اسے جھڑک کر کہا '' رہنے دو ۔ ابھاگا مر جائے یہی اچھا کسی کا احسان تو نہ لینا پڑے ۔''

چوہیا گڑگڑانے لگی ۔ جھنیا نے بڑے مناؤں کے بعد بچے کو اس کی گود میں دیا ۔

لیکن جھنیا اور گوبر میں اب بھی نہ بنتی تھی ۔ جھنیا کے دل میں بیٹھ گیا تھا کہ یہ پکا مطلبی

اور بیدرد آدمی ہے، مجھے صرف اپنے شوق وآرام کی چیز سمجھتا ہے چاہے میں مروں یا جیوں۔ اس کی اِچھا پوری ہوتی جائے۔'' اسے بالکل رنج نہیں۔ سوچتا ہوگا کہ یہ مر جائے گی تو دوسری لاؤں گا۔ مگر منہ دھو رکھیں بچو! میں ہی ایسی الھڑ تھی کہ تمھارے پھندے میں آگئی تب تو پاؤں پڑتا رہتا تھا اب یہاں آتے ہی نہ جانے کیوں جیسے اس کا سبھاؤ ہی بگڑ گیا۔ جاڑا آگیا تھا۔ مگر نہ اوڑھنے کو تھا نہ بچھانے کو۔ روٹی دال سے جو دوچار روپے بچتے وہ تاڑی میں اڑ جاتے تھے۔ ایک پرانا لحاف تھا دونوں اسی میں سوتے تھے۔ پھر بھی ان میں سوکوس کا فاصلہ تھا۔ دونوں ایک ہی کروٹ میں رات کاٹ دیتے تھے۔

گوبر کا جی بچے کو گود میں لے کر کھلانے کے لیے ترس کر رہ جاتا تھا۔ کبھی کبھی وہ رات کو اٹھ کر اس کا پیارا مکھڑا دیکھ لیا کرتا، مگر جھنیا کی جانب سے اس کے دل میں کشیدگی نہ تھی۔ جھنیا بھی اس سے بات نہ کرتی، نہ اس کی کچھ خدمت ہی کرتی۔ دونوں کے درمیان میں یہ کدورت، وقت کے ساتھ لوہے میں زنگ کی طرح گہری، مضبوط اور سخت ہوتی جاتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی باتوں کا الٹا ہی مطلب نکالتے، وہی جس سے باہمی منافرت میں زیادتی ہو اور کئی دن تک ایک ایک بات کو دل میں رکھے رہتے اور اسے اپنا خون پلا پلا کر ایک دوسرے پر جھپٹ پڑنے کے لیے تیار کرتے رہتے، گویا شکاری کتے ہوں۔

ادھر گوبر کے کارخانے میں بھی آئے دن ایک نہ ایک ہنگامہ بر پا رہتا تھا۔ اب کے بجٹ میں شکر پر ٹیکس لگ گیا تھا۔ مل کے مالکوں کو اجرت گھٹانے کا اچھا بہانہ مل گیا۔ ٹیکس سے اگر پانچ کا نقصان تھا تو اجرت گھٹا دینے سے دس کا منافع تھا۔ ادھر مزدوری گھٹی اور ادھر ہڑتال ہوئی۔ مزدوری میں دھیلے کی کمی بھی منظور نہ تھی۔ جب اس مہنگی کے دنوں میں ایک دھیلا بھی اجرت نہ بڑھی تو اب وہ گھاٹے میں کیوں ساتھ دے؟ مرزا خورشید مزدور سبھا کے پریسیڈنٹ اور پنڈت اونکار ناتھ ایڈیٹر'' بجلی ،، اس کے سکریٹری تھے۔ دونوں ایسی ہڑتال کرانے پر تلے ہوئے تھے کہ مل کے مالکوں کو کچھ دن یاد رہے۔ مزدوروں کو بھی ہڑتال سے نقصان پہنچے گا حتیٰ کہ ہزاروں کو روٹی کے لالے پڑجائیں گے، اس پہلو پر ان کی نگاہ بالکل نہ تھی۔ گوبر ہڑتالیوں میں سب سے آگے تھا۔ اکھڑ سبھاؤ کا تھا ہی، للکارنے کی ضرورت تھی، پھر تو وہ مرنے مارنے سے نہ ڈرتا تھا۔ ایک دن جھنیا نے اسے جی کڑا کر کے سمجھایا بھی کہ تم بال بچے والے آدمی ہو، تمھارا اس طرح آگ میں کودنا اچھا نہیں، مگر گوبر بگڑ اٹھا'' تو کون

ہوتی ہے میرے بیچ میں بولنے والی ؟ میں تجھ سے صلاح نہیں پوچھتا ۔'' بات بڑھ گئی اور گوبر نے جھنیا کو خوب پیٹا ۔ چوہیا نے آکر جھنیا کو چھڑایا اور گوبر کو ڈانٹنے لگی ۔ گوبر کے سر پر شیطان سوار تھا ۔ سرخ سرخ آنکھیں نکال کر بولا ۔'' تم میرے گھر میں مت آیا کرو چوہیا، تمھارے آنے کا کچھ کام نہیں ۔''

چوہیا نے طنز سے کہا '' تمھارے گھر میں نہ آؤں گی تو میری روٹیا ں کیسے چلیں گی؟ یہیں سے مانگ مانگ کر لے جاتی ہوں تب توا گرم ہوتا ہے ۔ میں نہ ہوتی لالا ، تو یہ بی آج تمھاری لاتیں کھانے کے لیے بیٹھی نہ ہوتی ۔''

گوبر گھونسہ تان کر بولا '' میں نے کہہ دیا کہ میرے گھر میں نہ آیا کرو تم ہی نے اس چڑیل کا مجاج آسمان پر چڑھا دیا ہے ۔''

چوہیا وہیں جمی ہوئی بے خوف کھڑی رہی ۔'' اچھا اب چپ رہنا گوبر ۔ بے چاری ادھ مری عورت کو مار کر تم نے کوئی بڑی بہادری کا کام نہیں کیاہے ۔ تم اس کے لیے کیا کرتے ہو کہ تمھاری مار سہے ؟ ایک روٹی کھلا دیتے ہو اسی لیے ؟ اپنا بھاگ سَرا ہو کہ ایسی گئو عورت پا گئے ہو ۔ دوسری ہوتی تو تمھارے منھ پر جھاڑو مار کر نکل گئی ہوتی ۔''

محلے کے لوگ جمع ہو گئے اور چاروں طرف سے گوبر پر لعنت ملامت کی بوچھار ہونے لگی ۔ وہی لوگ جو اپنے گھروں میں اپنی عورتوں کو روز پیٹتے تھے اس وقت رحم وانصاف کے پتلے بنے ہوئے تھے ۔ چوہیا اور شیر ہو گئی اور فریاد کرنے لگی ۔

'' داری جار کہتا ہے کہ میرے گھر نہ آیا کرو ۔ بی بی ۔ بچہ رکھنے چلا ہے ۔ پر یہ نہیں جانتا کہ بی بی بچوں کو پالنا بڑے گردے کا کام ہے ۔ اس سے پوچھو میں نہ ہوتی تو آج یہ بچہ جو بچھڑے کی طرح کلیلیں کر رہا ہے ، کہاں ہوتا ؟ عورت کو مار کر جوانی دکھاتا ہے ۔ میں نہ ہوئی تیری بی بی ، نہیں تو یہی جوتی اٹھا کر تیرے منھ پر تڑتڑ جماتی اور کوٹھری میں ڈھکیل کر باہر سے کنڈی بند کر دیتی ۔ دانے دانے کو ترس جاتے ۔''

گوبر جھلایا ہوا اپنے کام پر چلا گیا ۔ چوہیا مرد ہوتی تو مزا چکھا دیتا۔ عورت کے منھ کیا لگے ؟''

مل میں بے چینی کے بادل گہرے ہوتے جا رہے تھے ۔ مزدور '' بجلی ،، کے پرچے جیب میں لیے پھرتے اور ذرا بھی موقع پاتے تو دو تین مزدور مل کر اسے پڑھنے لگتے۔ اخبار کی

بکری خوب بڑھ رہی تھی ۔ مزدوروں کے لیڈر '' بجلی ،، کے کارخانے میں بیٹھے ہڑتال کی تجویزیں سوچا کرتے اور صبح ہوتے جب اخبار میں یہ خبر جلی حروف میں نکلتی تو پبلک ٹوٹ پڑتی اور اخبار کی کاپیاں دگنے تگنے قیمت پر بک جاتیں ۔ ادھر کمپنی کے ڈائرکٹر بھی اپنی گھات میں بیٹھے تھے ۔ ہڑتال ہوجانے ہی میں ان کا فائدہ تھا ۔ آدمیوں کی کمی تو ہے نہیں ۔ بے کاری بڑھی ہوئی ہے ۔ اس کی نصف اجرت پر ویسے ہی آدمی آسانی سے مل سکتے ہیں۔ مال کی تیاری میں ایک دم آدھی بچت ہو جائے گی ۔ دس پانچ دن کام کا حرج ہوگا ، کچھ پرواہ نہیں۔ آخر یہ طے ہوگیا کہ اجرت میں کمی کا اعلان کر دیا جائے ۔ دن اور وقت مقرر کر دیا گیا ۔ پولیس کو اطلاع دے دی گئی ۔ مزدوروں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی ۔ وہ اپنی گھات میں تھے ۔ اسی وقت ہڑتال کرنا چاہتے تھے جب گودام میں بہت تھوڑا مال رہ جائے اور مانگ کی زیادتی ہو ۔

یکا یک ایک روز جب مزدور شام کو چھٹی پاکر جانے لگے تو ڈائرکٹروں کا اعلان سنا دیا گیا ۔ اسی وقت پولیس آگئی ۔ مزدوروں کو اپنی مرضی کے خلاف اسی وقت ہڑتال کرنی پڑی جب گودام میں اتنا مال بھرا ہوا تھا کہ بہت زیادہ مانگ ہونے پر بھی چھ مہینے سے پہلے نہ اٹھ سکتا تھا ۔

مرزا خورشید نے یہ خبر سنی تو مسکرائے جیسے کوئی ہوشیار جنرل اپنے دشمن کے جنگی کمال پر خوش ہوگیا ہو ۔ ایک لمحہ غور کرنے کے بعد بولے '' اچھی بات ہے ۔ اگر ڈائرکٹروں کی یہی مرضی تو یہی سہی ۔ حالات ان کے موافق ہیں ، لیکن ہمیں بھی حق و انصاف پر بھروسا ہے۔ وہ لوگ نئے آدمی رکھ کر اپنا کام چلانا چاہتے ہیں۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ انھیں ایک بھی نیا آدمی نہ ملے ، یہی ہماری فتح ہوگی ۔''

بجلی کے دفتر میں اسی وقت خطرے کی میٹنگ ہوئی ۔ کارکن کمیٹی بنائی گئی ، عہدے داروں کا انتخاب ہوا اور آٹھ بجے رات کو مزدوروں کا لمبا جلوس نکلا ۔دس بجے رات کو اگلے دن کا سارا پروگرام طے کیا گیا اور یہ تاکید کر دی گئی کہ کسی طرح کا شر وفساد نہ ہونے پائے ۔

مگر ساری کوشش بے کار ہوئی ۔ ہڑتالیوں نے نئے مزدوروں کی کثیر تعداد مل کے پھاٹک پر کھڑی دیکھی تو ان کی مفسدانہ رغبت قابو سے باہر ہوگئی ۔ سوچا تھا کہ سو سو پچاس پچاس آدمی روزانہ بھرتی کے لیے آئیں گے تو انھیں سمجھا بجھا کر یاد ھمکا کر بھگادیں گے۔ ہڑتالیوں کی تعداد دیکھ کر آنے والے مزدور آپ ہی ڈر جائیں گے ۔ مگر یہاں تو نقشہ ہی دگر

گوں تھا۔ اگر یہ کل آدمی بھرتی ہوگئے تو ہڑتالیوں کے لیے سمجھوتے کی کوئی امید ہی نہ تھی۔
طے ہوا کہ نئے آدمیوں کو مل میں جانے ہی نہ دیا جائے۔ طاقت کے استعمال کے سوا اور کوئی
تدبیر نہ تھی۔ نیا گروہ بھی مرنے مارنے پر تیار تھا۔ ان میں زیادہ تر مر بھوکے تھے جو اس
موقع کو کسی طرح بھی ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتے تھے۔ بھوکوں مرجانے یا اپنے بال بچوں
کو بھوکوں مرتے دیکھنے سے تو یہ کہیں بہتر تھا کہ حالات حاضرہ کا مقابلہ کرتے ہوئے مریں۔
دونوں جماعتوں میں فوجداری ہوگئی۔ بجلی، کے ایڈیٹر تو بھاگ کھڑے ہوئے ہاں، بے
چارے مرزا جی پٹ گئے اور ان کے بچانے میں گوبر بھی بری طرح زخمی ہوا۔ مرزا پہلوان
آدمی تھے اور منجے ہوئے پھینکیٹ۔ اپنے اوپر کوئی گہرا وار نہ پڑنے دیا۔ گوبر دہقانی تھا، پورا
لٹھ مار، مگر اپنی حفاظت کرنا نہ جانتا تھا جو لڑائی میں سب سے زیادہ اہم بات ہے۔ اس کے
ایک ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ سر پھٹ گیا۔ اور آخر کار وہیں ڈھیر ہوگیا۔ کندھوں پر بے شمار
لاٹھیاں پڑی تھیں جس سے اس کا ایک ایک عضو چور ہو گیا تھا۔ ہڑتالیوں نے اسے گرتے
دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف دس بارہ جیچے ہوئے آدمی مرزا کو گھیر کر کھڑے ہوگئے۔
نئے آدمی فتح کا جھنڈا اڑاتے ہوئے مل میں داخل ہوئے اور ہارے ہوئے ہڑتالی اپنے
زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر اسپتال پہنچانے لگے۔ مگر اسپتال میں اتنے آدمیوں کے لیے جگہ نہ تھی۔
مرزا تو لے لیے گئے، گوبر کی مرہم پٹی کر کے اس کے گھر پہنچا دیا گیا۔

جھنیا نے گوبر کا وہ بے جان سا جسم دیکھا تو اس کی نسائیت بیدار ہوگئی۔ اب تک اس
نے اسے طاقت کی شکل میں دیکھا تھا۔ جو اس پر حکومت کرتا تھا اور اسے ڈانٹتا مارتا تھا۔ آج
وہ ناکارا، بیکس اور قابل رحم تھا۔ جھنیا نے کھاٹ پر جھک کر آنسوں بھری آنکھوں سے گوبر کو
دیکھا اور گھر کی حالت کا خیال کر کے اسے گوبر پر رشک آمیز غصہ آیا۔ گوبر جانتا تھا کہ گھر
میں ایک پیسہ نہیں ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کہیں سے ایک پیسہ ملنے کی امید نہیں ہے۔ یہ
جانتے ہوئے بھی، اس کے بار بار سمجھانے پر بھی، اس نے یہ آفت اپنے اوپر لی۔ اس نے
کتنی بار کہا تھا کہ تم اس جھگڑے میں نہ پڑو، آگ لگانے والے آگ لگا کر الگ ہو
جائیں گے اور جائے گی غریبوں کے سر۔ لیکن وہ کب اس کی سننے والا تھا۔ وہ تو اس کی بیرن
تھی۔ دوست تو وہ لوگ تھے جو مزے سے موٹروں میں گھوم رہے ہیں۔ اس غصے میں ایک طرح
کا اطمینان تھا جیسے ہم ان بچوں کو کرسی سے گرتے دیکھ کر جو بار بار منع کرنے پر بھی کھڑے

ہونے سے باز نہ آتے ، چلا اٹھتے ہیں " اچھا ہوا ، بہت اچھا ، تمھارا سر کیوں نہ پھٹ گیا ۔"
لیکن ایک ہی لمحے میں گوبر کا چلانا سن کر اس کے سارے ہوش وحواس ٹھکانے آ گئے ۔ دردوتکلیف میں ڈوبے ہوئے اس کے منھ یہ الفاظ نکلے " ہائے ہائے ! سارا بدن بھرکس ہوگیا۔ سبھوں کو تنِک بھی دیا نہ آئی ۔"

وہ اسی طرح بڑی دیر تک گوبر کا منھ دیکھتی رہی ۔ وہ بجھتی ہوئی امید سے زندگی کی کوئی علامت پالینا چاہتی تھی اور ہر لمحہ اس کا صبرواستقلال غروب ہونے والے سورج کی طرح ڈوبتا جاتا تھا اور مستقبل کی تاریکی سے اپنے اندر سمیٹے لیتی تھی ۔

دفعتا چوہیانے پکارا " گوبر کا کیا حال ہے بہو؟ میں نے تو ابھی سنا دوکان سے دوڑی آئی ہوں ۔"

جھنیا کے رکے ہوئے آنسوں ابل پڑے ۔ کچھ بول نہ سکی ۔ سہی ہوئی آنکھوں سے چوہیا کی طرف دیکھا۔

چوہیا نے گوبر کا منھ دیکھا ، اس کے سینے پر ہاتھ رکھا اور تشفی کے لہجے میں بولی " یہ چار دن میں اچھے ہو جائیں گے ۔ گھبرامت ۔ کُسل ہوئی ۔ تیرا سہاگ بلوان تھا ۔ کئی آدمی اسی دنگے میں مر گئے ۔ گھر میں کچھ روپے پیسے ہیں ؟"

جھنیا نے شرم سے سر ہلا دیا۔

" میں لائے دیتی ہوں ۔ تھوڑا سا دودھ لاکر گرم کرلے ۔"

جھنیا نے اس کے پیر پکڑ کر کہا " دیدی تم ہی میری ماتا ہو ۔ میرا دوسرا کوئی نہیں ہے ۔"

جاڑوں کی اداس شام آج اور بھی اداس لگ رہی تھی۔ جھنیا نے چولھا جلایا اور دودھ ابالنے لگی ۔

چوہیا برامدے میں بچے کو لیے کھلارہی تھی ۔

دفعتاً جھنیا بھرئے ہوئے گلے سے بولی " میں بڑی ابھاگنی ہوں دیدی ! میرے جی میں ایسا آرہا ہے جیسے میرے ہی کارن ان کی یہ گت ہوئی ہے ۔ جی کڑھتا ہے تب دل دکھی ہوتا ہے ۔ پھر گالیاں بھی نکلتی ہیں اور سراپ بھی نکلتا ہے ۔ کون جانے میری گالیوں ...."

اس کے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی ۔ آنسوؤں ے بہاؤ میں آواز بھی بہہ گئی ۔

چوہیا نے آنچل سے اس کے آنسوں پوچھتے ہوئے کہا ۔" کیسی باتیں سوچتی ہے ، بیٹی ؟

یہ تیرے سیندور کا بھاگ ہے کہ بچ گئے مگر ہاں اتنا ہے کہ آپس میں لڑائی ہو تو منھ سے چاہے جتنا بک لے پر من میں میل نہ رکھے ۔ بیچ اندر پڑا تو انکھوا نکلے بنا نہیں رہتا ۔،،

جھنیا نے تھرائی ہوئی آواز میں پوچھا ''اب میں کیا کروں دیدی ؟''

چوہیا نے ڈھارس دی '' کچھ نہیں بیٹی ۔ بھگوان کا نام لے وہی گریبوں کی رچھا کرتے ہیں ۔''

اسی وقت گوبر نے آنکھیں کھولیں اور جھنیا کو سامنے دیکھ کر التجا کے انداز سے کمزور آواز میں بولا ۔

'' آج بہت چوٹ کھا گیا جھنیا ! میں کسی سے کچھ نہیں بولا ۔ سبھوں نے ایک دم مجھے مارا ۔ کہا سنا چھما کرنا ! تجھے ستاتا تھا ، اسی کا یہ پھل ملا ۔ تھوڑی دیر کا اور مہمان ہوں ۔ اب نہ بچوں گا ۔ درد کے مارے سارا بدن پھٹا جاتا ہے ۔''

چوہیا نے اندر آکر کہا '' چپ چاپ پڑے رہو بولو چالو نہیں ۔ مروگے نہیں ، اس کا میرا جمہ ۔''

گوبر کے چہرے پر امید کی جھلک آگئی ، بولا سچ کہتی ہو ، میں مروں گا نہیں ؟'' '' ہاں، نہیں مروگے ۔ تمھیں ہوا کیا ہے ؟ جرا سر میں چوٹ آگئی ہے اور ہاتھ کی ہڈی اتر گئی ہے ۔ ایسے چوٹیں مردوں کو نت ہی لگا کرتی ہیں ۔ان سے کوئی نہیں مرتا ۔''

'' اب میں جھنیا کو کبھی نہ ماروں گا ۔''

'' ڈرتے ہوگے کہ کہیں جھنیا تمھیں نہ مارے ۔''

'' وہ مارے گی بھی تو نہ بولوں گا ۔''

'' اچھے ہونے پر بھول جاؤگے ۔''

'' نہیں دیدی ، کبھی نہیں بھولوں گا ۔''

گوبر اس وقت بچوں کی سی باتیں کیا کرتا ۔ دس پانچ منٹ غافل پڑا رہتا ! اس کا جی نہ جانے کہاں کہاں اڑتا پھرتا ۔ کبھی دیکھتا کہ وہ ندی میں ڈوبا جارہا ہے اور جھنیا اسے بچانے کے لیے ندی میں چلی آرہی ہے ۔ کبھی دیکھتا کہ کوئی دیو اس کے سینے پر سوار ہے اور جھنیا کی شکل کی کوئی دیوی اسے بچا رہی ہے اور بار بار چونک کر پوچھتا '' میں مروں گا تو نہیں، جھنیا ؟''

تین دن اس کی یہی حالت رہی اور جھنیا نے رات کو جاگ کر اور دن کو پاس کھڑے رہ

کر گویا موت کے منھ سے اسے بچایا۔ بچے کو چوہیا سنبھالے رہتی تھی۔ چوتھے دن جھنیا یکہ لائی اور سب نے گوبر کو اس پر لاد کر اسپتال پہنچایا۔ وہاں سے لوٹ کر گوبر کو معلوم ہوا کہ وہ اب سچ مچ بچ جائے گا۔ اس نے آنکھوں میں آنسوں بھر کر کہا'' مجھے چھما کردو جھونا!،،

ان تین چار دن میں چوہیا کے تین چار روپے خرچ ہو گئے تھے اور اب جھنیا کو اس سے کچھ لینے میں تامل ہوتا تھا۔ وہ بھی کوئی مالدار تو تھی نہیں۔ لکڑی کی بکری کے روپے جھنیا کو دے دیتی تھی۔ آخر جھنیا نے کچھ کام کرنے کا ارادہ کیا۔ ابھی گوبر کو اچھا ہوتے مہینے لگیں گے۔ کھانے پینے کو بھی چاہیے، دوا دارو کو بھی چاہیے۔ وہ کچھ کام کر کے کھانے بھر کو تو لے ہی آئے گی۔ بچپن سے اس نے گایوں کا پالنا اور گھاس کا چھیلنا سیکھا تھا۔ یہاں گائے تو تھیں نہیں، ہاں لوگ گھاس چھیلنے جاتے تھے اور آٹھ دس آنے کما لاتے تھے۔ وہ علی الصباح گوبر کا ہاتھ منھ دھولا کر اور بچے کو اسے سونپ کر گھانس چھیلنے چلی جاتی اور بھوکی پیاسی تیسرے پہر تک چھیلتی رہتی۔ پھر اسے منڈی میں لے جا کر بیچتی اور شام کو گھر آتی۔ رات کو بھی وہ گوبر کی نیند سوتی اور گوبر کی نیند جاگتی۔ مگر اتنی سخت محنت کرنے پر بھی اس کا دل ایسا بشاش رہتا گویا جھولے پر بیٹھی گا رہی ہو۔ راستے بھر ہمراہی عورتوں مردوں سے ہنستی بولتی ہوئی چلی جاتی اور گھاس چھیلتے وقت بھی سب میں ایسی ہی باتیں ہوتی رہتیں۔ نہ تقدیر کا شکوہ، نہ تباہی کا گلا۔ زندگی کی معنوعیت میں، یگانوں کے لیے زبردست سے زبردست ایثار میں، اور آزادانہ مذمت میں جو خوشی ہے اسی کی چمک اس کے ہر ہر عضو سے ظاہر تھی۔ بچہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوکر جیسے تالیاں بجا بجا کر خوش ہوتا ہے کچھ ویسی ہی خوشی وہ بھی محسوس کر رہی تھی، گویا اس کے دل میں خوشی کا کوئی چشمہ جاری ہوگیا ہو۔ اور جب دل بحال ہو تو پھر بھی کیوں ویسا ہی نہ رہے؟ اسی ایک مہینے میں جیسے اس کی کایا پلٹ ہوگئی تھی۔ اس کے اعضا میں اب سستی نہیں بلکہ تیزی ہے، لچک ہے اور نزاکت ہے چہرے پر وہ زردی نہیں بلکہ خون کی گلابی رنگت ہے۔ اس کا شباب جو اس بند کوٹھری میں پڑے پڑے ذلت اور خانہ جنگی سے افسردہ ہوگیا تھا وہ گویا ہوا اور روشنی پا کر لہلہا اٹھا ہے۔ اب اسے کسی بات پر غصہ نہیں آتا۔ بچے کے ذرا سے رونے پر وہ جھنجھلا اٹھا کرتی تھی اب گویا اس کی برداشت اور محبت کی کوئی حد ہی نہ تھی۔

اس کے خلاف گوبر اچھا ہوتے جانے پر بھی کچھ اداس رہتا تھا۔ جب ہم اپنے عزیز

پر ظلم کرتے ہیں اور جب مصیبت آپڑنے سے ہم میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ اس کی شدید تکلیف کو خود محسوس کرسکیں ، تو اس سے ہمارا دل بیدار ہوجاتا ہے اور ہم اس بے جا سلوک کا کفارہ کرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں ۔ گوبر اسی کفارے کے لیے بے قرار ہورہا تھا ۔ اب اس کی زندگی کا رویہ بالکل دوسرا ہوگا جس میں تلخی کی جگہ شیرینی ہوگی اور غرور کے بجائے انکسار، اسے اب معلوم ہوا کہ خدمت کرنے کا موقع بڑی خوش قسمتی سے ملتا ہے اور اب وہ اسے کبھی نہ بھولے گا ۔

۲۸

مسٹر کھنا کو مزدوروں کی یہ ہڑتال بالکل بے جا معلوم ہوتی تھی ۔ انھوں نے ہمیشہ عوام کے ساتھ ملے رہنے کی کوشش کی تھی ۔ وہ خود کو عوام ہی کا آدمی سمجھتے تھے ۔ سابق قومی تحریک میں انھوں نے بڑا حوصلہ دکھایا تھا ۔اس وقت ضلع کے خاص لیڈر تھے ، دو بار جیل گئے تھے اور کئی ہزار کا نقصان اٹھایا تھا ۔ اب بھی وہ مزدوروں کی شکائیتیں سننے کو تیار تھے ۔ مگر یہ تو نہیں ہوسکتا کہ وہ مل کے حصے داروں کے فائدے کا خیال قطعی چھوڑ دیں ۔ اپنا سوارتھ چھوڑ دینے کو وہ تیار ہوسکتے تھے بشرطیکہ ان کی بلند خیالی سے مَس ہو ، مگر حصے داروں کے اغراض کی حفاظت نہ کرنا ، یہ تو ادھرم تھا۔ یہ تو کارو بار ہے ، کوئی سدا برت نہیں کہ سب کا سب مزدوروں ہی کو بانٹ دیا جائے ۔ حصے داروں کو یہ یقین دلا کر روپے لیے گئے تھے کہ اس کام میں پندرہ بیس روپے سیکڑہ کا منافع ہے اور اگر انھیں دس روپے سیکڑہ بھی نہ ملتے تو وہ ڈائرکٹر اور خصوصاً کھنا کو دھوکہ باز ہی تو سمجھیں گے ۔ پھر اپنی تنخواہ وہ کیسے کم کرسکتے تھے ؟ اور کمپنیوں کے دیکھتے انھوں نے اپنی تنخواہ بہت کم رکھی تھی ۔ صرف ایک ہزار روپے ماہوار لیتے تھے ۔ کچھ کمیشن بھی مل جاتا تھا ۔ لیکن اگر وہ اتنا لیتے تھے تو مل کے چلانے کا سارا انتظام بھی تو ان ہی کے ذمے تھا ۔ مزدور صرف ہاتھ سے کام کرتے ہیں ۔ڈائرکٹر اپنی عقل سے ، اپنے علم سے اور اپنے اثر سے کام کرتا ہے ۔ دونوں طاقتوں کی قیمت برابر تو نہیں ہوسکتی ۔ مزدوروں کو یہ سوچ کر کیوں نہیں صبر ہوتا کہ کساد بازاری کا وقت ہے ۔ اور چاروں طرف بے کاری پھیلی ہونے کے سبب آدمی سستے ہو گئے ہیں ۔ انھیں ایک کی جگہ پون بھی ملے تو مطمئن رہنا چاہیے تھا ۔ سچ پوچھیے تو وہ مطمئن ہی ہیں ۔ ان کا کوئی قصور نہیں ۔ وہ تو جاہل مطلق ہیں ۔ شرارت تو اونکار ناتھ اور مرزا خورشید کی ہے ۔ یہی لوگ ان غریبوں کو کٹھ پتلی کی طرح نچا رہے ہیں ، صرف تھوڑے سے پیسے اور کچھ ناموری کے لالچ میں پڑ کر ۔ یہ نہیں سوچتے کے ان کی اس حرکت سے کتنے گھر تباہ ہو جائیں گے ۔ اونکار ناتھ کا اخبار نہیں چلتا تو کھنا کیا کریں ؟ اور آج ان کے اخبار کے ایک لاکھ گاہک ہو جائیں جس سے انھیں پانچ لاکھ کا منافع ہونے لگے

تو کیا وہ صرف اپنی گزر بسر کے لیے لے کر بقیہ رقم کام کرنے والوں کو تقسیم کر دیں گے؟ کہاں کی بات ! اور یہ تیا گی مرزا بھی تو ایک دن لکھ پتی تھے اور ہزاروں مزدور ان کے یہاں کام کرتے تھے ، تو کیا وہ اپنی ضرورت بھر کے لیے لے کر بقیہ مزدوروں میں بانٹ دیتے تھے ؟ کیا وہ اسی ضرورت بھر کی قلیل رقم میں یورپین چھوکریوں کے ساتھ عیش وعشرت کرتے تھے ، بڑے بڑے افسروں کے ساتھ دعوتیں اڑاتے تھے ، ہزاروں روپے ماہوار کی شراب پی جاتے تھے اور ہر سال فرانس اور سوئیزر لینڈ کی سیر کرتے تھے ؟ آج مزدوروں کی حالت دیکھ کر ان کا کلیجہ پھٹتا ہے !۔

ان دونوں لیڈروں کی تو کھنا کو پرواہ نہ تھی ان کی نیت کی صفائی میں پورا شک تھا۔ نہ رائے صاحب ہی کی انھیں پرواہ تھی جو ہمیشہ کھنا کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے اور ان کی ہر بات کی تائید کردیا کرتے تھے ۔ اپنے شناساؤں میں صرف ایک ہی ایسا شخص تھا جس کی غیر جانبدارنہ رائے پر کھنا کو کامل اعتماد تھا ۔! اور وہ تھے ڈاکٹر مہتا ۔ جب سے انھوں نے مالتی سے اپنا تعلق بڑھانا شروع کیا تھا ، کھنا کی نظروں میں ان کی عزت بہت کم ہوگئی تھی ۔ مالتی برسوں کھنا کے دل کی مالکہ رہ چکی تھی ۔ مگر اس کو ہمیشہ انھوں نے کھلونا ہی سمجھا تھا ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کھلونا انھیں بہت پیارا تھا اور اس کے کھوجانے یا ٹوٹ جانے یا چھن جانے پر وہ روئے بھی تھے ، مگر تھی وہ کھلونا ہی ۔ انھیں کبھی مالتی پر بھروسہ نہ ہوا ، وہ بھی ان کے شوق کی باہری پوشاک میں سما کر ان کے دل تک نہ پہنچ سکی تھی ۔ وہ اگر خود کھنا سے بیاہ کے لیے کہتی تو وہ منظور نہ کرتے اور کسی نہ کسی حیلے سے ٹال دیتے ۔ کتنے ہی اور انسانوں کی طرح کھنا کی زندگی بھی دوزخ تھی ۔ ایک طرف وہ تیاگ اور سیوا اور اپکار کے پجاری تھے تو دوسری طرف خود غرضی ،عیش پسندی اور اقتدار کے ۔ ان کا اصلی رخ کون تھا ، یہ کہنا مشکل ہے ۔ شاید ان کی روح کا اعلیٰ نصف ، خدمت اور ہمدردی کے اجزا سے بنا ہوا تھا اور ادنیٰ نصف خود غرضی اور عیش پسندی سے، مگر اس اعلیٰ اور ادنیٰ میں برابر مقابلہ ہوتا رہتا تھا اور ادنیٰ ہی اپنی زبردستی اور ہٹ کے سبب امن اور سکون سے بھرے ہوئے اعلیٰ پر غالب آجاتا تھا ۔ ادنیٰ مالتی کی طرف جھکتا تھا تو اعلیٰ مہتا کی طرف ، مگر وہ اب ادنیٰ میں شامل ہوگیا تھا ۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مہتا جیسا معیار پرست آدمی مالتی جیسی شوخ اور آرام پسند عورت پر کیسے فریفتہ ہوگیا ۔ وہ بہت کوشش کرنے پر بھی مہتا کو نفس پرستیوں کا شکار نہ قرار دے سکتے تھے اور کبھی

کبھی انھیں یہ شک بھی ہونے لگتا تھا کہ مالتی کا کوئی ایسا دوسرا روپ بھی ہے جسے نہ تو وہ دیکھ سکے اور نہ جسے وہ دیکھنے کے اہل ہی تھے۔

موافق ومخالف، سبھی پہلوؤں پر غور کر کے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس حالت میں ان کو مہتا ہی سے واجبی ہدایت مل سکتی ہے۔

ڈاکٹر مہتا کو کام کرنے کا نشہ تھا۔ آدھی رات کو سوتے تھے اور رات رہے جاگ پڑتے تھے۔ کیسا ہی کام ہو وہ اس کے لیے کہیں نہ کہیں سے وقت نکال لیتے تھے۔ ہاکی کھیلنا ہو یا یونیورسٹی کے مباحثے میں حصہ لینا ہو، '' گاؤں سنگھٹن ،، ہو یا کسی شادی کا نیوتا سبھی کاموں کے لیے ان کے دل میں شوق تھا اور ان کے پاس وقت تھا۔ وہ اخباروں میں مضامین بھی لکھتے تھے اور کئی سال سے فلسفہ کی ایک ضخیم کتاب بھی لکھ رہے تھے جو اب ختم ہونے والی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک سائنس کا کھیل ہی کھیل رہے تھے۔ اپنے باغیچے میں پودوں پر برقی اثر کی آزمائش کر رہے تھے۔ انھوں نے حال میں ایک سائنس کی انجمن میں یہ ثابت کردیا تھا کہ فصلیں برقی طاقت سے بہت کم وقت میں پیدا کی جاسکتی ہیں، ان کی پیداوار بڑھائی جاسکتی ہیں، اور بے فصل کی چیزوں کی اپج بھی کی جاسکتی ہے۔ آج کل صبح کے دوتین گھنٹے وہ ان ہی باتوں میں صرف کرتے تھے۔

مسٹر کھنا کی باتیں سن کر انھوں نے تُرش روئی سے ان کی طرف دیکھ کر کہا '' کیا یہ ضروری تھا کہ ٹیکس لگ جانے سے مزدوروں کی اجرت گھٹا دی جائے؟ آپ کو سرکار سے شکایت کرنی چاہیے تھی۔ اگر سرکار نے نہیں سنا تو اس کی سزا مزدوروں کو کیوں دی جائے؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ مزدوروں کو اتنی اجرت دی جاتی ہے کہ اس میں ایک چوتھائی کی کمی سے انھیں کوئی تکلیف نہ ہوگی؟ آپ کے مزدور بلوں میں رہتے ہیں؟ گندے اور بدبودار بلوں میں، جہاں آپ ایک منٹ رہیں تو قے ہو جائے، جو کپڑے وہ پہنتے ہیں ان سے آپ اپنے جوتے بھی صاف نہ کریں گے۔ جو کھانا وہ کھاتے ہیں وہ آپ کا کتا بھی نہ کھائے گا۔ میں نے ان کی زندگی میں حصہ لیا ہے۔ آپ ان کی روٹیاں چھین کر اپنے حصہ داروں کا پیٹ بھرنا چاہتے ہیں ....''

کھنا نے بے صبری سے کہا '' مگر ہمارے سبھی رشتے دار تو امیر نہیں ہیں۔ کتنوں نے ہی اپنا سب کچھ اسی مِل کی نذر کردیا ہے اور اس کے نفع کے سوا ان کی زندگی کا کوئی سہارا

نہیں ہے ۔''

مہتا نے اس انداز سے جواب دیا گویا اس دلیل کی ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں ۔ بولے '' جو آدمی کسی کاروبار میں حصہ لیتا ہے وہ اتنا مفلس نہیں ہوتا کہ اس کے منافع ہی کو زندگی کا سہارا سمجھے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے نفع کم ملنے پر اپنا ایک نوکر کم کردینا پڑے یا اس کے مکھن اور پھلوں کا بل گھٹ جائے مگر وہ ننگا یا بھوکا نہ رہے گا ۔ جو لوگ اپنی جان کھپاتے ہیں ان لوگوں کا حق ان سے زیادہ ہے جو صرف روپیہ لگاتے ہیں ۔''

یہی بات پنڈت اونکار ناتھ نے کہی تھی ، مرزا خورشید نے بھی یہی صلاح دی تھی ، حتیٰ کے گوبندی نے بھی مزدوروں کی حمایت کی تھی ۔ مگر کھنا نے ان لوگوں کے کہنے کا خیال نہ کیا تھا ۔ مگر مہتا کے منھ سے ویسا ہی سن کر وہ متاثر ہوگئے ۔ اونکار ناتھ کو وہ مطلبی سمجھتے تھے ، مرزا کو غیر ذمہ دار اور گوبندی کو ناقابل ۔ مہتا کی بات میں کردار مطالعہ اور اخلاق کی طاقت تھی۔

دفعتاً مہتا نے پوچھا '' آپ نے اپنی اہلیہ سے بھی اس بارے میں رائے لی ؟''

کھنا نے لجاتے ہوئے کہاں '' ہاں ، پوچھا تھا ۔''

'' ان کی کیا رائے تھی ؟''

'' وہی جو آپ کی رائے ہے ۔''

'' مجھے یہی امید تھی ۔ اور آپ اس قابلہ کو ناقابل سمجھتے ہیں ! ،،

اسی وقت مالتی آ پہنچی اور کھنا کو دیکھ کر بولی ' اچھا ، آپ موجود ہیں ! میں نے آج مہتا جی کی دعوت کی ہے سبھی چیزیں اپنے ہاتھوں سے تیار کی ہیں ۔ آپ کو بھی نیوتا دیتی ہوں۔ گوبندی دیوی سے آپ کا یہ قصور معاف کرادوں گی ۔''

کھنا کو تعجب ہوا ۔ اب مالتی اپنے ہاتھوں سے کھانا پکانے لگی ہے ! مالتی جو خود کبھی اپنے جوتے نہ پہنتی تھی ، جو خود کبھی بجلی کا بٹن تک نہ دباتی تھی ، عیش وآرام ہی جس کی زندگی تھی۔ مسکرا کر بولے '' اگر آپ نے پکایا ہے تو ضرور کھاؤں گا ۔ میں تو کبھی سوچ ہی نہ سکتا تھا کہ آپ اس فن میں بھی ماہر ہیں ۔''

مالتی نے بلا تامل کہا '' انھوں نے مار مار کر حکیم بنا دیا ہے ۔ ان کا حکم کیسے ٹال سکتی ؟ مرد دیوتا جو ٹھہرے ! ،،

کھنا نے اس طنز سے لطف اٹھاتے ہوئے اور مہتا کی طرف آنکھیں مارتے ہوئے کہا ''

مرد تو آپ کی نگاہوں میں اتنی آدر کی چیز نہ تھے ۔"
مالتی شرمائی نہیں ۔اس اشارے کا مطلب سمجھ کر جوش کے لہجے میں بولے" لیکن اب ہو گئے ہیں ، اس لیے کے میں نے مرد کا جو روپ اپنی جان پہچان والوں کے دائرے میں دیکھا تھا اس سے یہ کہیں بہتر ہے ۔ مرد اتنا بہتر ، اتنا نرم دل ....؟؟"
مہتا نے مالتی کی طرف انکسار سے دیکھا اور کہا " نہیں مالتی مجھ پر رحم کرو ورنہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں گا ۔"
ان دنوں جو بھی مالتی سے ملتا تو وہ اس سے مہتا کی تعریفوں کے پل باندھ دیتی جیسے کوئی نو مرید اپنے نئے عقاید کا ڈھنڈورا پیٹتا پھرے ۔ پسند کا بھی اسے خیال نہ رہتا ۔ اور بے چارے مہتا دل میں کٹ کر رہ جاتے ۔ وہ تلخ اور درشت تنقید کو تو بڑے شوق سے سنتے تھے لیکن اپنی تعریف سن کر گویا بیوقوف بن جاتے تھے اور منھ ذرا سا نکل آتا تھا ۔ اور مالتی ان عورتوں میں نہ تھی جو اندر رہ سکے ، وہ باہر ہی رہ سکتی تھی ، پہلے بھی ، اب بھی ، عمل میں اور خیال میں دل میں کچھ رکھ چھوڑنا وہ نہ جانتی تھی جس طرح ایک عمدہ ساڑی پاکر وہ پہننے کے لیے بے چین ہوجاتی تھی ۔اسی طرح دل میں کوئی اچھا خیال آئے تو وہ اسے ظاہر کیے بغیر کل نہ پاتی تھی ۔
مالتی نے اور قریب جاکر ان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر ، گویا ان کی حفاظت کرتے ہوئے کہا " اچھا بھاگو نہیں ، اب میں کچھ نہ کہوں گی معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں اپنی ہجو زیادہ پسند ہے تو وہی سنو ، کھنا جی ! یہ حضرت مجھ پر اپنی محبت کا جال ....
شکر مل کی چمنی یہاں سے صاف نظر آتی تھی ۔ کھنا نے اس کی طرف دیکھا ۔ وہ چمنی کھنا کی نیک نامی کے ستون کی طرح آسمان میں سر اٹھائے کھڑی تھی ۔ کھنا کی آنکھوں میں غرور چمک اٹھا ۔ اسی وقت انھیں مل کے دفتر میں جانا ہے ۔ وہاں ڈائرکٹروں کی ایک فوری اور ضروری میٹنگ کرنی ہوگی اور اس حالت کو ان کے ذہن نشین کرانا ہوگا اور ساتھ ہی اس مسئلے کے حل کی تدبیر بھی بتانی ہوگی ۔
مگر چمنی کے پاس یہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے ؟ دیکھتے دیکھتے سارا آسمان غبارے کی طرح دھوئیں سے بھر گیا ۔ سب نے خائف ہوکر ادھر دیکھا ۔ کہیں آگ تو نہیں لگ گئی ؟ آگ ہی معلوم ہوتی ہے ۔

دفعتاً سامنے سڑک پر ہزاروں آدمی مل کی طرف دوڑے جاتے ہوئے نظر آئے۔ کھنا نے کھڑے ہوکر زور سے پوچھا " تم لوگ کہاں دوڑے جا رہے ہو؟"

ایک آدمی نے رک کر کہا " اجی شکر مل میں آگ لگ گئی ! آپ دیکھ نہیں رہے ہیں ؟"

کھنا نے مہتا کی طرف دیکھا اور مہتا نے کھنا کی طرف ۔ مالتی دوڑی ہوئی اپنے بنگلے میں گئی اور جوتے پہن آئی ۔ افسوس اور شکایت کا موقع نہ تھا ۔ کسی کے منھ سے ایک بات نہ نکلی ۔ خطرے میں ہمارے ہوش و حواس کا رخ اندر کی طرف ہوجاتا ہے ۔ کھنا کا موٹر کھڑا ہی تھا ۔ تینوں آدمی گھبرائے ہوئے آکر بیٹھے اور مل کی طرف بھاگے ۔ چوراہے پر پہنچے تو دیکھا کے سارا شہر امڈا چلا آرہا ہے ۔ آگ میں آدمیوں کے کھینچنے کا جادو ہے ۔ موٹر آگے نہ بڑھ سکا۔

مہتا نے پوچھا " آگ کا بیمہ تو کرا لیا تھا نا ؟"

کھنا نے لمبا سانس کھینچ کر کہا " کہاں بھئی ! ابھی تو لکھا پڑھی ہو رہی تھی ۔ کیا جانتا تھا کہ آفت آنے والی ہے ۔"

موٹر وہیں چھوڑ دیا گیا اور تینوں آدمی بھیڑ کو چیرتے ہوئے مل کے سامنے جا پہنچے۔ دیکھا تو آگ کا ایک سمندر خلا میں امنڈ رہا تھا۔ آگ کی پاگل لہریں ایک ہوکر دانت پیستی تھیں اور زبان نکال رہی تھیں گویا آسمان کو بھی نگل جائیں گی ۔ اس آگ کے سمندر کے نیچے ایک ایسا دھوان؛ چھایا ہوا تھا گویا ساون کی گھٹا کاجل میں نہا کر نیچے اتر آئی ہو ۔ اس کے اوپر آگ کا کانپتا اور ابلتا پہاڑ کھڑا تھا ۔ احاطہ میں لاکھوں آدمیوں کی بھیڑ تھی ، پولیس بھی تھی ، فائیر بریگیڈ بھی اور سیوا سمیتی کے والنٹیر بھی ، مگر سب کے سب آگ کی تیزی سے گویا ست ہو گئے تھے ۔ فائیر بریگیڈ کے چھینٹے اس آتشیں سمندر میں پڑ کر جیسے بجھ جاتے تھے۔ اینٹیں جل رہی تھیں ، آہنی گرڈر جل رہے تھے اور پگھلی ہوئی شکر کے پرنالے چاروں طرف جاری تھے اور تو اور زمین سے بھی شعلے نکل رہے تھے ۔

دور سے تو مہتا اور کھنا کو تعجب ہو رہا تھا کہ اتنے لوگ کھڑے تماشا کیوں دیکھ رہے ہیں ، آگ بجھانے میں مدد کیوں نہیں دیتے ؟ مگر اب انھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ تماشا دیکھنے کے سوا اور کچھ کرنا بس کے باہر ہے ۔مل کی دیواروں سے پچاس گز کے اندر جانا ، جان جوکھم تھا ۔ اینٹ اور پتھر کے ٹکڑے تڑاق تڑاق ٹوٹتے ہوئے اچھل رہے تھے ۔کبھی ہوا کا رخ ادھر ہوجاتا

تو بھگدڑ پڑ جاتی تھی ۔

یہ تینوں بھیڑ کے پیچھے کھڑے تھے ۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں ۔آخر آگ لگی کیسے اور اتنی جلد پھیل کیسے گئی ؟ کیا پہلے کسی نے دیکھا نہیں ، یا دیکھ کر بھی بجھانے کی کوشش نہیں کی ؟ ایسے ہی سوال سب کے دل میں اٹھ رہے تھے مگر وہاں پوچھیں کس سے ؟ مل میں کام کرنے والے ہوں گے تو ضرور مگر اس مجمع میں ان کا ملنا مشکل تھا ۔

دفعتاً ہوا کا اتنا تیز جھونکا آیا کہ آگ کی لپٹیں نیچی ہوکر ادھر دوڑیں جیسے سمندر میں جوار آ گیا ہو ۔ لوگ سر پر پیر رکھ کر بھاگے ، ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہوئے ،گویا کوئی شیر جھپٹا آتا ہو۔ شعلوں میں جیسے جان پڑ گئی تھی ، جیسے حرکت آگئی تھی ، جیسے ہزاروں پھن والے شیش ناگ اپنے منھ سے آگ اگل رہے تھے ! کتنے ہی آدمی تو دھکے میں کچل گئے ۔ کھنا منھ کے بل گر پڑے ۔ مالتی کو مہتا صاحب دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھے ورنہ وہ ضرور کچل گئی ہوتی ۔ تینوں آدمی احاطہ کی دیوار کے پاس ایک املی کے پیڑ کے نیچے آکر رکے ۔ کھنا ایک طرح کی بے حس محویت کے ساتھ مل کی چمنی کی طرف ٹکٹکی لگائے کھڑے تھے ۔

مہتا نے پوچھا '' آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی ؟''

کھنا نے کوئی جواب نہ دیا ، اسی طرف تاکتے رہے ۔ ان کی آنکھوں میں وہ بے حسی تھی جو جنون کی علامت ہے ۔

مہتا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پھر پوچھا '' ہم لوگ یہاں بے کار کھڑے ہیں ۔ مجھے خوف ہو رہا ہے کہ آپ کو چوٹ زیادہ آگئی ہے آیئے لوٹ چلیں ۔''

کھنا نے ان کی طرف دیکھا اور جیسے اپنی سنک میں بولے '' جس کی یہ حرکت ہے انھیں میں خوب جانتا ہوں ۔ اگر ان کو اسی میں اطمینان ملتا ہے تو ایشور ان کا بھلا کرے ۔ مجھے کچھ پرواہ نہیں ، ! آج چاہوں تو ایسی نئی مل کھڑی کر سکتا ہوں ۔ جی ہاں ، بالکل نئی مل کھڑی کر سکتا ہوں ! یہ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں ؟ مل نے مجھے نہیں بنایا ، میں نے مل کو بنایا ہے، اور میں پھر بنا سکتا ہوں ۔ مگر جن کی یہ حرکت ہے انھیں میں خاک میں ملا دوں گا ۔ مجھے سب معلوم ہے رتی رتی معلوم ہے ۔''

مہتا نے ان کا چہرا اور ان کی حرکات کو دیکھا تو گھبرا کر بولے '' چلیے آپ کو گھر پہنچادوں ۔ آپ کی طبیعت اچھی نہیں ہے ۔''

کھنا نے قہقہہ لگا کر کہا '' میری طبیعت اچھی نہیں ہے ! اس لیے کے یہ مل جل گئی؟
ایسی ملوں کو میں چٹکیوں میں کھو سکتا ہوں میرا نام کھنا ہے ، چندر پرکاش کھنا ! میں نے اپنا
سب کچھ اسی مل میں لگا دیا ہے ۔ پہلی مل میں ہم نے بیس فیصدی منافع دیا ۔ میں نے حوصلہ
پا کر یہ مل کھولا ، اس میں آدھے روپے میرے ہیں ۔ میں نے بینک کے دو لاکھ روپے اس مل
میں لگا دیے ۔ میں ایک گھنٹہ نہیں ، آدھ گھنٹہ پہلے دس لاکھ کا آدمی تھا جی ہاں دس لاکھ ! مگر
اس وقت فاقہ مست ہوں ، نہیں دیوالیہ ہوں! مجھے بینک کا دو لاکھ دینا ہے جس مکان میں
رہتا ہوں وہ اب میرا نہیں ہے جس برتن میں کھاتا ہوں وہ بھی اب میرا نہیں ہے ۔ بینک
سے میں نکال دیا جاؤں گا ۔ جس کھنا کو دیکھ کر لوگ جلتے تھے وہ کھنا اب خاک میں مل گیا
ہے۔ سوسائٹی میں اب میرا کوئی درجہ نہیں ہے ۔ میرے احباب اب مجھے اپنی عقیدت کا نہیں ،
بلکہ اپنے رحم کا مستحق سمجھیں گے ۔ میرے دشمن مجھ سے جلیں گے نہیں ، بلکہ مجھ پر ہنسیں گے۔
آپ نہیں جانتے مسٹر مہتا '' میں نے اپنے اصولوں کا کتنا خون کیا ہے ۔ کتنی رشوتیں دی ہیں ،
کتنی رشوتیں لی ہیں ۔ کسانوں کی اکھ تولنے کے لیے کیسے آدمی رکھے ، کیسے نقلی باٹ رکھے ۔
کیا کیجیے گا یہ سب سن کر؟ مگر کھنا اپنی یہ درگت کرانے کے لیے کیوں زندہ رہے؟ جو کچھ ہونا
ہے ہو ، دنیا جتنا چاہے ہنسے ، احباب جتنا چاہے افسوس کریں ، لوگ جتنی گالیاں دینا چاہے
دیں ، کھنا اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کے لیے زندہ نہ رہے گا ۔ وہ بے
حیا نہیں ہے ، بے غیرت نہیں ہے !''

یہ کہتے کہتے کھنا دونوں ہاتھوں سے سر پیٹ کر زار وقطار رونے لگے ۔ مہتا نے انھیں
سینے سے لگا کر غمگین لہجے میں کہا '' کھنا جی ، ذرا صبر سے کام لیجیے ۔ آپ سمجھدار ہو کر دل اتنا
چھوٹا کرتے ہیں ۔ دولت سے آدمی کو جو وقار ملتا ہے وہ اس کا وقار نہیں بلکہ اس کی دولت کا
وقار ہے ۔ آپ مفلس رہ کر بھی دوستوں کی عقیدت کے مستحق رہ سکتے ہیں اور دشمنوں کی بھی ،
بلکہ تب کوئی آپ کا دشمن رہے گا ہی نہیں ۔ آیئے گھر چلیں ۔ ذرا آرام کر لینے سے آپ کا
دل ٹھہر جائے گا ۔''

کھنا نے کوئی جواب نہ دیا ۔ تینوں آدمی چوراہے پہنچے ۔ موٹر کھڑا تھا ۔ دس منٹ میں
کھنا کی کوٹھی میں پہنچ گئے ۔

کھنا نے اتر کر سکون کے لہجے میں کہا '' موٹر آپ لے جائیں '' اب مجھے اس کی

ضرورت نہیں ہے ۔''

مالتی اور مہتا بھی اتر پڑے ۔ مالتی نے کہا ''تم چل کر ذرا آرام سے لیٹو ، ہم بیٹھ کر بات چیت کریں گے ۔ گھر جانے کی تو کوئی ایسی عجلت نہیں ہے ۔''

کھنا نے ممنونیت سے ان کی طرف دیکھا اور بھرے ہوئے گلے سے بولے '' مجھ سے جو خطائیں ہوئی ہیں انھیں بخش دینا، مالتی ! تم اور مہتا ، بس اور دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم دونوں مجھے اپنی نظروں سے نہ گراؤ گے ۔ شاید دس پانچ دن میں یہ کوٹھی بھی چھوڑنی پڑے ۔قسمت نے کیسی دغا کی ! ''

مہتا نے کہا '' میں آپ سے سچ کہتا ہوں کھنا جی کہ آج میری نظروں میں جو آپ کی وقعت ہے پہلے کبھی نہ تھی ۔''

تینوں آدمی کمرے میں گئے ۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ پاتے ہی گوبندی اندر سے آکر بولی '' کیا آپ لوگ وہیں سے آرہے ہیں ؟ مہراج تو بڑی بری خبر لایا ہے ۔''

کھنا کے دل میں ایسا زبردست اور نہ رکنے والا طوفانی جوش اٹھا کہ وہ گوبندی کے پیروں میں گر پڑیں اور انھیں آنسوؤں سے تر کردیں ۔ بھرے گلے سے بولے '' ہاں پیاری ہم تباہ ہو گئے ! ''

ان کا بے حس ، مایوس اور مجروح دل تسکین کے لیے ، بے قرار ہو رہا تھا ، سچی اور محبت میں ڈوبی ہوئی تسکین کے لیے اس مریض کی طرح جو زندگی کی قوت زائل ہو جانے پر بھی طبیب کے چہرے کی طرف آس بھری آنکھوں سے تاک رہا ہو ۔وہی گوبندی جس پر انھوں نے ہمیشہ ظلم کیا ، جسے ہمیشہ ذلیل کیا ، جس سے ہمیشہ بے وفائی کی ، جسے ہمیشہ زندگی کا بار سمجھا ، جس کی موت کے لیے ہمیشہ خواہش مند رہے ، وہی اس وقت گویا اپنے آنچل میں دعا اور شگون اور تحفظ لیے ہوئے ان پر نچھاور کررہی تھی ، گویا اس کے قدموں میں ہی ان کی زندگی کی بہشت تھی ، گویا وہ ان کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر ہی ان کی بے جان رگوں میں پھر خون کی گردش قائم کردے گی ! دل کی اس کمزور حالت میں اس بھاری مصیبت میں گویا وہ انھیں گلے سے لگالینے کے لیے تیار کھڑی تھی ۔ کشتی پر بیٹھ کر آبی سیر کا لطف اٹھاتے ہوئے ہم جن چٹانوں کو خطرناک سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی انھیں کھود کر پھینک دے ، ان ہی چٹانوں سے کشتی کے ٹوٹ جانے پر ہم بے اختیار لپٹ جاتے ہیں ۔

گوبندی نے انھیں ایک صوفے پر بیٹھا دیا اور محبت بھرے لہجے میں بولی'' تو تم دل کیوں چھوٹا کرتے ہو دھن کے لیے؟ جو سارے پاپوں کی جڑ ہے ؟ اس دھن سے ہمیں کیا سکھ تھا ؟ سویرے سے آدمی رات تک ایک نہ ایک جھنجھٹ ، آتما کی تباہی اور بربادی ! بچے تم سے بات کرنے کو ترس جاتے تھے ، تمھیں رشتے داروں کو خط لکھنے تک کی فرصت نہ تھی ۔ کیا بڑی عزت تھی ؟ ہاں تھی ، کیوں کہ دنیا آج کل دھن کی پوجا کرتی ہے اور سدا کرتی چلی آئی ہے ۔ اس کو تم سے کوئی مطلب نہیں ۔ جب تک تمھارے پاس لچھمی ہے ، تمھارے سامنے دُم ہلائے گی اور پھر کل اتنی ہی بھگتی سے دوسروں کے دروازے پر ماتھا رگڑے گی ، اور پھر تمھاری طرف تاکے گی بھی نہیں ۔سچا انسان دھن کے آگے سر نہیں جھکاتا ۔ وہ دیکھتا ہے کہ تم کیا ہو ۔ اگر تم میں سچائی ہے ، انصاف ہے ، تیاگ ہے اور مردانگی ہے تو وہ تمھاری پوجا کرے گا ۔ ورنہ تمھیں سماج کا لٹیرا سمجھ کر منھ پھیر لے گا بلکہ تمھارا دشمن ہو جائے گا میں جھوٹ تو نہیں کہتی مہتا جی ؟''

مہتا نے گویا جنت کے خواب سے چونک کر کہا '' جھوٹ ؟وہی کہہ رہی ہیں جو دنیا کے عظیم لوگوں نے زندگی کا ٹھوس تجربہ کرنے کے بعد کہا ہے ۔ زندگی کا سچا سہارا یہی ہے ۔''

گوبندی نے مہتا کو مخاطب کرکے کہا '' دھنی کون ہوتا ہے اس کا کوئی خیال نہیں کرتا۔ وہی جو اپنی چالاکی سے دوسروں کو بیوقوف بنا سکتا ہے ....''

کھنا نے بات کاٹ کر کہا '' نہیں گوبندی ، دھن کمانے کے لیے اپنے میں فطری جوہر چاہیے ، صرف چالاکی سے دھن نہیں ملتا ۔ اس کے لیے بھی تیاگ اور تپسیا کرنا لازمی ہے۔ شاید اتنی ریاضت سے خدا بھی مل جائے ۔ ہماری ساری جسمانی ، روحانی اور عقلی طاقتوں کے توازن کا نام دولت ہے ۔''

گوبندی نے مخالفت نہ کرتے ہوئے ثالث کے لہجے میں کہا '' میں مانتی ہوں کہ دھن کے لیے تھوڑی تپسیا نہیں کرنی پڑتی ، مگر پھر بھی ہم نے زندگی میں اسے جتنی اہم چیز سمجھ رکھا ہے اتنی وہ نہیں ہے ۔ میں تو خوش ہوں کہ تمھارے سر سے یہ بوجھ ٹلا ۔اب تمھارے لڑکے انسان بنیں گے ، خود غرضی اور غرور کے پتلے نہیں ۔ زندگی کا سکھ دوسروں کو سکھی رکھنے میں ہے ، انھیں لوٹنے میں نہیں ۔ برا نہ ماننا اب تک تمھاری زندگی کا مطلب تھا خود پروری اور عیش کوشی ۔ ایشور نے تمھیں ان ذرائع سے محروم کرکے تمھارے لیے زندہ ، بلند اور پاک

زندگی کا راستہ کھول دیا ہے ۔ اس کے حصول میں اگر کچھ تکلیف بھی ہو تو اس کا خیر مقدم کرو۔ تم اسے مصیبت سمجھتے ہی کیوں ہو؟ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ تمھیں بے انصافیوں سے لڑنے کا موقع ملا ہے ۔ میرے خیال میں تو ظالم ہونے سے مظلوم ہونا کہیں بہتر ہے ۔ دھن کھوکر اگر ہم اپنی آتما کو پا سکیں تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہے ۔ انصاف کے سپاہی بن کر لڑنے میں جو عظمت ہے اور راحت ہے کیا اسے اتنا جلد بھول گئے ؟"

گوبندی کے زرد و خشک چہرے پر جلال کی ایسی چمک تھی گویا اس میں کوئی عجیب طاقت آگئی ہو، گویا اس کی ساری خاموش ریاضت میں گویائی آگئی ہو!

مہتا اس کی طرف عقیدت سے تاک رہے تھے، سر جھکائے اسے خدائی الہام سمجھنے کی کوشش کررہے تھے اور مالتی دل میں نادم تھی۔ گوبندی کے خیالات کتنے بلند، اس کا دل کتنا کشادہ اور اس کی زندگی کتنی روشن ہے!

۲۹

نہری ان عورتوں میں نہ تھی جو نیکی کرکے دریا میں ڈال دیتی ہیں ۔ اس نے نیکی کی ہے تو اس کا خوب دھنڈورا پیٹے گی اور اس سے جتنی نیک نامی مل سکتی ہے اس سے کچھ زیادہ ہی پانے کے لیے ہاتھ پیر مارے گی ۔ ایسے آدمی کو نیک نامی کے عوض بدنامی ہی ملتی ہے ۔ نیکی نہ کرنا بدنامی کی بات نہیں ۔ اپنی خواہش یا اپنے میں سکت نہیں ہے ۔ اس کے لیے کوئی ہمیں برا نہیں کہہ سکتا ۔ مگر جب ہم نیکی کرکے اس کا احسان جتاتے ہیں تو وہی شخص جس کے ساتھ ہم نے نیکی کی تھی ، ہمارا دشمن ہوجاتا ہے اور ہمارے احسان کو مٹا دینا چاہتا ہے ۔ وہی نیکی اگر کرنے والے کے دل میں رہے تو نیکی ہے ، اور باہر نکل آوے تو بدی ہے ۔ نہری چاروں طرف کہتی پھرتی تھی ۔ ’’ بے چارا ہوری بڑی بپتا میں تھا ، بیٹی کے بیاہ کے لیے کھیت رہن رکھ رہا تھا ۔ میں نے اس کی یہ دسا دیکھی تو مجھے دیا آگئی ۔ دھنیا سے تو جی جلتا تھا ، وہ رانڈ تو مارے گھمنڈ کے دھرتی پر پاؤں نہیں رکھتی ۔ بے چارا ہوری چنتا سے گھلا جاتا تھا ۔ میں نے سوچا کے اس سنکٹ میں اس کی تھوڑی مدد کردوں ۔ آدمی ہی آدمی کے کام آتا ہے ۔ اور ہوری تو اب کوئی گیر نہیں ہے ، مانو چاہے نہ مانو وہ تمھارے ناتے دار ہوچکے ۔ روپے نکال کر دے دیے ۔ نہیں لڑکی اب تک بیٹھی ہی ہوتی ۔ ‘‘

دھنیا بھلا یہ ڈینگ کب سننے لگی ’’ روپے کھیرات (خیرات) دیے تھے ! بڑی کھیرات دینے والی ! بیاج مہاجن بھی لے گا اور تم بھی لوگی ، پھر احسان کاہے کا ؟ دوسروں کو دیتی تو بیاج کی جگہ اصل بھی چلا جاتا ۔ ہم نے لیا ہے تو ہاتھ میں روپے آتے ہی ناک پر رکھ دیں گے ۔ ہمیں تھے کہ تمھارے گھر کا بس اٹھا کے پی گئے ۔ اور کبھی منہ پر نہیں لائے ۔ کوئی یہاں دوارے پر کھڑا نہیں ہونے دیتا تھا ۔ ہم نے تمھاری مرجاد بنا دی ۔ تمھارے منہ کی لالی رکھ لی ۔ ‘‘

رات کے دس بج گئے تھے ۔ ساون کی اندھیری گھٹا چھائی تھی ۔ سارے گاؤں میں اندھیرا تھا ۔ ہوری نے کھانا کھا کر تمباکو پی اور سونے جارہا تھا کہ بھولا آکر کھڑا ہوگیا ۔

ہوری نے پوچھا '' کیسے ہو بھولا مہتو ؟ جب اسی گاؤں میں رہنا ہے تو الگ کیوں چھوٹا سا گھر نہیں بنا لیتے ؟ گاؤں میں لوگ کیسی کیسی برائی کرتے ہیں ، کیا تمھیں اچھا لگتا ہے؟ برا نہ ماننا ، تم سے ناتا ہوگیا ہے اسی لیے تمھاری بدنامی نہیں سنی جاتی ، نہیں تو مجھے کیا کرنا تھا ۔''

دھنیا اسی وقت لوٹے میں پانی لے کر ہوری کے سرہانے رکھنے آئی تھی ، سن کر بولی '' دوسرا مرد ہوتا تو ایسی عورت کا سر کاٹ لیتا ۔''

ہوری نے ڈانٹا '' کیوں بے بات کی بات بکتی ہے ؟ پانی رکھ دے اور جا سو ۔''

دھنیا اسے ایک پانی کا چھینٹا مار کر بولی '' بری راہ چلیں تمھاری بہن ، میں کیوں چلنے لگی؟ میں تو دنیا کی بات کہتی ہوں مجھے گالی دینے لگے ۔ اب منہ میٹھا ہوگیا ہوگا عورت چاہے جس راہ جائے مرد ٹکر ٹکر دیکھتا رہے ! ایسے مرد کو میں مرد نہیں کہتی ۔''

ہوری دل میں کٹا جاتا تھا ۔ بھولا اس سے اپنا دکھ درد کہنے آیا ہوگا ، یہ الٹا اسی پر ٹوٹ پڑی ۔ ذرا گرم ہوکر بولا '' تو سارے دن اپنے ہی من کی کیا کرتی ہے تو میں تیرا کیا بگاڑ لیتا ہوں ؟ کچھ کہتا ہوں تو کاٹنے دوڑتی ہے یہی سوچ ! ''

دھنیا نے چاپلوسی کرنا نہ سیکھا تھا بولی '' عورت گھر کا گھڑا ڈھلکا دے ، گھر میں آگ لگا دے تو یہ سب مرد سہہ لے گا ، مگر اس کا بدراہ چلنا کوئی مرد نہ سہے گا ۔''

'' بھولا غمگین لہجے میں بولا '' تو بہت ٹھیک کہتی ہے ۔ دھنیا مجھے بے سک اس کا سر کاٹ لینا چاہیے تھا ۔ لیکن اب اتنا بل نہیں رہا ۔ تو چل کر سمجھادے ، میں تو سب کچھ کرکے ہار گیا ۔''

'' جب عورت کو بس میں رکھنے کا بوتا نہ تھا تو سگائی کیوں کی تھی ؟ اس پچھا لیدر کے لیے ؟ کیا سوچتے تھے کہ وہ آکر تمھارے پاؤں دبائے گی ، تمھیں چلم بھر بھر کر پلائے گی اور جب تم بیمار پڑوگے تو تمھاری سیوا ٹہل کرے گی ؟ تو ایسا وہی عورت کرسکتی ہے جس نے تمھارے ساتھ جوانی کا سکھ اٹھایا ہو ۔ میری سمجھ میں یہی نہیں آتا کہ تم اسے دیکھ کر لٹو کیسے ہو گئے ۔ دیکھ تو لیا ہوتا کہ وہ کس سبھاؤ کی ہے ، کس رنگ ڈھنگ کی ہے تم تو بھوکے سیار کی طرح ٹوٹ پڑے ۔ اب تو تمھارا دھرم یہی ہے کہ گنڈاسے سے اس کا سر کاٹ لو ۔ پھانسی ہی تو پاؤ گے ۔ اس پچھالیدر سے اچھی !''

بھولا کے خون میں کچھ گرمی آگئی بولا '' تو تمھاری یہی صلاح ہے ؟''

دھنیا بولی ''ہاں میری یہی صلاح ہے اب سو پچاس برس تو جیوگے نہیں ، سمجھ لینا کہ اتنی ہی عمر تھی ۔''

ہوری نے اب کے زور سے پھٹکارا ''چپ رہ بڑی آئی ہے وہاں سے ستونتی بن کے ! جبر دستی چڑیا تک تو پنجرے میں رہتی نہیں پھر آدمی کیا رہے گا ؟ تم اسے چھوڑدو بھولا ، اور سمجھ لو کہ مرگئی ۔ جاکر اپنے بال بچوں میں آرام سے رہو ۔ دو روٹی کھاؤ اور رام کا نام لو ۔ جوانی کے سکھ اب گئے ۔ وہ عورت چنچل ہے ،سو بدنامی اور جلن کے سواتم اس سے کوئی سکھ نہ پاؤگے ۔''

بھولا نہری کو چھوڑدے ؟ ناممکن ! نہری اس وقت بھی اس کی طرف غصہ بھری آنکھوں سے تیز تیز دیکھتی ہوئی معلوم ہوتی تھی ۔ مگر نہیں ، بھولا اب اسے چھوڑ ہی دے گا ۔ جیسا کررہی ہے اس کا پھل بھوگے !

آنکھوں میں آنسوآ گئے بولا ''ہوری بھیا ، اس عورت کے پیچھے میری جتنی سانست ہورہی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں ۔ اسی کے پیچھے کامتا سے لڑائی ہوئی ۔ بڑھاپے میں یہ داگ بھی لگنا تھا سو لگ گیا ۔ مجھے روج طعنہ دیتی ہے کہ تمھاری تو لڑکی نکل گئی ۔ میری لڑکی نکل گئی چاہے بھاگ گئی پر اپنے آدمی کے ساتھ پڑی تو ہے ، اس کے سکھ دکھ کی ساتھن تو ہے ایسی تو میں نے عورت ہی نہیں دیکھی دوسروں کے ساتھ تو ہنستی ہے اور مجھے دیکھ کر کُپّا سا منھ پھلا لیتی ہے ۔ میں گریب آدمی ٹھہرا ، تین چار آنے روج کی مجوری کرتا ہوں تب دودھ دہی مانس مچھلی، ربڑی ملائی کہاں سے لاؤں ؟''

بھولا یہاں سے عہد کرکے اپنے گھر گئے ۔ اب بیٹوں کے ساتھ رہیں گے ۔ بہت دھکے کھا چکے ۔ مگر دوسرے دن صبح ہوری نے دیکھا تو بھولا دلاری سیٹھانی کی دوکان سے تمباکو لیے چلے جارہے تھے ۔ ہوری نے پکارنا ٹھیک نہ سمجھا ۔ عشق میں انسان کو خود پر قابو نہیں رہتا ۔ وہاں سے آکر دھنیا سے بولا ''بھولا تو ابھی وہیں ہیں ۔ نہری نے سچ مچ ان پر کوئی جادو کر دیا ہے ۔''

دھنیا نے ناک سکیڑ کر کہا ''جیسی بے حیا وہ ہے ، ویسا ہی بے حیا یہ ہے ۔ ایسے مرد کوتو چلو بھر پانی میں ڈوب کر مرنا چاہیے ۔ اب وہ سیکھی (شیخی) نہ جانے کہاں گئی ۔ جھنیا یہاں آئی تو اس کے لیے ڈنڈا لیے پھر رہے تھے ۔ مرجاد چلی جاتی تھی ۔ اب مرجاد نہیں جاتی۔''

ہوری کو بھولا پر رحم آرہا تھا ۔ بے چارہ اس ہرجائی کے پھیر میں پڑ کر اپنے کو برباد کیے

ڈالتا ہے ۔ چھوڑ کر جائے بھی تو کیسے ؟ عورت کو اس طرح چھوڑ کر جانا کیا سہل ہے ؟ وہ چڑیل اسے وہاں بھی تو چین سے نہ بیٹھنے دے گی ۔ کہیں پنچایت کرائے گی کہیں روٹی کپڑے کا دعویٰ کرے گی ۔ابھی تو گاؤں کے ہی لوگ جانتے ہیں ۔ کسی کو کچھ کہتے سوچ ہوتا ہے ۔ کانا پھوسی کر کے ہی رہ جاتے ہیں ۔ تب تو دنیا بھی بھولا ہی کو برا کہے گی ۔ لوگ یہی تو کہیں گے کہ جب مرد نے چھوڑ دیا تو بے چاری عورت کیا کرے ؟ مرد برا ہوتو عورت کی گردن کاٹ لے گا ، عورت بری ہوتو مرد کے منھ میں کالکھ لگا دے گی ۔''

اس کے دو مہینے بعد ایک روز گاؤں میں یہ خبر پھیلی کہ نہری نے مارے جوتوں کے بھولا کی چاند گنجی کر دی ۔ برسات ختم ہوگئی تھی اور ربیع بونے کی تیاریاں ہو رہی تھیں ۔ ہوری کی ایکھ تو نیلام ہوگئی تھی ۔ بیج کے لیے اسے روپے نہ ملے اور ایکھ نہ بوئی جا سکی ۔ ادھر دہنا بیل بھی بیٹھان لینے کو تھا اور ایک نئے بیل کے بغیر کام نہ چل سکتا تھا ۔ پنیا کا ایک بیل نالے میں گر کر مر گیا تھا ، اس وقت سے اور بھی دقت پڑ گئی تھی ۔ ایک دن پنیا کے کھیت میں ہل جاتا تو ایک دن ہوری کے کھیت میں ۔ کھیتوں کی جتائی جیسے ہونے چاہیے تھی ، ویسی نہ ہو پائی تھی ۔

ہوری ہل لے کر کھیت میں گیا ، مگر بھولا کی فکر لگی ہوئی تھی ۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی یہ نہ سنا تھا کہ کسی عورت نے اپنے خاوند کو جوتوں سے مارا ہو ۔جوتوں سے کیا ، تھپڑیا گھونسے مارنے کا بھی کوئی واقعہ اسے یاد نہ آتا تھا ۔ مگر آج نہری نے بھولا کو جوتوں سے پیٹا اور سب لوگوں نے تماشا دیکھا ۔ اس عورت سے کیسے اس ابھاگے کا گلا چھوٹے ؟ اب تو بھولا کو کہیں ڈوب ہی مرنا چاہیے ۔ جب جندگی میں بدنامی اور درگت کے سوا کچھ نہ ہو تو آدمی کا مر جانا ہی اچھا ۔ کون بھولا کے نام کو رونے والا بیٹھا ہے ۔ بیٹے چاہے کریا کرم کر دیں سو وہ بھی دنیا کی لاج کے کارن ، آنسو کسی کی آنکھ میں نہ آئے گا ۔ موہ کے بس میں پڑ کر آدمی اس طرح اپنے کو چوپٹ کرتا ہے ۔ جب کوئی رونے والا ہی نہیں تو پھر جینے کا کیسا موہ اور مرنے سے کیسا ڈر؟

ایک یہ نہری ہے اور ایک یہ چمارن سِلیا ! دیکھنے سننے میں اس سے لاکھ درجہ اچھی ۔ چاہے تو دو کو کھلا کر کھائے اور رادھا بنی گھومے ، لیکن مجوری کرتی ہے ، بھوکوں مرتی ہے اور پتی کے نام پر بیٹھی ہے اور وہ بے درد بات بھی نہیں پوچھتا ۔ کون جانے ، دھنیا مرگئی ہوتی تو آج

ہوری کی بھی یہی دسا ہوتی ۔اس کی موت کے خیال ہی سے ہوری کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ دھنیا کی خیالی شکل آنکھوں کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی ، سیوا اور تیاگ کی دیوی ، زبان کی تیز مگر موم جیسا دل رکھنے والی ۔ پیسے پیسے کے لیے جان دینے والی مگر آبرو بچانے کے لیے اپنا سب کچھ دے دینے کو تیار ! جوانی میں وہ کم سندر نہ تھی ۔ نہری اس کے سامنے کیا ہے ؟ چلتی تھی تو رانی سی لگتی تھی جو دیکھتا تھا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا ۔ یہی پٹیشوری اور جھنگری تب جوان تھے ۔ دونوں دھنیا کو دیکھ کر سینے پر ہاتھ رکھ لیتے تھے ۔ دروازے کے سو سو چکر لگاتے تھے ۔ ہوری ان کی تاک میں رہتا تھا مگر چھیڑنے کا کوئی حیلہ نہ پاتا تھا ۔ اس وقت گھر میں کھانے پینے کی بڑی تکلیف تھی ۔ پالا پڑ گیا تھا اور کھیتوں میں بھوسا تک نہ ہوا تھا لوگ جھربیریاں کھا کھا کر دن کاٹتے تھے ۔ ہوری کو قحط کے کیمپ میں کام کرنے جانا پڑتا تھا ۔ چھ پیسے روزانہ ملتے تھے ۔ دھنیا گھر میں اکیلی رہتی تھی ۔ مگر کبھی کسی نے اس کو کسی مرد کی طرف تاکتے نہیں دیکھا ۔ پٹیشوری نے ایک بار کچھ چھیڑ چھاڑ کی تھی تو اس کا ایسا منھ توڑ جواب دیا کہ لالہ آج تک نہیں بھولے ۔

دفعتاً اس نے ماتادین کو اپنی طرف آتے دیکھا ۔ کسائی کہیں کا ! کیسا تلک لگائے ہوئے ہے جیسے بھگوان کا پورا بھگت ہے ۔ رنگا سیار ! ایسے باھمن کو پالا گن کون کرے ؟

ماتا دین نے قریب آکر کہا '' تمھارا داہنا بیل تو بوڑھا ہوگیا ، ہوری ! اب کی سینچائی میں نہ ٹھہرے گا ۔ اس کو لائے کوئی پانچ سال ہوئے ہوں گے ؟''

ہوری نے بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا '' کیسا پانچواں ؟ آٹھواں سال چل رہا ہے ، بھائی ! جی تو چاہتا ہے کہ اسے پنسن دے دوں ، پر کسان کو اور کسان کے بیل ، ان کو جمراج پنسن دے تو ملے ۔ اس کی گردن پر جوا رکھتے میرا من مسوستا ہے ۔ بے چارا سوچتا ہوگا کہ اب بھی چھٹی نہیں ، اب کیا میرا ہاڑ جوتے گا کیا ؟ پر اپنا کوئی بس نہیں ہے ۔ تم کیسے چلے ؟ اب تو جی اچھا ہے؟''

ماتا دین ادھر ایک مہینے سے فصلی بخار میں پڑا ہوا تھا ۔ ایک دن تو اس کی نبض چھوٹ گئی تھی اور چارپائی سے نیچے اتار دیا گیا تھا ۔ اس وقت سے اس کے دل میں یہ تحریک ہوئی تھی کہ سِلیا پر ظلم کرنے کی اسے یہ سزا ملی ہے جب اس نے سلیا کو گھر سے نکالا تب وہ حاملہ تھی ۔ اسے ذرا بھی رحم نہ آیا ۔ پورے حمل کے ساتھ بھی وہ مجوری کرتی رہی ۔ اگر دھنیا نے

اس پر ترس نہ کھایا ہوتا تو وہ مرگئی ہوتی ۔ کیسی کیسی مصیبتیں جھیل کر جی رہی ہے ۔ مزدوری بھی تو اس حالت میں نہیں کرسکتی ۔ اب نادم اور نرم ہوکر وہ سلیا کو ہوری کی معرفت دو روپے دینے آیا ہے ۔ اگر ہوری یہ روپے اسے دے دے تو اس کا بڑا احسان مانے گا ۔

ہوری نے کہا ''تمھیں جا کر کیوں نہیں دے دیتے ؟''

ماتا دین نے عاجزی سے کہا'' مجھے اس کے پاس نہ بھیجو ہوری مہتو ! کون سا منھ لے کر جاؤں ؟ ڈر بھی لگ رہا ہے کہ مجھے دیکھ کر کہیں ڈانٹنے نہ لگے ۔ تم مجھ پر اتنی مہربانی کرو ۔ ابھی مجھ سے چلا نہیں جاتا مگر اسی روپے کے لیے ایک ججمان کے پاس کوس دوڑا گیا تھا ۔ اپنی کرنی کا پھل بہت بھوگ چکا ۔ اس باھمن کا بوجھ اب نہیں اٹھائے اٹھتا چھپ کر چاہے کلکرم کرو کوئی نہیں بولتا مگر کھل کر کچھ نہیں کرسکتے ۔نہیں تو کل میں کلنگ لگ جائے گا ۔تم اسے سمجھا دینا دادا ! کہ میرا اپرادھ چھما کردے ۔ یہ دھرم کا بندھن بہت کڑا ہوتا ہے ۔ جس سماج میں پیدا ہوئے اور پلے اس کی مرجاد تو نبھاہنی ہی پڑتی ہے ۔ اور کسی جات کا دھرم بگڑ جائے تو اس کا کچھ بہت نہیں بگڑتا مگر باھمن کا دھرم بگڑ جائے تو وہ کہیں کا نہیں رہتا ۔ اس کا دھرم ہی اس کے پرکھوں کی کمائی ہے ۔ اسی کی وہ روٹی کھاتا ہے ۔ اس پراسچت کے پیچھے ہمارے تین سو روپے بگڑ گئے ۔ تو جب بے دھرم ہی ہوکر رہنا ہے تو پھر جو کچھ کرنا ہے وہ کھل کر کروں گا۔ سماج کے ناتے اگر آدمی کا کچھ دھرم ہے تو آدمی کے ناتے بھی تو اس کا کچھ دھرم ہے ۔ سماج کا دھرم رکھنے سے سماج آدر کرتا ہے ۔ مگر آدمی کا دھرم رکھنے سے تو ایشور پرسن ہوتا ہے ۔''

شام کو جب ہوری نے سلیا کو ڈرتے ڈرتے روپے دیے تو وہ جیسے اپنی ریاضت کا ثمر پا گئی ۔ دکھ کا بوجھ تو وہ اکیلی اٹھا سکتی تھی مگر سکھ کا بوجھ تو تنہا نہیں اٹھتا ۔ کسے یہ خوشخبری سنائے ؟ دھنیا سے وہ اپنے دل کی باتیں نہیں کہہ سکتی ۔ گاؤں میں اور کوئی نہیں جس سے اس کا کافی ربط و ضبط ہو ۔ اس کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے ۔ سونا ہی اس کی سہیلی تھی ۔ سلیا اس سے ملنے کے لیے بے چین ہوگئی ۔ رات بھر کیسے صبر کرے ؟ دل میں ایک آندھی سی اٹھ رہی تھی اب وہ بیکس نہیں ہے ۔ ماتا دین نے اس کی بانہہ پھر پکڑ لی ہے ۔ زندگی کے راستے میں اس کے سامنے اب خوفناک منھ والی اندھیری خندک نہیں ہے ، بلکہ لہلہاتا ہوا ہرا بھرا میدان ہے جس میں جھرنے اپنا سہاونا گیت گاتے ہیں اور ہرن کلیلیں کررہے ہیں اس کی

روٹھی ہوئی محبت آج سر مست ہوگئی ہے ۔ ماتادین کو اسی نے دل میں کتنا پانی پی پی کر کوسا تھا اب وہ ان سے چھما مانگے گی ۔ اس سے سچ مچ بڑی بھول ہوئی کہ اس نے سارے گاؤں کے آگے ان کی ہتک کی ۔ وہ تو چمارن ہے ، جات کی کم ، اس کا کیا بگڑا ۔ آج دس بیس لگا کر برادری کو روٹی دے دے تو پھر برادری میں ہو جائے گی ان بے چارے کا تو سدا کے لیے دھرم ہی ناس ہوگیا ۔ وہ مرجاد اب انھیں پھر نہیں مل سکتی ۔ وہ اس سے کتنی اندھی ہو گئی تھی کہ سب سے ان کے پریم کا ڈھنڈورا پیٹتی پھری ان کا تو دھرم بگڑ گیا تھا ، انھیں تو رس تھی ہی ، پر اس کے سر پر کیوں بھوت سوار ہوگیا ؟ وہ اپنے ہی گھر چلی جاتی تو کون برائی ہوجاتی ؟ گھر میں اسے کوئی باندھ تو نہ لیتا ؟ ماتادین کی سب اسی لیے تو پوجا کرتے ہیں کہ وہ نیم دھرم سے رہتے ہیں ، تو وہی دھرم جب نہ رہ گیا تو وہ کیوں نہ اس کے لہو کے پیاسے ہو جاتے ؟

ذرا دیر پہلے تک اس کی نگاہوں میں سارا قصور ماتا دین کا تھا ، اور اب سارا قصور اپنا تھا ۔ ہمدردی نے ہمدردی پیدا کر دی تھی ۔ اس نے بچے کو سینے سے لگا کر خوب پیار کیا ۔ اب اسے دیکھ کر ندامت یا پشیمانی نہ ہوتی ۔ وہ اب صرف اس کے رحم کا مستحق نہیں اب اس کی پوری مادرانہ محبت کا مستحق ہے ۔

کاتک کی روپہلی چاندنی ساری فضا پر کسی میٹھے راگ کی طرح چھائی ہوئی تھی ۔ سلیا گھر سے نکلی ۔وہ سونا کے پاس جاکر اسے یہ مژدہ سنائے گی اب اس سے نہیں رہا جاتا ۔ ابھی تو شام ہوئی ہے ۔ ڈونگی اس پار تھی اور ملاح کا کہیں پتہ نہیں ۔ چاند گھل کر جیسے ندی میں بہا جارہا تھا ۔ وہ ایک لمحہ کھڑی سوچتی رہی ، پھر ندی میں گھس پڑی ۔ ندی میں کچھ ایسا زیادہ پانی تو کیا ہوگا ۔ اُس خوشی کے سمندر کے آگے ندی کیا چیز تھی ۔ پانی پہلے تو گھٹنے تک تھا پھر کمر تک آیا اور آخر گلے تک پہنچ گیا ۔ سلیا ڈری کے کہیں ڈوب نہ جائے ۔ کہیں کوئی گڑھا نہ پڑ جائے مگر اس نے جان پر کھیل کر پیر آگے بڑھایا اب وہ منجدھار میں ہے ۔ موت اس کے سامنے ناچ رہی ہے ۔مگر وہ گھبرائی نہیں ۔ اسے تیرنا آتا ہے ۔لڑکپن میں وہ کتنے ہی بار اسی ندی میں تیر چکی ہے ، اور کھڑے کھڑے ندی کو پار بھی کر چکی ہے ۔ پھر اس کا دل دھڑک رہا ہے ۔مگر پانی کم ہونے لگا اب کوئی ڈر نہیں ہے اس نے جلد جلد ندی کو پار کیا اور کنارے پہنچ کر اپنے کپڑے نچوڑے اور ٹھنڈ سے کانپتی ہوئی آگے بڑھی ۔ چاروں طرف سناٹا تھا گیدڑوں

کی آواز بھی سنائی نہ پڑتی تھی اور سونا سے ملنے کا خوش کن خیال اسے اڑائے لیے جاتا تھا۔

مگر اس گاؤں میں پہنچ کر اسے سونا کے گھر جاتے ہوئے تامل ہونے لگا۔ متھرا کیا کہے گا؟ اس کے گھر والے کیا کہیں گے؟ سونا بھی بگڑے گی کہ اتنی رات گئے تو کیوں آئی؟ دیہاتوں میں دن بھر کے ماندے کسان سرشام ہی سو جاتے ہیں۔ سارے گاؤں میں سوتا پڑ گیا تھا۔ متھرا کے گھر کا دروازہ بند تھا۔ سلیا اسے نہ کھلا سکی۔ لوگ اسے اس بھیس میں دیکھ کر کیا کہیں گے۔ وہیں دروازے پر الاؤ میں آگ چمک رہی تھی۔ سلیا اپنے کپڑے سکھانے لگی۔ یکا یک دروازہ کھلا اور متھرا نے باہر آ کر پکارا ''ارے کون بیٹھا ہے الاؤ کے پاس؟''

سلیا نے جلد ہی آنچل کو سر پر کھینچ لیا اور قریب جا کر بولی ''میں ہوں سلیا۔''

''سلیا اتنی رات گئی کیسے آئی؟ وہاں تو سب اچھائی بھلائی ہے؟''

''ہاں سب اچھائی بھلائی ہے۔ جی گھبرا رہا تھا، سوچا کے سب سے بھینٹ کر آؤں، دن کو تو چھٹی ہی نہیں۔''

''تو کیا اپنے آپ ندی پار کر کے آئی ہے؟''

''اور کیسے آتی؟ پانی؟ پانی کم تھا۔''

متھرا اسے اندر لے گیا۔ بروٹھے میں اندھیرا تھا۔ اس نے سلیا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ سلیا نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا اور غصے سے بولی ''دیکھو متھرا، مجھے چھیڑو گے تو میں سونا سے کہہ دوں گی۔ تم میرے چھوٹے بہنوئی ہو، یہ سمجھ لو، جان پڑتا ہے کہ سونا سے من نہیں بھرتا۔''

متھرا نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا ''تم بڑی بے درد ہو سلو! اس بکھت کون دیکھتا ہے؟''

''کیا میں سونا سے سندر ہوں؟ اپنا بھاگ نہیں سراہتے کہ ایسی اندر کی پری پا گئے۔ اب بھونرا بننے کو من چلا ہے اس سے کہہ دوں تو تمھارا منھ نہ دیکھے۔''

متھرا عیاش نہ تھا۔ سونا سے اسے محبت بھی تھی۔ اس وقت تاریکی اور تخلیہ اور سلیا کا شباب دیکھ کر اس کا جی ڈانوا ڈول ہو اٹھا تھا۔ یہ تنبیہ پا کر ہوش میں آ گیا۔ سلیا کو چھوڑتا ہوا بولا ''تمھارے پیروں پڑتا ہوں، سلو، اس سے نہ کہنا۔ ابھی جو ڈنڈ چاہو لے لو۔''

سلو کو اس پر رحم آ گیا۔ آہستہ سے اس کے منھ پر چپت جما کر بولی ''اس کا ڈنڈ یہی

ہے کہ پھر مجھ سے ایسی چھیڑ نہ کرنا اور نہ کسی اور سے کرنا ، نہیں تو سونا تمھارے ہاتھ سے نکل جائے گی ۔''

'' میں کسم کھاتا ہوں سلو ! کہ اب کبھی ایسا نہ ہوگا ۔''

اس کی آواز میں التجا تھی ۔ سلو کا جی بھی ڈانوا ڈول ہونے لگا ۔ اس کا رحم پر کیف ہو چلا ۔

'' اور جو کرو ؟''

'' تو تم جو چاہنا سو کرنا ۔''

سلو کا منھ اس کے منھ کے پاس آگیا تھا ۔ اور دونوں کے سانس جسم اور آواز میں لرزش ہو رہی تھی کہ دفعتاً سونا نے پکارا '' کس سے باتیں کرتے ہو وہاں ؟'' سلو پیچھے ہٹ گئی ۔ متھرا آگے بڑھ کر آنگن میں آگیا اور بولا '' سلو تمھارے گاؤں سے آئی ہے ۔''

سلو بھی پیچھے پیچھے آکر آنگن میں کھڑی ہوگئی ۔ اس نے دیکھا کے سونا وہاں کتنے آرام سے رہتی ہے ۔ دالان میں چارپائی ہے جس پر سوزنی کا نرم بستر بچھا ہوا ہے ، بالکل ویسا ہی ماتادین کی چرپائی پر بچھا رہتا ہے ۔ تکیہ بھی ہے اور لحاف بھی ۔ چارپائی کے نیچے لوٹے میں پانی رکھا ہوا ہے ۔ صحن میں چاندنی نے آئینہ سا بچھا رکھا ہے ۔ ایک طرف تلسی کا چبوترا ہے اور دوسری طرف جوار کے ڈنٹھلوں کے کئی بوجھ دیوار کے سہارے رکھے ہوئے ہیں اور بیچ میں پوال کے گٹھے ہیں ۔ پاس ہی اوکھلی ہے جس کے پاس کٹا ہوا دھان پڑا ہے ۔ کھپریل پر کدو کی بیل چڑھی ہوئی ہے اور کئی کدو بھی دکھائی پڑ رہے ہیں ۔ دوسری طرف کے دالان میں ایک گائے بندھی ہوئی ہے ۔ اس حصے میں متھرا اور سونا سوتے ہیں اور لوگ دوسرے حصے میں ہوں گے ۔ سلیا نے سمجھا کہ سونا کی زندگی کتنے آرام کی زندگی ہے ۔ سونا اٹھ کر آنگن میں آگئی تھی ۔ مگر سلو سے بے اختیار گلے نہیں ملی ۔ سلو نے سوچا کے شاید متھرا کے کھڑے ہونے سے سونا سوچ کر رہی ہے ۔ یا کون جانے اب اسے گھمنڈ ہوگیا ہو ۔ سلو چمارن سے گلے ملنے میں اپنی ہتک سمجھتی ہو ۔ اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا ۔ اس ملاقات سے خوشی کے بجائے حسد پیدا ہوئی ۔ سونا کا رنگ کیسا کھل گیا ہے اور بدن کیسا کنچن سا نکھر آیا ہے ۔ گھٹن بھی سڈول ہوگئی ہے ۔ چہرے پر اگرست پن کی رونق کے ساتھ شباب کی ہنستی ہوئی بہار ہے ۔ سلو ایک لمحے کے لیے گویا مبہوت سی تاکتی ہوئی کھڑی رہ گئی ۔ یہ وہی سونا ہے جو سوکھا سا

بدن لیے ، بال بکھرائے اِدھر اُدھر دوڑا کرتی تھی ۔ مہینوں سر میں تیل نہ پڑتا تھا۔ پھٹے پرانے چیتھڑے لپیٹے پھرتی رہتی تھی ۔ آج اپنے گھر کی رانی ہے ۔ گلے میں ہنسلی اور حمیل ۔ کانوں میں کرن پھول اور سونے کی بالیاں ، ہاتھوں میں چاندی کے کڑے اور کنگن ، آنکھوں میں کاجل اور مانگ میں سندور ۔ سلیا کی زندگی کا بہشت یہی تھا اور سونا کو وہاں دیکھ کر وہ خوش نہ ہوئی ۔ اسے کتنا گھمنڈ ہوگیا ہے ۔ کہاں تو سلیا کے گلے میں بانہیں ڈالے گھاس چھیلنے جاتی تھی اور آج سامنے دیکھتی بھی نہیں ۔ اس نے سوچا تھا کہ سونا اس کے گلے لگ کر ذرا روئے گی ۔ اسے آدر سے بٹھائے گی ، اسے کھلائے پلائے گی ، اس سے گاؤں گھر کی سیکڑوں باتیں پوچھے گی اور اس سے اپنی نئی زندگی کی تجربے ، سہاگ رات کی کیفیت بیان کرے گی ۔ اور یہاں سونا کے منہ میں دہی جما ہوا ہے ۔ وہ تو یہاں آکر پچھتائی ۔

آخر سونا نے رکھائی سے پوچھا " اتنی رات گئے کیسے چلیں ، سلو؟"

سلو نے آنسوؤں کو روکتے ہوئے کہا " تم سے ملنے کو بہت جی چاہتا تھا اتنے دن ہو گئے تو بھینٹ کرنے چلی آئی ۔"

سونا کا لہجہ اور سخت ہوا " مگر آدمی کسی کے گھر آتا ہے تو دن کو کہ اتنی رات بیتے؟"

واقعی سونا کو اس کا آنا برا لگ رہا تھا ۔ یہ وقت اس کے عیش وآرام اور ہنسنے بولنے کا تھا۔ سلو نے اسی میں دخل دے کر گویا اس کے آگے سے پروسی ہوئی تھالی کھینچ لی تھی ۔

سلو ساکت سے بیٹھی ہوئی زمین کی طرف تاک رہی تھی ۔ دھرتی کیوں نہیں پھٹ جاتی کہ وہ اس میں سما جائے اتنی ہتک ! اس نے اپنی اتنی سی زندگی میں بہت ہتک سہی ، بڑی درگت دیکھی تھی مگر آج یہ کانٹا جس طرح اس کے دل میں چبھ گیا تھا ویسی کبھی کوئی اور بات نہ چبھی تھی ۔ گڑ گھر کے اندر مٹکوں میں بند رکھا ہو تو کتنی ہی موسلا دھار بارش ہو ۔ پھر بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا ، مگر جس وقت وہ دھوپ میں سوکھنے کے لیے باہر پھیلا یا گیا ہو تب تو پانی کا ایک چھینٹا بھی اسے بالکل خراب کر دے گا ۔ سلیا کے دل کے سارے نازک جذبات اس وقت منہ کھولے ہوئے تھے کہ آسمان سے امرت برسے گا مگر برسا کیا ؟ امرت کی جگہ بس ، جو سلیا کے روئیں روئیں میں دوڑ گیا ۔ مارگزیدہ کی طرح لہریں آئیں ۔ گھر میں فاقے سے سو رہنا اور بات ہے مگر دعوت کے صف سے اٹھادیا جانا تو ڈوب مرنے کا مقام ہے ۔ سلیا کو یہاں ایک لمحہ ٹھہرنا بھی برا معلوم ہوا ، جیسے کوئی اس کا گلا دبائے ہوئے ہو ۔ وہ کچھ نہ

پوچھ سکی ۔ سونا کے دل میں کیا ہے اس وقت وہ قیاس کر رہی تھی ۔ بل میں بیٹھا ہوا سانپ کہیں باہر نہ نکل آئے ، اس کے پہلے ہی وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی ۔ کیسے بھاگے ؟ کیا بہانہ کرے ؟ اس کی جان کیوں نہیں نکل جاتی ؟۔

متھرا نے توشہ کھانے کی کنجی اٹھالی کہ سلیا کے ناشتہ کے لیے کچھ نکال لائے ۔ مگر دم بیخود سا کھڑا ہوا تھا ۔ ادھر سلیا کا سانس معلق تھا ؛ جیسے سر پر ننگی تلوار لٹک رہی ہو ۔

سونا کی نظر میں سب سے بڑا گناہ کسی مرد کا دوسری عورت کو اور عورت کا کسی دوسرے مرد کو تاکنا تھا ۔ اس خطا کے لیے اس کے پاس کوئی معافی نہ تھی ۔ ڈاکہ ، قتل ، جعل ، کوئی جرم اتنا سنگین نہ تھا ۔ ہنسی دل لگی کو وہ برا نہ سمجھتی تھی ، اگر اعلانیہ ہو ، مگر پوشیدہ مذاق کو بھی وہ کابل گرفت سمجھتی تھی بچپن ہی سے وہ بہت سی رواجی باتیں جاننے اور سمجھنے لگی تھی ۔ ہوری کو جب کبھی باہر سے گھر آنے میں دیر ہوجاتی تھی اور دھنیا کو پتہ لگ جاتا تھا کہ وہ دلاری کی دکان پر گیا تھا ۔ خواہ تمباکو ، ہی لینے کیوں نہ گیا ہو ، تو وہ کئی کئی روز تک ہوری سے بولتی نہ تھی ۔ اور نہ گھر کا کوئی کام کاج کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ اسی بات پر اپنے میکے بھاگ گئی تھی۔ وہی خیال سونا میں زیادہ ترقی کر گیا تھا ۔ جب تک اس کا بیاہ نہ ہوا تھا وہ خیال اتنا زبردست نہ تھا ۔ مگر بیاہ ہوجانے کے بعد تو اس میں کافی پختگی اور مضبوطی آگئی تھی ۔ ایسے عورتوں مردوں کی اگر کھال بھی کھینچ لی جائے تو اسے رحم نہ آتا ۔ عشق کے لیے ازدواجی دائرے کے باہر اس کی نظر میں کوئی جگہ نہ تھی ۔ عورت مرد کا ایک دوسرے کے متعلق جو عین فرض ہے اسی کو وہ عشق سمجھتی تھی ۔ پھر سلو سے تو اس کا بہنا پا تھا ۔ وہ سلو کو پیار کرتی تھی اور اس پر بھروسہ رکھتی تھی ، وہی سلو آج اس سے وسواس گھات کررہی ہے ۔ متھرا اور سلو میں ضرور پہلے سے تعلقات رہا ہوگا ۔ متھرا اس سے ندی کے کنارے یا کھیتوں میں ملتا ہوگا اور آج وہ اتنی رات گئے ندی پار کرکے اسی لیے یہاں آئی ہے ۔ اگر اس نے ان دونوں کی یہ باتیں نہ سن لی ہوتیں تو اسے خبر تک نہ ہوتی ۔ متھرا عشقیہ ملاقات کے لیے یہی موقع سب سے زیادہ مناسب سمجھا ہوگا ۔ گھر میں سناٹا جو ہے ! اس کا دل سب کچھ جاننے کے لیے بے چین ہورہا تھا ۔ وہ سارا بھید جان لینا چاہتی تھی تاکہ اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر سوچ سکے ۔ اور یہ متھرا یہاں کیوں کھڑا ہے ؟ کیا وہ اسے کچھ بولنے بھی نہ دے گا ؟

اس نے غصے میں کہا '' تم باہر کیوں نہیں جاتے ، کیا یہیں پہرا دیتے رہو گے ؟''

متھرا کچھ بولے بغیر باہر چلا گیا ۔ اس کا خون خشک ہو رہا تھا کہ کہیں سلو سب کچھ کہہ نہ ڈالے ۔ اور سلو کی جان سوکھ رہی تھی کہ اب وہ لٹکتی ہوئی تلوار سر پر گراہی چاہتی ہے ۔

تب سونا نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا '' دیکھو سلو ! سب ٹھیک ٹھیک بتادو نہیں میں تمھارے سامنے یہیں اپنی گردن پر گنڈا سا مار لوں گی پھر تم میری سوت بن کر راج کرنا ۔ دیکھو گنڈاسا سامنے پڑا ہے ۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں ۔''

اس نے لپک کر گنڈاسا اٹھا لیا اور اسے ہاتھ میں لے کر پھر بولی '' یہ مت سمجھنا کے میں نری دھمکی دے رہی ہوں ۔ رس میں میں کیا کر بیٹھوں ، نہیں کہہ سکتی ۔ ٹھیک ٹھیک بتا دو ۔''

سلیا کانپ اٹھی ۔ اس کے منہ سے ایک ایک لفظ اس طرح نکل پڑا جیسا گراموفون میں بھری ہوئی آواز ہو۔ وہ ایک بات بھی چھپا نہ سکی ۔ سونا کے چہرے سے خوفناک ارادہ ظاہر ہو رہا تھا گویا اس پر خون سوار ہو ۔

سونا نے اس کی طرف برچھی سی چبھ جانے والی نگاہوں سے دیکھا اور کٹار سے چوٹ کرتی ہوئی سی بولی ۔'' ٹھیک ٹھیک کہتی ہو؟''

'' بالکل ٹھیک ۔ اپنے بچے کی سوگند ۔''

'' کچھ چھپایا تو نہیں ؟''

'' اگر میں نے رتی بھر بھی چھپایا ہو تو میری آنکھیں پھوٹ جائیں ۔''

'' تو نے اس پاپی کو لات کیوں نہیں ماری ؟ اسے دانت سے کاٹ کیوں نہیں لیا ؟ اس کا لہو کیوں نہ پی لیا ۔ تو چلائی کیوں نہیں ؟''

سلو کیا جواب دے ؟

سونا نے پاگل کی طرح انگاروں کی سی آنکھیں نکال کر کہا '' بولتی کیوں نہیں ؟ کیوں تو نے اس کی ناک دانتوں سے نہیں کاٹ لی کیوں نہیں دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبا یا ؟ تب میں تیرے چرنوں پر سر جھکاتی ۔ اب تو تو میری آنکھوں میں ہر جائی ہے ، پوری بیسوا ! اگر یہی کرنا تھا تو ماتادین کے نام کو کیوں کلنک لگا رہی ہے ؟ کیوں کسی کو لے کر بیٹھ نہیں جاتی ؟ کیوں اپنے گھر نہیں چلی گئی ؟ یہی تو تیرے گھر والے چاہتے تھے ۔ تو اپلے اور گھاس لے کر ہاٹ جاتی ، وہاں سے پیسے لاتی اور تیرا باپ بیٹھا ہوا اس پیسے کی تاڑی پیتا ۔ پھر

کیوں اس باٹھن کی ہتک کرائی ؟ کیوں اس کی آبرو میں بٹہ لگایا ؟ کیوں ستونتی بنی بیٹھی ہے؟ جب اکیلے نہیں رہا جاتا تو کیوں کسی سے سگائی نہیں کر لیتی ؟ کیوں ندی تالاب میں ڈوب نہیں مرتی ؟ کیوں دوسروں کی جندگی میں بس گھولتی ہے ۔ آج میں تجھ سے کہے دیتی ہوں کہ اگر اس طرح کی بات پھر کبھی ہوئی اور مجھے پتہ چلا تو ہم تینوں میں سے ایک بھی جیتا نہ رہے گا ۔ بس اب منھ میں کالکھ لگا کر چل دے ۔ آج سے تیرے اور میرے بیچ میں کوئی ناتا نہیں ہے ۔''

سلو چپکے سے اٹھی اور سنبھل کر کھڑی ہوئی ۔ معلوم ہوا کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ ایک لمحہ تک ہمت کی فراہمی کی کوشش کرتی رہی مگر اپنی صفائی میں کچھ سوجھ نہ پڑا ۔ آنکھوں میں اندھیرا تھا ، سر میں چکر ، گلا سوکھ رہا تھا اور سارا بدن بے حس تھا ، جیسے مسامات سے جان نکل رہی ہو ۔ ایک ایک قدم اس طرح رکھتی ہوئی جیسے سامنے کوئی گڈھا ہو ، وہ باہر آئی اور ندی کی طرف چلی ۔

دوراز ے پر متھرا کھڑا تھا '' اس بکھت کہاں جاتی ہو ، سلو ۔''

سلو نے کچھ جواب نہ دیا ۔ متھرا نے بھی پھر کچھ نہ پوچھا ۔

وہ ہی روپہلی چاندنی اب بھی چھائی ہوئی تھی ۔ ندی کی لہریں اب بھی چاندنی میں نہا رہی تھیں اور سلو دیوانگی کی سی حالت میں خواب کے سائے کی طرح ندی میں چلی جارہی تھی ۔

۳۰

مزدوروں کی ہڑتال جاری ہے مگر اب اس سے مل کے مالکوں کا کوئی خاص نقصان نہیں ہے۔ نئے آدمی کم اجرت پر مل گئے ہیں اور جان توڑ کر کام کرتے ہیں ، کیونکہ ان میں سبھی ایسے ہیں جو بیکاری کی تکلیفیں اٹھا چکے ہیں اور اب اپنی سکت بھر کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے، جس سے رزق میں خلل پڑے ۔ چاہے جتنا کام لو اور چاہے جتنی کم چھٹیاں دو ، انھیں کوئی شکایت نہیں ۔ سر جھکائے ہوئے بیلوں کی طرح کام میں لگے رہتے ہیں ۔ گھڑکیوں ، گالیوں یہاں تک کہ ڈنڈوں کی مار سے بھی انھیں شکایت نہیں ہوتی ۔ اور اب پرانے مزدوروں کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے کہ وہ اس گھٹی ہوئی مزدوری پر کام کرنے آئیں اور کھنا صاحب کی خوشامد کریں ۔ پنڈت اونکار ناتھ پر تو انھیں ذرا بھی اعتبار نہیں ہے ۔ انھیں وہ اب تنہا پائیں تو شاید بری طرح خبر لیں ۔ مگر پنڈت جی بہت بچے ہوئے رہتے ہیں ۔ چراغ جلنے کے بعد اپنے دفتر سے باہر نہیں نکلتے ۔ اور افسروں کی خوشامد میں بھی لگے ہی رہتے ہیں۔ مرزا خورشید کی دھاک اب بھی جیوں کی تیوں ہے۔ لیکن مرزا ان غریبوں کی تکلیف اور اس کے دور کرنے کی کوئی سبیل نہ دیکھ کر دل سے چاہتے ہیں کہ سب کے سب بحال کر دیے جائیں ، مگر اس کے ساتھ ہی نئے آدمیوں کی تکلیف کا خیال کر کے پوچھنے والوں سے یہی کہہ دیا کرتے ہیں کہ جیسی مرضی ہو ویسا کریں ۔

مسٹر کھنا نے پرانے آدمیوں کو پھر نوکری کرنے کا خواہش مند دیکھا تو اور بھی اکڑ گئے ، حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ اس اجرت پر پرانے آدمی نئے لوگوں سے کہیں بہتر ہیں ۔ پرانے آدمیوں میں زیادہ تر تو بچپن ہی سے مل میں کام کرنے کے عادی تھے اور خوب مشاق تھے ۔ نئے آدمیوں میں زیادہ تر دیہاتوں کے دکھی کسان جنھیں کھلی ہوا اور میدان میں پرانے زمانے کے چوبی اوزاروں سے کام کرنے کی عادت تھی۔ مل کے اندر ان کا دم گھٹتا تھا اور مشینری کے تیز چلنے والے پرزوں سے انھیں ڈر لگتا تھا ۔ آخر جب پرانے آدمی خوب پست ہو گئے تب کھنا انھیں بحال کرنے پر راضی ہوئے مگر نئے آدمی اس سے کم اجرت پر کام کرنے

کو تیار تھے اور اب ڈائرکٹروں کے سامنے یہ سوال تھا کہ وہ پرانے لوگوں کو بحال کریں یا نئے آدمیوں کو ہی رہنے دیں ۔ ڈائرکٹروں میں نصف تو نئے آدمیوں کو اجرت گھٹا کر رکھنے کے حق میں تھے اور بقیہ نصف کی یہ رائے تھی کہ پرانے ہی آدمیوں کو موجودہ اجرت پر رکھ لیا جائے ۔ کچھ روپے زیادہ خرچ ہوں گے ضرور ، مگر کام اب سے کہیں زیادہ ہوگا ۔ کھنا مل کے روح رواں تھے اور ڈائرکٹر تو ان کے ہاتھ کی کٹھ پتلیاں تھے ۔فیصلہ کھنا ہی کے ہاتھوں میں تھا اور وہ اپنے دوستوں ہی سے نہیں بلکہ دشمنوں سے بھی اس بارے میں رائے لے رہے تھے ۔ سب سے پہلے تو انھوں نے گوبندی کی رائے لی ۔ جب سے مالتی کی طرف سے انھیں مایوسی ہوگئی تھی اور گوبندی کو معلوم ہوگیا تھا کہ مہتا جیسا عالم ، تجربہ کار اور دانا شخص میری کتنی عزت کرتا ہے اور مجھ سے کسی قسم کی ریاضت کی امید رکھتا ہے ، تب سے زن وشوہر میں پھر محبت پیدا ہوگئی تھی ۔ محبت نہ سہی تو باہمی ربط وضبط تو تھا ہی ۔ آپس میں وہ جلن اور بے چینی نہ تھی درمیانی دیوار ٹوٹ گئی تھی ۔

مالتی کے رنگ ڈھنگ کی بھی کایا پلٹ ہو رہی تھی ۔ مہتا کی زندگی اب تک مطالعہ اور غور وخوض میں گزری تھی ۔ سب کچھ پڑھ چکنے ، اور دینداری وکفر کو خوب پرکھ لینے کے بعد وہ اسی نتیجہ پر پہنچے تھے کہ تعلق و بے تعلقی دونوں کے بیچ کا جو خدمتی راستہ ہے وہی زندگی کو بامعنی ، اور ہستی کو بلند وپاکیزہ بنا سکتا ہے ۔ کسی ہمہ داں خدا پر ان کا اعتقاد نہ تھا ۔ اگر چہ وہ اپنی دہریت کو ظاہر نہ کرتے تھے ، اس لیے کہ اس کے متعلق قطعی طور سے کوئی رائے قائم کرنا وہ اپنے لیے ناممکن سمجھتے تھے ، مگر یہ خیال ان کے دل میں مضبوطی سے قائم ہوگیا تھا کہ جانداروں کی پیدائش وموت اور ان کے تکلیف وآرام یا عذاب وثواب کے متعلق کوئی خدائی قانون نہیں ہے ۔ ان کا خیال تھا کہ انسان نے اپنی خودی میں اپنے کو اتنا عظیم بنا لیا ہے کہ اسے ہر ایک کام کی تحریک خدا ہی سے ملا کرتی ہے ۔ اسی طرح وہ ٹڈیاں بھی خدا کو ذمہ دار ٹھہراتی ہوں گی جو اپنی راہ میں سمندر کو حائل ہو جانے پر اربوں کی تعداد میں مر جاتی ہیں ۔ اگر خدائی قوانین اتنے ناقابل فہم ہیں کہ انسان کی سمجھ میں نہیں آتے تو انھیں ماننے ہی سے انسان کو ڈھارس مل سکتی ہے ؟ خدائی تصور کا ایک ہی مقصد ان کی سمجھ میں آتا تھا اور وہ تھا انسانی زندگی کا ایک ہونا ۔ وحدت یا کثرت یا عدم تشدد کو روحانی نہیں ، بلکہ مادی نقطہ خیال سے دیکھتے تھے ۔ اگر چہ ان باتوں کا کسی تاریخی زمانے میں بھی بول بالا نہیں رہا پھر بھی

بنی نوع انسان کے جبلی ارتقاء میں ان کا درجہ بڑی اہمیت کا ہے۔ انسانوں کی یکسانیت میں مہتا کا بہت بڑا اعتقاد تھا مگر اس اعتقاد کے لیے انھیں خدائی وجود کے تسلیم کرنے کی ضرورت نہ معلوم ہوتی تھی۔ ان کی انسانی محبت کا انحصار اس پر نہ تھا کہ جملہ جانداروں میں ایک روح ہے۔ توحید و شرک کا مسئلہ ان کی نظر میں رواجی اہمیت کے سوا کوئی اور اہمیت نہ رکھتا تھا اور وہ استعمالی اہمیت ان کے نزدیک انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے، ان کی باہمی تفریق کے مٹانے اور ان میں اخوت کا جذبہ پیدا کرنے ہی میں مضمر تھی۔ یہ یکسانیت ان کے دل میں کچھ ایسی قائم ہوگئی تھی کہ اس کے لیے کسی روحانی بنیاد کا پیدا کرنا ان کی نظر میں بالکل فضول تھا۔ پھر ایک بار اس اصلیت کو جان کر وہ خاموش نہ بیٹھ سکتے تھے۔ بے لوثی کے ساتھ بلا کسی ذاتی غرض کے زیادہ سے زیادہ کام کرنا ان کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ جس کے بغیر ان کے دل کو سکون نہ مل سکتا تھا۔ شہرت، منفعت یا فرض کی ادائیگی کے خیالات ان کے دل میں آتے ہی نہ تھے۔ ان کی بے مائیگی ہی انھیں ان سے بچانے کے لیے کافی تھی۔ خدمت ہی اب ان کی خاص غرض ہوتی جاتی تھی اور ان کی اس فراخ دلی کا اثر درپردہ مالتی پر بھی پڑتا جاتا تھا۔ اب تک جتنے مرد اسے ملے سب نے اس کی عیاشانہ رغبت ہی کو اکسایا۔ اس کے ترک وایثار کی طاقت روز بروز گھٹتی ہی تھی مگر مہتا کی صحبت سے اس پر تازگی آنے لگی۔ سبھی حقیقی انسانوں میں یہ جذبہ چھپا رہتا ہے اور روشنی پاکر چمک اٹھتا ہے۔ انسان اگر دولت یا شہرت کے پیچھے پڑا ہے تو سمجھ لو کہ ابھی تک وہ کسی اہل دل کے لگاؤ میں نہیں آیا۔ مالتی اب اکثر غریبوں کے گھر بلا فیس لیے مریضوں کو دیکھنے چلی جاتی تھی اور مریضوں کے ساتھ اس کے برتاؤ میں بڑی نرمی آ گئی تھی۔ ہاں ابھی تک وہ بناؤ سنگار سے اپنا دل نہ ہٹا سکی تھی۔ رنگ اور پاوڈر کا چھوڑنا اسے اپنی باطنی تبدیلیوں سے بھی کہیں زیادہ مشکل معلوم ہوتا تھا۔

ادھر کبھی کبھی وہ دونوں دیہاتوں کی طرف چلے جاتے تھے اور کسانوں کے ساتھ دو چار گھنٹے رہ کر اور کبھی کبھی ان کے جھونپڑوں میں رات کاٹ کر اور ان ہی کا سا کھانا کھا کر اپنے کو خوش قسمت سمجھتے تھے۔ ایک روز وہ سمری پہنچ گئے اور گھومتے ہوئے بیلاری بھی جا پہنچے۔ ہوری دروازے پر بیٹھا چلم پی رہا تھا کہ مالتی اور مہتا آ کر کھڑے ہو گئے۔ مہتا نے ہوری کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور بولا ''یہی تمھارا گاؤں ہے؟ یاد ہے جب ہم لوگ رائے صاحب کے یہاں آئے تھے اور تم دھنش یگیہ میں مالی بنے تھے؟''

ہوری کی یاد تازہ ہوگئی ۔ پہچان گیا اور پٹیشوری کے گھر کی طرف کرسیاں لانے چلا ۔
مہتا نے کہا '' کرسیوں کا کوئی کام نہیں ۔ ہم لوگ اسی چارپائی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہاں کرسی پر بیٹھنے نہیں، تم سے کچھ سیکھنے آئے ہیں ۔''
دونوں چارپائی پر بیٹھ گئے ۔ ہوری متحیر کھڑا رہا۔ ان لوگوں کی کیا خاطر کرے ؟ بڑے آدمی ہیں ۔ان کی خاطر کرنے لائق ان کے پاس ہے کیا؟ آخر اس نے پوچھا '' پانی لاؤں ؟''
مہتا نے کہا '' ہاں پیاس تو لگی ہے ۔''
'' کچھ میٹھائی بھی لیتا آؤں ؟''
'' لاؤ ۔ اگر گھر میں ہو ۔''
ہوری گھر میں مٹھائی اور پانی لانے گیا تب تک گاؤں کے لڑکوں نے آکر ان دونوں کو گھیر لیا اور دیکھنے لگے ۔ گویا عجائب خانے سے دو نئے نمونے آگئے ہوں۔
سلیا بچے کو لیے کسی کام سے چلی جارہی تھی ۔ ان دونوں کو دیکھ کر تعجب سے ٹھہر گئی۔
مالتی نے آکر اس کے بچے کو گود میں لے لیا اور پیار کرتی ہوئی بولی '' کتنے دنوں کا ہے ؟''
سلیا کو ٹھیک معلوم نہ تھا ۔ ایک دوسری عورت نے بتلایا '' کوئی سال بھر کا ہوگا ؟''
سلو نے تائید کی ۔
مالتی نے مذاق کیا '' پیارا بچا ہے اسے ہمیں دے دو ۔''
سلیا نے گھمنڈ سے پھول کر کہا '' آپ ہی کا تو ہے ۔''
'' تو میں اسے لے جاؤں؟''
'' لے جایئے آپ کے ساتھ رہ کر آدمی ہو جائے گا ۔''
گاؤں کی دوسری عورتیں آگئیں اور مالتی کو ہوری کے مکان میں لے گئیں کیونکہ یہاں مردوں کے سامنے مالتی سے گفتگو کرنے کا موقع انھیں نہ ملتا تھا ۔ مالتی نے دیکھا کہ چارپائی بچھی ہے اور اس پر ایک دری پڑی ہوئی ہے جو پٹیشوری کے یہاں سے مانگ کر لائی گئی تھی ۔ مالتی جاکر بیٹھی ۔ بچوں کی حفاظت اور پرورش کی باتیں چلی ۔عورتیں جی لگا کر سنتی رہیں ۔
دھنیا نے کہا '' یہاں یہ سب کام کیسے ہوگا ، سرکار؟ کھانے تک کا ٹھکانا تو ہے نہیں۔''
مالتی نے سمجھایا '' صفائی میں خرچ نہیں ، صرف تھوڑی سی محنت اور ہوشیاری سے کام چل

سکتا ہے ۔''

دلاری نے پوچھا '' یہ سب باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں سرکار ؟ آپ کا تو ابھی بیاہ نہیں ہوا ؟''

مالتی نے مسکرا کر پوچھا '' تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میرا بیاہ نہیں ہوا ؟''

سبھی عورتیں منھ پھیر کر مسکرائیں ۔ پنیا بولی '' بھلا یہ بھی چھپا رہتا ہے ، سرکار ! منھ دیکھتے ہی پتہ چل جاتا ہے ۔''

مالتی نے جھینپتے ہوئے کہا '' اسی لیے بیاہ نہیں کیا کہ آپ لوگوں کی خدمت کیسے کرتی ۔''

سب نے ایک زبان سے کہا '' دھن ہو سرکار ، دھن ہو !

سلیا مالتی کے پیر دبانے لگی '' سرکار کتنی دور سے آئی ہیں ۔ تھک گئی ہوں گی ۔''

مالتی نے پیر کھینچ کر کہا '' نہیں نہیں ، میں تھکی نہیں ہوں ۔ میں تو موٹر پر آئی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ لوگ اپنے بچے لائیں تو میں انھیں دیکھ کر بتاؤں کہ آپ لوگ اسے کس طرح تندرست رکھ سکتی ہیں ۔''

ذرا دیر میں بیس پچیس بچے آگئے ۔ مالتی انھیں دیکھنے لگی ۔ کئی بچوں کی آنکھیں اٹھی تھیں ، ان کی آنکھوں میں دوا ڈالی ۔ زیادہ تر بچے کمزور تھے جس کا سبب تھا والدین کو اچھا کھانا نہ ملنا ۔ مالتی کو یہ جان کر تعجب ہوا کہ دودھ بہت کم گھروں میں ہوتا تھا اور گھی کے تو برسوں درشن نہ ہوتے تھے ۔

مالتی نے یہاں بھی انھیں کھانے کی اہمیت بتائی جیسا وہ سبھی گاؤں میں بتایا کرتی تھی ۔ اس کا جی اس لیے کڑھتا تھا کہ یہ لوگ اچھا کھانا کیوں نہیں کھاتے اسے دیہاتیوں پر غصہ آجاتا تھا ۔کیا تمھارا جنم اسی لیے ہوا ہے کہ تم مر مر کر کماؤ اور جو کچھ پیدا ہو اسے کھانہ سکو؟ جہاں دو چار بیلوں کے لیے چارا ہے وہاں دو ایک گائے بھینسوں کے لیے چارا نہیں ہے ۔ کیوں یہ لوگ غذا کو زندگی کی خاص چیز نہ سمجھ کر اسے صرف جان بچانے کی چیز سمجھتے ہیں ۔ کیوں سرکار سے نہیں کہتے کہ برائے نام سود پر روپیہ دے کر انھیں سود خور مہاجنوں کے پنجے سے بچائے ۔ اس نے جس کسی سے پوچھا تو یہی معلوم ہوا کہ اس کی کمائی کا بڑا حصہ مہاجنوں کا قرض ادا کرنے میں صرف ہوجاتا ہے ۔ بٹوارے کا مرض بھی بڑھتا جاتا تھا ۔ آپس میں اتنی مغائرت تھی کہ شاید ہی کوئی دو بھائی ایک ساتھ رہتے ہوں ۔ ان کی اس درگت کا سبب

بہت کچھ ان کی تنگ خیالی اور خود غرضی تھی ۔ مالتی یہی باتیں عورتوں سے کرتی رہی ۔ ان کی عقیدت دیکھ کر اس کے دل میں خدمت کی تحریک اور بھی زور پکڑ رہی تھی۔ اس قربانی کی زندگی کے سامنے وہ عیش وآرام کی زندگی کتنی حقیر اور مصنوعی تھی ۔ آج اس کے وہ ریشمی کپڑے جن پر زری کا کام تھا ، اور وہ خوشبو سے مہکتا ہوا بدن اور پاؤڈر لگا ہوا چہرا اسے شرمندہ کرنے لگا ۔ اس کی کلائی پر بندھی ہوئی سونے کی گھڑی جیسے ٹکٹکی لگائے اسے گھور رہی تھی۔ اس کے گلے میں چمکتا ہوا جڑاؤ نکلیس جیسے اس کا گلا گھونٹ رہا تھا ۔ ان تیاگ اور بھگتی کی دیویوں کے سامنے وہ اپنی ہی نظر میں حقیر ہو رہی تھی ۔ وہ ان دیہاتیوں سے بہت سی باتیں زیادہ جانتی تھی ، وقتی رفتار سے زیادہ واقف تھی لیکن جن حالات میں یہ غریب عورتیں اپنی زندگی کو کار آمد بنا رہی ہیں ان میں کیا وہ ایک دن بھی رہ سکتی ہے ؟ دل میں غرور کا نام بھی نہیں ، دن بھر کام کرتی ہیں ، فاقہ کرتی ہیں ، روتی ہیں ، پھر بھی اتنی ہنس مکھ اور زندہ دل ہیں! بیگانے ان کے لیے اس قدر یگانے ہو گئے ہیں کہ ان کا اپنا وجود ہی نہیں رہا ۔ ان کی یگانگت اپنے بچوں میں ، اپنے شوہر میں اور اپنے رشتے داروں میں ہے ۔ اسی خیال کی حفاظت کرتے ہوئے اور اسی کے دائرے کو بڑھاتے ہوئے مستقبل کا نسائی معیار بنے گا ۔ بیدار عورتوں میں اس کے بجائے خود پروری کا جو خیال پیدا ہوگیا ہے ، یعنی سب کچھ اپنے لیے، اپنے ہی عیش وآرام کے لیے ، اس سے تو یہ خواب کی حالت ہی بھلی ! مانا کے مرد بے رحم ہے مگر ہے تو ان ہی ماؤں کا جایا ہوا ۔ کیوں ماں نے لڑکے کو ایسی تعلیم نہیں دی کہ وہ ماں کی اور اس کے ناطے کل نسوانی طبقہ کی پرستش کرتا ؟ اسی لیے کہ ماں کو ویسی تعلیم دینا نہیں آتی ؛ اسی لیے کہ اس نے خود کو اتنا مٹا دیا ہے کہ اس کی ہئیت ہی تبدیل ہوگئی ہے ، اس کی شخصیت ہی ختم ہوگئی ہے ! ۔

نہیں ، خود کو مٹانے سے کام نہ چلے گا ۔ عورت کو سماج کی فلاح کے لیے اپنے حقوق کی حفاظت کرنی ہوگی ، اسی طرح جیسے ان کسانوں کو اپنی حفاظت کے لیے اپنی اس فرشتہ خصلتی کو کسی قدر ترک کرنا پڑے گا ۔

شام ہوگئی تھی ۔ مالتی کو عورتیں اب تک گھیرے ہوئے تھیں ۔ اس کی باتوں سے جیسے ان کا جی ہی نہ بھرتا تھا ۔ کئی عورتوں نے ان سے رات میں یہیں رہنے کا اصرار کیا ۔ مالتی کو بھی ان کا سادہ پریم ایسا پیارا لگا کہ اس نے ان کی دعوت منظور کر لی ۔ رات کو عورتیں اسے

اپنا گانا سنائیں گی ۔ مالتی نے گھر گھر میں جاکر ہر جگہ کی حالت سے واقفیت حاصل کرنے میں اپنا وقت صرف کیا ۔ اس کی پر خلوص ہوا خواہی اور ہمدردی دیہاتی عورتوں کے لیے دیوی کے بردان سے کم نہ تھی ۔

ادھر مہتا صاحب چارپائی پر بیٹھے ہوئے کسانوں کی کُشتی دیکھ رہے تھے ۔ پچھتا رہے تھے کہ مرزا صاحب کو کیوں نہ ساتھ لے لیا ، ورنہ ان کی بھی ایک کشتی ہو جاتی۔ انھیں تعجب ہورہا تھا کہ ایسے مضبوط اور معصوم لڑکوں کے ساتھ تعلیم یافتہ لوگ کیسے بے رحمی کا برتاؤ کرتے ہیں ۔ نادانی کی طرح دانائی بھی سادا ، صاف اور سنہرے سپنوں والی ہوتی ہے ۔ انسانیت پر اس کا اتنا زبردست اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ مخالفانہ سلوک کو انسانیت کے خلاف سمجھنے لگتی ہے ۔ وہ بھول جاتی ہے کہ بھیڑیوں نے بھیڑوں کی معصومیت اور بے چارگی کا جواب ہمیشہ پنجوں اور دانتوں سے دیا ہے ۔ وہ اپنی ایک معیاری دنیا بنا کر اسے معیاری شخصیتوں سے آباد کرتی ہے اور اسی میں مگن رہتی ہے ۔ حقیقت کتنی ناقابل فہم ، مشکل اور غیر قدرتی ہے ، یہ خیال کرنا اس کے لیے مشکل ہوجاتا ہے ۔ مہتا صاحب اس وقت ان گنواروں کے بیچ میں بیٹھے ہوئے اسی مسئلے کو حل کر رہے تھے کہ ان کی حالت اتنی قابل رحم کیوں ہے ۔ وہ اس سچائی سے سامنا کرنے کی ہمت نہ کرسکتے تھے کہ ان کی فرشتہ خصلتی ہی ان کی تباہ حالی کا سبب ہے ۔ کاش یہ لوگ زیادہ تر انسان اور کم تر فرشتہ ہوتے تو اس طرح نہ ٹھکرائے جاتے ۔ ملک میں کچھ بھی ہو، انقلاب ہی کیوں نہ آجائے مگر ان سے کوئی واسطہ نہیں ۔ کوئی جماعت ان کے سامنے طاقتور بن کر آئے اس کے سامنے یہ سر جھکانے کو تیار ہیں ۔ ان کی معصومیت بے حسی کی حد تک پہنچ گئی ہے ، جسے کوئی سخت صدمہ ہی ذی حس اور متحرک بنا سکتا ہے ۔ ان کی آتما گویا ہر طرف سے مایوس ہوکر اب اپنے اندر ہی پیر توڑ کر بیٹھ گئی ہے ، گویا ان میں زندگی کا احساس ہی نہیں ہے ۔

شام ہوگئی تھی ۔ جو لوگ اب تک کھیتوں میں کام کررہے تھے ۔ وہ بھی دوڑے چلے آتے تھے ۔ اسی وقت مہتا نے مالتی کو گاؤں کی کئی عورتوں کے ساتھ ایسی محویت سے ایک بچے کو گود میں لیے دیکھا وہ بھی ان ہی میں سے ایک ہو ۔ مہتا کا دل خوشی سے بھر گیا ۔ مالتی نے ایک طرح سے خود کو مہتا کے لیے وقف کر دیا تھا ۔ اس کے متعلق مہتا کو اب کوئی شک وشبہ نہ تھا ۔ مگر ابھی تک ان کے دل میں مالتی کے لیے وہ پاک اور بلند خواہش پیدا نہ ہوئی تھی جس

کے بغیر شادی کی تجویز کرنا ان کے لیے مضحکہ انگیز تھا۔ مالتی ناخواندہ مہمان کی طرح ان کے دروازے پر آکر کھڑی ہو گئی تھی اور مہتا نے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ اس میں محبت کا جذبہ نہ تھا، صرف مردیت کا جذبہ تھا۔ اگر مالتی اسے اس قابل سمجھتی ہے کہ ان پر عنایت نظر کرے تو مہتا ان کی اس عنایت کو نا منظور نہ کر سکتے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مالتی کو گوبندی کے راستے سے ہٹا دینا چاہتے تھے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جب تک مالتی اپنا پیر آگے نہ جمائے گی پچھلا پیر نہ اٹھائے گی۔ وہ جانتے تھے کہ مالتی کے ساتھ فریب کرکے وہ کمینگی ہی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ان کا ضمیر انھیں برابر ملامت کرتا رہتا تھا، مگر جیوں جیوں وہ مالتی کو قریب سے دیکھتے تھے ان کے دل میں کشش بڑھتی جاتی تھی۔ حسن کی دلکشی تو ان پر کوئی اثر نہ ڈال سکتی تھی، یہ اوصاف کی دلکشی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ جسے سچی محبت کہہ سکتے ہیں وہ ایک رشتے میں منسلک ہو جانے کے بعد ہی پیدا ہوسکتی ہے۔ اس کے قبل جو محبت ہوتی ہے۔ وہ تو محض فریفتگی ہے، جسے ذرا بھی قیام و قرار نہیں۔ مگر اس سے پہلے یہ تصفیہ تو کر لینا ضروری تھا کہ جو پتھر باہمی قربت کی خراد پر چڑھے گا وہ خراد کے لیے موزوں بھی ہے یا نہیں۔ سبھی پتھر تو خراد پر چڑھ کر خوبصورت موتیوں کی شکل نہیں اختیار کر لیتے۔ اتنے دنوں میں مالتی نے ان کے دل کے مختلف حصوں پر اپنی شعائیں ڈالی تھیں جو ابھی تک مرکوز ہو کر شعلے کی صورت میں نہ پھوٹ پڑی تھیں جس سے ان کا سارا دل روشن ہو جاتا۔ آج مالتی نے اپنی دیہاتی بہنوں سے مل کر اور ساری تفریق کو مٹا کر گویا ان شعاعوں کو مرکوز کر دیا اور آج پہلی بار مہتا کو مالتی کے متعلق یگانگت کا احساس ہوا۔ جیوں ہی مالتی گاؤں کا گشت لگا کر لوٹی، انھوں نے اسے ساتھ لے کر ندی کی طرف رخ کیا۔ رات یہیں گزارنے کا ارادہ ہو گیا۔ مالتی کا دل آج نہ جانے کیوں دھڑکنے لگا۔ مہتا کے چہرے پر آج اسے ایک عجیب روشنی اور خواہش جھلکتی ہوئی نظر آئی۔

ندی کے کنارے چاندنی کا فرش بچھا ہوا تھا اور ندی جواہرات سے جڑے ہوئے گہنے پہنے ہوئے میٹھے سروں میں گا گا کر چاند اور تاروں، اور غنودگی کی حالت میں سر جھکائے ہوئے پیڑوں کو اپنا رقص دکھا رہی تھی۔ مہتا قدرت کی متوالی پھبن پر جیسے مست ہو گئے، گویا ان کا بچپن اپنے سارے کھیلوں کے ساتھ لوٹ آیا ہو۔ ریت پر کودتے اور دوڑتے ہوئے، ندی میں جا کر گھٹنے تک پانی میں کھڑے ہو گئے۔

''مالتی نے کہا'' پانی میں نہ کھڑے ہو، کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے۔''

مہتا نے پانی اچھال کر کہا'' میرا تو جی چاہتا ہے کہ تیر کر ندی کے اس پار چلا جاؤں۔''

''نہیں نہیں، پانی سے نکل آؤ۔ میں نہ جانے دوں گی۔''

''تم میرے ساتھ نہ چلو گی؟ اس سونی بستی میں جہاں سپنوں کا راج ہے۔''

''مجھے تو تیرنا نہیں آتا۔''

''اچھا آؤ ایک ناؤ بنائیں اوراس پر بیٹھ کر چلیں۔''

وہ باہر نکل آئے۔ آس پاس بڑی دور تک جھاؤ کا جنگل کھڑا تھا۔ مہتا نے جیب سے چاقو نکالا اور بہت سی ٹہنیاں کاٹ کر جمع کیں۔ کنارے پر سرپت اگا ہوا تھا۔ وہاں جاکر ایک گٹھا کاٹ لائے اور وہیں بالو کے فرش پر بیٹھ کر رسی باٹنے لگے۔ ایسے خوش گویا بہشت جانے کی تیاری کررہے ہوں۔ کئی بار انگلیاں چر گئیں، خون نکلا۔ مالتی ناراض ہو رہی تھی اور بار بار گاؤں واپس جانے کے لیے اصرار کر رہی تھی مگر انھیں کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہی بچوں کی سی خوشی تھی، وہی الڑھ پن تھا، وہی ہٹ تھی۔ فلسفہ اور سائنس سبھی اس بہاؤ میں بہہ گئے تھے۔

رسّی تیار ہوگئی۔ جھاؤ کا بڑا تختہ سا بن گیا۔ ٹہنیاں دونوں سروں سے رسی سے جوڑ دی گئی تھیں۔ اس کے سوراخوں میں جھاؤ کی پتیاں بھر دی گئیں تاکہ پانی اوپر نہ آئے۔ ناؤ تیار ہوگئی۔ رات اور بھی خواب آلود ہوگئی تھی۔

مہتا نے ناؤ پانی میں ڈال کر مالتی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا'' آؤ بیٹھو۔''

مالتی نے ڈرتے ہوئے کہا'' دو آدمیوں کا بوجھ سنبھال سکے گی؟''

مہتا نے فلسفیانہ تبسم سے کہا'' جس ناؤ پر بیٹھے ہوئے ہم لوگ زندگی کا سفر پورا کر رہے ہیں وہ تو اس سے کہیں زیادہ کمزور ہے مالتی! کیا ڈر رہی ہو؟''

''ڈر کس بات کا جب تم ساتھ ہو؟''

''سچ کہتی ہو؟''

''اب تک میں نے بلا کسی کی مدد کے مشکلوں کو سر کیا ہے۔ اب تمھارے ساتھ ہوں۔''

دونوں اس جھاؤ کے تختے پر بیٹھے اور مہتا نے جھاؤ کے ایک ڈنڈے سے اسے کھینا شروع کیا۔ تختہ ڈگمگاتا ہوا بہہ چلا۔

مالتی نے دل سے اس خطرے کا خیال دور کرنے کے لیے پوچھا۔'' تم تو ہمیشہ شہروں میں رہے، دیہاتی زندگی کے عادی کیسے ہو گئے؟ میں تو ایسا تختہ کبھی نہیں بنا سکتی۔''

مہتا نے اسے چاہت بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہا'' شاید یہ میرے پچھلے جنم کا سنسکار ہے۔ قدرت سے مس ہوتے ہی جیسے مجھ میں نئی زندگی سی آجاتی ہے۔ رگ رگ میں جنبش ہونے لگتی ہے۔ ایک ایک چڑیا، ایک ایک جانور جیسے مجھے خوشی کی دعوت دیتا ہوا معلوم ہوتا ہے، جیسے بھولے ہوئے سکھوں کی یاد دلا رہا ہو! یہ خوشی مجھے اور کہیں نہیں ملتی مالتی! موسیقی کے رلانے والے راگوں میں بھی نہیں، فلسفہ کی بلند پروازیوں میں بھی نہیں! جیسے یہ سب میرے اپنے سگے ہوں، قدرت کے بیچ میں پڑ کر جیسے میں اپنے آپ کو پاجاتا ہوں، جیسے پرند اپنے گھونسلے میں آجائے۔''

تختہ ڈگمگاتا، کبھی ترچھا، کبھی سیدھا، کبھی چکر کھاتا ہوا جارہا تھا۔

دفعتاً مالتی نے آزردگی سے پوچھا'' اور میں تمھاری زندگی میں کبھی نہیں آتی؟''

مہتا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا'' آتی ہو، بار بار آتی ہو، خوشبو کے ایک جھونکے کی طرح، تصور کے ایک عکس کی طرح، اور پھر غائب ہوجاتی ہو، دوڑتا ہوں کہ تمھیں ہاتھوں سے جکڑ لوں، مگر ہاتھ کھلے رہ جاتے ہیں اور تم ہوا ہو جاتی ہو۔''

مالتی نے مجنونانہ کہا'' مگر تم نے اس کا سبب بھی سوچا یا سمجھنا چاہا؟''

'' ہاں مالتی، بہت سوچا اور بار بار سوچا۔''

'' تو کیا معلوم ہوا!

'' یہی کہ میں جس بنیاد پر اپنی زندگی کا گھر کھڑا کرنا چاہتا ہوں وہ ناپائدار ہے۔ یہ کوئی بڑا محل نہیں، بلکہ صرف ایک چھوٹی سی کٹی ہے، مگر اس کے لیے بھی تو کوئی مستقل بنیاد چاہیے۔''

مالتی نے اپنا ہاتھ چھڑا کر جیسے روٹھتے ہوئے کہا'' یہ جھوٹا حملہ ہے۔''

'' یہ جھوٹا حملہ ہے۔ تم نے مجھے ہمیشہ امتحانی نظروں سے دیکھا۔ کبھی محبت کی نگاہوں سے نہیں۔ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ عورت امتحان نہیں چاہتی، بلکہ محبت چاہتی ہے، امتحان تو اوصاف کو عیوب اور حسن وقبح بنانے والی چیز ہے۔ محبت اس کے برعکس کر دکھاتی ہے۔ میں نے تم سے محبت کی تو میں خیال ہی نہ کرسکتی کہ تم میں کوئی عیب ہے، مگر تم نے

میرا امتحان لیا اور تم مجھے متلون ،شوخ اور نہ جانے کیا کیا سمجھ کر مجھ سے ہمیشہ دور بھاگتے رہے۔نہیں میں جو کچھ کہنا چاہتی ہوں وہ مجھے کہہ لینے دو۔ میں کیوں متلون اور شوخ تھی ؟ اسی لیے کہ مجھے وہ محبت نہیں ملی ۔ جو مجھے مستقل اور متین بناتی ۔ اگر تم نے اپنے آپ کو اسی طرح میرے لیے وقف کردیا ہوتا جیسا میں نے تمھارے لیے کیا ہے تو تم آج مجھ پر ایسا نامناسب حملہ نہ کرتے ۔''

مہتا نے مالتی کے روٹھنے کا لطف اٹھاتے ہوئے کہا ''تم نے میرا امتحان کبھی نہیں لیا ؟ سچ کہتی ہو؟''

''کبھی نہیں ''

''تو تم نے غلطی کی ۔''

''میں اس کی پرواہ نہیں کرتی ۔''

'' جذبے میں نہ آؤ مالتی ۔ محبت کرنے سے پہلے ہم سب امتحان لیتے ہیں اور تم نے بھی لیا ، درپردہ ہی سہی ۔ میں آج تم سے صاف کہتا ہوں کہ پہلے میں نے تمھیں اسی طرح دیکھا جیسے ہر روز ہزاروں عورتوں کو دیکھا کرتا ہوں ، صرف تفریحی خیال سے ۔ اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو تم نے بھی مجھے اپنی تفریح کے لیے ایک نیا کھلونا سمجھا ۔''

مالتی نے ٹوکا '' غلط کہتے ہو ۔ میں نے کبھی تم کو اس نظر سے نہیں دیکھا ۔ میں نے پہلے ہی دن تمھیں اپنا دیوتا بنا کر اپنے دل .. ..''

مہتا نے بات کاٹ کر کہا '' پھر وہی جذبہ ! مجھے ایسے اہم معاملے میں جذبے کو دخل دینا پسند نہیں ۔ اگر تم نے پہلے ہی دن سے مجھے اس عنایت کے قابل سمجھا تو اس کا یہی سبب ہو سکتا ہے کہ میں بھیس بنانے میں تم سے زیادہ ہوشیار ہوں، ورنہ جہاں تک میں نے نسوانی فطرت پر غور کیا ہے ، عورتیں محبت کے بارے میں کافی چھان بین کرتی ہیں ۔ پہلے تو سوئمبر سے مردوں کی آزمائش ہوتی تھی ۔ وہی بات اب بھی موجود ہے ، چاہے اس کا روپ کچھ بدل گیا ہو ۔ میں نے تب سے برابر یہی کوشش کی ہے کہ خود کو سراپا تمھارے سامنے رکھ دوں اور اس کے ساتھ ہی تمھارے دل تک پہنچ جاؤں ۔ اور میں جیوں جیوں تمھارے دل کی گہرائی میں گیا ہوں مجھے جواہرات ہی ملے ہیں ۔ میں تفریح کے لیے آیا اور آج پرستار بنا ہوا ہوں ۔ تم نے میرے اندر کیا پایا ، یہ مجھے معلوم نہیں ۔''

ندی کا دوسرا کنارا آگیا۔ دونوں اتر کر اسی ریت کے فرش پر جابیٹھے اور مہتا پھر اس رو میں بولے" اور آج میں یہاں تمھیں وہی پوچھنے کے لیے لایا ہوں۔"

مالتی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا" کیا ابھی تمھیں مجھ سے پوچھنے کی ضرورت باقی ہے؟"

" ہاں اس لیے کے میں آج تمھیں اپنا وہ روپ دکھاؤں گا جو شاید ابھی تک تم نے نہیں دیکھا اور جسے میں نے بھی چھپایا ہے۔ اچھا مان لو کہ تم سے شادی کر کے کل بے وفائی کروں تو تم مجھے کیا سزا دوگی؟"

مالتی نے ان کی طرف حیرت سے دیکھا۔ اس کا مطلب وہ نہ سمجھی بولی" ایسا سوال کیوں کرتے ہو؟"

" میرے لیے یہ بہت اہم بات ہے۔"

" میں اسے ممکن نہیں سمجھتی۔"

" دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ بڑے سے بڑا مہاتما بھی ایک لمحے میں بھرشٹ ہو سکتا ہے۔"

" میں اس کا سبب کھوجوں گی اور اسے دور کروں گی۔"

" مان لو کے میری عادت نہ چھوٹے۔"

" پھر میں نہیں کہہ سکتی کہ کیا کروں گی۔ شاید زہر کھا کر سو رہوں۔"

"لیکن تم مجھ سے اگر یہی سوال کروگی تو میں اس کا دوسرا جواب دوں گا؟"

مالتی نے ڈرتے ہوئے پوچھا" بتاؤ؟"

مہتا نے استقلال سے کہا" میں پہلے تمھاری جان لے لوں گا، پھر اپنی دے دوں گا۔"

مالتی نے زور سے قہقہہ مارا اور سر سے پیر تک کانپ اٹھی۔ اس کا قہقہہ اس لرزش کے چھپانے ہی کے لیے تھا۔

مہتا نے پوچھا" تم ہنسیں کیوں؟"

" اسی لیے کہ تم ایسے ہنسنے والے نہیں معلوم ہوتے۔"

" نہیں مالتی، اس معاملے میں پورا حیوان ہوں اور اس پر لجانے کا کوئی سبب نہیں دیکھتا۔ روحانی محبت اور ایثار آمیز محبت اور بے غرضانہ محبت جس میں آدمی خود کو مٹا کر صرف

معشوق کے لیے جیتا ہے ، اس کی خوشی میں خوش ہوتا اور اس کے پیروں پر اپنی روح قربان کر دیتا ہے ، یہ سب میرے لیے محض بے معنی الفاظ ہیں ۔ میں نے کتابوں میں ایسی محبت کے قصے پڑھے ہیں ۔ جہاں عاشق نے معشوق کے لیے اپنی جان دے دی ہے ۔ مگر اس جذبے کو میں حقیقت کہہ سکتا ہوں ، اطاعت کہہ سکتا ہوں ، مگر محبت کبھی نہیں ۔ محبت سیدھی سادھی گائے نہیں بلکہ خوں خوار شیرنی ہے جو اپنے شکار پر کسی کی آنکھ بھی نہیں پڑنے دیتی ۔''

مالتی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا '' اگر محبت خونخوار شیرنی ہے تو میں اس سے دور ہی رہوں گی ۔ میں نے تو اسے گائے ہی سمجھ رکھا تھا ۔ میں محبت کو بدگمانی سے بالا تر سمجھتی ہوں ۔ وہ جسمانی نہیں ، بلکہ روحانی چیز ہے ۔ بدگمانی کی وہاں گنجائش نہیں ، اور ہنسا تو بدگمانی ہی کا پھل ہے ۔ وہ محبت، روح کا پورے طور پر وقف کر دینا ہے ۔ اس کے مندر میں تم آزمائش سے نہیں بلکہ عبادت ہی سے بردان پا سکتے ہو ۔''

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی او رتیزی سے ندی کی طرف چلی ، جیسے اسے نے اپنا کھویا ہوا راستہ پالیا ہو ۔ ایسی زبردست تحریک کا اسے کبھی احساس نہ ہوا تھا ۔ اس نے آزادانہ زندگی میں خود میں ایک کمزوری محسوس کی تھی جو اسے ہمیشہ متزلزل اور بے قرار رکھتی تھی ۔ اس کا دل جیسے کسی سہارے کی تلاش میں تھا ۔ جس کے ذریعے وہ دنیا کا مقابلہ کر سکے ۔ خود میں اسے وہ سکت نہ ملتی تھی ۔ دانائی اور کردار کی طاقت دیکھ کر وہ اس کی طرف راغب ہوجاتی تھی ۔ پانی کی طرح ہر ایک برتن کی شکل اختیار کر لیتی تھی ۔ اس کی اپنی کوئی شکل نہ تھی ۔

اس کی طبیعت ابھی کسی امتحان دینے والے متعلم کی سی تھی ۔ متعلم کو کتابوں سے محبت ہو سکتی ہے اور ہو بھی جاتی ہے مگر وہ کتاب کے ان ہی حصوں پر زیادہ توجہ دیتا ہے جو امتحان میں آ سکتے ہیں ۔ اس کی اول غرض امتحان میں کامیاب ہونا ہے ۔ واقفیت حاصل کرنا اس کے بعد کا کام ہے ۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ ممتحن بڑا رحم دل یا اندھا ہے اور متعلموں کو یوں ہی پاس کر دیا کرتا ہے تو شاید وہ کتابوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے ۔ مالتی جو کچھ کرتی تھی وہ مہتا کو خوش کرنے کے لیے ۔ اس کی غرض تھی مہتا کی محبت اور عقیدت حاصل کرنا ، ان کے دل کی رانی بن جانا ، لیکن اسی متعلم کی طرح اپنی قابلیت کا یقین دلا کر قابلیت آجانے پر ممتحن خود بخود اس سے مطمئن ہو جائے گا ۔ اتنا صبر اس میں نہ تھا ۔

مگر آج مہتا نے جیسے اسے ٹھکرا کر اس کی روحانی قوت کو بیدار کر دیا ۔ مہتا کو جب

اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا جبھی سے اس کا دل ان کی طرف جھک رہا تھا۔ اسے وہ اپنے شناساؤں میں قابل ترین معلوم ہوئے۔ ان کی پاکیزہ زندگی میں عقل کی تیزی اور خیالوں کی مضبوطی ہی بہترین شے تھی۔ دولت اور اقتدار کو تو وہ صرف کھلونا سمجھتی تھی جسے کھیل کر لڑکے توڑ پھوڑ ڈالتے ہیں۔ صورت میں اب اس کے لیے کوئی خاص کشش نہ تھی اگر چہ اسے بدصورتی سے نفرت تھی۔ اس کو تو اب عقلی قوت ہی اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھی جس کا سہارا پاکر اس میں خود اعتمادی پیدا ہو، نجی ترقی کی تحریک ملے، اپنے میں طاقت آئے اور اپنی زندگی کو کار آمد بنانے کی واقفیت ہو۔ مہتا کی عظمت ودانائی نے اس پر اپنا سکہ جما دیا تھا اور تب سے وہ اپنی اصلاح کرتی چلی آرہی تھی۔ جس حرکت دینے والی طاقت کی اسے ضرورت تھی وہ مل گئی تھی اور پوشیدہ طور پر اسے طاقت اور حرکت دے رہی تھی۔ زندگی کا نیا معیار جو اس کے سامنے تھا وہ خود کو اس تک پہنچانے کی کوشش کرتی ہوئی اور کامیابی کا احساس کرتی اس دن کا تصور کر رہی تھی جب وہ اور مہتا ایک سے ہو جائیں گے۔ آج یہ تصور اسے اور بھی مستقل اور مضبوط بنا رہا تھا۔

مگر آج جب مہتا نے اس کی امیدوں کو دروازے تک لاکر محبت کا وہ معیار اس کے سامنے رکھا جس میں محبت کو روحانیت اور ایثار کی بلندی سے گرا کر مادی سطح تک پہنچادیا گیا تھا۔ جہاں بدگمانی اور حسد کا راج ہے، تب اس کی پاک و صاف عقل کو چوٹ لگی اور مہتا سے اس کو جو عقیدت تھی اسے ایک دھکا سا لگا، جیسے کوئی شاگرد اپنے استاد کو کوئی کمینی حرکت کرتے ہوئے دیکھ لے۔ اس نے دیکھا کہ مہتا کی تیز فہمی محبت کو حیوانیت کی طرف کھینچے لیے جاتی ہے اور اس کی فرشتہ صفتی کی جانب سے آنکھیں بند کیے لیتی ہے۔ یہ دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا۔

مہتا نے کچھ نادم ہو کر کہا ''آؤ کچھ دیر اور بیٹھیں۔''

مالتی بولی ''نہیں اب لوٹنا چاہیے۔ دیر ہو رہی ہے۔''

۳۱

رائے صاحب کا ستارا بلند تھا۔ ان کے تینوں منصوبے پورے ہو گئے تھے۔ لڑکی کی شادی دھوم دھام سے ہو گئی تھی، مقدمہ بھی جیت گئے تھے اور چناؤ میں بھی کامیاب ہی نہ ہوئے تھے بلکہ ہوم ممبر بھی ہو گئے تھے۔ چاروں طرف سے مبارک باد مل رہی تھی۔ وقار تو ان کا پہلے بھی کسی سے کم نہ تھا مگر اب تو اس کی جڑ اور بھی گہری اور مضبوط ہو گئی تھی۔ وقتی اخباروں میں ان کی تصویر اور سوانح عمری زوروں سے نکل رہی تھی۔ قرض بہت بڑھ گیا تھا مگر رائے صاحب کو اس کی اب پرواہ نہ تھی۔ وہ اس نئی جائداد کا ایک چھوٹا سا جزو فروخت کر کے قرض سے سبکدوش ہو سکتے تھے۔ راحت و آرام کا بلند سے بلند تصور جو انھوں نے کیا تھا، اب نینی تال، مسوری، اور شملہ تینوں مقاموں پر ایک ایک بنگلہ بنوانا ضروری ہو گیا۔ اب انھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ان مقامات میں جائیں تو کسی ہوٹل میں یا کسی دوسرے راجا کے بنگلے میں ٹھہریں۔ جب راجا پرتاپ سنگھ کے بنگلے ان سبھی مقاموں میں تھے تو رائے صاحب کے لیے یہ بڑی شرم کی بات تھی کہ ان کے بنگلے وہاں نہ ہوں۔ اتفاق سے بنگلے بنوانے کی زحمت نہ اٹھانی پڑی۔ بنے بنائے بنگلے سستے داموں میں مل گئے۔ ہر بنگلے کے لیے مالی، چوکیدار، کارندہ، خانساماں وغیرہ بھی رکھ لیے گئے تھے اور سب سے بڑی خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ اب کے ہزمجسٹی کی سالگرہ کے موقع پر انھیں راجا کا خطاب بھی مل گیا تھا۔ اب ان کی اعلیٰ خواہشیں تمام وکمال پوری ہو گئی تھیں۔ اس دن خوب جشن منایا گیا اور ایسی شاندار دعوت ہوئی کے سارے پچھلے رکارڈ ٹوٹ گئے۔ جس وقت ہزاکسلنسی گورنر صوبہ نے انھیں خطاب دیا تو غرور کے ساتھ راج بھگتی کی ایسی ترنگیں ان کے من میں اٹھیں کہ ان کا رواں رواں پھول اٹھا۔ یہ ہے زندگی! ورنہ باغیوں کے پھیر میں پڑ کر مفت کی بدنامی لی، جیل گئے اور افسروں کی نظروں سے گر گئے۔ جس سپرنٹنڈنٹ پولیس نے انھیں پچھلی مرتبہ گرفتار کیا تھا وہ اس وقت ان کے سامنے دست بستہ کھڑا تھا۔ شاید اپنی خطاؤں کی معافی مانگ رہا تھا۔

مگر زندگی کی اعلیٰ ترین فتح تو انھیں اس وقت ملی جب ان کے پرانے اور ہارے ہوئے

رقیب سورج پرتاپ سنگھ نے ان کے بڑے لڑکے رور پال سنگھ سے اپنی لڑکی کے بیاہ کا پیغام دیا ۔ رائے صاحب کو نہ مقدمہ جیتنے کی اتنی خوشی ہوئی تھی ، نہ ہوم ممبر ہونے کی ۔ وہ ساری باتیں خیال میں آتی تھیں ، مگر یہ بات تو خلاف امید ہی نہیں ، بلکہ خیال سے بھی باہر تھی ۔ وہی سورج پرتاپ سنگھ جو ابھی کئی ماہ قبل انھیں اپنے کتے سے بھی کمتر سمجھتا تھا وہ آج ان کے لڑکے سے اپنی لڑکی کا بیاہ کرنا چاہتا ہے ۔ کتنی ناممکن بات ! رور پال اس وقت ایم ، اے میں پڑھتا تھا ، نہایت بے خوف ، پکا معیار پرست ، اپنے اوپر بھروسہ رکھنے والا ، مغرور ، رنگین مزاج اور کاہل نوجوان تھا ، جسے اپنے باپ کی زبردستی اور جاہ طلبی بری معلوم ہوتی تھی ۔

رائے صاحب اس وقت نینی تال میں تھے ۔ یہ پیغام پاکر پھول اٹھے ۔ اگر چہ وہ شادی کے معاملہ میں لڑکے پر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالنا چاہتے تھے مگر انھیں یقین تھا کہ وہ جو کچھ طے کر لیں گے اس میں رور پال کو کوئی اعتراض نہ ہوگا اور راجا سورج پرتاپ سنگھ سے رشتہ ہو جانا ایک ایسی خوش قسمتی کی بات تھی کہ رور پال کا متفق نہ ہونا ان کے خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا ۔ انھوں نے فوراً راجا صاحب کو قول دے دیا اور اسی وقت رور پال کو فون کیا۔

رور پال نے جواب دیا " مجھے منظور نہیں ۔"

رائے صاحب کو اپنی زندگی میں نہ کبھی اتنی مایوسی ہوئی تھی اور نہ اتنا غصہ آیا تھا ۔ پوچھا " کوئی وجہ ؟"

" وقت آنے پر معلوم ہو جائے گا ۔"

" میں ابھی جاننا چاہتا ہوں ۔"

" میں نہیں بتانا چاہتا ۔"

" تمھیں میرا حکم ماننا پڑے گا ۔"

" جس بات کو میرا دل قبول نہیں کرتا اسے میں آپ کے حکم سے نہیں مان سکتا ۔"

رائے صاحب نے بڑی التجا سے سمجھایا " بیٹا تم معیار کے لیے اپنے پیروں میں کلہاڑی مار رہے ہو۔ اس رشتے سے سوسائٹی میں تمھارا درجہ کتنا اونچا ہو جائے گا ، کچھ تم نے سوچا ہے؟ اسے خدائی تحریک سمجھو ۔ اس خاندان کی اگر کوئی بیکس لڑکی بھی مجھے ملتی تو میں اپنے بھاگ کو سراہتا ، یہ تو راجا سورج پرتاپ کی لڑکی ہے جو ہمارے سرتاج ہیں ۔ میں اسے روز دیکھتا ہوں ۔تم نے بھی دیکھا ہوگا ۔ روپ ، گُن ، سُبھاؤ میں ایسی لڑکی میں نے آج تک نہیں

دیکھی ۔ میں تو چار دن کا اور مہمان ہوں تمھارے سامنے ساری زندگی پڑی ہے ۔ میں تم پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا ۔ تم جانتے ہو کہ شادی کے بارے میں میرے خیال کتنے وسیع ہیں ۔ لیکن میرا یہ بھی فرض ہے کہ اگر تمھیں غلطی کرتے دیکھوں تو آگاہ کردوں ۔''

روپال نے جواب دیا '' میں اس بارے میں بہت پہلے طے کر چکا ہوں اور اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ۔''

رائے صاحب کو لڑکے کی ہٹ اور نادانی پر غصہ آگیا ۔ گرج کر بولے ۔'' معلوم ہوتا ہے تمھارا سر پھر گیا ہے ۔ آکر مجھ سے ملو تو توقف نہ کرنا ۔ میں راجا صاحب کو قول دے چکا ہوں ۔''

رور پال نے جواب دیا '' افسوس کے ابھی مجھے فرصت نہیں ہے ۔''

دوسرے دن رائے صاحب خود آگئے ۔ دونوں اپنے اپنے ہتیاروں سے مسلح ہوکر تیار کھڑے تھے ۔ ایک طرف پوری زندگی کا حاصل کیا ہوا زبردست تجربہ تھا ، مصلحتوں سے بھرا ہوا ، اور دوسری طرف خام معیار پرستی تھی ، ضدی ، شریر اور بے مروت ! ۔

رائے صاحب نے سیدھا وار کیا '' میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون لڑکی ہے ؟''

رور پال نے استقلال سے کہا '' اگر آپ اتنے خواہش مند ہیں تو سنیے وہ مالتی دیوی کی بہن سروج ہے۔''

رائے صاحب جیسے چوٹ کھا کر گر پڑے '' اچھا وہ ! ،،

'' آپ نے سروج کو دیکھا ہوگا ؟''

'' خوب دیکھا ہے ۔ تم نے راج کماری کو دیکھا ہے یا نہیں ؟''

'' جی ہاں ، خوب دیکھا ہے ۔''

'' پھر بھی ... .''

'' میں صورت کو کوئی چیز نہیں سمجھتا ۔''

'' تمھاری سمجھ پر مجھے رنج ہوتا ہے ۔ مالتی کو جانتے ہو کیسی عورت ہے تو اس کی بہن کیا کچھ ہوگی ؟''

روپال نے تیوری چڑھا کر کہا '' میں اس بارے میں آپ سے اور کچھ نہیں کہنا چاہتا ، مگر میری شادی ہو گی تو سروج سے ۔''

"میرے جیتے جی کبھی نہیں ہو سکتی۔"

"تو آپ کے بعد ہوگی۔"

"اچھا تمھارے یہ ارادے ہیں!"

اور رائے صاحب کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں گویا ساری زندگی اجڑ گئی ہو۔ ہوم ممبری اور علاقہ اور خطاب، سب جیسے باسی پھولوں کی طرح بے کیف اور ناخوشگوار ہو گئے ہوں۔ زندگی کی ساری ریاضت اور عیش و آرام بے کار گئی۔ ان کی اہلیہ کا جب انتقال ہوا تھا تو ان کی عمر چھتیس سال سے زیادہ تھی۔ وہ شادی کر سکتے تھے اور عیش و آرام کا لطف بھی اٹھا سکتے تھے۔ سبھی ان سے شادی کے لیے اصرار کر رہے تھے مگر انھوں نے ان لڑکوں کا منھ دیکھا اور تجردانہ زندگی کی مشق و ریاضت قبول کر لی۔ ان ہی لڑکوں پر زندگی کے سارے عیش و آرام کو قربان کر دیا۔ آج تک اپنے دل کی ساری محبت ان ہی لڑکوں کو دیتے ہوئے چلے آئے، اور آج یہ لڑکا اتنی بے مروتی سے باتیں کر رہا ہے گویا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر وہ کیوں جائداد اور عزت اور اقتدار کے لیے جان دیں؟ ان ہی لڑکوں کے لیے تو وہ سب کچھ کر رہے تھے۔ جب لڑکوں کو ان کا ذرا بھی لحاظ نہیں تو وہ کیوں یہ تپسیا کریں؟ انھیں کون دنیا میں بہت دن رہنا ہے۔ انھیں بھی آرام سے پڑے رہنا آتا ہے۔ ان کے اور ہزاروں بھائی مونچھوں پر تاؤ دے کر زندگی کا لطف اٹھا رہے ہیں اور مست گھومتے ہیں، پھر وہ کیوں نہ وہی رویہ اختیار کرے؟ انھیں اس وقت یاد نہ رہا کہ وہ جو تپسیا کر رہے ہیں وہ لڑکوں کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے، اور صرف شہرت کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ کام کرنے کے عادی ہیں اور انھیں زندہ رہنے کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ وہ عیاش اور کاہل بن کر اپنے دل کو مطمئن نہیں رکھ سکتے۔ انھیں معلوم نہیں کہ لوگوں کی طبیعت ہی ایسی ہوتی ہے۔ وہ عیاشی اور کاہلی کو پسند نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے جگر کا خون پینے کے لیے بنے ہیں۔ جب تک زندہ ہیں پیتے ہی جائیں گے۔

مگر اس صدمے کا ردعمل بھی فوراً ہی ہوا۔ ہم جس کے لیے ایثار کرتے ہیں ان سے کسی صلے کی امید نہ رکھ کر بھی ان کے دل پر حکومت کرنا چاہتے ہیں، خواہ وہ حکومت انھیں کے فائدے کے لیے ہو۔ اگر چہ اس فائدے کو ہم اس قدر اپنا بنا لیتے ہیں کہ گویا وہ ہمارا ہی فائدہ بن جاتا ہے۔ ترک جتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، حکومت کا خیال بھی اتنا ہی زبردست ہوتا

ہے ۔ اور جب دفعتاً ہمیں احتجاج کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو ہم بھڑک اٹھتے ہیں اور ترک گویا انتقام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ رائے صاحب کو یہ ضد پڑ گئی کہ رور پال کی شادی سروج سے نہ ہونے پائے ، چاہے اس کے لیے انھیں پولیس سے مدد کیوں نہ لینی پڑے ۔ دھرم کی ہتیا کیوں نہ کرنی پڑے ۔

انھوں نے جیسے تلوار کھینچ کر کہا '' ہاں ، میری بعد ہی ہوگی، اور ابھی اسے بہت دن ہیں ۔''

رور پال نے جیسے گولی چلا دی '' ایشور کرے آپ امر ہوں! سروج سے میرا بیاہ ہو چکا۔''

'' جھوٹ ۔''

'' بالکل نہیں ۔ سند موجود ہے ۔''

رائے صاحب صدمے سے گر پڑے ۔ اتنی تیز انتقامانہ نظر سے انھوں نے کبھی کسی دشمن کو بھی نہ دیکھا تھا ۔ دشمن زیادہ سے زیادہ ان کے نفع پر چوٹ کر سکتا تھا یا ان کے جسم پر ، یا وقار پر ، مگر یہ چوٹ تو اس نازک جگہ پر تھی جہاں زندگی کی ساری رغبتوں کا اجتماع تھا ۔ ایک آندھی تھی جس نے ان کی زندگی کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دیا تھا ۔ اب وہ بالکل بے دست وپا ہیں ، پولیس کی ساری طاقت ہاتھ میں رکھتے ہوئے بھی بے دست وپا ہیں ! تشدد ان کا آخری ہتھیار تھا ۔ وہ ہتھیار ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا ۔ رور پال بالغ ہے ، سروج بھی بالغ ہے ، اور رور پال اپنی ریاست کا مالک ہے' ان کا اس پر کوئی دباؤ نہیں آہ ! اگر جانتا کہ یہ لونڈا ایسی مخالفت کرے گا تو اس ریاست کے لیے لڑتا ہی کیوں ؟ اس مقدمے بازی میں دو ڈھائی لاکھ بگڑ گئے ۔زندگی ہی تباہ ہو گئی ۔ اب تو ان کی لاج اس طرح بچے کہ اس لونڈے کی خوشامد کرتے رہیں ۔ وہ ذرا بھی خلل انداز ہوئے اور عزت خاک میں مل گئی ۔ وہ اپنی زندگی کو قربان کر کے بھی اب مالک نہیں ۔ آہ ساری زندگی برباد ہو گئی ، ساری زندگی !

رور پال چلا گیا ۔ رائے صاحب نے موٹر منگوایا اور مہتا صاحب سے ملنے چلے ۔ مہتا اگر چاہے تو مالتی کو سمجھا سکتے ہیں ۔ سروج بھی ان کی عدول حکمی نہ کرے گی ۔ اگر دس بیس ہزار روپے غم کھانے سے بھی یہ شادی رک جائے تو وہ اس کے لیے تیار تھے ۔ انھیں خود غرضی کے نشے میں بالکل یاد نہ رہا کہ وہ مہتا کے پاس ایسی تجویز لے کر جا رہے ہیں جس پر مہتا کی ہمدردی ان کے ساتھ نہ ہوگی ۔

مہتا نے کل ماجرا سن کر انھیں بنانا شروع کیا۔ سنجیدگی سے بولے'' یہ تو آپ کی عزت کا سوال ہے؟''

رائے صاحب بھانپ نہ سکے۔ اچھل کر بولے'' جی ہاں خالص عزت کا! راجا پرتاپ سنگھ کو تو آپ جانتے ہیں۔''

'' میں نے ان کی لڑکی کو بھی دیکھا ہے۔ سروج اس کی پاؤں کی دھول بھی نہیں ہے۔''

'' مگر اس لونڈے کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔''

'' تو ماریے گولی، آپ کو کیا کرنا ہے؟ وہی پچھتائے گا۔''

'' آہ! یہی تو نہیں دیکھا جاتا مہتا جی! ملتی ہوئی عزت نہیں چھوڑی جاتی۔ میں اس عزت پر اپنی ریاست قربان کرنے کو تیار ہوں۔ آپ مالتی دیوی کو سمجھادیں تو سب کام بن جائے۔ ادھر انکار ہو جائے تو رور پال سر پیٹ کر رہ جائے گا۔ اور یہ نشہ دس پانچ دن میں اپنے آپ ہی اتر جائے گا۔ پریم نہیں صرف سنک ہے۔''

'' لیکن مالتی بلا کچھ رشوت لیے مانے گی نہیں۔''

'' آپ جو کچھ کہیے، میں اسے دے دوں گا۔ وہ چاہے تو میں اسے یہاں کے ڈفرن اسپتال کا انچارج بنا دوں۔''

'' مان لیجیے کے وہ آپ ہی کو چاہے تو آپ راضی ہوں گے؟ جب سے آپ کو ہوم ممبری ملی ہے، آپ کے بارے میں اس کی رائے ضرور بدل گئی ہوگی۔''

رائے صاحب نے مہتا کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس پر مسکراہٹ سی نظر آئی۔ سمجھ گئے۔ غمگین لہجے میں بولے'' آپ کو مجھ سے مذاق کرنے کا یہی موقع ملا۔ میں آپ کے پاس اس لیے آیا تھا کہ مجھے یقین تھا کہ آپ میری حالت پر غور کریں گے اور مناسب رائے دیں گے۔ اور آپ مجھے بنانے لگے۔ جس کے دانت نہیں دکھے وہ دانتوں کا درد کیا جانے؟''

مہتا نے متانت سے کہا'' معاف کیجیے گا، آپ سوال ہی ایسا لے کر آئے ہیں کہ اس پر سنجیدگی سے غور کرنا میں مضحکہ انگیز سمجھتا ہوں۔ آپ اپنی شادی کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ لڑکے کی شادی کی ذمہ داری آپ کیوں اپنے اوپر لیتے ہیں، خصوصاً جب آپ کا لڑکا بالغ ہے اور اپنا نفع ونقصان سمجھتا ہے؟ کم سے کم میں تو شادی جیسے اہم معاملے میں عزت کی کوئی

گنجائش نہیں دیکھتا۔ عزت ، دولت سے ہوتی تو راجا صاحب اس ننگے بابا کے سامنے گھٹنوں غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے نہ کھڑے رہتے ۔ معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے مگر راجا صاحب اپنے علاقے کے سب انسپکٹر تک کو سلام کرتے ہیں ۔ اسے آپ عزت کہتے ہیں ؟ لکھنؤ میں آپ کسی دوکاندار ، کسی اہلکار ، کسی راہ گیر سے پوچھیے ، تو ان کا نام سن کر گالیاں دے گا ۔ اسی کو آپ عزت کہتے ہیں ، جاکر آرام سے بیٹھیے۔ سروج سے بہتر بہو آپ کو بہت مشکل سے ملے گی ۔''

رائے صاحب نے احتجاج کیا ۔'' بہن تو مالتی ہی کی ہے !''

مہتا نے گرم ہو کر کہا '' مالتی کی بہن ہونا کیا ذلت کی بات ہے ؟ مالتی کو آپ نے جانا نہیں نہ جاننے کی پروا کی ۔میں نے بھی یہی سمجھا تھا ، مگر اب معلوم ہوا وہ آگ میں پڑکر چمک اٹھنے والی سچی دھات ہے ۔ وہ ان جانبازوں میں سے ہے جو موقع پڑنے پر اپنا جوہر دکھاتے ہیں ،تلوار گھماتے نہیں چلتے ۔آپ کو معلوم ہے ، کھنا کی کیا حالت ہے ؟''

رائے صاحب نے ہمدردی سے سر ہلا کر کہا '' سن چکا ہوں ، اور بار بار خواہش ہوئی کہ ان سے ملوں مگر فرصت نہ ملی ۔ اس مِل میں آگ لگنا ان کی تباہی اور بربادی کا باعث ہو گیا ۔''

'' جی ہاں ، اب وہ ایک طرح سے دوستوں کی عنایتوں پر گزر بسر کر رہے ہیں ۔ اس پر گوبندی مہینوں سے بیمار ہے ۔ اس نے کھنا پر خود کو قربان کر دیا ، اس حیوان پر جس نے ہمیشہ اسے جلایا ۔ اب وہ مر رہی ہے اور مالتی رات کی رات اس کے سرہانے بیٹھی رہ جاتی ہے، وہی مالتی جو کسی راجا یا مہاراج سے پانچ سو روپے فیس پاکر بھی رات بھر نہ بیٹھے گی ۔ کھنا کے خورد سال بچوں کی پرورش کا بار بھی مالتی پر ہے ۔یہ مادریت اس میں کہاں سوئی ہوئی تھی ، معلوم نہیں ۔ مجھے تو مالتی کا یہ رویہ دیکھ کر اپنے دل میں عقیدت کا احساس ہونے لگا ، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میں زبردست دہریہ ہوں ۔ اور باطنی صفائی کے ساتھ اس کے چہرے پر بھی فوق البشریت کی چمک آنے لگی ہے ۔ انسانیت اتنے زیادہ رنگوں والی اور اتنی زیادہ طاقتور ہے ، اس کا مجھے کھلا تجربہ ہو رہا ہے ۔آپ ان سے ملنا چاہیں تو چلیے ۔ اس بہانے میں بھی چلا چلوں گا ۔''

رائے صاحب نے شبہہ سے کہا '' جب آپ ہی میرے درد کو نہیں سمجھ سکے تو مالتی دیوی

کیا سمجھیں گی ؟ مفت میں شرمندگی ہوگی ۔ مگر آپ کو ان کے پاس جانے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت کیوں ؟ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ نے ان پر اپنا جادو ڈال دیا ہے ۔''

مہتا نے حسرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا '' وہ باتیں اب خواب و خیال ہو گئیں ۔ اب تو کبھی ان کے درشن بھی نہیں ہوتے ۔ انھیں اب فرصت بھی نہیں رہتی ۔ دوچار بار گیا مگر مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے مل کر وہ بہت خوش نہیں ہوئیں ۔ تب سے جاتے ہوئے شرم آتی ہے ۔ ہاں خوب یاد آیا ، آج نسوانی ورزش گاہ کا جلسہ ہے ، آپ چلیں گے ؟''

رائے صاحب نے بے دلی کے ساتھ کہا '' جی نہیں ، مجھے فرصت نہیں ہے ۔ مجھے تو فکر سوار ہے کہ راجا صاحب کو کیا جواب دوں گا۔ میں انھیں قول دے چکا ہوں ۔''

یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف چلے ۔ جس گتھی کو سلجھانے آئے تھے وہ اور بھی الجھ گئی ، تاریکی اور بھی زیادہ تاریک ہوگئی ۔ مہتا نے انھیں موٹر تک آکر رخصت کیا ۔

رائے صاحب سیدھے اپنے بنگلے تک آئے اور روز نامہ اٹھایا ہی تھا کہ ٹنخا کا ملاقاتی کارڈ ملا ۔ ٹنخا سے انھیں نفرت تھی اور ان کا منھ بھی نہ دیکھنا چاہتے تھے ، لیکن اس وقت دل کی کمزور حالت میں انھیں کسی ہمدرد کی تلاش تھی جو اور کچھ نہ کر سکے مگر ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار تو کر سکے ، فوراً بلا لیا ۔

ٹنخا دبے پیروں رونی صورت بنائے کمرے میں داخل ہوئے اور زمین تک جھک کر سلام کرتے ہوئے بولے '' میں تو حضور کے درشن کرنے نینی تال جارہا تھا ۔ خوش قسمتی سے یہیں درشن ہو گئے ۔ حضور کا مزاج تو اچھا ہے ؟''

اس کے بعد انھوں نے بڑی لچھے دار زبان میں اور اپنے پچھلے سلوک کو بالکل بھول کر رائے صاحب کی تعریف کرنی شروع کی '' ایسی ہوم ممبری کوئی کیا کرے گا ؟ جدھر دیکھو حضور ہی کا چرچا ہے ۔ یہ عہدہ حضور کی شان کے شایاں ہے ۔''

رائے صاحب دل میں سوچ رہے تھے کہ یہ شخص بھی کتنا بڑا مکار ہے ، اپنی غرض پڑنے پر گدھے کو دادا کہنے والا ، پرلے سرے کا بے وفا اور بے شرم ۔ مگر انھیں اس پر غصہ نہ آیا ۔ رحم آگیا ۔ پوچھا '' آج کل آپ کیا کر رہے ہیں ؟''

'' کچھ نہیں حضور ، بے کار بیٹھا ہوں ۔ اسی امید سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے

گنجائش نہیں دیکھتا۔ عزت، دولت سے ہوتی تو راجا صاحب اس ننگے بابا کے سامنے گھٹنوں غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے نہ کھڑے رہتے۔ معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے مگر راجا صاحب اپنے علاقے کے سب انسپکٹر تک کو سلام کرتے ہیں۔ اسے آپ عزت کہتے ہیں؟ لکھنؤ میں آپ کسی دوکاندار، کسی اہلکار، کسی راہ گیر سے پوچھیے، تو ان کا نام سن کر گالیاں دے گا۔ اسی کو آپ عزت کہتے ہیں، جاکر آرام سے بیٹھیے۔ سروج سے بہتر بہو آپ کو بہت مشکل سے ملے گی۔''

رائے صاحب نے احتجاج کیا۔'' بہن تو مالتی ہی کی ہے!''

مہتا نے گرم ہو کر کہا'' مالتی کی بہن ہونا کیا ذلت کی بات ہے؟ مالتی کو آپ نے جانا نہیں نہ جاننے کی پروا کی۔ میں نے بھی یہی سمجھا تھا، مگر اب معلوم ہوا وہ آگ میں پڑکر چمک اٹھنے والی سچی دھات ہے۔ وہ ان جانبازوں میں سے ہے جو موقع پڑنے پر اپنا جوہر دکھاتے ہیں، تلوار گھماتے نہیں چلتے۔ آپ کو معلوم ہے، کھنا کی کیا حالت ہے؟''

رائے صاحب نے ہمدردی سے سر ہلا کر کہا'' سن چکا ہوں، اور بار بار خواہش ہوئی کہ ان سے ملوں مگر فرصت نہ ملی۔ اس مِل میں آگ لگنا ان کی تباہی اور بربادی کا باعث ہو گیا۔''

'' جی ہاں، اب وہ ایک طرح سے دوستوں کی عنایتوں پر گزر بسر کر رہے ہیں۔ اس پر گوبندی مہینوں سے بیمار ہے۔ اس نے کھنا پر خود کو قربان کر دیا، اس حیوان پر جس نے ہمیشہ اسے جلایا۔ اب وہ مر رہی ہے اور مالتی رات کی رات اس کے سرہانے بیٹھی رہ جاتی ہے، وہی مالتی جو کسی راجا یا مہاراج سے پانچ سو روپے فیس پاکر بھی رات بھر نہ بیٹھے گی۔ کھنا کے خورد سال بچوں کی پرورش کا بار بھی مالتی پر ہے۔ یہ مادریت اس میں کہاں سوئی ہوئی تھی، معلوم نہیں۔ مجھے تو مالتی کا یہ رویہ دیکھ کر اپنے دل میں عقیدت کا احساس ہونے لگا، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میں زبردست دہریہ ہوں۔ اور باطنی صفائی کے ساتھ اس کے چہرے پر بھی فوق البشریت کی چمک آنے لگی ہے۔ انسانیت اتنے زیادہ رنگوں والی اور اتنی زیادہ طاقتور ہے، اس کا مجھے کھلا تجربہ ہو رہا ہے۔ آپ ان سے ملنا چاہیں تو چلیے۔ اس بہانے میں بھی چلا چلوں گا۔''

رائے صاحب نے شبہہ سے کہا'' جب آپ ہی میرے درد کو نہیں سمجھ سکے تو مالتی دیوی

کیا سمجھیں گی ؟ مفت میں شرمندگی ہوگی ۔ مگر آپ کو ان کے پاس جانے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت کیوں ؟ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ نے ان پر اپنا جادو ڈال دیا ہے ۔"

مہتا نے حسرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا " وہ باتیں اب خواب و خیال ہو گئیں ۔ اب تو کبھی ان کے درشن بھی نہیں ہوتے ۔ انھیں اب فرصت بھی نہیں رہتی ۔ دوچار بار گیا مگر مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے مل کر وہ بہت خوش نہیں ہوئیں ۔ تب سے جاتے ہوئے شرم آتی ہے ۔ ہاں خوب یاد آیا ، آج نسوانی ورزش گاہ کا جلسہ ہے ، آپ چلیں گے ؟"

رائے صاحب نے بے دلی کے ساتھ کہا " جی نہیں ، مجھے فرصت نہیں ہے ۔ مجھے تو فکر سوار ہے کہ راجا صاحب کو کیا جواب دوں گا۔ میں انھیں قول دے چکا ہوں ۔"

یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف چلے ۔ جس گتھی کو سلجھانے آئے تھے وہ اور بھی الجھ گئی ، تاریکی اور بھی زیادہ تاریک ہوگئی ۔ مہتا نے انھیں موٹر تک آکر رخصت کیا ۔

رائے صاحب سیدھے اپنے بنگلے تک آئے اور روز نامہ اٹھایا ہی تھا کہ ٹنخا کا ملاقاتی کارڈ ملا ۔ ٹنخا سے انھیں نفرت تھی اور ان کا منھ بھی نہ دیکھنا چاہتے تھے ، لیکن اس وقت دل کی کمزور حالت میں انھیں کسی ہمدرد کی تلاش تھی جو اور کچھ نہ کر سکے مگر ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار تو کر سکے ، فوراً بلا لیا ۔

ٹنخا دبے پیروں رونی صورت بنائے کمرے میں داخل ہوئے اور زمین تک جھک کر سلام کرتے ہوئے بولے " میں تو حضور کے درشن کرنے نینی تال جا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے یہیں درشن ہو گئے۔ حضور کا مزاج تو اچھا ہے ؟"

اس کے بعد انھوں نے بڑی لچھے دار زبان میں اور اپنے پچھلے سلوک کو بالکل بھول کر رائے صاحب کی تعریف کرنی شروع کی " ایسی ہوم ممبری کوئی کیا کرے گا ؟ جدھر دیکھو حضور ہی کا چرچا ہے ۔ یہ عہدہ حضور کی شان کے شایاں ہے ۔"

رائے صاحب دل میں سوچ رہے تھے کہ یہ شخص بھی کتنا بڑا مکار ہے ، اپنی غرض پڑنے پر گدھے کو دادا کہنے والا ، پرلے سرے کا بے وفا اور بے شرم ۔ مگر انھیں اس پر غصہ نہ آیا۔ رحم آ گیا ۔ پوچھا " آج کل آپ کیا کر رہے ہیں ؟"

" کچھ نہیں حضور ، بے کار بیٹھا ہوں ۔ اسی امید سے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے

جارہا تھا کہ اپنے خادموں پر عنایت کی نظر رہے ۔ آج کل بڑی مصیبت میں پڑا ہوا ہوں ۔ راجا پرتاپ سنگھ کو تو حضور جانتے ہیں کہ وہ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں سمجھتے ۔ ایک روز آپ کی ہجو کرنے لگے ۔ مجھ سے نہ سنا گیا ۔ میں نے کہا '' بس کیجیے مہاراج، رائے صاحب میرے مالک ہیں ، اور میں ان کی برائی نہیں سن سکتا ۔'' بس اسی بات پر بگڑ گئے۔ میں نے بھی سلام کیا اور گھر چلا آیا ۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ آپ چاہے جتنی شان وشوکت دکھلائیں مگر رائے صاحب کی جو عزت ہے وہ آپ کو کبھی نصیب نہیں ہوسکتی ۔ عزت لیاقت سے ہوتی ہے اور آپ میں جو لیاقت ہے وہ دنیا جانتی ہے ۔''

رائے صاحب نے کچھ بن کر کہا '' آپ نے تو سیدھے گھر میں آگ لگادی ۔''

ٹنخا نے اکڑ کر کہا '' میں تو حضور صاف کہتا ہوں خواہ کسی کو اچھا لگے یا برا ۔ جب حضور کے قدموں کو پکڑے ہوئے ہوں تو کسی سے کیوں ڈروں ؟ حضور کے تو نام سے جلتے ہیں ۔ جب دیکھو حضور کی بد گوئی ۔ جب سے آپ ہوم ممبر ہوئے ہیں ، ان کے سینے پر سانپ لوٹ رہا ہے ۔ میری ساری کی ساری اجرت راجا صاحب ہضم کر گئے ۔ دینا تو جانتے ہی نہیں حضور ۔ اسامیوں پر اتنا ظلم کرتے ہیں کہ کچھ نہ پوچھیے ۔ کسی کی آبرو سلامت نہیں ۔ دن دھاڑے عورتوں کو .. .. ..''

موٹر کی آواز آئی اور راجا سورج پرتاپ سنگھ اترے ۔ رائے صاحب نے کمرے سے نکل کر ان کا خیر مقدم کیا اور اس عزت افزائی کے بارے میں جھکتے ہوئے بولے '' میں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے ہی والا تھا ۔''

یہ پہلا موقع تھا کہ راجا سورج پرتاپ سنگھ نے اس مکان میں قدم رنجہ فرمایا تھا ۔ یہ خوش قسمتی !

ٹنخا بھیگی بلی بنے ہوئے بیٹھے تھے ۔ راجا صاحب یہاں ! کیا ادھر ان دو اصحاب میں دوستانہ ہو گیا ہے ؟ انھوں نے رائے صاحب کی آتش حسد کو مشتعل کرکے اپنے ہاتھ سینکنے چاہے تھے ۔ مگر نہیں ، راجا صاحب یہاں چاہے ملنے کے لیے آگئے ہوں مگر دلوں میں جو آگ ہے وہ تو کمھار کے بھٹے کی طرح صرف اوپر کی لیپا پوتی سے بجھنے والی نہیں ۔

راجا صاحب نے سگار جلاتے ہوئے ٹنخا کی طرف بے رحمانہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا '' تم نے تو صورت ہی نہیں دکھائی مسٹر ٹنخا ۔ مجھ سے اس دعوت کے کل روپے وصول کر لیے اور

ہوٹل والوں کو ایک پائی نہ دی ۔ اب وہ میرا سر کھا رہے ہیں ۔ اسے دغا سمجھتا ہوں ۔ چاہوں تو ابھی تمھیں پولیس کے حوالے کردوں ۔''

یہ کہتے ہوئے انھوں نے رائے صاحب کو مخاطب کر کے کہا '' ایسا بے ایمان آدمی میں نے نہیں دیکھا ، رائے صاحب میں سچ کہتا ہوں کہ میں کبھی آپ کے مقابلے میں نہ کھڑا ہوتا مگر مجھے اسی شیطان نے بہکایا اور میرے ایک لاکھ روپے برباد کرا دیے بنگلہ خرید لیا ، موٹر رکھ لیا ، ایک بیسوا سے آسنائی بھی کر رکھی ہے ۔ پورے رئیس بنے ہوئے ہیں اور اب دغا بازی شروع کی ہے ۔ رئیسوں کی شان نبھانے کے لیے ریاست چاہیے اور آپ کی ریاست اپنے احباب کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے ۔''

رائے صاحب ٹنخا کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے بولے '' آپ چپ کیوں ہیں ، مسٹر ٹنخا ؟ جواب دیجیے ۔ راجا صاحب نے تو آپ کا سارا مختنانہ ہضم کر لیا تھا ۔ اس کا کوئی جواب آپ کے پاس ؟ آپ براہ کرم یہاں سے چلے جائیے اور خبر دار ، پھر اپنی صورت نہ دیکھائیے گا ۔ ۔ دو بھلے مانسوں کو لڑا کر اپنا الو سیدھا کرنا بے پونجی کا روز گار ہے مگر اس کے نفع یا نقصان دونوں ہی جان جوکھم ہیں ، یہ سمجھ لیجیے ۔''

ٹنخا نے ایسا سر جھکایا کہ پھر نہ اٹھا سکے ۔ چپکے سے چلے گئے ، جیسے کوئی چور کتا مالک کے اندر آجانے پر دبک کر نکل جائے ۔

جب وہ چلے گئے تو راجا صاحب نے پوچھا '' میری برائی کرتا ہوگا ؟''

'' جی ہاں ، مگر میں نے بھی خوب بنایا ۔''

'' شیطان ہے ۔''

'' پورا ''

'' باپ بیٹے کو لڑا دے ، میاں بیوی کو لڑا دے ، اس فَن میں استاد ہے ۔ خیر ، آج حضرت کو اچھا سبق مل گیا ۔''

اس کے بعد رور پال کے بیاہ کی بات چیت شروع ہوئی ۔ رائے صاحب کی جان سوکھی جا رہی تھی ۔ گویا ان پر کوئی نشانہ لگانے جارہا ہو۔ کہاں چھپ جائیں ؟ کیسے کہیں کہ رور پال پر ان کا کوئی قابو نہیں رہا ؟ مگر راجا صاحب کو حالات معلوم ہو چکے تھے ۔ رائے صاحب کو خود کچھ نہ کہنا پڑا ۔ جان بچ گئی ۔

انھوں نے پوچھا " آپ کو اس کی خبر کیوں کر ہوئی ؟"

" ابھی ابھی رور پال نے لڑکی کے نام ایک خط بھیجا ہے جو اس نے مجھے دے دیا۔"

" آج کل کے لڑکوں میں اور تو کوئی خوبی نظر نہیں آتی ، بس آزادی کی سنک سوار ہے ۔"

" سنک تو ہے ہی ، مگر اس کی دوا میرے پاس ہے ۔ میں اس چھوکری کو ایسا غائب کر دوں گا کہ کہیں پتہ نہ لگے گا ۔ دس پانچ روز میں یہ سنک ٹھنڈی ہو جائے گی ۔ سمجھانے سے کوئی فائدہ نہیں ۔"

رائے صاحب کانپ اٹھے ۔ ان کے دل میں بھی اس طرح کی بات آئی تھی مگر انھوں نے اسے کوئی صورت نہ پکڑنے دی تھی ۔ سنسکار (سرشت) دونوں صاحبوں کے ایک سے تھے ۔ گھپاؤں میں رہنے والی شخصیت دونوں ہی اصحاب میں زندہ تھی ۔ رائے صاحب نے اسے بیرونی لباس سے ڈھانک دیا تھا ، راجا صاحب میں وہ عریاں تھی ۔ اپنی عظمت دکھانے کے اس موقع کو رائے صاحب نہ چھوڑ سکے ، لجاتے ہوئے بولے " مگر یہ بیسویں صدی ہے بارہویں نہیں ۔

رور پال کے اوپر اس کا کیا اثر ہوگا ، میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر انسانیت کے نقطۂ خیال سے .. .."

راجا صاحب نے بات کاٹ کر کہا " آپ انسانیت لیے پھرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں آج بھی انسانیت کی حیوانیت ہی اس کی انسانیت پر فتح پا رہی ہے ، ورنہ سلطنتوں میں لڑائیاں کیوں ہوتیں ؟ پنچایتوں سے جھگڑے طے نہ ہوجاتے ۔ جب تک انسان رہے گا اس کی حیوانیت بھی رہے گی ۔ "

چھوٹی موٹی بحث چھڑ گئی جو بالآخر بات کا بتنگڑ بن گئی اور راجا صاحب ناراض ہو کر چلے گئے ۔ دوسرے دن رائے صاحب بھی نینی تال روانہ ہو گئے اور اس کے ایک روز بعد رو رپال نے سروج کو ساتھ لے کر انگلستان کی راہ لی ۔ اب ان میں باپ بیٹے کا رشتہ نہ تھا ۔ ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے تھے ۔ تنخا صاحب اب رور پال کے مشیر و پیروکار تھے ۔ انھوں نے رور پال کی طرف سے رائے صاحب پر حساب فہمی کا دعویٰ کیا ۔ رائے صاحب پر دس لاکھ کی ڈگری ہو گئی ۔ انھیں ڈگری ہو جانے کا اتنا ملال نہ ہوا تھا جتنا اپنی بے عزتی کا۔ بے عزتی سے بھی زیادہ افسوس تھا زندگی کی مجتمع خواہشات کے خاک میں مل جانے کا، اور سب

سے بڑا رنج تھا اس بات کا کہ اپنے ہی بیٹے نے دغا کی ۔ فرماں بردار بیٹے کے باپ بننے کا فخر ان کے ہاتھ سے بڑی بے دردی کے ساتھ چھین لیا گیا تھا ۔

مگر ابھی شاید ان کے غم کا پیمانہ لبریز نہ ہوا تھا ۔ جو کچھ کسر تھی وہ لڑکی اور داماد کے قطع تعلق نے پوری کر دی ۔ عام ہندو لڑکیوں کی طرح مینا کشی بھی بے زبان تھی ۔ باپ نے جس کے ساتھ بیاہ کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ چلی گئی ۔ لیکن زن وشوہر میں محبت نہ تھی۔ دِگ بجے سنگھ عیاش بھی تھے اور شرابی بھی ۔ میناکشی اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھی ۔ اور کتابوں اور رسالوں سے دل بہلایا کرتی تھی ۔ دگ بجے سنگھ کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ تھی ، پڑھا لکھا بھی تھا ، مگر بڑا مغرور اور اپنے خاندانی وقار کے ڈینگ مارنے والا اور بے رحم وبخیل ۔ گاؤں کی کم ذات والی بہو بیٹیوں پر ڈورے ڈالا کرتا تھا ۔ صحبت بھی کمینوں کی تھی ۔ جن کی خوشامد نے اسے اور بھی خوشامد پسند بنا دیا تھا ۔ میناکشی ایسے شخص کی عزت دل سے نہ کر سکتی تھی ۔ پھر اخباروں میں عورتوں کے حقوق کا تذکرہ پڑھ پڑھ کر اس کی آنکھیں بھی کھلنے لگی تھیں ۔ اور وہ زنانہ کلب میں آنے جانے لگی تھی ۔ جہاں کتنی ہی تعلیم یافتہ اور خاندانی عورتیں آتی رہتی تھیں۔ ان میں ووٹ اور حقوق اور آزادی اور نسوانی بیداری کا خوب چرچا ہوتا تھا ، جیسے مردوں کے خلاف کوئی سازش کی جارہی ہو ۔ زیادہ تر وہی عورتیں تھیں جن کی اپنے شوہروں سے بنتی نہ تھی اور جو تعلیم یافتہ ہونے کے سبب قدیم رواجی بندشوں کو توڑ ڈالنا چاہتی تھیں ۔ کئی ایسی لڑکیاں بھی تھیں ۔ جو ڈگریاں لے چکی تھیں اور ازواجی زندگی کو خوداری کے لیے مہلک سمجھ کر ملازمت کی تلاش میں تھیں ۔ ان ہی میں ایک سلطانہ تھیں جو ولایت سے بیرسٹر ہوکر آئی تھیں اور یہاں پردہ نشین عورتوں کو قانونی مشورہ دینے کا پیشہ کرتی تھیں ۔ ان ہی کی رائے سے مینا کشی نے شوہر پر نان نفقے کا دعویٰ کیا ۔ وہ اب اس کے گھر میں نہ رہنا چاہتی تھی ۔گزارے کی اسے ضرورت نہ تھی اور وہ میکے میں بڑے آرام سے رہ سکتی تھی، مگر وہ دِگ وجے سنگھ کے چہرے پر کالکھ لگا کر یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ دگ بجے سنگھ نے اس پر الٹا بدچلنی کا الزام لگایا ۔ رائے صاحب نے اس لڑائی کو رفع کرنے کی حتی الا مکان کوشش کی مگر مینا کشی اب شوہر کی صورت سے بیزار تھی ۔ اگر چہ دگ بجے کا دعویٰ خارج ہو گیا تھا ۔ اور میناکشی نے ان پر گزارے کی ڈگری پائی مگر وہ بے عزتی اس کے دل میں کانٹا بن کر کھٹکتی رہی۔ وہ علیحدہ ایک کوٹھی میں رہتی تھی اور سوشلٹ تحریک میں نمایاں حصہ لیتی تھی ، پھر بھی وہ

جلن ٹھنڈی نہ ہوئی تھی ۔

ایک روز وہ غصے میں آ کر ہنٹر لیے ہوئے دگ بجے سنگھ کے بنگلے میں پہنچی ۔ شہدے جمع تھے اور رقاصہ ناچ رہی تھی ۔ اس نے جنگ کی دیوی کی طرح شیطانوں کے اس مجمع میں پہنچ کر تہلکا مچا دیا ۔ ہنٹر کھا کر لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے ۔ اس کے رعب کے سامنے وہ کمینے کیا ٹھہرتے ؟ جب دگ وجے سنگھ تنہا رہ گئے تو اس نے ان پر تڑاق تڑاق ہنٹر جمانے شروع کیے اور اتنا مارا کہ کنور صاحب بے دم ہو گئے ۔ رنڈی ابھی تک گوشے میں دبکی ہوئی کھڑی تھی ۔ اب اس کا نمبر آیا ۔ میناکشی ہنٹر تان کر اس پر جمانا ہی چاہتی تھی کہ وہ اس کے پیروں میں گر پڑی اور رو کر بولی '' بہو جی ،آج میری جان بخشی کریں ، میں پھر کبھی یہاں نہ آؤں گی ۔ میں بے قصور ہوں ۔''

میناکشی نے اس کی طرف نفرت سے دیکھ کر کہا '' ہاں تو بے قصور ہے ۔ جانتی ہے نا کہ میں کون ہوں ؟ چلی جا ، اب یہاں کبھی نہ آنا ہم عورتوں مردوں کی تفریح تعیش کا سامان ہی تو ہیں ، تیرا کوئی قصور نہیں ۔''

بیسوا نے اس کے پیروں پر سر رکھ کر جوش میں کہا '' خدا آپ کو خوش رکھے ، جیسا نام سنتی تھی ویسا ہی پایا ۔''

'' خوش رکھنے سے تمھارا کیا مطلب ہے ؟''

'' آپ جو سمجھے مہارانی جی ۔''

'' نہیں ، تم ہی بتاؤ ۔''

بیسوا کی جان ناخنوں میں آ گئی ، کہاں سے دعا بھی دینے چلی ! جان بچ گئی تھی ، چپکے سے اپنی راہ لینا چاہتی تھی ۔ دعا دینے کا خبط سوار ہوا ۔ اب جان کیسے بچے ؟ ڈرتے ڈرتے بولے '' سرکار کا اقبال بڑھے ، رتبہ بڑھے ، نام بڑھے ۔''

میناکشی مسکرائی '' ہاں ٹھیک ہے ۔''

وہ آ کر اپنی موٹر میں بیٹھی ، حاکم ضلع کے بنگلے پر پہنچ کر اس واقعہ کی اطلاع دی اور پھر اپنی کوٹھی کو چلی گئی ۔ اس وقت سے عورت مرد ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ۔ دگ بجے سنگھ ریوالور لیے اس کی تاک میں پھرا کرتے تھے اور وہ بھی اپنی حفاظت کے لیے دو پہلوان ٹھاکروں کو اپنے ساتھ لیے رہتی تھی ۔ اور رائے صاحب نے سکھوں کا جو سورگ بنایا

تھا اسے اپنی ہی زندگی میں غارت ہوتے دیکھ رہے تھے ۔ اب دنیا سے مایوس ہوکر ان کی روح اند رکی طرف متوجہ ہور ہی تھی ۔ اب تک خواہشات سے جیتے رہنے کی تحریک ملتی رہتی تھی ، اب ادھر کا راستہ بند ہو جانے پر ان کا دل خود بخود عبادت کی طرف جھکا ۔ جس میں خواہشات سے کہیں زیادہ سچائی تھی ۔ جس نئی جائداد کے بھروسے قرض لیا تھا وہ جائداد ادائی کے بغیر ہی ہاتھ سے نکل گئی تھی اور وہ بوجھ سر پر لدا ہوا تھا ۔ ہوم ممبری سے اچھی رقم ملتی تھی ۔مگر وہ سب کی سب عہدے کا وقار قائم رکھنے ہی میں صرف ہو جاتی تھی ۔ اور رائے صاحب کو اپنی شاہانہ شان وشوکت نباہنے کے لیے وہی اسامیوں پر اضافہ اور بے دخلی ؔ ۔نا اور ان سے نذرانہ لینا پڑتا تھا جس سے انھیں دلی نفرت تھی ۔ وہ رعایا کو تکلیف نہ دینا چاہتے تھے ۔ ان کی حالت پر انھیں رحم آتا تھا ، مگر اپنی ضروریات سے مجبور تھے مگر موہ انھیں چھوڑتا نہ تھا اور اس کشمکش میں بھی انھیں سکون نہ ملتا تھا ۔ وہ موہ کو چھوڑنا چاہتے تھے مگر موہ انھیں چھوڑتا نہ تھا اور اس کشمکش میں پڑ کر انھیں ذلت ، افسوس اور اضطراب سے چھٹکارا نہ ملتا تھا ۔ اور جب دل میں سکون نہیں تو جسم کیسے ٹھیک رہتا ؟ صحت قائم رکھنے کی پوری تدبیر کرنے پر بھی ایک نہ ایک روگ لگا رہتا تھا۔ رسوئی میں سبھی طرح کے لذیذ کھانے پکتے تھے مگر ان کی تقدیر میں تو وہی مونگ کی دال اور پھلکے تھے ۔ اپنے اور بھائیوں کو دیکھتے تھے جو ان سے بھی زیادہ مقروض، پست اور مغموم تھے ، جن کی عیش وعشرت وشان وشوکت میں کوئی کمی نہ تھی ، مگر ایسی بے حیائی کرنا ان کے امکان سے بعید تھا ۔ ان کی روح کے اونچے سنسکاروں کی بربادی نہ ہوئی تھی۔ ظلم، مکاری ، بے عزتی اور تکلیف رسانی کو وہ تعلقہ داری کی زینت اور شان وشوکت کا نام دے کر اپنے دل کو مطمئن نہ کرسکتے تھے، یہی ان کی سب سے بڑی شکست تھی۔

۳۴

مرزا خورشید نے اسپتال سے نکل ایک نیا کام شروع کر دیا تھا بے فکری سے بیٹھے رہنا ان کے مزاج میں داخل نہ تھا۔ یہ کام کیا تھا۔؟ شہری بیسواؤں کی ایک ناٹک منڈلی منانا۔ فارغ البالی کے زمانے میں انھوں نے خوب عیاشی کی تھی اور ان دنوں اسپتال کے تخلیے میں زخموں کی تکلیف سہتے سہتے ان کا دل بھگتی سے بھر گیا تھا۔ اس زندگی کی یاد کر کے انھیں بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ اس وقت اگر ان میں سمجھ ہوتی تو وہ لوگوں کی کتنی بھلائی کر سکتے تھے، کتنوں کے رنج وافلاس کا بوجھ ہلکا کر سکتے تھے، مگر وہ دولت انھوں نے عیاشی میں اڑائی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ مصیبت ہی میں ہماری روح پیدا ہوتی ہے بڑھاپے میں کون اپنی جوانی کی غلطیوں پر افسوس نہیں کرتا؟ کاش وہ وقت عقل اور طاقت کے حاصل کرنے میں لگایا جاتا، نیک اعمالی کا خزانہ بھر لیا جاتا، تو آج دل کو کتنی تسکین ملتی! وہیں ان کو اس امر کا افسوسناک تجربہ ہوا کہ دنیا میں کوئی اپنا نہیں، کوئی ان کی موت پر دو آنسوں بہانے والا نہیں۔ انھیں رہ رہ کر زندگی کا ایک پرانہ واقعہ یاد آتا تھا۔ بصرہ کے ایک گاؤں میں جب وہ ایک کیمپ میں ملیریا سے بیمار پڑے تھے اس وقت ایک دیہاتی لڑکی نے ان کی تیمارداری کتنی جانفشانی سے کی تھی۔ صحت ہوجانے پر جب انھوں نے اسے روپے اور زیوروں سے اس کے احسانوں کا بدلہ چکانا چاہا تو اس نے کس طرح آنکھوں میں آنسوں بھر کر سر نیچا کر لیا تھا اور ان تحائف کو لینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان دائیوں کی خدمت میں ضبط ہے، قاعدہ ہے، سچائی ہے، مگر وہ محبت کہاں، وہ انہاک کہاں، جو اس لڑکی کی بے مشق اور طفلانہ خدمت میں تھا؟ وہ محبت کی مورت ان کے دل سے کب کی مٹ چکی تھی۔ وہ اس سے پھر آنے کا وعدہ کر کے پھر اس کے پاس نہ گئے۔ عیش وعشرت کی مصروفیتوں میں اس کی یاد ہی نہیں آئی۔ آئی بھی تو اس میں صرف رحم تھا، محبت نہ تھی۔ معلوم نہیں اس لڑکی پر کیا گزری، مگر آج اس کا وہ انکسار، سکون اور سادگی سے بھرا ہوا چہرا برابر ان کی آنکھوں کے سامنے پھرا کرتا تھا۔ کاش اس سے شادی کر لی ہوتی تو آج زندگی کتنی پر کیف ہوتی۔ اور اس کے متعلق اس منصفانہ سلوک کی دکھ

بھری یاد نے کل نسوانی طبقے کو ان کی خدمت اور ہمدردی کا مستحق بنا دیا تھا۔ جب تک ندی بڑھاؤ پر تھی، گدلے، تیز اور جھاگ دار بہاؤ میں روشنی کی شعائیں بکھر کر رہ جاتی تھیں۔ اب پانی برابر اور برقرار ہو گیا تھا اور کرنیں اس کی تہہ تک پہنچ رہی تھیں۔

مرزا صاحب بسنت کی اس ٹھنڈی شام میں اپنے جھونپڑے کے برآمدے میں دو طوائفوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے بات چیت کر رہے تھے کہ مسٹر مہتا آپہنچے۔ مرزا نے بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا اور بولے "میں تو آپ کی خاطر داری کا سامان لیے ہوئے آپ کی راہ دیکھ رہا ہوں۔"

دونوں بیسوائیں مسکرائیں۔ مہتا کٹ گئے۔

مرزا نے دونوں کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا اور مہتا کو مسند پر بیٹھاتے ہوئے بولے "میں تو خود آپ کے پاس آنے والا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میں جو کام کرنے جا رہا ہوں وہ آپ کی مدد کے بغیر پورا نہ ہوگا۔ آپ بس میری پشت پر ہاتھ رکھے رہیے اور للکارتے جائیے، ہاں مرزا، بڑھا چل پٹھے!"

مہتا نے ہنس کر کہا "آپ جس کام میں ہاتھ لگائیں گے اس میں ہم جیسے کتابی کیڑوں کی امداد کی ضرورت نہ ہوگی۔ آپ کی عمر مجھ سے زیادہ ہے، دنیا بھی آپ نے خوب دیکھی ہے اور چھوٹے سے چھوٹے آدمیوں پر اپنا اثر ڈالنے کی جو طاقت آپ میں ہے وہ مجھ میں ہوتی تو میں نے خدا جانے کیا کچھ کر دیا ہوتا۔"

مرزا صاحب نے مختصر الفاظ میں اپنی نئی تجویز بیان کی۔ ان کی رائے تھی کہ حسن کے بازار میں وہی دعوتیں آتی ہیں جنھیں یا تو اپنے گھر میں کسی وجہ سے باعزت قیام نہیں ملتا یا جو مالی تکلیفوں سے مجبور ہو جاتی ہیں اور اگر یہ دونوں مسئلے حل کر دیے جائیں تو بہت کم عورتیں اس طرح ذلیل وخوار ہوں۔

مہتا نے بھی دوسرے سمجھدار لوگوں کی طرح اس مسئلہ پر کافی غور کیا تھا، اور ان کا خیال تھا کہ زیادہ تر فطرتی رجحان اور عیش وعشرت کا شوق ہی عورتوں کو اس طرف کھینچتا ہے۔ اسی بات پر دونوں میں بحث چھڑ گئی۔ دونوں اپنی اپنی بات پر اڑ گئے۔

مہتا نے مٹھی باندھ کر ہوا میں پٹکتے ہوئے کہا "آپ نے اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور نہیں کیا، مرزا صاحب! رزق کے لیے اور بہت سے ذرائع ہیں مگر عیش و آرام کی بھوک

روٹیوں سے نہیں مٹتی ۔ اس کے لیے دنیا کی بڑھیا بڑھیا چیزیں چاہیے ۔ جب تک سوشل نظام اوپر سے نیچے تک بدل نہ ڈالا جائے ، اس طرح کی منڈلی سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔''

مرزا نے مونچھیں کھڑی کیں '' اور میں کہتا ہوں کہ یہ محض رزق کا سوال ہے ، ہاں یہ سوال سبھی لوگوں کے لیے یکساں نہیں ہے ۔ مزدور کے لیے وہ صرف آٹا دال اور ایک پھونس کی جھونپڑی کا سوال ہے ۔ وکیل کے لیے وہ ایک موٹر ، بنگلہ اور خدمت گاروں کا سوال ہے۔ آدمی صرف روٹی نہیں چاہتا اور بھی بہت سی چیزیں چاہتا ہے ۔ اگر عورتوں کے سامنے بھی وہ سوال انواع واقسام کی صورتوں میں آتا ہے تو ان کا کیا قصور ہے ؟''

ڈاکٹر مہتا اگر غور کرتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ ان میں اور مرزا میں کوئی فرق نہیں ، صرف الفاظ کا ردوبدل ہے ، مگر بحث کی گرما گرمی میں غور کرنے کے لیے صبر کہاں ؟ گرم ہوکر بولے '' معاف کیجیے گا مرزا صاحب، جب تک دنیا میں دولت والے رہیں گے، بیسوائیں بھی رہیں گی ، آپ کی منڈلی اگر کامیاب بھی ہو جائے ، حالانکہ مجھے اس میں بہت شک ہے، تو آپ دس پانچ عورتوں سے زیادہ اس میں کبھی نہ لے سکیں گے اور وہ تھوڑے دنوں کے لیے۔ سبھی عورتوں میں ناٹک کرنے کی اہلیت نہیں ہوتی ، اسی طرح جیسے سبھی لوگ شاعر نہیں ہوسکتے ، اور یہ بھی مان لیں کہ یہ عورتیں آپ کی منڈلی میں مستقل طور پر ٹھہر جائیں گی تو بھی بازار میں ان کی جگہ خالی نہ رہے گی ۔ جڑ پر جب تک کلہاڑے نہ چلیں گے ، پتیاں توڑنے سے کوئی نتیجہ نہیں ۔ دولت والوں میں کبھی کبھی ایسے لوگ نکل آتے ہیں جو سب کچھ چھوڑ کر خدا کی راہ میں جا بیٹھتے ہیں ۔ مگر دولت کا راج بدستور قائم ہے ۔ اس میں ذرا بھی زوال نہیں آنے پایا۔''

مرزا کو مہتا کی ہٹ دھرمی پر رنج ہوا ۔ اتنا پڑھا لکھا سمجھدار آدمی ایسی باتیں کرے !سوشل نظام کیا آسانی سے بدل جائے گا ؟ وہ تو صدیوں کا معاملہ ہے ۔ تب تک کیا یہ اندھیر ہونے دیا جائے ؟اس کی روک تھام نہ کی جائے ؟ کیوں نہ شیر کو پنجرہ میں بند کر دیا جائے کہ وہ دانت اور ناخون رکھتے ہوئے بھی کسی کو نقصان نہ پہنچا سکے ؟ کیا اس وقت تک خاموش بیٹھا رہا جائے جب تک شیر اہنسا کا برت نہ لے لے ؟ دولت والے اور جس طرح چاہیں اپنی دولت اڑائیں ، مرزا کو غم نہیں ۔ شراب میں ڈوب جائیں ، موٹروں کی مالا گلے میں ڈال لے ، قلعے بنوائیں ، دھرم شالیں اور مسجدیں کھڑی کریں ، مرزا کو کوئی پرواہ نہیں ۔

ہاں عورتوں کی زندگی نہ خراب کریں ۔ اسے مرزا نہیں دیکھ سکتے ۔ وہ حسن کے بازار کو ایسا سنسان کر دیں گے کہ دولت مندوں کی اشرفیوں پر کوئی تھوکنے والا بھی نہ ملے ۔ کیا جن دنوں شراب کی دوکانوں پر پکٹنگ ہوتی تھی بڑے بڑے شرابی پانی پی پی کر دل کی آگ نہیں بجھا لیتے تھے؟

مہتا نے مرزا کی بے وقوفی پر ہنس کر کہا '' آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں ایسے ملک بھی ہیں جہاں کسبیاں نہیں ہیں ، مگر امیروں کی دولت وہاں بھی اپنی دلچسپیوں کا سامان پیدا کر ہی لیتی ہے ۔''

مرزا بھی مہتا کی نادانی پر ہنسے '' جانتا ہوں مہربان ، جانتا ہوں ! آپ کی دعا سے دنیا دیکھ چکا ہوں ، مگر یہ ہندستان ہے ، یورپ نہیں ہے ۔''

'' انسانی سرشت ساری دنیا میں ایک سی ہے ۔''

'' مگر یہ بھی معلوم رہے کہ ہر قوم میں ایک ایسی چیز ہوتی ہے جسے اس کی روح کہہ سکتے ہیں ، اور عصمت ہندستانی تہذیب کی روح ہے ۔''

'' اپنے منھ میاں مٹھو بن لیجیے ۔''

'' دولت کی آپ اتنی برائی کرتے ہیں پھر بھی کھنا کی حمایت کرتے نہیں تھکتے نہ کہیے گا!''

مہتا کی تیزی رخصت ہو گئی ، انکسار سے بولے '' میں نے کھنا کی حمایت اس وقت کی جب وہ دولت کے پنجے سے چھوٹ گئے ہیں ، اور آج کل ان کی حالت آپ دیکھیں تو آپ کو رحم آئے گا ۔ اور میں کیا حمایت کروں گا جسے اپنی کتابوں اور لائبریری سے فرصت نہیں؟ زیادہ سے زیادہ خشک ہمدردی ہی تو کر سکتا ہوں ۔حمایت کی ہے مس مالتی نے کہ کھنا کو بچا لیا۔ انسان کی گہرائیوں میں ایثار کی کتنی طاقت چھپی ہوتی ہے ۔ اس کا مجھے اب تک تجربہ نہ ہوا تھا ۔ آپ بھی ایک دن کھنا سے مل آیئے ۔ طبیعت خوش ہو جائے گی اس وقت اسے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ ہمدردی ہے ۔''

مرزا نے جیسے اپنے مرضی کے خلاف کہا '' آپ کہتے ہیں تو جاؤں گا ۔ آپ کے ساتھ جہنم میں بھی عذر نہیں ۔ مگر مس مالتی سے تو آپ کی شادی ہونے والی تھی ۔ بڑی گرم خبر تھی ۔''

مہتا نے جھینپتے ہوئے کہا " ریاضت کر رہا ہوں ، دیکھے، ثمرہ کب ملے ۔"

" اجی وہ تو آپ پر مرتی تھی ۔"

" مجھے بھی وہم ہوا تھا ، مگر جب میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑنا چاہا تو دیکھا کہ وہ آسمان میں جا بیٹھی ہے ۔ اس بلندی تک تو میں کیا پہنچوں گا ، ہاں اسی سے التجا کر رہا ہوں کہ نیچے آجائے ۔ آج کل تو وہ مجھ سے بولتی بھی نہیں ۔"

یہ کہتے ہوئے مہتا زور سے ایک روتی ہوئی ہنسی ہنسے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

مرزا نے پوچھا " اب پھر کب ملاقات ہوگی ؟"

" اب کے آپ کو تکلیف کرنی پڑے گی ۔ کھنا کے پاس جایئے گا ضرور ! "

" جاؤں گا ۔"

مرزا نے کھڑکی سے مہتا کو جاتے دیکھا ۔ رفتار میں وہ تیزی نہ تھی ، جیسے کسی فکر میں ڈوبے ہوئے ہوں ۔

۳۴

ڈاکٹر مہتا ممتحِن سے ممتحَن ہو گئے ہیں ۔ مالتی سے دور دور رہ کر انھیں یہ شک ہونے لگا ہے کہ کہیں اسے کھو نہ بیٹھیں ۔ کئی مہینے سے مالتی ان کے پاس نہ آئی تھی اور جب وہ بے قرار ہو کر اس کے گھر گئے تو ملاقات نہ ہوئی ۔ جن دنوں رودرپال اور سروج کا عشقیہ واقعہ ہو رہا تھا تو مالتی ان کی صلاح لینے عموماً روزانہ دو ایک بار آتی تھی ۔ مگر جب سے دونوں انگلستان چلے گئے تھے ، ان کا آنا جانا بند ہو گیا تھا گھر پر بھی مشکل سے ملتی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان سے بچتی ہے ، گویا ان کی طرف سے اپنے دل کو جبراً ہٹا لینا چاہتی ہے ۔ جس کتاب کو وہ آج کل لکھ رہے تھے وہ آگے بڑھنے سے انکار کر رہی تھی گویا ان کی توجہ مفقود ہوگئی ہو ۔ خانہ داری کے انتظام میں تو وہ کبھی بڑے ہوشیار تھے ۔ فی الجملہ ایک ہزار روپے سے زیادہ مہینے میں کما لیتے تھے ۔ مگر بچت کی ایک کوڑی بھی نہ ہوتی تھی ۔ روٹی دال کھانے کے سوا اور ان کے ہاتھ کچھ نہ لگتا تھا ۔ تکلف کا اگر کوئی سامان تھا تو وہ ان کا موٹر تھا جسے وہ خود چلاتے تھے ۔ کچھ روپے کتابوں میں اڑ جاتے تھے ، کچھ چندوں میں، کچھ غریب طلبا کی امداد میں اور کچھ باغ کی آرائش میں جس سے انھیں عشق سا تھا ۔ طرح طرح کے پودے اور نباتاتی نمونے بدیسوں سے مہنگے داموں منگانا اور ان کی داشت کرنا ، یہی ان کا چٹورا پن تھا ۔ مگر ادھر کئی مہینے سے اس باغیچے کی طرف سے بھی کچھ بیزار سے ہو رہے تھے ۔ اور گھر کا انتظام بھی ابتر ہو گیا تھا ۔ کھاتے دو پھلکے اور خرچ ہوتا ایک سو سے زیادہ ۔ اچکن پرانی ہو گئی تھی مگر اسی میں انھوں نے کڑاکے کا جاڑا کاٹ دیا ، نئی اچکن سلانے کی توفیق نہ ہوئی ۔ کبھی کبھی بلا گھی کی دال کھا کر اٹھ آنا پڑتا ۔ کب گھی کا کنستر منگایا تھا ، اس کی انھیں یاد ہی نہ تھی ، اور مہراج سے پوچھیں بھی تو کیسے ؟ وہ سمجھے گا نہیں کہ اس پر بے اعتباری ہو رہی ہے ؟ آخر ایک روز جب تین مرتبہ کی مایوسیوں کے بعد چھوتھی مرتبہ ملاقات ہوئی اور اس نے ان کی حالت دیکھی تو اس سے نہ رہا گیا ۔ بولی ” تم کیا اب کے جاڑا یوں ہی کاٹ دو گے ؟ یہ اچکن پہنتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی ؟“

مالتی ان کی بیوی نہ ہوکر بھی ان کے اتنے پاس تھی کہ یہ سوال اس نے اسی معمولی انداز سے کیا جس طرح وہ اپنے کسی یگانے سے کرتی ۔

مہتا نے بلا شرمائے ہوئے کہا '' کیا کروں مالتی پیسہ تو بچتا ہی نہیں ۔''

مالتی کو تعجب ہوا '' تم ایک ہزار سے زیادہ کماتے ہو اور تمھارے پاس اپنے کپڑے بنوانے کو بھی پیسے نہیں ؟ میری آمدنی کبھی چار سو سے زیادہ نہ تھی مگر میں اس میں ساری گرستی چلاتی ہوں اور کچھ بچا بھی لیتی ہوں ۔ آخر تم کیا کر ڈالتے ہو؟''

'' میں ایک پیسہ بھی فالتو نہیں خرچ کرتا ۔ مجھے کوئی ایسا شوق بھی تو نہیں ہے ۔''

'' اچھا تو مجھ سے روپیہ لے جاؤ اور دو اچکنیں بنوالو ۔''

'' مہتا نے خجالت سے کہا '' اب کے بنوالوں گا ، سچ کہتا ہوں ۔''

'' اب آپ یہاں آئیں تو آدمی بن کر آئیں ۔''

'' یہ تو بڑی کڑی شرط ہے ۔''

'' کڑی سہی ۔ تم جیسے کے ساتھ کڑائی کیے بغیر بھی تو کام نہیں چلتا ۔''

مگر وہاں تو صندوق خالی تھا اور پیسے کے بغیر کسی دوکان پر جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ مالتی کے گھر جائے کس منھ سے ؟ دل تڑپ کر رہ جاتے تھے ۔ ایک دن ایک نئی مصیبت آپڑی ۔ ادھر کئی مہینے سے مکان کا کرایہ نہیں دیا تھا ۔ پچھتر روپے ماہوار بڑھتے جاتے تھے ۔ مالک مکان نے جب کئی تقاضوں کے بعد بھی روپے نہ وصول کر پائے تو نوٹس دے دیا۔ مگر نوٹس روپے بنانے کی مشین تو ہے نہیں ۔ تاریخ نکل گئی اور روپے نہ پہنچے ۔ تب مالک مکان نے مجبور ہوکر نالش کردی۔ وہ جانتا تھا کہ مہتا جی بڑے شریف اور فیاض آدمی ہیں مگر اس سے زیادہ بھلمنسی وہ کیا کرتا کہ چھ ماہ تک صبر کیے بیٹھا رہا ؟ مہتا نے کوئی پیروی نہ کی اور ایک طرفہ ڈگری ہوگئی ۔ مالک نے فوراً ڈگری جاری کرائی اور قرق امین مہتا صاحب کے پاس پہلی اطلاع دینے آیا ؛ کیونکہ اس کا لڑکا یونیورسٹی میں پڑھتا تھا اور اسے مہتا صاحب کچھ وظیفہ بھی دیتے تھے ۔ اتفاقاً اس وقت مالتی بھی بیٹھی ہوئی تھی ۔ بولی '' کیسی قرقی ہے ؟ کس بات کی ؟''

امین نے کہا '' وہی کرایہ کی ڈگری جو ہوئی تھی ۔ میں نے کہا کہ حضور کو اطلاع دے دوں ۔ چار پانچ سو کا معاملہ ہے ، کون سی بڑی رقم ہے ؟ دس دن میں بھی روپے دے دیجیے تو

کوئی حرج نہیں ۔ میں مہاجن کو دس دن تک الجھائے رکھوں گا۔"

جب ایمن چلا گیا تو مالتی نے حقارت کے لہجے میں پوچھا " تو اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی ! مجھے تعجب ہوتا ہے کہ تم اتنی موٹی موٹی کتابیں کیسے لکھتے ہو۔ مکان کا کرایہ چھ چھ ماہ سے باقی پڑا ہے اور تمھیں خبر نہیں۔"

مہتا شرم سے سر جھکا کر بولے " خبر کیوں نہیں ہے ، لیکن روپے بچتے ہی نہیں ۔ میں ایک پیسہ بھی فضول صرف نہیں کرتا ۔"

"کوئی حساب کتاب بھی ہے ؟"

" حساب کیوں نہیں لکھتا ۔ جو کچھ پاتا ہوں وہ سب درج کر لیتا ہوں ورنہ انکم ٹیکس والے زندہ نہ چھوڑیں ۔"

" جو کچھ خرچ کرتے ہو وہ ؟"

" اس کا تو کوئی حساب نہیں رکھتا ۔"

" کیوں ؟"

" کون لکھے ؟ بوجھ سا لگتا ہے ۔"

" اور یہ پوتھے کیسے لکھ ڈالتے ہو؟"

" اس میں تو زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا ۔ قلم لے کر بیٹھ جاتا ہوں اور لکھنے لگتا ہوں۔ ہر وقت خرچ کا کھاتا کھول کر تو نہیں بیٹھتا ۔"

" تو یہ روپے کیسے ادا کروگے ؟"

" کسی سے قرض لے لوں گا ، تمھارے پاس ہو تو تم ہی دے دو۔"

" میں تو ایک ہی شرط پر دے سکتی ہوں کہ تمھاری آمدنی سب میرے ہاتھ آئے اور خرچ بھی میرے ہی ہاتھ ہو ۔"

مہتا خوش ہو کر بولے " واہ ! اگر یہ ذمہ داری لے لو تو کیا کہنا ! موسلوں سے ڈھول بجاؤں !"

مالتی نے ڈگری کے روپے دے دیے اور دوسرے ہی روز مہتا کو بنگلہ خالی کر دینے پر مجبور کیا ۔ اپنے بنگلے میں اس نے انھیں دو بڑے بڑے کمرے دے دیے ۔ ان کے کھانے وغیرہ کا بندوبست بھی اپنے ہی گھر میں کر دیا ۔ مہتا کے پاس اور سامان تو زیادہ نہ تھا مگر کتابیں کئی

گاڑی تھیں ۔ ان کے دونوں کمرے کتابوں سے بھر گئے ۔ باغیچہ چھوڑنے کا انھیں ضرور قلق ہوا لیکن مالتی نے اپنا پورا احاطہ ان کے لیے چھوڑ دیا تھا کہ جو پھول پودے چاہیں ، لگائیں ۔

مہتا تو بے فکر ہو گئے مگر مالتی کو ان کی اور خرچ کے ٹھیک کرنے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا ۔ اس نے دیکھا کہ آمدنی تو ہزار سے زیادہ ہے مگر وہ ساری کی ساری خفیہ خیرات میں صرف ہو جاتی ہے ۔ بیں پچیس لڑکے انھیں سے وظیفہ پا کر اسکول میں پڑھ رہے تھے ۔ بیواؤں کی تعداد بھی اس سے کم نہ تھی ۔ کس خرچ میں کمی کرے اسے یہ نہ سوجھتا تھا ۔ سارا الزام اسی کے سر منڈھا جائے گا ۔ ساری بدنامی اسی کے حصہ میں آئے گی ۔ کبھی مہتا پر جھنجھلاتی ، کبھی اپنے اوپر اور کبھی سائلوں کے اوپر جو ایک سادہ اور سخی آدمی پر اپنا بار رکھتے ہوئے ذرا بھی نہ شرماتے تھے۔ یہ دیکھ کر اور بھی جھنجھلاہٹ ہوتی تھی کہ ان خیرات لینے والوں میں کچھ تو اس کے مستحق نہ تھے ۔ ایک روز مہتا کو آڑے ہاتھوں لیا ۔

مہتا نے اس کا اعتراض سن کر بے فکری سے کہا '' تمھیں اختیار ہے کہ جسے چاہو دو اور جسے چاہو نہ دو ۔ مجھ سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ البتہ جواب بھی تم ہی کو دینا پڑے گا۔''

مالتی نے چڑھ کر کہا '' ہاں ، اور کیا ؟ نیک نامی تم لو اور بدنامی میری ہو ۔ میں نہیں سمجھتی کہ تم کس دلیل سے اس خیرات کی حمایت کر سکتے ہو ۔ انسانوں کو اس رواج نے جتنا کاہل اور مفت خور بنایا ہے اور اس کی خودداری کو جتنا دھکا پہنچایا ہے ، اتنا بے انصافی نے بھی نہ کیا ہوگا ؛ بلکہ میرے خیال میں بے انصافی نے انسانوں میں انقلابی جذبہ پیدا کرکے سماج کو بڑا نفع پہنچایا ہے ۔''

مہتا نے تسلیم کیا '' میرا بھی یہی خیال ہے ۔''

'' تمھارا یہ خیال نہیں ہے ۔''

'' نہیں مالتی ، میں سچ کہتا ہوں ۔''

'' تو خیال اور عمل میں اتنا فرق کیوں ؟''

مالتی نے تیسرے مہینے بہتوں کو مایوس کیا ۔ کسی کو صاف جواب دیا کسی سے مجبوری جتائی اور کسی کی فضیحت کی ۔

مہتا صاحب کا بجٹ تو رفتہ رفتہ ٹھیک ہوگیا ۔ مگر اس سے انھیں ایک طرح کا رنج ہوا ۔

مالتی نے جب تیسرے مہینے میں تین سو کی بچت دکھائی تب وہ اس سے کچھ بولے تو نہیں مگر ان کی نظر میں ان کی عظمت کچھ کم ضرور ہو گئی ۔عورت میں دان اور تیاگ ہونا چاہیے ۔ یہی اس کی سب سے بڑی پونجی ہے۔ اسی کی بنیاد پر سوسائٹی کا محل کھڑا ہوا ہے ۔تجارتی عقل کو وہ ضروری برائی ہی سمجھتے تھے ۔

جب مہتا کی اچکنیں بن کر آئیں اور نئی گھڑی بھی آئی تو وہ شرم کے مارے کئی دن باہر نہ نکلے ۔خود آرائی سے بڑا ان کی نظر میں کوئی گناہ نہ تھا ۔

مگر راز کی بات یہ تھی کہ مالتی ان کو تو حسابی شکنجے میں کس کر رکھنا چاہتی تھی ۔ ان کی مالی خیرات کا دروازہ بند کر دینا چاہتی تھی اور خود ذاتی ایثار میں اپنے وقت اور اپنی خیراندیشی کو دونوں ہاتھوں سے لٹاتی تھی ، امیروں کے گھر تو وہ بلا فیس لیے نہ جاتی تھی ، مگر غریبوں کو مفت دیکھتی تھی اور مفت دوا بھی دیتی تھی ۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہی تھا کہ مالتی گھر کی تھی اور باہر کی بھی ۔ جبکہ مہتا صرف باہر کے تھے ، گھر ان کے لیے نہ تھا ۔اپنے کو دونوں مٹا دینا چاہتے تھے ۔ مہتا کا راستہ صاف تھا ۔ ان پر ذاتی ذمہ داری کے سوا اور کوئی بندش نہ تھی۔ مالتی کا راستہ مشکل تھا۔اس پر ذمہ داری تھی اور بندش تھی جسے نہ تو وہ توڑ سکتی تھی اور نہ توڑنا چاہتی تھی ۔ اس بندش میں اسے زندگی کی تحریک ملتی تھی ۔ اسے اب مہتا کو پاس دیکھ کر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کھلے جنگل میں گھومنے والے جیو کو پنجرے میں بند نہیں کر سکتی ، اور بند کر دے گی ، تو وہ کاٹنے اور نوچنے دوڑے گا ۔ پنجرے میں سب طرح کا آرام ملنے پر بھی اس کا دل ہمیشہ جنگل کے لیے بے قرار رہے گا ۔ مہتا کے لیے گھر کی دنیا ایک اجنبی دنیا تھی ۔ جس کے رسم و رواج سے وہ نا آشنا تھے ۔

انھوں نے دنیا کو باہر سے دیکھا تھا اور اسے مکر و فریب ہی سے معمور سمجھتے تھے ۔ جدھر دیکھتے تھے ، ادھر ہی برائیاں نظر آتی تھیں ۔مگر سماج میں جب گہرائی تک جا کر دیکھا تو انھیں معلوم ہوا کہ ان برائیوں کے نیچے ایثار بھی ہے ، محبت بھی ہے ، اس شک و شبہ کے حالت میں جب مالتی کا تاریکی سے نکلتا ہوا دیوی کا روپ انھیں نظر آیا تب وہ اس کی طرف عجلت اور بے صبری کے ساتھ دوڑ پڑے اور چاہا کہ اسے ایسی حکمت سے چھپا کر رکھیں کہ کسی دوسرے کی آنکھ بھی نہ پڑے ۔ یہ خیال نہ رہا کہ یہ انتہائی رغبت ہی تباہی کی جڑ ہے ۔ محبت جیسی بے مروت شے کیا خوف سے باندھ کر رکھی جا سکتی ہے ؟ وہ تو پورا اعتبار چاہتی ہے ،

پوری آزادی چاہتی ہے اور پوری ذمہ داری چاہتی ہے ۔ اس کے نشو ونما کی طاقت اس کے اندر ہے ۔ اسے روشنی اور فضا ملنی چاہیے ۔ وہ کوئی دیوار نہیں ہے جس پر اوپر سے اینٹیں رکھی جاتی ہیں ۔ اس میں تو جان ہے ، ارتقاء ہے اور پھیلنے کی بے حد سکت ہے ۔

جب سے مہتا اس بنگلے میں آئے ، انھیں مالتی سے دن میں کئی بار ملنے کا موقع ملتا ہے۔ ان کے دوست سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے بیاہ کی تیاری ہے اور صرف رسم ادائی کی دیر ہے۔ مہتا بھی یہی خواب دیکھتے ہیں ۔ اگر مالتی نے انھیں سدا کے لیے ٹھکرا دیا ہوتا تو کیوں اس سے اتنی محبت رکھتی ؟ شاید وہ انھیں سوچنے کا موقع دے رہی ہے ، اور وہ خوب سوچ کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مالتی کے بغیر وہ نصف ہیں اور وہی انھیں تکمیل کی طرف لے جاسکتی ہے ۔ باہر سے وہ رنگین مزاج ہے مگر اندر سے وہی رجحان طاقت کا مرکز ہے ۔ حالات تبدیل ہو گئے ہیں ۔ پہلے مالتی پیاسی تھی اور اب مہتا پیاس سے تڑپ رہے ہیں اور ایک مرتبہ جواب پاجانے کے بعد انھیں اس مسئلہ پر مالتی سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑتی ، اگر چہ ان کے دل میں اب شک کا نام بھی نہیں رہا ۔ مالتی کو قریب سے دیکھ کر ان کی کشش بڑھتی ہی جاتی ہے۔ دور سے کتاب کے جو حروف ملے جلے سے لگتے تھے اب قریب سے وہ صاف ہو گئے ہیں ۔ ان میں مطلب ہے ، اور پیغام ہے !

ادھر مالتی نے باغ میں مالی کا کام کرنے کے لیے گوبر کو رکھ لیا تھا ۔ ایک روز وہ کسی مریض کو دیکھ کر آرہی تھی کہ راستے میں پیٹرول ختم ہو گیا ۔ وہ خود موٹر چلا رہی تھی فکر ہوئی کہ پیٹرول کیسے آئے ۔ رات کے نو بج گئے تھے اور ماگھ کی ٹھنڈ پڑ رہی تھی ۔ سڑکوں پر سناٹا ہو گیا تھا ۔ کوئی ایسا آدمی نظر نہ آتا تھا جو موٹر کو دھکیل کر پیٹرول کی دوکان تک لے جائے ۔ بار بار نوکر پر جھنجھلا رہی تھی ۔ " حرام خور کہیں کا ! بے خبر پڑا رہتا ہے ! "

اتفاقاً گوبر ادھر سے آنکلا مالتی کو کھڑے دیکھ کر اس نے سب سمجھ لیا اور گاڑی کو دو فرلانگ ڈھکیل کر پیٹرول کی دوکان تک لایا ۔

مالتی نے خوش ہو کر پوچھا " نوکری کروگے ؟ "

گوبر نے شکریے کے ساتھ منظور کیا ۔ پندرہ روپے تنخواہ طے ہوئی ۔ مالی کا کام اسے پسند تھا ۔ یہی کام اس نے کیا تھا اور اس میں مشاق تھا ۔ مل کی مزدوری میں اجرت زیادہ ملتی تھی مگر اس میں اس کو الجھن ہوتی تھی ۔

دوسرے دن سے گوبر نے مالتی کے یہاں کام کرنا شروع کر دیا۔ اسے رہنے کو ایک کوٹھری بھی مل گئی ۔ جھنیا بھی آ گئی ۔ مالتی باغ میں آتی تو اسے جھنیا کا بچہ دھول مٹی میں کھیلتا ہوا ملتا ۔ ایک دن مالتی نے اسے مٹھائی دے دی ۔ بچہ اس دن سے مانوس ہو گیا ۔ اسے دیکھتے ہی اس کے پیچھے لگ جاتا اور جب تک مٹھائی نہ لے لیتا پیچھا نہ چھوڑتا ۔

ایک دن مالتی باغ میں آئی تو بچہ نہ دکھائی دیا ۔ جھنیا سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ بچے کو بخار آ گیا ہے ۔ مالتی نے گھبرا کر کہا '' بخار آ گیا تو میرے پاس کیوں نہیں لائی ؟ چل دیکھوں۔''

بچہ کھٹولے میں بخار سے غافل پڑا تھا ۔ کھپریل کی کوٹھری میں اتنی نمی ، اتنی تاریکی اور ان جاڑوں کے دنوں میں بھی مچھروں کی اتنی کثرت تھی کہ مالتی ایک منٹ بھی وہاں نہ ٹھہر سکی ۔ فوراً آ کر تھرما میٹر لیا ۔ اور پھر جا کر دیکھا تو بخار ایک سو چار تھا ۔ مالتی کو اندیشہ ہوا کہ کہیں چیچک نہ ہو ۔ بچے کے ابھی تک ٹیکہ نہ لگا تھا اور اگر اس نم کوٹھری میں رہا تو اندیشہ تھا کہ بخار نہ بڑھ جائے ۔

دفعتاً بچے نے آنکھیں کھول دیں اور مالتی کو کھڑا دیکھ کر رونی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی گود کے لیے ہاتھ پھیلا دیے ۔ مالتی نے اسے گود میں اٹھا لیا اور تھپکیاں دینے لگی ۔

بچہ مالتی کی گود میں جا کر جیسے کسی بڑے سکھ کا احساس کرنے لگا اور اپنی جلتی ہوئی انگلیوں سے اس کے گلے کی موتیوں کی مالا پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا ۔ مالتی نے نکلیس اتار کر اس کے گلے میں ڈال دی ۔ بچے کی خود غرضانہ فطرت اس حالت میں بھی بے قرار تھی ۔ نکلیس پا کر اب اسے گود میں رہنے کی کوئی ایسی ضرورت نہ رہی ۔ یہاں نکلیس کے چھن جانے کا خوف تھا ۔ اس وقت جھنیا کی گود زیادہ محفوظ تھی ۔

مالتی نے شگفتہ دلی سے کہا '' بڑا چالاک ہے ، چیز لے کر کیسا بھاگا !''

جھنیا نے کہا '' دے دو بیٹا ، مس صاحب کا ہے ۔''

بچے نے مالا کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور ماں کی طرف غصہ سے دیکھا ۔ مالتی بولی '' تم پہنے رہو بچہ ، میں مانگتی نہیں ہوں ۔''

اسی وقت بنگلے میں آ کر اس نے اپنی نشست کا کمرہ خالی کر دیا اور اسی وقت جھنیا اس

میں آ کر مقیم ہو گئی ۔ منگل نے اس بہشت کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھا ۔ چھت میں پنکھا تھا ، رنگین برقی بلب تھے ، دیواروں پر تصویریں تھیں ۔ ان چیزوں کو دیر تک ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا ۔ مالتی نے بڑے پیار سے پکارا '' منگل ! ''

منگل نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو'' آج تو ہنسا نہیں جاتا مس صاحب! کیا کروں ؟ آپ سے کچھ ہو سکے تو کیجیے ۔''

مالتی نے جھنیا کو بہت سی باتیں سمجھائیں اور جاتے ہوئے پوچھا '' تیرے گھر میں کوئی دوسری عورت ہو تو گوبر سے کہہ دے کہ دو چار روز کے لیے بلا لائے ۔ مجھے چیچک کا اندیشہ ہے ۔ کتنی دور ہے تیرا گھر ؟''

جھنیا نے اپنے گاؤں کا نام اور پتہ بتایا ۔'' اٹھارہ بیس کوس کے قریب ہوگا ۔''

مالتی کو بلاری یاد تھا ۔ بولی '' وہی گاؤں تو نہیں جس کے پچھم طرف آدھے میل پر ندی ہے ؟''

'' ہاں ہاں صاحب ، وہی گاؤں ہے ۔ آپ کو کیسے معلوم ؟''

'' ایک بار ہم لوگ وہاں گئے تھے اور ہوری کے گھر ٹھہرے تھے ۔ تو ، اسے جانتی ہے؟''

'' وہ تو میرے سسر ہیں ، مس صاحب ، میری ساس بھی ملی ہوں گی ۔''

'' ہاں ہاں ، بڑی سمجھدار عورت معلوم ہوتی تھی ۔ مجھ سے خوب باتیں کرتی رہی ۔ تو گوبر کو بھیج دے ، اپنی ماں کو بلالائے ۔''

'' وہ انھیں بلانے نہ جائیں گے ۔''

'' کیوں ؟''

'' کچھ ایسا ہی کارن ہے ۔''

جھنیا کو اپنے گھر کا چوکا برتن ، روٹی پانی اور جھاڑنا سبھی کچھ کرنا پڑتا تھا ۔ دن کو تو دونوں چربَن پر رہ جاتے تھے اور رات کو جب مالتی آجاتی تو جھنیا اپنا کھانا پکاتی اور مالتی بچے کے پاس بیٹھتی ۔ جھنیا بار بار چاہتی کے بچے کے پاس بیٹھے مگر مالتی اسے نہ آنے دیتی ۔ رات کو بچے کا بخار تیز ہو جاتا اور وہ بے چینی سے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیتا ۔ مالتی اسے گود میں لے کر گھنٹوں کمرے میں ٹہلتی ، چوتھے دن چیچک نکل آئی ۔ مالتی نے سارے گھر کو ٹیکہ لگایا ،

خود اپنے لگایا اور مہتا کو بھی لگایا۔ گوبر، جھنیا، مہراج کوئی نہ بچا۔ پہلے دن تو دانے چھوٹے اور الگ الگ تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ چھوٹی چیچک ہے۔ دوسرے دن دانے جیسے کھل اٹھے اور انگور کے برابر ہو گئے۔ اور پھر کئی کئی دانے مل کر بڑے بڑے آنولہ سے ہو گئے۔ منگل جلن اور کھجلی اور درد سے بے چین ہو کر دکھ بھری آواز میں کراہتا اور عاجزی اور بے چارگی بھری نظروں سے مالتی کی طرف دیکھتا۔ اس کا کراہنا بھی بڑوں کا سا تھا اور نگاہوں میں بھی پختگی تھی، گویا وہ یکا یک جوان ہو گیا ہو۔ اس نہ سہنے قابل تکلیف نے گویا اس کے معصوم بچپن کو مٹا ڈالا تھا۔ اس کی طفلانہ عقل گویا وسعت پا کر یہ سمجھ رہی تھی کہ مالتی ہی کے جتن سے وہ اچھا ہو سکتا ہے۔ مالتی جیوں ہی کسی کام سے چلی جاتی تو وہ رونے لگتا اور مالتی کے آتے ہی چپ ہو جاتا۔ رات کو اس کی بے چینی بڑھ جاتی اور مالتی کو عموماً ساری ساری رات بیٹھنا پڑ جاتا۔ مگر وہ نہ کبھی جھنجھلاتی نہ کبھی چڑھتی۔ ہاں، جھنیا پر اسے ضرور کبھی کبھی غصہ آتا، کیونکہ وہ اپنی نادانی کے سبب نہ کرنے والا کام بھی کر بیٹھتی۔ گوبر اور جھنیا دونوں کا جھاڑ پھونک پر زیادہ اعتقاد تھا، مگر یہاں اس کا کوئی موقع نہ ملتا تھا۔ اس پر جھنیا دو بچوں کی ماں ہو کر بھی بچے کی داشت کرنا نہیں جانتی تھی۔ منگل دق کرتا تو اسے ڈانتی، ڈپٹتی۔ ذرا بھی موقع پاتی تو زمین پر سو جاتی اور صبح سے پہلے نہ اٹھتی۔ اور گوبر تو اس کمرے میں جیسے آتے ڈرتا تھا۔ مالتی وہاں بیٹھی ہے، کیسے جائے؟ جھنیا سے بچے کا حال پوچھ لیتا اور کھا پی کر سو جاتا۔ اس پرانی چوٹ کے بعد وہ پورا تندرست نہ ہو پایا تھا۔ ذرا سا کام کر کے بھی تھک جاتا تھا۔ ان دنوں جب جھنیا گھاس بیچتی تھی اور وہ آرام سے پڑا رہتا تھا تب کچھ سنبھل گیا تھا۔ مگر ادھر کئی مہینوں تک بوجھ ڈھونے اور چونے گارے کا کام کرنے سے اس کی حالت پھر گر گئی تھی۔ اس پر یہاں کام بہت تھا۔ سارے باغ کو سینچنا، کیاریوں کو گوڑنا، گھاس چھیلنا، گایوں کو چارہ پانی دینا اور دوہنا۔ اور جو مالک اتنا رحم دل ہو اس کے کام میں تساہلی کیسے کرے؟ یہ احسان اسے ایک منٹ بھی آرام سے نہ بیٹھنے دیتا تھا۔ اور جب مہتا خود کھرپی لے کر گھنٹوں باغ میں کام کرتے تھے تو وہ کیسے آرام کرتا؟ وہ خود سوکھتا جاتا تھا مگر باغ ہرا ہو رہا تھا۔

مہتا کو بھی بچے سے محبت ہو گئی تھی۔ ایک روز مالتی نے اسے گود میں لے کر اس کی مونچھیں اکھڑوالی تھیں۔ دُشٹ نے مونچھوں کو ایسا پکڑا تھا جیسے جڑ سے اکھاڑے گا۔ مہتا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور انھوں نے بگڑ کر کہا تھا، ''بڑا شیطان لونڈا ہے۔''

مالتی نے انھیں ڈانٹا تھا'' تم مونچھیں صاف کیوں نہیں کر لیتے ۔''

'' میری مونچھیں مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں ۔''

'' اب کے پکڑ لے گا تو اکھاڑ ہی کے چھوڑے گا ۔''

'' میں اس کے کان بھی اکھاڑ لوں گا ۔''

منگل کو اس کی مونچھیں اکھاڑنے میں کوئی خاص مزا آتا تھا ۔ وہ خوب کھلکھلا کر ہنستا تھا اور مونچھوں کو اور زیادہ زور سے کھینچتا تھا ۔ مگر مہتا کو بھی شاید مونچھیں اکھڑوانے میں مزا آتا تھا کیونکہ وہ عموماً دو ایک بار روزانہ اس سے اپنی مونچھوں کی رسہ کشی کرالیا کرتے تھے ۔

ادھر جب سے منگل کو چیچک نکل آئی تھی ۔ مہتا کو بڑی تشویش ہو گئی تھی۔ اکثر کمرے میں جاکر منگل کو مغموم آنکھوں سے دیکھا کرتے ۔ اس کی تکلیف کے خیال سے ان کا نرم ونازک دل کانپ جاتا تھا ۔ ان کی دوڑ دھوپ سے وہ اچھا ہو جاتا تو وہ زمین کے دوسرے سرے تک بھی دوڑ لگاتے ۔ روپے خرچ کرنے سے اچھا ہوتا تو خواہ انھیں بھیک ہی مانگنا پڑتا وہ اسے اچھا کر ہی کے رہتے مگر یہاں کوئی بس نہ تھا ۔ اسے چھوتے ہوئے بھی ان کے ہاتھ لرزتے تھے ۔ کہیں اس کے آبلے نہ ٹوٹ جائیں ۔ مالتی کتنی آہستگی سے اٹھاتی ہے ، کندھے پر بیٹھا کر کمرے میں ٹہلتی ہے اور کتنی محبت سے اسے بہلا کر دودھ پلاتی ہے ، یہ مادرانہ محبت مالتی کو ان کی نظروں میں نہ جانے کتنا اونچا اٹھا دیتی ہے ۔ مالتی صرف عورت نہیں بلکہ ایک ماں بھی ہے ، اور ایسی ویسی ماں نہیں بلکہ اصلی معنی میں ماں اور دیوی ، اور زندگی دینے والی ۔ جو پرائے بچوں کو بھی اپنا سمجھ سکتی ہے گویا اس نے مادری جذبات کو سدا سے فراہم کیا ہو اور آج انھیں دونوں ہاتھوں سے لٹارہی ہو ! اس کے عضوعضو سے مادریت پھوٹی پڑتی تھی گویا یہ ہی اس کا اصلی روپ ہو ۔ وہ نازو انداز ، وہ بناؤ اور سنگار اور اس کی مادریت کے محض پردے تھے ، تاکہ اس کے اندر وہ پونجی خوب محفوظ رہے ۔

رات کا ایک بج گیا منگل کا رونا سن کر مہتا چوک پڑے ۔ سوچا بے چاری مالتی آدھی رات تک تو جاگتی رہی ہوگی ، اس وقت اسے اٹھنے میں کتنی تکلف ہوگی ، پس اگر دروازہ کھلا ہو تو میں خود ہی بچے کو چپ کرادوں ۔ وہ فوراً اٹھ کر اس کمرے کے دروازے پر گئے اور شیشے سے اندر جھانکا۔ مالتی بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھی اور بچہ یوں ہی رو رہا تھا ۔ شاید اس نے خواب دیکھا تھا ، یا کسی اور وجہ سے ڈر گیا تھا ۔ مالتی پچکارتی تھی ، تھپکتی تھی ، تصویریں دکھاتی

تھی ، گود میں لے کر ٹہلتی تھی ، مگر بچہ چپ نہ ہوتا تھا ۔ مالتی کے یہ بے حد محبت اور لا زوال مادریت دیکھ کر ان کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں ۔ دل میں ایسی گدگدی اٹھی کہ اندر جا کر مالتی کے پیروں پر اپنا سر رکھ دیں ۔ دل سے محبت میں ڈوبے ہوئے الفاظ کا ایک ہجوم نکل پڑا، پیاری ، میرے بہشت کی دیوی ، میری رانی .. .. ..''

اور اسی مجنونانہ محبت میں وہ پکار اٹھے '' مالتی ذرا دروازہ کھول دو ۔''

مالتی نے آکر دروازہ کھولا اور ان کی طرف سوالیاں نگاہوں سے دیکھا ۔

مہتا نے پوچھا '' کیا جھنیا نہیں اٹھی ؟ یہ تو بہت رو رہا ہے ؟''

مالتی نے تکلیف کے لہجے میں کہا '' آج آٹھواں دن ہے ، درد زیادہ ہوگا اسے ۔''

'' تو لاؤ ، میں کچھ دیر ٹہلا دوں ، تم تھک گئی ہوگی ۔''

مالتی نے مسکرا کر کہا '' تمھیں ذرا ہی دیر میں غصہ آجائے گا ۔''

بات سچ تھی ، مگر اپنی کمزوری کون تسلیم کرتا ہے ؟ مہتا نے ضد سے کہا '' تم نے مجھے اتنا سبک سمجھ رکھا ہے ۔''

مالتی نے بچے کو ان کی گود میں دے دیا ۔ ان کی گود میں جاتے ہی وہ یک دم چپ ہو گیا ۔ بچوں میں جو ایک فطری سمجھ ہوتی ہے اسی نے اس کو بتا دیا کہ رونے میں اب تمھارا کوئی فائدہ نہیں ۔ یہ نیا آدمی عورت نہیں بلکہ مرد ہے اور مرد غصہ ور ہوتا ہے اور بے رحم بھی ہوتا ہے ، اور چارپائی پر لٹا کر اور باہر اندھیرے میں ڈال کر وہ دور بھی چلا جاسکتا ہے اور کسی کو پاس آنے بھی نہ دے گا ۔

مہتا نے فخریہ کہا '' دیکھا ، کیسا چپ کر دیا ۔''

مالتی نے مذاق کیا '' ہاں تم اس فن میں بھی طاق ہو ۔ کہاں سیکھا ؟''

'' تم سے ۔''

'' میں عورت ہوں اور مجھ پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا ۔''

مہتا نے شرم سے کہا '' مالتی میں تم سے ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ اب میری ان باتوں کو بھول جاؤ ۔ ان کئی مہینوں میں کتنا پچھتایا ہوں ، کتنا نادم اور ملول ہوا ہوں ، ان کا اندازہ شاید تم نہ کر سکو گی ۔''

مالتی نے سادگی سے کہا '' میں تو بھول گئی، سچ کہتی ہوں ۔''

'' مجھے کیسے یقین آئے ؟''

''اس کا ثبوت یہی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی مکان میں رہتے ہیں ، ایک ہی ساتھ کھاتے ہیں ، ہنستے ہیں ، بولتے ہیں ۔''

'' کیا مجھے کچھ مانگنے کی اجازت نہ دوگی ؟''

انھوں نے منگل کو چارپائی پر لٹا دیا جہاں وہ سکڑ کر سورہا اور مالتی کی طرف التجا آمیز نگاہوں سے دیکھا ، گویا اسی اجازت پر ان کا پورا دارو مدار ہو ۔

مالتی نے متاثر ہوکر کہا '' تم جانتے ہوتم سے زیادہ قریبی دنیا میں میرا کوئی دوسرا نہیں ہے ۔ میں نے بہت دن ہوئے کہ خود کوتمھارے چرنوں کی بھینٹ کر دیا ہے۔تم میرے رہنما ہو ، میرے دیوتا ہو ، میرے استاد ہو ، تمھیں مجھ سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں ، صرف اشارہ کردینا کافی ہے ۔ جب تک مجھے تمھارے درشن نہ ہوئے تھے اور میں نے تمھیں پہچانا نہ تھا اس وقت تک عیش اور خود پروری ہی میری زندگی کا مقصد تھا ۔تم نے آکر اسے تحریک دی ، پائداری دی ۔ میں تمھارا احسان کبھی بھول نہیں سکتی ۔ میں نے ندی کے کنارے والی تمھاری باتیں گرہ کرلیں۔ رنج یہی ہوا کہ تم نے بھی مجھے وہی سمجھا جو دوسرا مرد سمجھتا اور جس کی امید مجھے تم سے نہ تھی ۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے، یہ میں جانتی ہوں ۔مگر میں تمھاری گراں بہا محبت پاکربھی وہی بنی رہوں گی ، ایسا سمجھ کرتم نے میرے ساتھ بے انصافی کی، میں اس وقت کتنے غرور کا احساس کر رہی ہوں ، یہ تم نہیں سمجھ سکتے ۔تمھارا عشق اور اعتماد پاکر اب میرے لیے کچھ باقی نہیں رہا ۔ یہ برکت میری زندگی بامعنی بنا دینے کے لیے کافی ہے ۔ یہی میری تکمیل ہے ۔''

یہ کہتے ہوئے مالتی کے دل میں ایسی رغبت پیدا ہوئی کہ مہتا کے سینے سے لپٹ جائے ۔ اندر کی خواہش باہر آکر گویا سچ ہوگئی تھیں۔ اس کا رواں رواں پھول اٹھا ۔ جس سرور کو اس نے نایاب سمجھ رکھا تھا وہ اتنا قابل حصول اور اتنا قریب ہے ! اور دل کا سرور چہرے پر آکر اسے ایسی رونق دینے لگا کہ مہتا کو اس میں دیوتا پن کی سی جھلک دکھائی پڑی ۔ یہ عورت ہے یا خیر اور پاکیزگی اور ایثار کی مجسم مورت !

اسی وقت جھنیا جاگ کر اٹھ بیٹھی اور مہتا اپنے کمرے میں چلے گئے اور پھر دو ہفتے تک مالتی سے بات چیت کرنے کا موقع انھیں نہ ملا ۔ مالتی کبھی ان سے تنہائی میں نہ ملتی ۔ مالتی کے

وہ الفاظ اس کے دل میں گونجتے رہتے ۔ ان میں کتنی تشفی تھی، کتنی عاجزی تھی، کتنا نشہ تھا!

دو ہفتے میں منگل اچھا ہوگیا ۔ البتہ منھ پر کے داغ نہ بھر سکے ۔ اس دن مالتی نے پڑوس کے لڑکوں کو خوب مٹھائی کھلائی اور جو منّتیں کر رکھی تھی وہ بھی پوری کیں ۔ قربانی کی زندگی میں کتنی خوشی ہے، اس کا اب اسے تجربہ ہورہا تھا ۔ جھنیا اور گوبر کی خوشی گویا اس کے دل میں منعکس ہو رہی تھی ۔ دوسروں کی تکلیف دور کرنے میں اس نے جو خوشی محسوس کی وہ کبھی عیش و آرام کی زندگی میں نہ ملی تھی ۔ وہ ہوس اب ان پھولوں کی طرح کمزور ہوگئی تھی ۔ جن میں پھل لگ رہے ہوں ۔ اب وہ اس درجے سے آگے نکل چکی تھی جب انسان مادی خوشی کو اصلی خوشی سمجھتا ہے ۔ وہ خوشی اب اسے ہیچ اور پستی کی طرف لے جانے والی، اور ہلکی بلکہ بھیانک سی لگتی تھی ۔ اس بڑے بنگلے میں رہنے کا لطف جب اس کے آس پاس مٹی کے جھونپڑے گویا فریاد کر رہے ہوں؟ موٹر پر چڑھ کر اب اسے فخر نہیں ہوتا ۔ منگل جیسے نادان بچے نے اس کی زندگی کو کتنا منور کر دیا تھا ۔ اس کے لیے حقیقی خوشی کا دروازہ سا کھول دیا تھا!

ایک روز مہتا کے سر میں شدت کا درد ہو رہا تھا ۔ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے پلنگ پر پڑے تڑپ رہے تھے کہ مالتی نے آکر ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا "یہ درد کب سے ہورہا ہے؟"

مہتا کو ایسا معلوم ہوا گویا ان نرم و نازک ہاتھوں نے سارا درد کھینچ لیا ۔

اٹھ کر بیٹھ گئے اور بولے "درد تو دوپہر ہی سے ہو رہا تھا اور ایسا درد مجھے آج تک نہیں ہوا تھا، مگر تمھارا ہاتھ رکھتے ہی سر ایسا ہلکا ہوگیا ہے گویا درد تھا ہی نہیں ۔ تمھارے ہاتھوں میں شفا ہے ۔"

مالتی نے انھیں کوئی دوا لا کر کھانے کو دے دی اور آرام سے لیٹے رہنے کی تاکید کر کے فوراً ہی کمرے سے نکل جانے کو ہوئی تو مہتا نے اصرار سے کہا "دو منٹ بیٹھو گی نہیں؟"

مالتی نے دروازہ پر سے مڑ کر کہا "اس وقت باتیں کروگے تو شاید پھر درد ہونے لگے ۔ آرام سے لیٹے رہو ۔ آج کل میں تمھیں ہمیشہ کچھ نہ کچھ پڑھتے یا لکھتے دیکھتی ہوں ۔ دو چار دن پڑھنا لکھنا بند کر دو ۔"

"تم ایک منٹ بیٹھو گی نہیں؟"

"مجھے ایک مریض کو دیکھنے جانا ہے ۔"

’’اچھی بات ہے جاؤ۔‘‘

مہتا کے چہرے پر کچھ ایسی اداسی چھا گئی کہ مالتی لوٹ پڑی اور سامنے آکر بولی ’’اچھا کہو، کیا کہتے ہو؟‘‘

مہتا نے بے دلی سے کہا ’’کوئی خاص بات نہیں۔ یہی کہہ رہا تھا کہ اتنی رات گئے کس مریض کو دیکھنے جاؤ گی؟‘‘

’’وہی رائے صاحب کی لڑکی ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی، مگر اب کچھ سنبھل گئی ہے۔‘‘

اس کے جاتے ہی مہتا پھر لیٹ رہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ مالتی کے ہاتھ رکھتے ہی درد کیوں رفع ہو گیا۔ ضرور اس میں کوئی عجیب طاقت ہے، اور یہ اس کی ریاضت، اس کی عملی انسانیت ہی کی برکت ہے۔ مالتی نسائیت کے اس بلند معیار پر پہنچ گئی تھی جہاں وہ نور کے ایک ستارے کی طرح روشن نظر آتی تھی۔ اب وہ عشق کی چیز نہیں، عقیدت کی چیز تھی۔ اب وہ نایاب ہو گئی تھی اور ایسا ہونا فہم وفراست والوں کے لیے سعی وکوشش کرنے کا ایک منتر ہے۔ مہتا عشق میں جس خوشی کا تصور کر رہے تھے اسے عقیدت نے اور بھی گہرائی اور جانداری دے دی تھی۔ عشق میں کچھ گھمنڈ بھی ہوتا ہے اور کچھ لگاؤ بھی، مگر عقیدت تو خود کو فنا کر دیتی ہے اور اپنی اس فنا ہی کو اپنا اعلیٰ مقصد بنا لیتی ہے۔ عشق اقتدار جمانا چاہتا ہے، جو کچھ دیتا ہے اس کے عوض میں کچھ چاہتا بھی ہے، مگر عقیدت کی انتہائی خوشی نجی قربانی میں ہے جس میں خودی کا فقدان ہو جاتا ہے!۔

مہتا کی وہ بڑی کتاب ختم ہو گئی تھی جسے وہ تین سال سے لکھ رہے تھے اور جس میں انھوں نے دنیا کی سبھی فلسفیانہ اجزاء کو شامل کیا تھا۔ یہ کتاب انھوں نے مالتی کے نام معنون کی اور جس دن اس کی جلدیں انگلستان سے آئیں اور انھوں نے ایک جلد مالتی کی نذر کی تو وہ اسے اس طرح معنون دیکھ کر متعجب بھی ہوئی اور مغموم بھی۔

اس نے کہا ’’یہ تم نے کیا کیا؟ میں تو اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتی۔‘‘

مہتا نے فخریہ کہا ’’مگر میں سمجھتا ہوں۔ یہ تو کوئی چیز نہیں، مجھ میں تو اگر سو جانیں ہوتیں تو وہ سب تمھارے قدموں پر نثار کر دیتا۔‘‘

’’مجھ پر، جس نے خود غرضی کے سوا اور کچھ جانا ہی نہیں۔‘‘

’’تمھارے تیاگ کا ایک ٹکڑا بھی میں پا جاتا تو خود کو خوش نصیب سمجھتا۔تم دیوی ہو۔‘‘

’’پتھر کی ،اتنا اور کیوں نہیں کہتے ؟‘‘

’’قربانی کی، راحت کی ، پاکیزگی کی !،،

’’تب تم نے مجھے خوب سمجھا ۔ میں اور تیاگ ! میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ سیوا یا تیاگ کا خیال میرے دل میں کبھی نہیں آیا ۔ میں جو کچھ کرتی ہوں وہ پوشیدہ یا علانیہ غرض کے لیے کرتی ہوں ۔ میں گاتی اس لیے نہیں کہ تیاگ کرتی ہوں یا اپنے گیتوں سے غم زدوں کو تسکین دیتی ہوں ، بلکہ صرف اس لیے کے اس سے میرا دل خوش ہوتا ہے ۔ اسی طرح دوا بھی غریبوں کو دے دیتی ہوں ، اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے۔ شاید دل کی خودی اس میں خوشی محسوس کرتی ہے ۔تم مجھے خواہ مخواہ دیوی بنائے ڈالتے ہو ۔ اب تو اتنی ہی کسر رہ گئی ہے کہ آرتی اور چڑھاوا وغیرہ لے کر میری پوجا کرو۔‘‘

مہتا بولے’’ وہ تو میں برسوں سے کررہا ہوں مالتی ، اور اس وقت تک کرتا رہوں گا جب تک بر دان نہ مل جائے گا۔‘‘

مالتی نے چٹکی لی’’ تو بردان پا جانے کے بعد شاید دیوی کو مندر سے نکال پھینکو۔‘‘

مہتا نے سنبھل کر کہا ’’ تب تو میری جدا گانہ ہستی ہی نہ رہے گی ۔ عابد معبود میں جذب ہو جائے گا۔‘‘

مالتی نے سنجیدگی سے کہا’’نہیں مہتا ، میں مہینوں سے اس مسئلے پر غور کر رہی ہوں اور آخر میں میں نے طے کیا ہے کہ دوست بن کر رہنا زن و شوہر بن کر رہنے سے کہیں زیادہ آرام دہ ہے ۔تم مجھ سے محبت کرتے ہو ، مجھ پر اعتبار کرتے ہو ، اور مجھے بھروسہ ہے کہ آج موقع آپڑے تو تم اپنی جان دے کر بھی میری حفاظت کروگے۔تم میں میں نے اپنا ہادی ہی نہیں بلکہ اپنا محافظ بھی پایا ہے ۔ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں اور تم پر اعتبار کرتی ہوں اور تمھارے لیے کوئی ایسی قربانی نہیں جو میں نہ کرسکوں۔ ایشور سے میری یہی بنتی ہے کہ وہ زندگی بھر مجھے اسی راہ پر قائم رکھے ۔ ہماری تکمیل کے لیے، ہمارے روحانی ارتقاء کے لیے اور کیا چاہیے ؟ اپنی چھوٹی سی گرہستی بنا کر ، اپنی روحوں کو چھوٹے سے پنجرے میں بند کرکے اپنے سکھ دکھ کو اپنے ہی تک رکھ کر کیا ہم لا محدود کے قریب تک پہنچ سکتے ہیں ؟ویسا کرنا تو ہماری راہ میں رکاوٹ ہی ڈالے گا ۔ معدودے چند آدمی ایسے بھی ہیں جو پیروں میں بیڑیاں

ڈال کر بھی ارتقائی راستے پر چل سکتے ہیں اور چل رہے ہیں ۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ تکمیل کے لیے اس محبت اور ترک وایثار میں بڑی اہمیت ہے جو کنبے کے لیے کیے جاتے ہیں ، لیکن میں اپنے دل کو اتنا مضبوط اور مستقل نہیں پاتی ۔ جب تک محبت نہیں ہے ، خودی نہیں ہے ، اس وقت تک زندگی کا لالچ نہیں ہے ، خودغرضی کا زور نہیں ہے ۔ جس روز دل لالچ میں پڑا اس روز ہمارے لیے بندش تیار ہو گئی۔ اسی وقت ہماری انسانیت کا دائرہ محدود ہو جائے گا ۔ نئی نئی ذمہ داریاں پیدا ہوں گی اور ہماری ساری طاقت انھیں کو پورا کرنے میں لگنا شروع ہو جائے گی ۔ تم جیسے طباع و دانش مند انسان کی روح کو میں اس قید میں بند نہیں کرنا چاہتی ۔ ابھی تک تمھاری زندگی کی ایک یگیہ تھی جس میں خودغرضی کے لیے بہت کم گنجائش تھی ۔ میں اسی کو پستی کی طرف نہ لے جاؤں گی ۔ دنیا کو تم جیسے مرتاضوں کی ضرورت ہے جو اپنے دل کو اتنا وسیع بنا دیں کہ ساری دنیا ان کی اپنی ہو جائے ۔ دنیا میں بے انصافی کی ، ظلم کی اور خوف کی دُہائی مچی ہوئی ہے ۔ ضعیف الاعتقادی کا، مذہبی مکاری کا اور خودغرضی کا دور دورہ ہے ۔ تم نے وہ پکار سنی ۔ تم بھی نہ سنو گے تو سننے والے آئیں گے کہاں سے؟ دوسرے ظاہری انسانوں کی طرح تم بھی اس کی طرف سے اپنے کان نہیں بند کر سکتے ۔ تمھیں ویسی زندگی ہی وبال ہو جائے گی ۔ اپنے علم اور اپنی عقل کو ، اپنی بیدار انسانیت کو زیادہ حوصلہ اور زور کے ساتھ اسی رستے پر لے جاؤ ۔ میں بھی تمھارے پیچھے پیچھے چلوں گی ۔ اپنی زندگی کے ساتھ میری زندگی بھی سپھل کر دو ؛ تم سے میرا یہی کہنا ہے ۔ اگر تمھارا دل دینویت کی طرف دوڑتا ہے ، جب بھی میں اپنا بس چلتے تمھیں ادھر سے ہٹاؤں گی اور ایشور نہ کرے کہ مجھے اپنے اس ارادے میں ناکامیاب ہونا پڑے ۔ لیکن اس حالت میں میں دو بوند آنسو گرا کر تمھارا ساتھ چھوڑ دوں گی ۔ اور کہہ نہیں سکتی کہ پھر میرا کیا انجام ہوگا ، میں کس گھاٹ لگوں گی ۔ مگر چاہے وہ کوئی گھاٹ ہو پھر بھی اس دنیوی بندش کا گھاٹ نہ ہوگا ۔ بولو مجھے کیا حکم دیتے ہو؟''

مہتا سر جھکائے سنتے رہے ۔ ایک ایک لفظ گویا ان کی دل کی آنکھیں اس طرح کھولے دیتا تھا جیسے اب تک کبھی نہ کھلی تھیں ۔ وہ خیالات جو ابھی تک ان کے سامنے خواب کی تصویروں کی طرح آئے تھے اب زندگی کی سچائیوں سے معمور ہو کر متحرک ہو رہے تھے ۔ وہ اپنے روئیں روئیں میں روشنی اور ترقی کا احساس کر رہے تھے ۔ زندگی کے بڑے ارادوں کے سامنے ہمارا بچپن ہماری آنکھوں میں پھر جاتا ہے ۔ مہتا کی آنکھوں میں بھی میٹھی یاد والا بچپن

پھر گیا جب وہ اپنی بیوہ ماں کی گود میں بیٹھ کر بہت بڑے سکھ کا احساس کیا کرتے تھے۔ کہاں ہے وہ ماں ؟ آئے اور دیکھے اپنے بیٹے کی اس شہرت و نیک نامی کو ! مجھے دعا دو ۔ تمھارا وہ ہٹی لڑکا آج ایک نیا جنم لے رہا ہے ! ۔

انھوں نے مالتی کے پیر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیے اور کانپتی ہوئی آواز میں بولے'' تمھارا حکم منظور ہے ، مالتی !''

اور دونوں ایک سے دل والے ہو کر باہم بغلگیر ہو گئے ۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔

۳۴

سِلیا کا لڑکا اب دوسال کا ہورہا تھا اور سارے گاؤں کی دوڑ لگاتا تھا۔ اپنے ساتھ ایک عجیب بولی لایا تھا اور اسی میں بولتا تھا، خواہ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ اس کی بول میں ٹ، ل اور گھ کی کثرت تھی اور سر وغیرہ غائب تھے۔ اس بولی میں روٹی کا نام اوٹی، دودھ کا توت، ساگ کا چھاگ اور کوڑی کا تولی۔ جانوروں کی بولی کی ایسی نقل کرتا ہے کہ ہنستے ہنستے لوگوں کے پیٹ میں بل پڑجاتا ہے۔ کسی نے پوچھا ''رامو، کتا کیسے بولتا ہے، تو راموسنجیدگی سے کہا ''بھوں بھوں،، اور کاٹنے دوڑتا۔ بلی کیسے بولے؟ اور رامو'' میاؤں، میاؤں،،کرکے آنکھیں نکال کرتا کتا اور پنجوں سے نوچتا۔ بڑا مست لڑکا تھا۔ جب دیکھو کھیلنے میں مگن رہتا، کھانے پینے کی سدھ نہ تھی۔ گود سے اسے چڑھ تھی۔ اس کی سب سے بڑی خوشی کے لمحے تب ہوتے جب وہ دروازے پر نیم کے نیچے منوں دھول اکھٹا کرکے اس میں لوٹتا، اسے سر پر چڑھاتا، اس کی ڈھیریاں لگاتا، اس کے گھروندے بناتا۔ اپنے ہم عمروں سے اس کی ایک لمحہ بھی نہ پٹتی۔ وہ شاید ان کو اپنے ساتھ کھیلنے کے قابل ہی نہ سمجھتا تھا۔

کوئی پوچھتا ''تمھارا نام کیا ہے؟''

فوراً کہتا '' لامو''

''تمھارے باپ کا نام کیا ہے؟''

'' ماتادین''

'' اور تمھاری ماں کا؟''

''چھِلیا''

'' اور ماتادین کون ہے؟''

'' وہ امالا چھالا ہے۔''

نہ جانے کس نے ماتادین سے اس کا یہ رشتہ بتادیا تھا۔

رامو اور روپا میں خوب پٹتی تھی۔ وہ روپا کا کھلونا تھا۔ اسے ابٹن ملتی، کاجل لگاتی،

نہلاتی ، بال سنوارتی اور اپنے ہاتھوں لقمے بنا بنا کر کھلاتی اور کبھی کبھی اسے گود میں لے کر رات کو سو بھی جاتی ۔ دھنیا ڈانٹتی کہ تو ، سب چھوا چھوت کیے دیتی ہے ۔ مگر وہ کسی کی نہ سنتی ۔ چیتھڑے کی گڑیوں نے اسے ماں بننا سکھایا تھا ۔ وہ مادرانہ جذبہ جیتا جاگتا بچہ پاکر اب گڑیوں سے مطمئن نہ ہوسکتا تھا ۔ ہوری کے پچھواڑے جس مکان میں کسی وقت اس کے بیل بندھتے تھے اسی کے کھنڈر میں سلیا اپنا ایک پھوس کا جھونپڑا ڈال کر رہنے لگی تھی ۔ ہوری کے گھر میں عمر تو نہیں کٹ سکتی تھی ۔

ماتا دین کو کوئی سو روپے خرچ کرنے کے بعد اخیر میں کاشی کے پنڈتوں نے پھر برہمن بنا دیا تھا ۔ اس روز بڑا بھاری ہوم ہوا ، بہت سے برہمنوں نے کھانا کھایا اور بہت سے منتر اور اشلوک پڑھے گئے ۔ ماتا دین کو شُدھ گوبر اور گئو موتر کھانا پینا پڑا ۔ گوبر سے اس کا دل پاک ہوگیا ۔ اور گئو موتر سے اس کی روح کے ناپاک جراثیم ہلاک ہو گئے ۔

لیکن اس طرح سے اس پرا سچت نے اسے سچ مچ پوتر کر دیا ۔ ہوم کے جلتے ہوئے کنڈ میں اس کی بشریت نکھر گئی ۔ اور ہوم کے شعلوں کی روشنی میں اس نے مذہبی ارکان کو اچھی طرح پرکھ لیا ۔ اس دن سے اسے دھرم کے نام سے چڑ ہو گئی ۔ اس نے جنیو اتار کر پھینک دیا اور پروہتی کو گنگا میں ڈبو دیا ۔ اب وہ پکا کسان تھا ۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ اگر چہ علماء نے اس کا برہمن ہونا تسلیم کرلیا لیکن لوگ اب بھی اس کے ہاتھ کا پانی نہیں پیتے ۔ اس سے مہورت پوچھتے ہیں ، ساعت اور لگن کا بچار کراتے ہیں ، اسے تیوہار کے موقعوں پر دان دکشنا دیتے ہیں مگر اپنے برتن نہیں چھونے دیتے ۔

جس دن سلیا کے بچہ پیدا ہوا اس نے دگنی مقدار میں بھنگ پی اور گھمنڈ سے جیسے اس کا سینہ تن گیا اور انگلیاں بار بار مونچھوں پر پڑنے لگیں ۔ بچہ کیسا ہوگا اسی کا سا ؟ کیسے دیکھیں ؟ اس کا دل مسوس کر رہ گیا ۔

تیسرے دن روپا کھیت میں اس سے ملی تو اس نے پوچھا ” روپیا تو نے سلیا کا لڑکا دیکھا ؟“

روپیا بولی ” دیکھا کیوں نہیں ؟ لال لال ہے ، کھوب موٹا ، بڑی بڑی آنکھیں ہیں ، سر میں جھبرالے بال ہیں ، ٹکر ٹکر تاکتا ہے ۔“

ماتا دین کے دل میں جیسے وہ لڑکا آبیٹھا تھا اور ہاتھ پیر مار رہا تھا ۔ اس کی آنکھوں میں

نشہ سا چھا گیا اس نے اس بچی کو گود میں اٹھا لیا ، پھر کندھے پر بیٹھا لیا اور پھر کندھے سے اتار کر اس کے گالوں کو چوم لیا ۔

روپا بال سنبھالتی ہوئی ڈھیٹ ہو کر بولی " چلو میں تم کو دور سے دکھا دوں ۔ دالان ہی میں تو ہے ۔ سلیا بہن نہ جانے کیوں ہر دم روتی رہتی ہے ۔"

ماتا دین نے منھ پھیر لیا ۔ اس کی آنکھیں پرنم ہو گئی تھیں اور ہونٹ کانپ رہے تھے ۔

اس رات جب سارا گاؤں سو گیا اور پیڑ تاریکی میں سما گئے تو وہ سلیا کے دروازے پر آیا اور پوری توجہ سے بچے کا رونا سنا جس میں ساری دنیا کی موسیقیت ، مسرت اور حلاوت بھری ہوئی تھی ۔

سلیا بچے کو ہوری کے مکان میں کھٹولے پر لٹا کر مجوری کرنے چلی جاتی ماتادین کسی نہ کسی بہانے سے ہوری کے گھر آتا اور کنکھیوں سے بچے کو دیکھ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرتا ۔

دھنیا مسکرا کر کہتی " لجاتے کیوں ہو ؟ گود میں لے لو ، پیار کرو ! کیسا کاٹھ کا کلیجہ ہے تمھارا ؟ بالکل تم پر پڑا ہے ۔"

ماتادین دو ایک روپے سلیا کے لیے پھینک کر باہر نکل آتا ۔ بچہ کے ساتھ اس کی روح میں بھی بالیدگی ، شگفتگی اور چمک آرہی تھی ۔ اب اس کی زندگی کا بھی ایک ہی مقصد تھا ، ایک ہی عہد تھا ۔ اس میں باقاعدگی آگئی ، سنجیدگی آگئی ، ذمہ داری آگئی !

ایک دن راموکھٹولے پر لیٹا ہوا تھا ۔ دھنیا کہیں گئی تھی ۔ روپا لڑکوں کا شور وغل سن کر کھیلنے چلی گئی تھی ۔ گھر سونا تھا ۔ اسی وقت ماتادین پہنچا ۔ بچہ نیلے آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر ہاتھ پاؤں پھینک رہا تھا ، ہمک رہا تھا ۔ زندگی کی اس خوشی کے ساتھ جو ابھی اس میں تازہ تھی ۔ ماتادین کو دیکھ کر وہ ہنس پڑا ۔ ماتادین محبت سے بے چین ہو گیا ۔ اس نے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا ۔ اس کا دل اور سارا بدن خوشی سے کانپ اٹھا ؛ گویا پانی کی لہروں میں نور کی شعاعیں کانپ رہی ہوں ۔ بچہ کی گہری ، صاف ، اتھاہ خوشی بھری آنکھوں میں گویا اس کی زندگی کی سچائی مل گئی ۔ اسے ایک طرح کا ڈر سا لگا گویا وہ نگاہیں اس کے دل میں کھبی جاتی ہوں ، وہ کتنا ناپاک ہے ! ایشور کی اس دین کو کیسے چھو سکتا ہے ؟ اس نے بچے کو خوف بھرے دل کے ساتھ پھر لٹا دیا ۔ اسی وقت روپا باہر سے آگئی اور وہ باہر نکل گیا ۔

ایک دن خوب اولے پڑے ۔ سلیا گھاس لے کر بازار گئی ہوئی تھی اور روپا اپنے کھیلنے

میں مگن تھی ۔ رامو نے آنگن میں بنولے بچھے دیکھے تو سمجھا کے بتاشے پھیلے ہوئے ہیں۔ کئی بنولے اٹھا کر کھائے اور آنگن میں خوب کھیلا ۔ رات کو اسے بخار آگیا اور دوسرے دن نمونیا ہوگیا اور تیسرے دن شام کو سلیا کی گود میں بچے کی روح پرواز کر گئی ۔

لیکن بچہ مرکر بھی سلیا کی زندگی کا مرکز بنا رہا۔ اس کے سینے میں دودھ کا ابال سا آتا اور آنچل تر ہو جاتا ۔ اسی وقت آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ۔ پہلے سب کاموں سے فراغت پا کر رات کو جب وہ رامو کو سینے سے لگا کر اس کے منھ میں دودھ ڈالتی تو گویا اس کا دل بچے کی تازگی سے بھر جاتا ۔ تب وہ پیارے پیارے گیت گاتی اور میٹھے میٹھے سپنے دیکھتی ۔ اور نئی نئی دنیا بناتی جس کا راجا رامو ہوتا ۔ اب سب کاموں سے فرصت پا کر وہ اپنی سونی جھونپڑی میں روتی ، اور اس کی روح تڑپتی رہتی تھی ، اڑ جانے کے لیے اس لوک میں جہاں اس کی گودی کا لال اس وقت کھیل رہا ہوگا ! اس کے غم میں کل گاؤں شریک تھا ۔ رامو کتنا چلبلا تھا ، جو کوئی بلاتا اسی کی گود میں چلا جاتا ۔ مرکر اور پہنچ سے باہر ہو کر وہ اب اور بھی عزیز ہوگیا تھا ۔ اس کا عکس اسے کہیں زیادہ سندر، چلبلا اور لبھاؤنا تھا ! ۔

ماتادین اس دن کھل پڑا ۔ پردہ ہوتا ہے ہوا کے لیے ۔ آندھی میں پردے اٹھا کر رکھ دیے جاتے ہیں کہ آندھی کے ساتھ اڑ نہ جائیں ۔ اس نے لاش کو دونوں ہتھیلیوں پر اٹھا لیا اور تنہا ندی کے کنارے تک لے گیا جو ایک میل کا پاٹ چھوڑ کر ایک پتلی سی دھار میں سما گئی تھی ۔ آٹھ روز تک اس کے ہاتھ سیدھے نہ ہو سکے ۔ اس دن وہ ذرا بھی نہ شرمایا ۔ ذرا بھی نہ جھجکا ۔

اور کسی نے کچھ کہا بھی نہیں، بلکہ سب نے اس کی ہمت اور استقلال کی تعریف کی۔

ہوری نے کہا ''یہی مرد کا دھرم ہے ۔ جس کی بانہہ پکڑی اسے کیا چھوڑنا ۔''

دھنیا نے آنکھیں نچا کر کہا ''مت بکھان کرو ، جی جلتا ہے ۔ وہ مرد ہے ؟ میں تو ایسے مرد کو نامرد کہتی ہوں ۔ جب بانہہ پکڑی تھی تب کیا دودھ پیتا تھا کہ سلیا بامھنی ہوگئی تھی؟''

ایک مہینہ بیت گیا سلیا پھر مزدوری کرنے لگی تھی ۔ شام ہوگئی تھی ۔ پورنماسی کا چاند ہنستا ہوا سا نکل آیا تھا ۔ سلیا نے کٹے ہوئے کھیت میں سے گرے ہوئے جو کے خوشے چن کر ٹوکری میں رکھ لیے تھے اور گھر جانا چاہتی تھی کہ چاند پر نظر پڑی اور درد بھری یاد کا جیسے سوتھ سا کھل گیا ۔ آنچل دودھ سے بھیگ گیا اور چہرا آنسوں سے۔اس نے سر جھکا لیا اور گویا

رونے کا لطف اٹھانے لگی۔

دفعتاً کسی کی آہٹ پاکر چونک پڑی۔ ماتادین پیچھے سے آکر سامنے کھڑا ہوگیا اور بولا ''کب تک روئے جائے گی سلیا؟ رونے سے وہ پھر تو نہ آجائے گا۔''

اور یہ کہتے کہتے وہ خود رو پڑا۔

سلیا کے منھ میں آئے ہوئے شکوے کے الفاظ پگھل گئے اور آواز سنبھال کر بولی ''تم آج ادھر کیسے آگئے؟''

ماتادین نے رنجیدہ ہوکر کہا ''ادھر سے جارہا تھا، تجھے بیٹھے دیکھا تو چلا آیا۔''

''تم تو اسے کھلا بھی نہ پائے۔''

''نہیں سلیا، ایک دن کھلا آیا تھا۔''

''سچ؟''

''سچ!''

''میں کہاں تھی؟''

''تو ہاٹ میں گئی ہوئی تھی۔''

''تمھاری گود میں رویا نہیں؟''

''نہیں سلیا ہنستا تھا۔''

''سچ؟''

''سچ!''

''بس ایک ہی دن کھلایا؟''

''ہاں، ایک ہی دن۔ مگر دیکھنے نت آتا تھا۔ اسے کھٹولے پر کھیلتے دیکھتا تھا اور دل تھام کر چلا جاتا تھا۔''

''تم ہی پر پڑا تھا۔''

''مجھے تو پچھتاوا ہوتا ہے کہ ناحق اس دن اسے گود میں لیا۔ یہ میرے پاپوں کا ڈنڈ ہے۔''

سلیا کی آنکھوں میں عفو جھلک رہا تھا۔ اس نے ٹوکری سر پر رکھی اور گھر چلی۔ ماتادین بھی اس کے ساتھ چلا۔

سلیا نے کہا '' میں تو اب دھنیا کاکی کے بروٹھے میں سوتی ہوں ، اپنے گھر میں اچھا نہیں لگتا ۔''

'' دھنیا مجھے برابر سمجھاتی رہتی تھی ۔''

'' سچ ؟''

'' ہاں سچ ! جب ملتی تھی سمجھانے لگتی تھی ۔''

گاؤں کے قریب جاکر سلیا نے کہا '' اچھا، ادھر سے اپنے گھر چلے جاؤ ۔ کہیں پنڈت دیکھ نہ لیں ۔''

ماتادین نے گردن اٹھا کر کہا '' میں اب کسی سے نہیں ڈرتا ۔''

'' گھر سے نکال دیں گے تو کہاں جاؤ گے ؟''

'' میں نے اپنا گھر بنا لیا ہے ۔''

'' سچ ؟''

'' ہاں سچ ! ''

'' کہاں ؟ میں نے تو نہیں دیکھا !''

'' چل تو ، دکھاتا ہوں ۔''

دونوں اور آگے بڑھے ۔ ماتادین آگے تھا اور سلیا پیچھے ۔ ہوری کا گھر آ گیا۔ ماتادین اسی کے پچھواڑے جاکر سلیا کی جھونپڑی کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور بولا '' یہی میرا گھر ہے ! ''

سلیا نے بے اعتباری ، عفو ، طنز اور درد سے بھرے لہجے میں کہا '' یہ تو سلیا چمارن کا گھر ہے ۔''

ماتادین نے دوروازے کی ٹٹی کھولتے ہوئے کہا '' یہ میری دیوی کا مندر ہے ۔''

سلیا کی آنکھیں چمک اٹھیں ۔ بولی '' مندر ہے تو ایک لوٹا پانی انڈیل کر چلے جاؤ گے ۔''

ماتادین نے اس کے سر کی ٹوکری اتارتے ہوئے کانپتی ہوئی آواز میں کہا '' نہیں سلیا ' جب تک جان ہے تیری سرن میں رہوں گا اور تیری ہی پوجا کروں گا ۔''

'' جھوٹ کہتے ہو ۔''

''نہیں تیرے چرن چھوکر کہتا ہوں ۔ سنا کہ پٹواری کا لونڈا بھنسیری تیرے پیچھے بہت پڑا تھا ۔ تو نے اسے کھوب ڈانٹا ۔''

تم سے کس نے کہا ؟''

''بھنسیری آپ ہی کہتا تھا ۔''

''سچ ؟''

''ہاں سچ !''

سلیا نے دیا سلائی سے کُپّی جلائی ۔ ایک طرف مٹی کا گھڑا تھا اور دوسری طرف چولھا ، جہاں دو تین پیتل اور لوہے کے برتن صاف کیے رکھے تھے ۔ درمیان میں پوال بچھا ہوا تھا ۔ وہی سلیا کا بستر تھا ۔ اس بستر کے سرہانے راموکا چھوٹا سا کھٹولا پڑا ہوا گویا رو رہا تھا اور اسی کے پاس دو تین مٹی کے ہاتھی گھوڑے ٹوٹی ہوئی حالت میں پڑے تھے ۔ جب مالک ہی نہ رہا تو کون ان کی دیکھ بھال کرتا ؟ ماتادین پوال پر بیٹھ گیا ۔ دل میں ہوک سی اٹھ رہی تھی ۔ جی چاہتا تھا کہ خوب روئے ۔

سلیا نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا ''تمھیں کبھی یاد آتی تھی ؟''

ماتادین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا ''تو ہر دم میری آنکھوں میں پھرتی رہتی تھی ۔ تو بھی مجھے کبھی یاد کرتی تھی ؟''

''میرا تو تم سے جی جلتا تھا ۔''

''اور دیا نہیں آتی تھی ؟''

''کبھی نہیں ۔''

''تو بھنسیری .. .. ..''

''اچھا گالی مت دو ۔ میں ڈر رہی ہوں کہ گاؤں والے کیا کہیں گے ۔''

''جو بھلے آدمی ہیں وہ کہیں گے کہ یہی اس کا دھرم تھا ۔ جو برے ہیں ان کی میں پرواہ نہیں کرتا ۔''

''اور تمھارا کھانا کون پکائے گا ؟''

''میری رانی سلیا ۔''

''تو باھمن کیسے رہوگے ؟''

'' میں باہمن نہیں ، چمار ہی رہنا چاہتا ہوں ۔ جو اپنا دھرم پالے وہی باہمن ہے ، جو دھرم سے منھ موڑے وہی چمار ہے ! ''

سلیا نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں ۔

۳۵

ہوری کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جارہی تھی ۔ زندگی کی جدو جہد میں اسے ہمیشہ شکست ملی ، مگر اس نے کبھی ہمت نہ ہاری ۔ ہر شکست گویا اسے قسمت سے لڑنے کی طاقت دے دیتی تھی ۔ مگر اب وہ اس آخری حالت میں پہنچ گیا تھا جب اس میں خود اعتمادی بھی نہ رہ گئی تھی ۔ مگر وہ اپنے دھرم پر اٹل رہ سکتا تو بھی کچھ اشک شوئی ہو جاتی ۔ مگر یہ بات نہ تھی اس نے نیت بھی بگاڑی ، ادھرم بھی کمایا ، کوئی ایسی برائی نہ تھی جس میں وہ نہ پڑا ہو ۔ پھر بھی زندگی کی کوئی خواہش پوری نہ ہوئی اور اچھے دن سراب کی طرح دور ہی ہوتے چلے گئے ۔ یہاں تک کہ اب اسے وہ دھوکا بھی نہ رہ گیا تھا ، جھوٹی امید کی ہریالی اور چمک بھی اب نہ دکھائی دیتی تھی ۔ ہارے ہوئے راجا کی طرح اس نے خود کو اس تین بیگھے کھیت کے قلعے میں بند کر دیا تھا اور اسے جان کی طرح بچا رہا تھا ۔ فاقے کیے، بدنام ہوا ، مزدوری کی ، مگر قلعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ۔ مگر اب وہ قلعہ بھی قبضہ سے نکلا جاتا تھا ۔ تین سال سے لگان باقی پڑا ہوا تھا اور اب پنڈت نوکھے رام نے اس پر بیدخلی دائر کر دی تھی ۔ کہیں سے روپے ملنے کی امید نہ تھی ۔ زمین اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور اس کی بقیہ زندگی مزدوری میں کٹے گی ۔ بھگوان کی اِچّھا ! رائے صاحب کو کیوں دوکھ دے ۔ اسامیوں ہی سے تو ان کا بھی گجر ہے ۔ اسی گاؤں پر آدھے سے اِدھک گھروں پر بیدکھلی آرہی ہے ۔ آوے ۔ اوروں کی جو دسا ہوگی ، وہی اس کی بھی ہوگی ۔ بھاگ میں سکھ بَدا ہوتا تو لڑکا کیوں ہاتھ سے بے ہاتھ ہو جاتا ؟

شام ہوگئی تھی ۔ وہ اسی فکر میں ڈوبا ہوا بیٹھا تھا کہ پنڈت داتادین نے آکر کہا ”کیا ہوا ہوری ہماری بیدخلی کا ؟ ان دنوں نوکھے رام سے میری بول چال بند ہے۔ کچھ پتہ نہیں۔ سنا ہے کہ تاریکھ کے پندرہ دن اور رہ گئے ہیں ۔“

ہوری نے ان کے لیے کھاٹ ڈال کر کہا ” وہ مالک ہیں جو چاہیں سو کریں ۔ میرے پاس روپیہ ہوتا تو یہ درگت کیوں ہوتی ؟ کھایا نہیں ، اڑایا نہیں ، پر اپج ہی نہ ہو اور جو ہو بھی

وہ کوڑی مول جائے تو کسان کیا کرے؟''

'' پر دھرتی تو بچانا ہی پڑے گی ۔ نباہ کیسے ہوگا ! باپ دادوں کی اتنی ہی نسانی بچ رہی ہے ۔ وہ نکل گئی تو کہاں رہو گے ؟''

'' بھگوان کی مرجی ہے ، میرا کیا بس ہے ؟''

'' ایک اپائے ہے جو تم کرو ۔''

ہوری کو جیسے جان سی مل گئی ۔ اس کے پاؤں پڑ کر بولا '' بڑا دھرم ہوگا مہراج ، تمھارے سوا میرا کون ہے ؟ میں تو نراس ہو گیا تھا ۔''

نراس ہونے کی کوئی بات نہیں ۔ بس اتنا ہی سمجھ لو کہ سکھ میں آدمی کا دھرم کچھ اور ہوتا ہے ، دکھ میں کچھ اور ۔ سکھ میں آدمی دان دیتا ہے پر دکھ میں بھیک تک مانگتا ہے۔ تب آدمی کا یہی دھرم ہوجاتا ہے ۔ چُولا اچھا رہتا ہے تو ہم اسنان پوجا کیے بنا منھ میں پانی تک نہیں ڈالتے ، پھر بیمار ہو جاتے ہیں تو بنا نہائے دھوئے کپڑے پہنے اور کھاٹ پر بیٹھے ہوئے کھالیتے ہیں ۔ اس سمے کا یہی دھرم ہے ۔ یہاں ہم میں تم میں کتنا پھرک ہے مگر جگناتھ پوری میں ایسی کوئی بات نہیں ۔ اونچے نیچے سبھی ایک پنگت میں بیٹھ کر کھاتے ہیں ۔ برے دنوں میں رام چندر جی نے سیوری کے جوٹھے بیر کھائے تھے اور بال کو چھپ کر مارا تھا ۔ جب سنکٹ میں بڑے بڑے لوگوں کی مرجاد ٹوٹ جاتی ہے تو ہماری تمھاری کون چلاوے ؟ رام سیوک مہتو کو تو جانتے ہو نا ؟''

ہوری نے بیدلی سے کہا '' ہاں ، جانتا کیوں نہیں ۔''

'' میرا ججمان ہے ۔ بڑا اچھا جمانہ ہے اس کا۔ کھیتی باڑی الگ ، لین دین الگ ۔ ایسے رعب داب کا آدمی ہی نہیں دیکھا ۔ کئی مہینے ہوئے اس کی عورت مرگئی ۔ اولاد کوئی نہیں ہے۔ اگر روپا کا بیاہ اس سے کرنا چاہو تو میں اسے راجی کرلوں گا ۔ میری بات وہ کبھی نہ ٹالے گا ۔ لڑکی سیانی ہو گئی ہے اور سمے برا ہے کہیں کوئی بات ہو جائے تو منھ میں کالکھ لگے ۔ یہ بڑا اچھا موکا ہے ۔لڑکی کا بیاہ بھی ہو جائے گا ۔ اور تمھارے کھیت بھی بچ جائیں گے ۔ بیاہ کے کھرچ سے بھی بچے جاتے ہو ۔''

رام سیوک ہوری سے دو ہی چار برس چھوٹا تھا ۔ ایسے آدمی سے روپا کا بیاہ کرنے کی تجویز ہتک آمیز تھی ۔ کہاں پھول سی روپا اور کہاں وہ بوڑھا ٹھوٹھ ۔ زندگی میں ہوری نے بڑی

بڑی چوٹیں سہی تھیں مگر یہ چوٹ سب سے گہری تھی۔ آج اس کے ایسے دن آ گئے ہیں کہ اس سے لڑکی بیچنے کی بات کہی جاتی ہے اور اس میں انکار کرنے کی ہمت نہیں ہے! ۔ رنج سے اس کا سر جھک گیا ۔

داتا دین نے ایک منٹ کے بعد پوچھا '' تو کیا کہتے ہو؟''

ہوری نے صاف جواب نہ دیا '' سوچ کر کہوں گا ۔''

'' اس میں سوچنے کی کیا بات ہے ؟''

'' دھنیا سے بھی تو پوچھ لوں ۔''

'' تم راجی ہو کہ نہیں ؟''

'' تنک سوچ لینے دو مہراج ۔ آج تک گھرانے میں کبھی ایسا نہیں ہوا ۔ اس کی مرجاد بھی تو رکھنی ہے ۔''

'' پانچ چھ دن کے اندر جواب دے دینا ۔ ایسا نہ ہو کہ تم سوچتے ہی رہو اور بے دکھلی ہو جائے ۔''

داتا دین چلے گئے ۔ ہوری کی طرف سے انھیں کوئی اندیشہ نہ تھا ۔ اندیشہ تھا دھنیا کی طرف سے ۔ اس کی ناک بڑی لمبی ہے ۔ چاہے آپ مٹ جائے، مرجاد نہ چھوڑے گی ۔ مگر ہوری ، ہاں ، کرلے تو وہ بھی رو دھو کر مان ہی جائے گی ۔ کھیتوں کے نکل جانے میں بھی تو مرجاد بگڑتی ہے ۔

دھنیا نے آکر پوچھا '' پنڈت کیوں آئے تھے ؟''

'' کچھ نہیں ، یہی بیدخلی کی بات چیت تھی ۔''

'' آنسو پوچھنے آئے ہوں گے ، یہ تو نہ ہوگا کہ سو روپے ادھار دے دیں ۔''

'' مانگنے کا منھ بھی تو نہیں ہے ۔''

'' تو یہاں آتے ہی کیوں ہیں ؟''

'' روپیا کی سگائی کی بات بھی تھی ۔''

'' کس سے ؟''

'' رام سیوک کو جانتی ہے ؟ ان ہی سے ۔''

'' میں نے انھیں کب دیکھا ؟ ہاں نام بہت دن سے سنتی ہوں ۔ وہ تو بوڑھا ہوگا؟''

''بوڑھا نہیں ہے ، ہاں اڈھیڑ ہے ۔''

''تم نے پنڈت کو پھٹکارا نہیں ، مجھ سے کہتے تو ایسا جواب دیتی کہ یاد کرتے ۔''

'' پھٹکارا نہیں ، مگر انکار کر دیا ۔ کہتے تھے کہ بیاہ بھی بنا کھرچ کے ہو جائے گا اور کھیت بھی بچ جائیں گے ۔''

'' کھل کر کیوں نہیں کہتے کے لڑکی بیچنے کو کہتے تھے ۔ کیسے اس بوڑھے کی ہمت پڑی ۔''

لیکن ہوری اس مسئلے پر جتنا ہی غور کرتا تھا اتنی ہی اس کی ہٹ کمزور ہوتی جاتی تھی۔ مرجاد کی لاج اسے کم نہ تھی ، لیکن جس مریض کا عارضہ مہلک ہوگیا ہو وہ کھانے پینے میں پرہیز کی کب پروا کرتا ہے ؟ داتادین کے سامنے ہوری نے کچھ ایسے طرز کا اظہار کیا تھا جسے منظوری نہیں کہا جاسکتا تھا ۔ مگر اندر سے وہ پگھل گیا تھا ۔ عمر کی ایسی کوئی بات نہیں ۔ مرنا جینا بھاگ کے ہاتھ ہے ۔ بوڑھے بیٹھے رہتے ہیں ، جوان چلے جاتے ہیں ۔ روپا کے بھاگ میں سکھ لکھا ہے تو وہاں بھی سکھ اٹھاوے گی اور دکھ لکھا ہے تو کہیں بھی سکھ نہیں پاسکتی۔ اور لڑکی بیچنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ۔ ہوری اس سے جو کچھ لے گا ادھار لے گا اور ہاتھ میں روپیہ آتے ہی ادا کر دے گا ۔ اس میں شرم یا ہتک کی کوئی بات نہیں ۔ ہاں اس میں سمائی ہوتی تو وہ روپا کا بیاہ کسی جوان لڑکے سے اونچے گھرانے میں کرتا ۔ مگر جب ایشور نے اسے اس لائق نہیں بنایا تو کسا کنیا دینے کے سوا اور کیا کرسکتا ہے ؟ لوگ ہنسیں گے ، مگر جو لوگ صرف ہنستے ہیں اور کوئی مدد نہیں کرتے ان کی ہنسی کی وہ کیوں پرواہ کرے ؟ مشکل یہی ہے کہ دھنیا نہ مانے گی ۔ گدھی تو ہے ہی ! وہی پرانی لاج لیے بیٹھی رہے گی ۔ یہ گھرانے کی مرجاد نباہنے کا سمے نہیں ہے ، اپنی جان بچانے کا سمے ہے۔ ایسی ہی بڑی لاج مرجاد والی ہے تو لائے پانچ سو روپے نکالے ۔ کہاں دھرے ہیں ؟

دو دن گزر گئے اور اس کے متعلق دونوں میں کوئی بات چیت نہ ہوئی ۔ ہاں ، دونوں اشارتاً گفتگو کرتے رہتے تھے ۔

دھنیا کہتی '' بر اور کنیا جوڑ کے ہوں تبھی بیاہ کا سکھ ہے ۔''

ہوری جواب دیتا '' بیاہ سکھ کا نام نہیں ہے پگلی ، یہ تو تپسیا ہے ۔''

'' چلو ، تپسیا ہے !''

'' ہاں میں کہتا جو ہوں ، بھگوان آدمی کو جس دسا میں ڈال دیں اس میں سکھی رہنا تپسیا نہیں تو اور کیا ہے ؟

دوسرے دن دھنیا ازدواجی مسرت کا دوسرا پہلو ، سوچ نکالا '' گھر میں جب تک ساس سسر ، دیورانیاں جٹھانیاں نہ ہوں تب تک سسرال کا سکھ ہی کیا ، کچھ دن تو لڑکی بہو بننے کا سکھ پائے ۔''

ہوری نے کہا '' یہ بیاہ کا سکھ نہیں ہے ، دکھ ہے ! ۔''

دھنیا بگڑ اٹھی '' تمھاری باتیں بھی نرالی ہوتی ہیں ۔ اکیلی بہو گھر میں کیسے رہے گی؟ نہ کوئی آگے نہ پیچھے ! ۔''

ہوری بولا '' تو اس گھر میں آئی تو ایک نہیں دو دو دیور تھے ، ساس تھی ، سسر تھا ، تو نے کون سا سکھ اٹھا لیا ؟ بتا ! ،،

'' کیا سبھی گھروں میں ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں ؟''

'' اور نہیں تو کیا ، آسمان کی دیویاں آجاتی ہیں ؟ اکیلی تو بہو اور اس پر حکم چلانے والا سارا گھر۔ بے چاری کس کس کا کہنا کرے جس کا حکم نہ مانے وہی بیری ۔ سب سے بھلا اکیلا۔

پھر بھی بات یہیں تک رہ گئی ۔مگر دھنیا کا پلڑا ہلکا ہو جاتا تھا ۔ چوتھے دن رام سیوک مہتو خود آپہنچے ۔ کلاں راس گھوڑے پر سوار ، ساتھ میں ایک نائی اور ایک خدمت گار لیے ، جیسے کوئی بڑا زمیندار ہو ۔ عمر چالیس سے اوپر تھی اور بال کھچڑی ہو گئے تھے ،مگر چہرے پر رونق تھی اور بدن مضبوط تھا ۔

ہوری ان کے سامنے بالکل بوڑھا لگتا تھا ۔ کسی مقدمے کی پیروی کرنے جارہے تھے۔ یہاں ذرا دوپہر گزارنا چاہتے تھے ۔ دھوپ کتنی تیز ہے اور لو کتنے زوروں کی چل رہی ہے ! ہوری دلاری کی دوکان سے گیہوں کا آٹا اور گھی لایا ۔ پوریاں بنیں ۔ تینوں مہمانوں نے کھایا۔ داتا دین بھی دعا دینے آپہنچے تھے ۔ باتیں ہونے لگیں ۔

داتا دین نے پوچھا '' کیسا مکدمہ ہے مہتو ؟''

رام سیوک نے شان جماتے ہوئے کہا '' مکدمہ تو ایک نہ ایک لگا ہی رہتا ہے مہراج ! دنیا میں گئو بننے سے کام نہیں چلتا، جتنا دبتے جاؤ اتنا ہی لوگ دباتے ہیں ۔ تھانہ پولیس ،

کچہری عدالت ، سب ہے ہماری رچھا کے لیے مگر رچھا کوئی نہیں کرتا ۔ ہر جگہ لوٹ ہے ، جو گریب ہے ، لاچار ہے ، اس کی گردن کاٹنے کے لیے سبھی تیار رہتے ہیں ۔ بھگوان نہ کرے کوئی بے ایمانی کرے ۔ یہ بڑا پاپ ہے ۔تم ہی سوچو کہ آدمی کہاں تک دبے ۔ یہاں تو جو کسان ہے وہ سب کا ملائم چارا ہے ۔ پٹواری کو نُجر اور دستوری نہ دیں تو گاؤں میں رہنا کٹھن ، جمیندار کے چپراسیوں اور کارندوں کا پیٹ نہ بھریں تو نباہ نہیں ۔ تھانیدار اور کانسٹیبل تو جیسے اس کے داماد ہیں ۔ جب ان کا دورا گاؤں میں ہو جائے تو کسانوں کا دھرم ہے کہ وہ ان کی ہر طرح آؤ بھگت کریں ، نہیں تو ایک رپٹ میں گاؤں کا گاؤں بندھ جائے۔ کبھی کانون گو ، کبھی تحصیلدار ، کبھی ڈپٹی ، کبھی جنٹ ، کبھی کلٹر ، کبھی کپتان آتے ہی رہتے ہیں اور کسانوں کو ان کے آگے ہاتھ باندھے کھڑا رہنا چاہیے ۔ ان کے لیے رسد چارا ، انڈا مرگی، دودھ گھی کا بندوبست کرنا چاہیے ۔تم پر بھی تو وہی بیت رہی ہے مہراج ۔ ایک نہ ایک حاکم نت نئے بڑھتے جاتے ہیں ۔ ایک ڈاکٹر کنوؤں میں دوائی ڈالنے کے لیے آنے لگا ہے ۔ ایک دوسرا ڈاکٹر کبھی کبھی آکر ڈھوروں کو دیکھتا ہے ۔لڑکوں کا امتحان لینے والا نسپٹر ہے اور نہ جانے کون کون اپسر ہیں ، نہر کے الگ ، جنگل کے الگ ، سراب تاڑی کے الگ ، گاؤں سدھار کے الگ ، کھیتی کے الگ ، کہاں تک گناؤں ؟ پادری آجاتا ہے تو اسے بھی رسد دینا پڑتا ہے ۔ اور جو کہو کہ اتنے محکموں اور اتنے اپسروں سے کسانوں کا کچھ بھلا ہوتا ہے تو نام کو نہیں ۔ ابھی جمیندار نے ہل پیچھے دو دو روپیہ چندا لگایا ۔ کسی بڑے اپسر کی دعوت تھی ۔ کسانوں نے دینے سے انکار کر دیا ۔ بس اس نے گاؤں بھر پر اجاپھا کر دیا ۔ حاکم بھی جمیندار کا پچھ کرتے ہیں ۔ یہ نہیں سوچتے کے کسان بھی آدمی ہے ۔ اس کے بھی بال بچے ہیں ، اس کی اِجت آبرو ہے ۔ اور یہ سب ہمارے دبو پن کا نتیجہ ہے۔ میں نے گاؤں بھر میں ڈھول بجوادی کہ کوئی بیسی لگان نہ دو اور نہ کھیت چھوڑو۔ ہم کو کوئی کائل کر دے تو ہم بیسی دینے کو تیار ہیں ، پر جو تم چاہو کہ بے منھ کے کسانوں کو پیس کر پی جاؤ تو یہ نہ ہوگا ۔ گاؤں والوں نے میری بات مان لی اور سب نے بیسی دینے سے انکار کر دیا ۔ جمیندار نے دیکھا کے سارا گاؤں ایک ہو گیا ہے تو لاچار ہو گیا ۔ کھیت بے دکھل بھی کردے تو جوتے کون ؟ آج جب تک کڑے نہ پڑو کوئی نہیں سنتا ۔ روئے بنا تو لڑکا بھی ماں سے دودھ نہیں پاتا ۔''

رام سیوک تیسرے پہر چلا گیا مگر دھنیا اور ہوری پر ایک نہ مٹنے والا اثر چھوڑ گیا۔

داتا دین کا جادو چل گیا۔ انھوں نے پوچھا " اب کیا کہتے ہو ہوری ؟"

ہوری نے دھنیا کی طرف اشارہ کر کے کہا " اس سے پوچھو۔"

" تم دونوں سے پوچھتے ہیں۔"

دھنیا بولی " عمر تو ادھک ہے پر تم لوگوں کی رائے ہے تو مجھے بھی منجو رہے۔ بھاگ میں جو لکھا ہوگا وہ تو آگے آوے ہی گا پر آدمی اچھا ہے۔"

اور ہوری کو رام سیوک پر ویسا ہی بھروسہ ہوگیا جیسا کمزور کو طاقتور پر ہوتا ہے۔ وہ شیخ چلّی کے منصوبے باندھنے لگا تھا۔ آدمی اس کا ہاتھ پکڑ لے تو بیڑا پار ہے۔

بیاہ کا مہورت ٹھیک ہو گیا۔ گوبر کو بھی بلانا ہوگا۔ لکھنا چاہیے۔ پھر آنا نہ آنا اس کے من کی بات ہے۔ یہ کہنے کو تو منھ نہ رہے کہ مجھے بلایا کب تھا۔ سونا کو بھی بلانا ہوگا۔

دھنیا نے کہا " گوبر تو ایسا نہیں تھا۔ مگر جب جھنیا آنے دے۔ پردیس جا کر ایسا بھول گیا کہ نہ چٹھی نہ پتری۔ نہ جانے کیسے ہے۔" یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

گوبر کو خط ملا تو چلنے کو تیار ہو گیا۔ جھنیا کو جانا تو اچھا نہ لگتا تھا مگر اس موقع پر کچھ نہ کہہ سکی۔ بہن کے بیاہ میں بھائی کا نہ جانا کیسے ممکن ہے۔ سونا ہی کے بیاہ میں نہ جانے کا کلنک کیا کم ہے۔

گوبر بھرے ہوئے گلے سے بولا " ماں باپ سے کھنچے رہنا کوئی اچھا کام نہیں۔ اب ہمارے ہاتھ پاؤں ہیں تو ان سے کھنچیں چاہے لڑیں، مگر جنم تو ان ہی نے دیا، پال پوس کر جوان تو ان ہی نے کیا۔ اب وہ ہمیں چار بات بھی کہیں تو گم کھانا چاہیے۔ ادھر مجھے بار بار اماں بابا کی یاد آیا کرتی ہے۔ اس سمے مجھے نہ جانے کیوں ان پر گسہ آ گیا تھا تیرے کارن ماں باپ کو بھی چھوڑنا پڑا۔"

جھنیا بگڑ اٹھی " مجھے یہ پاپ نہ لگاؤ، ہاں تم ہی کو لڑنا سوجھا تھا۔ میں تو اماں کے پاس اتنے دن کبھی سانس تک نہ لیا۔"

" لڑائی تیرے کارن ہوئی۔"

" اچھا میرے ہی کارن سہی، میں نے بھی تمھارے لیے اپنا گھر بار چھوڑ دیا۔"

" تیرے گھر میں کون تجھے پیار کرتا تھا ؟ بھائی بگڑتے تھے، بھاوجیں ستاتی تھیں اور بھولا تجھے پاتے تو کچا ہی کھا جاتے۔"

''تمھارے ہی کارن۔''

''اب کی جب تک رہیں اس طرح رہیں کہ انھیں بھی جندگانی کا کچھ سکھ ملے۔ ان کی مرجی کے بِنا پر کوئی کام نہ کریں۔ دادا اتنے اچھے ہیں کہ کبھی مجھے ڈانٹا بھی نہیں۔ اماں نے کئی بار مارا ہے مگر جب وہ مارتی تھیں تب کچھ نہ کچھ کھانے کو بھی دے دیتی تھیں۔ مارتی تھیں۔ پر جب تک مجھے ہنسا نہ لیں انھیں چین نہ آتا تھا۔''

دونوں نے مالتی سے ذکر کیا۔مالتی نے چھٹی ہی نہیں دی بلکہ کنیا کی بھیٹ کے لیے ایک چرخہ اور ہاتھوں کا کنگن بھی دیا۔ وہ خود جانا چاہتی تھی مگر کئی ایسے مریض اس کے زیر علاج تھے جنھیں ایک دن کے لیے نہ چھوڑسکتی تھی، ہاں شادی کے دن آنے کا وعدہ کیا۔ اور بچے کے لیے کھلونوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اسے بار بار چومتی اور پیار کرتی تھی۔ گویا سب کچھ پیشگی لے لینا چاہتی ہے، اور بچہ اس کے پیار کی بالکل پرواہ نہ کرکے گھر جانے کے لیے خوش تھا؛ اسی گھر کے لیے جس کو اس نے دیکھا تک نہ تھا۔ اس کے طفلا نہ تصور میں گھر بہشت سے بڑھ کر کوئی چیز تھا۔

گوبر نے گھر پہنچ کر وہاں کی حالت دیکھی تو بڑی مایوسی ہوئی کہ اسی وقت واپس جائے۔ گھر کا ایک حصہ گرنے کے قریب تھا۔ دورازے پر صرف ایک بیل بندھا ہوا تھا اور وہ بھی ادھ مرا سا۔ دھنیا اور ہوری دونوں خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ مگر گوبر کا جی اچاٹ تھا۔ اب اس گھر کے سنبھلنے کی کیا امید ہے؟ وہ غلامی کرتا ہے مگر پیٹ بھر کھاتا تو ہے۔ صرف ایک ہی مالک کا تو نوکر ہے۔ یہاں تو جسے دیکھو وہی رعب جماتا ہے۔ غلامی ہے مگر خشک! محنت کرکے اناج پیدا کرو اور جو روپے ملیں اسے دوسرے کو دے دو۔ اور آپ بیٹھے ہوئے ''رام رام'' جپو۔ دادا ہی کا کلیجہ ہے کہ یہ سب سہتے ہیں۔ اس سے تو ایک دن نہ سہا جائے۔ اور یہ حالت کچھ ہوری ہی کی نہ تھی سارے گاؤں پر یہی مصیبت تھی۔ ایسا ایک آدمی بھی نہیں جس کی حالت زار نہ ہو۔ گویا جسم میں جان کے بجائے کلفت ہی بیٹھی ہوئی لوگوں کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچا رہی تھی۔ چلتے پھرتے تھے، کام کرتے تھے، پستے تھے، صرف اس لیے کے ایسا ہونا ان کی قسمت میں لکھا تھا۔ زندگی میں نہ کوئی امید ہے اور نہ کوئی امنگ، گویا ان کی زندگی کے سوتے سوکھ گئے ہوں اور ساری ہریالی مرجھا گئی ہو۔ جیٹھ کے دن ہیں، ابھی تک کھلیانوں میں اناج موجود ہے۔ مگر کسی کے چہرے پر خوشی نہیں ہے۔ بہت کچھ اناج

تو کھلیان ہی میں تُل کر مہاجنوں اور کارندوں کی نذر ہو چکا ہے اور جو کچھ بچ رہا ہے وہ بھی دوسروں ہی کا ہے ۔ مستقبل تاریکی کی طرح ان کے سامنے ہے جس میں انھیں کوئی راستہ نہیں سوجھتا ۔ ان کی ساری حسیات مردہ ہوگئی ہیں ۔ دروازے پر منوں کوڑا کرکٹ جمع ہے ، بد بو اڑ رہی ہے ۔ مگر ان کی ناک میں نہ بو ہے اور نہ آنکھوں میں نور۔ سرشام سے دروازے پر گیدڑ رونے لگتے ہیں ، مگر کسی کو غم نہیں ۔ سامنے جو کچھ موٹا جھوٹا آجاتا ہے وہ کھالیتے ہیں ، اسی طرح جیسے انجن کوئلہ کھالیتا ہے ۔ ان کے بیل چونی چوکر کے بغیر ناند میں منھ نہیں ڈالتے ۔ مگر انھیں صرف پیٹ میں کچھ ڈالنے کو چاہیے ۔ ذائقے سے کچھ مطلب نہیں۔ ان کی قوت ذائقہ مر چکی ہے ۔ ان کی زندگی میں اس کا فقدان ہو گیا ہے ۔ ان سے دھیلے دھیلے کے لیے بے ایمانی کرالو ، مٹھی بھر اناج کے لیے لاٹھیاں چلوالو ۔ پستی کی وہ انتہا ہے جب آدمی عزت وغیرت کو بھی بھول جاتا ہے ۔

لڑکپن سے گوبر نے گاؤں کی یہی حالت دیکھی تھی اور اس کا عادی ہو چکا تھا ۔ مگر آج چار سال کے بعد اس نے جیسے ایک نئی دنیا دیکھی ۔ بھلے آدمیوں کے ساتھ رہنے سے اس کی عقل کچھ جاگ اٹھی ہے ۔ اس نے سیاسی جلسوں میں جاکر لیکچر سنے ہیں جو اس کے عضو عضو میں پیوست ہو گئے ہیں۔ اس نے سنا ہے اور سمجھا کہ اپنا بھاگ خود بنانا ہوگا ، اپنی عقل ہمت سے ان تکلیفوں پر فتح پانا ہوگا ۔ کوئی دیوتا کوئی پوشیدہ طاقت ، ان کی مدد کرنے نہ آئے گی ۔ اس میں احساس آگیا ہے ۔ اب اس میں وہ پہلے کا گنوار پن اور گھمنڈ نہیں ہے ۔ وہ منکسر مزاج اور مدبّر ہو گیا ہے ۔ جس حالت میں پڑے ہوئے ہو اسے خود غرضی اور حرص میں مبتلا ہوکر اور کیوں بگاڑتے ہو؟ غم نے تم کو ایک رشتے میں باندھ دیا ہے ۔ اخوت کی اس قدر بندش کو کیوں اپنی ہیچ اغراض سے توڑے ڈالتے ہو؟ اس بندش کو اتحاد کی بندش بنا لو۔ اس طرح کے خیالات نے اس کی بشریت کو گویا پر لگا دیے ہیں ۔ دنیوی نشیب وفراز دیکھے لینے کے بعد سیدھے سادے لوگوں میں جو فراخ دلی آجاتی ہے وہ گویا اب آسمان میں اڑنے کے لیے پروں کو تول رہی ہے ۔ ہوری کو جب کوئی کام کرتے دیکھتا ہے تو اسے ہٹا کر خود کرنے لگتا ہے گویا اگلی بدسلوکیوں کا کفارہ کرنا چاہتا ہو ۔ کہتا ہے کہ دادا اب تم کوئی چنتا مت کرو ۔ سارا بار مجھ پر چھوڑ دو ، میں اب ہر مہینے خرچ بھیجوں گا ۔ اتنے دن تو مرتے کھپتے رہے ، اب کچھ دن تو آرام کرلو ۔ مجھ پر لعنت ہے کہ میرے رہتے تم کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔ اور

ہوری کے روئیں روئیں سے بیٹے کے لیے دعا نکلتی ہے ۔ اسے اپنے کمزور جسم میں قدرتی طاقت کا احساس ہوتا ہے ۔ وہ اس وقت اپنے فرض کی صراحت کرکے اس کی اٹھتی جوانی کا تفکر اور تردد کی بجلی کیوں گرائے ؟ وہ آرام سے کھائے پیے ،زندگی کا سکھ اٹھائے ۔ مرنے کھپنے کے لیے وہ تیار ہے ۔ یہی اس کی زندگی ہے ۔'' رام رام ،، جپ کر وہ جی بھی تو نہیں سکتا ۔ اسے تو پھاوڑا اور کدال چاہیے ۔ رام کے نام کی مالا پھیر کر اس کے دل کو سکون نہ ہوگا۔

گوبر نے کہا '' کہو تو سب سے رکست کروا دوں اور ہر مہینے ادا کرتا جاؤں۔کل ملا کر کتنا ہوگا ؟''

ہوری نے سر ہلا کر کہا '' نہیں بیٹا ،،تم کاہے کو کشٹ اٹھاؤ گے ۔تم ہی کو کون بہت ملتا ہے ۔ میں سب دیکھ لوں گا ۔ ایسا ہی سمے تھوڑے رہے گا ۔ روپا چلی جاتی ہے ۔ اب کرج ہی چکانا تو ہے ۔تم کوئی چنتا مت کرنا ۔ اچھی طرح کھانا پینا ۔ ابھی بدن بنالوگے تو سدا سکھ سے رہوگے ۔ میری کون ؟ مجھے تو مرنے کھپنے کی عادت پڑ گئی ہے ۔ ابھی تم کو کھیتی میں نہیں جوتنا چاہتا ۔ مالک اچھا مل گیا ہے ۔ اس کی کچھ دن سیوا کرلوگے تو آدمی بن جاؤ گے ۔ وہ تو یہاں آچکی ہیں ۔ پوری دیوی ہیں ۔''

'' بیاہ کے دن پھر آنے کو کہا ہے ۔''

'' ہمارے سر آنکھوں پر آویں ۔ ایسے بھلے مانسوں کے ساتھ رہنے میں چاہے پیسے کم بھی ملیں مگر گیان بڑھتا ہے اور آنکھیں کھلتی ہیں ۔''

اسی وقت پنڈت داتادین نے ہوری کو اشارہ سے بلایا اور دور لے جا کر کمر سے سو سو روپے کے دو نوٹ نکالتے ہوئے بولے'' تم نے میری صلاح مان لی ، بڑا اچھا کیا ۔ دونوں کام بن گئے ۔کنیا سے بھی ارن ہو گئے ، اور باپ دادوں کی نسانی بھی بچ گئی ۔ مجھ سے جو کچھ ہوسکا۔ میں نے تمھارے لیے کر دیا ، اب تم جانو اور تمھارا کام جانے ۔''

ہوری نے روپے لیے تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا ۔ اس کا سر اوپر نہ اٹھ سکا ،منھ سے ایک لفظ نہ نکلا ، گویا ذلت کے اتھاہ سمندر میں گر پڑا ہو اور گرتا چلا جارہا ہو۔ آج تیس سال زندگی سے لڑتے رہنے کے بعد وہ ہار گیا اور ایسا ہارا کہ گویا اسے شہر کے پھاٹک پر کھڑا کر دیا گیا ہے اور جو جاتا ہے وہ اس کے منھ پر تھوک دیتا ہے ۔ اور وہ چلا چلا کر کہہ رہا ہے کہ

بھائیو ! میں رحم کا مستحق ہوں ، میں نے نہیں جانا کہ جیٹھ کی لو کیسی ہوتی ہے اور ماگھ کی برکھا کیسی ہوتی ہے ۔ اس بدن کو چیر کر دیکھو اس میں کتنی جان رہ گئی ہے اور وہ کتنی چوٹوں سے چور اور ٹھوکروں سے کچلا ہوا ہے ۔ اس سے پوچھو ، کبھی تو نے آرام کے درشن کیے ہیں ، کبھی تو چھاؤں میں بیٹھا ہے ؟ اس پر یہ ذلت ! اور وہ اب بھی جیتا ہے ، نامرد ، لالچی ، کمینہ! اس کا سارا اعتقاد جو بہت گہرا ہو کر ٹھوس اور اندھا ہو گیا تھا ۔ گویا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہو ۔

داتا دین نے کہا '' تو میں جاتا ہوں ۔ نہ ہو ، تم ابھی نو کھے رام کے پاس چلے جاؤ۔''

ہوری نے عاجزی سے کہا '' چلا جاؤں گا مہراج ، مگر میری آبرو تمھارے ہاتھ ہے۔''

۳۶

دو دن تک گاؤں میں خوب دھوم دھام رہی ۔ باجے بجے ، گانا بجانا ہوا اور رو پا رو دھو کر رخصت ہو گئی ۔ مگر ہوری کو کسی نے گھر سے نکلتے نہ دیکھا ۔ ایسا چھپا بیٹھا تھا جیسے منھ میں کالکھ لگی ہو ۔ مالتی کے آجانے سے چہل پہل اور بڑھ گئی ۔ دوسرے گاؤں کی عورتیں بھی آ گئیں ۔

گوبر نے اپنے انس واخلاق سے سارے گاؤں کو گرویدہ بنا لیا ہے ۔ ایسا کوئی گھر نہ تھا جہاں وہ اپنے سلوک کی یاد نہ چھوڑ آیا ہو ۔ بھولا تو اس کے پیروں پر گر پڑے ۔ اس کی عورت نے اسے پان دیے اور ایک روپیہ رخصتانہ دیا اور اس کا لکھنؤ کا پتہ بھی پوچھا ۔ کبھی لکھنؤ آئے گی تو اس سے ضرور ملے گی ۔ اپنے روپے کا اس نے کوئی ذکر نہ کیا ۔

تیسرے دن جب گوبر چلنے لگا تو ہوری نے دھنیا کے سامنے آنکھوں میں آنسوں بھر کر اس گناہ کا اعتراف کر لیا جو کئی روز سے اس کے دل کو پریشان و پشیمان کر رہا تھا اور رو کر بولا '' بیٹا ، میں نے اس دھرتی کے موہ سے یہ پاپ کی گٹھری سر پر لادی ۔ نہ جانے بھگوان مجھے اس کا کیا ڈنڈ دیں گے ۔''

گوبر ذرا بھی ناخوش نہ ہوا ، کسی طرح کی خفگی اس کے چہرے پر نہ تھی ۔ عقیدت سے بولا '' اس میں پاپ کی تو کوئی بات نہیں ہے ، دادا ! ہاں رام سیوک کے روپے ادا کر دینا چاہیے ۔ اور تم کرتے کیا ؟ میں کسی لایق نہیں ، تمھاری کھیتی میں اپج نہیں ۔ ادھار کہیں مل نہیں سکتا ، مہینے بھر کے لیے بھی گھر میں اناج نہیں ۔ ایسی حالت میں تم کر ہی کیا سکتے تھے ؟ کھیت نہ بچاتے تو رہتے کہاں ؟ جب آدمی کا کوئی بس نہیں چلتا تو اپنے کو بھاگ ہی پر چھوڑ دیتا ہے ۔ نہ جانے یہ دھاندلی کب تک چلتی رہے گی ۔ جسے پیٹ کی روٹی میسر نہیں اس کے لیے آبرو اور مرجاد سب ڈھونگ ہے ۔ اوروں کی طرح تم نے بھی دوسروں کا گلا دبایا ہوتا ، ان کا روپیہ مارا ہوتا تو تم بھی بھلے مانس ہوتے ۔ تم نے کبھی دھرم کو نہیں چھوڑا یہ اسی کا ڈنڈ ہے ۔ تمھاری جگہ میں ہوتا تو یا تو جیل میں ہوتا یا پھر پھانسی پا گیا ہوتا ۔ مجھ سے یہ کبھی نہ سہا

جاتا کہ میں کما کما کر سب کا گھر بھروں اور آپ اپنے بال بچوں کے ساتھ منہ میں جالی لگائے بیٹھا رہوں ۔"

دھنیا بہو کو اس کے ساتھ بھیجنے پر راضی نہ ہوئی ۔ جھنیا بھی چاہتی تھی کہ ابھی کچھ دن یہیں رہے ۔ طے ہوا کہ گوبر اکیلا ہی جائے ۔

دوسرے روز علی الصباح گوبر سب سے رخصت ہو کر لکھنؤ چلا ہوری اسے گاؤں کے باہر تک بھیجنے گیا ۔ گوبر سے اسے اتنی محبت اسے کبھی نہ ہوئی تھی ۔ جب گوبر اس کے پیروں پر جھکا تو ہوری رو پڑا جیسے پھر اسے بیٹے کے درشن نہ ہوں گے ۔ اس کی آتما میں خوشی تھی ، غرور تھا اور عزم تھا ۔ بیٹے سے یہ عقیدت اور محبت پا کر اس میں رونق اور بالیدگی آ گئی ۔ کئی روز پہلے اس پر جو سستی سی چھا گئی تھی ، ایک ایسی تاریکی سی جس میں وہ اپنا راستہ بھول رہا تھا ، وہاں اب مستعدی ہے اور روشنی ہے ۔

روپا اپنے سسرال میں خوش تھی ۔ جس حالت میں اس کا بچپن بیتا تھا اس میں پیسہ سب سے قیمتی چیز تھا ۔ دل میں کتنی خواہشیں تھیں جو دل میں ہی گھٹ گھٹ کر رہ گئی تھیں ۔ وہ اب انھیں پورا کر رہی تھی اور رام سیوک ادھیڑ ہو کر بھی جوان ہو گیا تھا ۔ روپا کے لیے وہ شوہر تھا ۔ اس کے جوان ، ادھیڑ یا بوڑھے ہونے سے اس کے نسائی جذبے میں کوئی فرق نہ آ سکتا تھا ۔ یہ جذبہ شوہر کے رنگ روپ یا سن پر منحصر نہ تھا ، اس کی بنیاد اس سے بہت گہری تھی ۔ اُجلے نسلی رواجوں کی تہہ میں ، جو صرف کسی زلزلے ہی سے مل سکتی تھی ۔ اس کا شباب اپنے ہی میں مست تھا ، وہ اپنے ہی لیے اپنا بناؤ سنگھار کرتی تھی اور آپ ہی خوش ہو جاتی تھی ۔ رام سیوک کے لیے اس کا دوسرا روپ تھا ۔ تب وہ گرستن بن جاتی تھی ۔ کسی طرح کی خامی کا خیال اس کے دل میں نہ آتا تھا ۔ اناج سے بھری ہوئی کھتیاں اور گاؤں کے سرے تک پھیلی ہوئی کھیتی اور دروازے پر مویشی کی قطاریں، یہ سب اور کسی طرح کے عدم تکمیل والے خیال کو اس کے دل میں نہ آنے دیتی تھیں ۔

اور اس کی سب سے بڑی خواہش تھی اپنے گھر والوں کو سکھی دیکھنا ۔ان کی غریبی کیسے دور کر دے ؟اس گائے کی یاد ابھی تک اس کے دل میں تازہ تھی جو مہمان کی طرح آئی تھی اور سب کو روتا چھوڑ کر چلی گئی تھی ۔ وہ یاد اتنے دنوں بعد اب اور بھی شیریں ہو گئی تھی ۔ ابھی اس کا نجی پن اس نئے گھر میں نہ قائم ہو پایا تھا ۔ وہی پرانا گھر اس کا اپنا گھر تھا ۔

وہیں کے لوگ اپنے یگانے تھے ۔ ان ہی کا دکھ اپنا دکھ اور ان ہی کا سکھ اپنا سکھ تھا ۔ اس دروازے پر مویشیوں کا ایک جھنڈ دیکھ کر اسے وہ خوشی نہ ہوسکتی تھی جو اپنے دروازے پر ایک گائے دیکھ کر ہوتی۔ انھیں کتنی خوشی ہوئی تھی ، جیسے آسمان سے کوئی دیوی آگئی ہو ۔ تب سے پھر انھیں اتنی سمائی نہ ہوئی کہ کوئی دوسری گائے لاتے ۔ مگر وہ جانتی تھی کہ آج بھی ہوری کے دل میں وہ خواہش اتنی ہی تازہ ہے ۔ اب کے وہ جائے گی تو وہ اپنے ساتھ وہ دھوری گائے ضروری لیتی جائے گی ۔نہیں ، وہ نوکر سے کیوں نہ بھجوادے ۔ رام سیوک سے پوچھنے بھر کی دیر تھی ۔ منظوری ہوگئی اور دوسرے دن ایک اہیر کی معرفت روپانے گائے بھیج دی ۔ اہیر سے کہا کہ دادا سے کہہ دینا منگل کے دودھ پینے کے لیے گائے بھیجی ہے ۔ ہوری بھی گائے لینے کی فکر میں تھا ۔ یوں ابھی گائے لینے کی عجلت نہ تھی ۔ مگر منگل یہیں ہے اور وہ بلا دودھ کے کیسے رہ سکتا ہے ؟ روپیہ ملتے ہی وہ سب سے پہلے گائے لے گا۔ منگل اب صرف اس کا پوتا نہیں ہے ، صرف گوبر کا بیٹا نہیں ہے ، بلکہ مالتی دیوی کا کھلونا بھی ہے ۔ اس کی پرورش وپرداخت اسی طرح ہونی چاہیے ۔

مگر روپے کہاں سے آئیں ؟ اتفاقاً اسی روز ایک ٹھیکہ دار نے سڑک کے لیے گاؤں کے اوسر میں کنکر کی کھدائی شروع کی ۔ ہوری نے سنا تو فوراً وہاں جا پہنچا اور آٹھ آنے روز پر کھدائی کرنے لگا ۔ اگر یہ کام دومہینے بھی چل گیا تو اسے گائے بھر کو روپے مل جائیں گے ۔ دن بھر لو اور دھوپ میں کام کرنے کے بعد وہ گھر آتا تو بالکل مرا ہوا سا ، لیکن تکان کا نام نہیں، اسی حوصلے سے دوسرے روز پھر کام کرنے جاتا ۔ رات کو بھی کھاپی کر کپّی کے سامنے بیٹھ جاتا اور سُتلی کاتتا ۔ کہیں بارہ ایک بجے سونے کی نوبت آتی ۔ دھنیا بھی پاگل ہوگئی تھی ۔ اسے اتنی محنت کرنے سے روکنے کے بدلے وہ خود اس کے ساتھ سوتلی کاتنے بیٹھ جاتی۔ گائے تو لینی ہی ہے ، رام سیوک کے روپے بھی تو ادا کرنے ہیں ۔ گوبر کہہ گیا ہے ۔ اسے بڑی فکر ہے ۔

رات کے بارہ بج گئے تھے ۔ دونوں بیٹھے ستلی کات رہے تھے ۔ دھنیا نے کہا ”تمھیں نیند لگی ہو تو جاکر سو رہو، تڑکے سے پھر تو کام کرنا ہے ۔“

ہوری نے آسمان کی طرف دیکھا ”چلا جاؤں گا ۔ ابھی تو دس بجے ہوں گے ۔ تو جا ، سو رہ !“

'' میں تو دوپہر کو تھوڑی دیر سو لیتی ہوں ۔''

'' میں بھی چبینا کر کے تھوڑی دیر سو لیتا ہوں ۔''

'' بڑی لو لگتی ہوگی ۔''

'' لو کیا لگے گی ، اچھی چھانہہ ہے ۔''

'' میں ڈرتی ہوں کہ کہیں تم بیمار نہ ہو جاؤ ۔''

'' چل بیمار وہ پڑتے ہیں جنھیں بیمار پڑنے کی پھرصت ہوتی ہے ۔ یہاں تو یہ دھن ہے کہ اب کی گوبر آوے تو رام سیوک کے آدھے روپے جمع رہیں ۔ کچھ وہ بھی لاوے ہی گا۔ بس اس سال اس روپے سے گلا چھوٹ جائے تو دوسری جندگی ہو ۔''

'' گوبر کی اب کی بڑی یاد آتی ہے ۔ کتنا بھلا بن گیا ہے ۔''

'' چلتے سمے میرے پاؤں پر گر پڑا ۔''

'' منگل وہاں سے آیا تو کتنا موٹا تھا ۔ یہاں آ کر دبلا ہو گیا ۔''

'' وہاں دودھ ، مکھن ، کیا نہیں پاتا تھا ۔ یہاں روٹی مل جائے تو بہت ہے ۔ ٹھیکہ دار سے روپے ملے اور گائے لایا ۔''

'' گائے تو کبھی کی آگئی ہوتی ، مگر جب تم کہنا مانو ۔ اپنی کھیتی تو سنبھالے نہ سنبھلتی تھی ، پُنیا کا بوجھ بھی اپنے سر پر لاد لیا ۔''

'' کیا کرتا ؟ اپنا دھرم بھی تو کچھ ہے ۔ ہیرا نے نالائکی کی تو اس کے بال بچوں کی سنبھال کرنے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیے تھا ۔ کون تھا میرے سوائے ؟ بتا ! میں نہ مدد کرتا تو آج ان کی کیا درگت ہوتی ، سوچ ! اتنا سب کرنے پر بھی تو منگرو نے ان پر نالس کر ہی دی ۔''

'' روپے گاڑ کر رکھے گی تو نالس نہ ہوگی ؟''

'' کیا بکتی ہے ؟ کھیتی سے پیٹ بھر کو ہوتا جائے ، یہی بہت ہے ۔ گاڑ کر کوئی کیا رکھے گا ۔''

'' ہیرا تو جیسے سنسار ہی سے چلا گیا ۔''

'' میرا من بولتا ہے وہ آوے گا کبھی نہ کبھی جرور ۔''

دونوں سو گئے ۔ ہوری منھ اندھیرے اٹھا تو دیکھا کہ ہیرا سامنے کھڑا ہے ۔ بال بڑھے

ہوئے ، کپڑے تار تار ، منھ سوکھا ہوا ، بدن میں گوشت اور خون کا نام نہیں ، جیسے قد بھی چھوٹا ہو گیا ہو ۔ دوڑ کر ہوری کے قدموں پر گر پڑا ۔

ہوری نے اسے سینے سے لگا کر کہا " تم تو بالکل گھل گئے ہیرا! کب آئے ؟ آج تمھاری بار بار یاد آرہی تھی ۔ بیمار ہو گیا ؟"

آج اس کی آنکھوں میں وہ ہیرا نہ تھا جس نے اس کی زندگی تلخ کردی تھی ۔ بلکہ وہ ہیرا تھا جو بے ماں باپ کا چھوٹا سا بچہ تھا ۔ درمیانی پچیس تیس سال مٹ گئے تھے ۔ ان کا نشان بھی نہ تھا ۔

ہیرا نے کچھ جواب نہ دیا ۔ کھڑا رو رہا تھا ۔

ہوری نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بھرے گلے سے کہا " کیوں روتے ہو بھیا ؟ آدمی سے بھول چوک ہوتی ہی ہے ۔ کہاں رہے اتنے دن ؟"

ہیرا نے بے چارگی سے کہا " کہاں بتاؤں دادا ، بس یہی سمجھ لو کہ تمھارا درسن بدا تھا سو بچ گیا ۔ ہتیا سر پر سوار تھی ۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ گئو میرے سامنے کھڑی ہے ۔ ہر دم سوتے جاگتے کبھی آنکھوں کی اوٹ نہ ہوتی تھی ۔ میں پاگل ہو گیا ۔ اور پانچ سال تک پاگل کھانے میں بند رہا ۔ آج وہاں سے نکلے چھ مہینے ہوئے ۔ مانگتا کھاتا پھرتا رہا ۔ یہاں آنے کی ہمت نہ پڑتی تھی ۔ دنیا کو کون منھ دکھاؤں گا ؟ آ کھر جی نہ مانا ۔ کلیجہ کڑا کر کے چلا آیا ۔ تم نے بھی میرے بال بچوں کو .. .. .."

ہوری نے بات کاٹی " تم ناحک بھاگے ۔ ارے ، درو گا کو دس پانچ روپے دے کر معاملہ دبوا دیا جاتا ، اور کیا ہوتا ؟"

" تم سے جیتے جی اُرِن ہوں گا دادا ۔"

" میں کوئی غیر تھوڑے ہی ہوں بھیا ۔"

ہوری خوش تھا ۔ زندگی کی ساری تکلیفیں اور ساری مایوسیاں گویا اس کے قدموں پر لوٹ رہی تھیں ۔ کون کہتا ہے کہ زندگی کی جدو جہد میں وہ ہارا ہے ؟ یہ خوشی ، یہ غرور ، یہ حوصلہ ، کیا ہار کی علامت ہے ؟ ایسی شکستوں میں اس کی فتح ہے ۔ اس کے ٹوٹے ہوئے ہتھیار اس کی فتح کے جھنڈے ہیں ۔ اس کا سینہ پھول اٹھا ہے اور چہرے پر چمک آ گئی ہے ۔ ہیرا کی ممنونیت میں اس کی زندگی کی ساری کامیابی مجسم ہو گئی ہے ۔ اس کے بکھارے میں سو

دو سو من غلّہ بھرا ہوتا ، اس کی ہانڈی میں ہزار پانچ سو روپے گڑے ہوتے ۔لیکن اس سے یہ جنت کی خوشی کیا مل سکتی تھی ؟

ہیرا نے اسے سر سے پیر تک دیکھ کر کہا '' تم بھی تو بہت دبلے ہو گئے دادا ! ''

ہوری نے ہنس کر کہا '' تو کیا یہ میرے موٹے ہونے کے دن ہیں ؟ موٹے وہ ہوتے ہیں جنھیں نہ روپے کا سوچ ہوتا ہے نہ مرجاد کا ۔ اس جگ میں موٹا ہونا بے حیائی ہے۔ سو کو دبلا کر کے تب ایک موٹا ہوتا ہے ۔ ایسے موٹاپے میں کیا سکھ ؟ سکھ تو تب ہے کہ سبھی موٹے ہوں۔ سوبھا سے بھینٹ ہوئی ؟''

'' اس سے تو رات ہی کو بھیٹ ہو گئی تھی ۔تم نے تو اپنے کو بھی پالا اور جو تم سے بیر کرتے تھے ان کو بھی پالا اور اپنی آبرو بنائے بیٹھے ہو ۔ اس نے تو کھیتی باڑی سب بیچ ڈالی اور اب بھگوان ہی جانے اس کا نباہ کیسے ہو گا ۔''

آج ہوری کھدائی کرنے چلا تو بدن بھاری تھا ۔ رات کی تھکن دور نہ ہو پائی تھی ۔ مگر اس کے قدم تیز تھے اور چال میں بے پروائی کی اکڑ تھی ۔آج دس ہی بجے سے لو چلنے لگی اور دوپہر ہوتے ہوتے تو آگ برس رہی تھی ۔ ہوری کنکر کے ٹوکرے اٹھا اٹھا کر کان سے سڑک پر لاتا تھا اور گاڑی پر لادتا تھا ۔ جب دوپہر کی چھٹی ہوئی تو وہ بے دم ہو گیا تھا ۔ ایسی تھکن اسے کبھی نہ ہوئی تھی ۔ اس کے پاؤں تک نہ اٹھتے تھے ۔ بدن اندر سے جھلسا جا رہا تھا۔ وہ نہ نہایا اور نہ کچھ چبایا ۔ اسی تھکان میں اپنا انگوچھا بچھا کر ایک پیڑ کے تلے سو رہا۔مگر پیاس کے مارے گلا سوکھا جاتا ہے ۔ خالی پیٹ پانی پینا ٹھیک نہیں ۔ اس نے پیاس کو روکنے کی کوشش کی مگر ہر لمحہ اندر کی جلن بڑھتی جاتی تھی ۔ اس سے نہ رہا گیا ۔ ایک مزدور نے بالٹی بھر کے رکھ لی تھی اور چربن چبا رہا تھا ۔ ہوری نے اٹھ کر ایک لوٹا پانی کھوب کھینچ کر پیا اور پھر جا کر لیٹ رہا ۔مگر آدھ گھنٹے میں اسے قے ہو گئی اور چہرے پر مردنی سی چھا گئی ۔

اس مزدور نے کہا '' کیسا جی ہے ہوری بھیا ؟''

ہوری کا سر چکرا رہا تھا ۔ بولا '' کچھ نہیں ، اچھا ہوں ۔''

یہ کہتے کہتے اسے پھر قے ہوئی اور ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے ۔ وہ گھبرایا ۔ یہ سر میں چکر کیوں آ رہا ہے ؟ آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا چھایا جاتا ہے ۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور زندگی کی ساری باتوں کی یاد مجسم ہو کر دل میں آنے لگیں ، مگر بے سلسلہ ، خواب کی

تصویروں کی طرح بے ربط اور بگڑی ہوئی ۔ وہ خوشگوار بچپن یاد آیا جب وہ گُلیاں کھیلتا تھا اور ماں کی گود میں سوتا تھا ۔ پھر دیکھا کہ جیسے گوبر آیا ہے اور اس کے پیروں پر گر رہا ہے ۔ پھر منظر بدلا ، دھنیا دلہن بنی ہوئی سرخ چندری پہنے اسے کھانا کھلارہی ہے ۔ پھر ایک گائے کی تصویر سامنے آئی ۔ اس نے اس کا دودھ دوہا اور منگل کو پلارہا تھا کہ گائے ایک دیوی بن گئی اور .. .. ..''

اسی مزدور نے پھر پکارا'' دوپہری ڈھل گئی ہوری ، چلو جھوّا اٹھاؤ ۔''

ہوری کچھ نہ بولا اس کی روح تو نہ جانے کس کس دنیا میں اڑ رہی تھی ۔ اس کا بدن جل رہا تھا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے ۔لو لگ گئی تھی ۔

اس کے گھر آدمی دوڑا گیا ۔ گھنٹہ بھر میں دھنیا دوڑی ہوئی آپہنچی ۔سوبھا اور ہیرا پیچھے پیچھے کھٹولے کی ڈولی بنا کر لارہے تھے ۔

دھنیا نے ہوری کا بدن چھوا تو اس کا دل دھڑک اٹھا ، چہرا اتر گیا ، کانپتی ہوئی آواز میں بولی ، کیسا جی ہے تمھارا ؟''

ہوری نے مضطربانہ اور مجنونانہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا '' تم آگئے گوبر ۔ میں نے منگل کے لیے گائے لے لی ہے ۔ یہ کھڑی ہے ، دیکھو؟''

دھنیا نے موت کی صورت دیکھی تھی ۔ اسے پہنچانتی تھی ۔ اسے دبے پاؤں بھی آتے دیکھا تھا اور آندھی کی طرح بھی آتے دیکھا تھا ۔ اس کے سامنے ساس مری ، سسر مرا ، اس کے دو بچے مرے ، گاؤں کے پچاسوں آدمی مرے ۔ دل میں ایک دھکا سا لگا ۔ وہ بنیاد جس پر زندگی قائم تھی ، گویا مٹی جارہی تھی ۔لیکن نہیں ، یہ صبر کرنے کا وقت ہے، اس کا اندیشہ بے بنیاد ہے ، لو لگ گئی ہے ، اسی سے بے ہوشی ہے ۔ امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو روک کر بولی '' میری طرپھ دیکھو ، میں ہوں ، کیا مجھے نہیں پہچانتے ؟''

ہوری کو کچھ ہوش ہوا ۔ موت قریب آگئی تھی ۔ آگ جل اٹھنے والی تھی ۔ دھواں دور سا ہوگیا ۔ دھنیا کو بیکسانہ انداز سے دیکھا ۔ دونوں آنکھوں سے آنسوں کے دو قطرے نکل پڑے۔ کمزور آواز میں بولا '' میرا کہا سنا معاف کرنا دھنیا ! اب جاتا ہوں ۔ گائے کا ارمان من ہی میں رہ گیا ۔ اب تو یہاں کے روپے کریا کرم میں لگ جائیں گے ۔ رومت دھنیا ! اب کب تک جلائے گی ؟ سب طرح کی درگت تو ہوگئی ۔ اب مرنے دے ! ،،

اور اس کی آنکھیں پھر بند ہو گئیں ۔ اسی وقت ہیرا اور سوبھا ڈولی لے کر پہنچ گئے۔ ہوری کو اٹھا کر ڈولی پر لٹایا اور گاؤں کی طرف چلے ۔

گاؤں میں یہ خبر ہوا کی طرح پھیل گئی ۔ سارا گاؤں جمع ہوگیا ۔ ہوری چارپائی پر پڑا شاید سب کچھ دیکھتا تھا ، سب کچھ سمجھتا تھا ، مگر زبان بند ہو گئی تھی ۔ البتہ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو بتلا رہے تھے کہ موہ کا بندھن توڑنا کتنا مشکل ہو رہا ہے ۔ جو کچھ اپنے سے نہیں بن پڑا اسی کے دکھ کا نام تو موہ ہے۔ ادا کیے ہوئے فرائض اور پورے کیے ہوئے کاموں کا کیا موہ؟ موہ تو ان بیکسوں کے چھوڑ جانے میں ہے جن کے ساتھ ہم اپنا فرض نہ نبھا سکے ، ان ادھورے منصوبوں میں ہے جنھیں ہم پورا نہ کر سکے !

مگر سب کچھ سمجھ کر بھی دھنیا امید کے مٹتے ہوئے عکس کو پکڑے ہوئے تھی ۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔ مگر مشین کی طرح دوڑ دوڑ کر کبھی آم بھون کر پنا بناتی اور کبھی ہوری کے بدن پر گیہوں کے چوکر کی مالش کرتی ۔ کیا کرے، پیسے نہیں ہیں ورنہ کسی کو بھیج کر ڈاکٹر بلاتی۔

ہیرا نے روتے ہوئے کہا '' بھابی دل کڑا کرو ، گئو دان کرا دو ، دادا چلے ۔''

دھنیا نے اس کی طرف حقارت سے دیکھا۔ اب وہ دل کو اور کتنا کڑا کرے ؟ اپنے شوہر کے ساتھ اس کا جو دھرم ہے کیا یہ اس کو بتانا پڑے گا ۔ جو زندگی کا ساتھی تھا اس کے نام کو رونا ہی کیا اس کا دھرم ہے ؟

اور کئی آوازیں آئیں '' ہاں گئو دان کرا دو ، اب یہی سمے ہے ۔''

دھنیا مشین کی طرح اٹھی ۔ آج جو سُتلی بیچی تھی اس کے بیس آنے پیسے لائی اور ہوری کے ٹھنڈے ہاتھ میں رکھ کر سامنے کھڑے ہوئے داتا دین سے بولی '' مہراج ! گھر میں نہ گائے ہے ، نہ بچھیا ، نہ پیسہ۔ یہی پیسے ہیں ۔ یہی ان کا گئودان ہے ! ''

اور غش کھا کر گر پڑی ۔

منگل سوتر

بڑے بیٹے سنت کمار کو وکیل بنا کر ،چھوٹے بیٹے سادھوکمار کو بی۔ اے کی ڈگری دلا کر اور چھوٹی لڑکی پنکجا کے ویواہ کے لیے استری کے ہاتھوں میں پانچ ہزار روپے نقد رکھ کر دیو کمار نے سمجھ لیا کہ وہ جیون کے کرتویہ سے مکت ہوگئے اور جیون میں جو کچھ شیش رہا ہے ،اسے ایشور چنتن کے ارپن کر سکتے ہیں ۔ آج چاہے کوئی ان پر اپنی جائداد کو بھوگ ولاس میں اڑا دینے کا الزام لگائے ، چاہے ساہتیہ کے انوشٹھان میں۔ لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ان کی آتما وشال تھی ! یہ اسمبھو تھا کہ کوئی ان سے مدد مانگے اور نراش ہو۔ بھوگ ولاس جوانی کا نشہ تھا اور جیون بھر وہ اس چھتی کی پُورتی کرتے رہے ،لیکن ساہتیہ سیوا کے سوا انھیں اور کسی کام میں روچی نہ ہوئی اور یہاں دھن کہاں ؟ ہاں، یش ملا اور ان کے آتم سنتوش کے لیے اتنا کافی تھا ! سنچے میں ان کا وشواس بھی نہ تھا ۔سمبھو ہے پَرستِھتی نے اس وِشواس کو درڑھ کیا ہو ،لیکن انھیں کبھی سنچے نہ کرسکنے کا دکھ نہیں ہوا ۔ سمّان کے ساتھ اپنا نباہ ہوتا جائے اس سے زیادہ وہ اور کچھ بھی نہ چاہتے تھے ۔ ساہتیہ رسیکوں میں جو ایک اکڑ ہوتی ہے ، چاہے اسے شیخی ہی کیوں نہ کہہ لو ، وہ ان میں بھی تھی ۔ کتنے ہی رئیس اور راجے اچھوک تھے کہ وہ ان کے دربار میں آئیں ، اپنی رچنائیں سنائیں ، ان کو بھینٹ کریں ،لیکن دیو کمار نے آتم سمّان کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا ۔کسی نے بلایا بھی تو دھنواد دے کر ٹال گئے۔ اتنا ہی نہیں وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ راجے اور رئیس میرے دوار پر آئیں اور میری خوشامد کریں جو انہونی بات تھی ۔ اپنے کئی مند بدّھی سہہ پاٹھیوں کو وکالت یا دوسرے سیگوں میں دھن کے ڈھیر لگاتے ، جائدادیں خریدتے ،نئے نئے مکان بنواتے دیکھ کر کبھی کبھی انھیں اپنی دشا پر کھید ہوتا تھا، وشیش کر جب ان کی جنم سنگینی شیویا گرہستی کی چنتاؤں سے جل کر انھیں کٹو وچن

سنانے لگتی تھی، پر اپنی رچنا کوٹیر میں قلم ہاتھ میں لے کر بیٹھتے ہی وہ سب کچھ بھول ساہتیہ سورگ میں پہنچ جاتے تھے ۔ آتم گورو جاگ اٹھتا تھا سارا اوساد اور وشاد شانت ہوجاتا تھا۔

مگر ادھر کچھ دنوں سے ساہتیہ رچنا میں ان کا انوراگ کچھ ٹھنڈا ہوتا جاتا تھا۔ انھیں کچھ ایسا جان پڑنے لگا تھا کہ ساہتیہ پریمیوں کو ان سے وہ پہلے کی سی بھگتی نہیں رہی۔ ادھر انھوں نے جو دو پستکیں بڑے پریشرم سے لکھی تھی اور جن میں انھوں نے اپنے جیون کے سارے انوبھو اور کلا کی ساری پروڑھتا بھر دی تھی ان کا وشیش آدر نہ ہوا تھا۔ اس کے پہلے اس کی دو رچنائیں نکلی تھیں ، انھوں نے ساہتیہ سنسار میں ہلچل مچا دی تھی ۔ ہر ایک پتر میں ان پستکوں کی وِسترِت آلوچنائیں ہوتی تھیں ، ساہتیہ سنستھانوں نے انھیں بدھائیاں دی تھیں ، ساہتیہ مرمگیو نے گُن گراہکتا سے بھرے پتر لکھے تھے ۔ یدیپی ان رچناؤں کا دیو کمار کی نظر میں اب اتنا آدر نہ تھا ، ان کے بھاؤ انھیں بھاوکتا کے دوش سے پُورن لگتے تھے۔ شیلی میں بھی کرتمتا اور بھاری پن تھا پر جنتا کے دِرشٹی میں وہی رچنائیں اب بھی سروپریہ تھیں۔ ان نئی کرتیوں سے بن بلائے مہمان کا سا آدر کیا گیا، مانو ساہتیہ سنسار سنگٹھیت ہوکر ان کا انادر کررہا ہو۔ کچھ تو یوں بھی ان کی اِچھا وشرام کرنے کی ہورہی تھی، اس شیتلتا نے اس وچار کو اور بھی دِرڑھ کر دیا ۔ ان کو دو چار سچے ساہتیک متروں نے اس ترک سے ان کو ڈھارس دینے کی چیشٹا کی کہ بڑی بھوک میں معمولی بھوجن بھی جتنا پریہ لگتا ہے، بھوک کم ہو جانے پر اس سے کہیں رُچی کر پدارتھ بھی اتنے پریے نہیں لگتے ،پر اس سے انھیں آشواسن نہ ہوا۔ ان کے وچار میں کسی ساہتیہ کار کی سجیوتا کا یہی پرمان تھا کہ اس کی رچناؤں کی بھوک جنتا میں برابر بنی رہی جب وہ بھوک نہ رہے تو اس کو چھیتر سے پرستھان کر جانا چاہیے ۔ انھیں کیول پنکجا کے ویواہ کی چنتا تھی اور جب انھیں ایک پرکاشک نے ان کی پچھلی دونوں کرتیوں کے پانچ ہزار دے دیے تو انھوں نے اسے ایشوریہ پریڑنا سمجھا اور لیکھنی اٹھا کر سدیو کے لیے رکھ دی ۔ مگر ان چھ مہینوں میں انھیں بار بار انوبھو ہوا کہ انھوں نے وان پرستھ سے لے کر بھی اپنے کو

بندھنوں سے نہ چھڑا پایا۔شیویا کے درا گرہ کی تو انھیں کچھ ایسی پرواہ نہ تھی ۔ وہ ان دیویوں میں تھی جن کا من سنسار سے کبھی نہیں چھوٹتا۔ اسے اب بھی اپنے پریوار پر شاسن کرنے کی لالسا بنی ہوئی تھی ، اور جب تک ہاتھ میں پیسے بھی نہ ہوں، وہی لالسا پوری نہ ہوسکتی تھی ۔ جب دیو کمار اپنے چالیس ورش کے ویواہت جیون میں اس کی ترِشنا نہ مٹا سکے تو اب اس کا پریتن کرنا وہ پانی پیٹنے سے کم ویرتھ نہ سمجھتے تھے ۔ دکھ انھیں ہوتا تھا سنت کمار کے وچار اور بیوہار پر جو ان کے گھر کی سمپتی لٹا دینے کے لیے اس دشا میں بھی چھما نہ کرنا چاہتا تھا ۔ وہ سمپتی جو پچاس سال پُورو دس ہزار میں پھینک دی گئی، آج ہوتی تو اسے دس ہزار سال کی نکاسی ہو سکتی تھی۔ ان کی جس آراضی میں دن کو سیار لوٹتے تھے وہاں اب نگر کا سب سے گلزار بازار تھا جس کی زمین سو روپے ورگ فٹ پر بک رہی تھی ۔ سنت کمار کا مہتو کانشی من رہ رہ کر اپنے پتا پر کڑھتا رہتا تھا ۔ پتا اور پُتر کے سوبھاو میں اتنا انتر کیسے ہوگیا، یہ رہسیہ تھا۔ دیو کمار کے پاس ہمیشہ ضرورت سے کم رہا، پر ان کے ہاتھ سدیو کھلے رہے۔ ان کا سوندریہ بھاونا سے جاگا ہوا من کبھی کنچن کی اپاسنا کو جیون کا لکشیہ نہ بنا سکا۔ یہ نہیں کہ وہ دھن کا مولیہ جانتے نہ ہوں مگر ان کے من میں یہ دھارنا جم گئی تھی کہ جس راشٹریہ میں تین چوتھائی پرانی بھوکے مرتے ہوں وہاں کسی ایک کو بہت سا دھن کمانے کا کوئی نیتک ادھیکار نہیں ہے، چاہے اس کی اس میں سامرتھ ہو۔ مگر سنت کمار کی لپسا ایسے نیتک آدرشوں پر ہنستی تھی۔ کبھی کبھی تو نس سنکوچ ہوکر وہ یہاں تک کہہ جاتا تھا کہ جب '' آپ کو ساہتیہ سے پریم تھا تو آپ کو گرہست بننے کا کیا حق تھا ؟ آپ نے اپنا جیون تو چوپٹ کیا ہی ، ہمارا جیون بھی مٹی میں ملا دیا۔ اور اب آپ وان پرستھ لے کر بیٹھے ہیں، مانو آپ کے جیون کے سارے رِڑھ (قرض) چک گئے ہوں۔''

جاڑوں کے دن تھے ۔ آٹھ بج گئے تھے۔ سارا گھر ناشتہ کے لیے جما ہوگیا تھا۔ پنکچا تخت پر چائے سنترے اور سوکھے میوے تشتریوں میں رکھ کر دونوں بھائیوں کو ان کے کمروں سے بلانے گئی اور ایک چھن میں آکر سادھوکمار بیٹھ گیا ۔ اونچے قد کا سوگھٹت ، روپ وان ، گورا ، میٹھے وچن بولنے والا ، سومیہ یووک تھا جسے کیول کھانے اور سیر سپاٹے

سے مطلب تھا۔ جو کچھ جڑ جائے بھر پیٹ کھا لیتا تھا اور یار دوستوں میں نکل جاتا تھا۔

شیویا نے پوچھا- سنتو کہاں رہ گیا؟ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی تو کہے گا یہ تو پانی ہے ۔ بلا لے تو سادھو ،اسے جیسے کھانے پینے کی بھی چھٹی نہیں ملتی۔

سادھو سر جھکا کر رہ گیا۔ سنت کمار سے بولتے ان کی جان نکلتی تھی ۔

شیویا نے ایک چھن بعد پھر کہا۔اسے بھی کیوں نہیں بلا لاتا؟

سادھو نے دبی زبان سے کہا۔نہیں بگڑ جائیں گے تو سویرے سویرے میرا سارا دن خراب ہو جائے گا۔

اتنے میں سنت کمار بھی آ گیا۔ شکل صورت میں چھوٹے بھائی سے ملتا جلتا، کیول شریر کا گھٹن اُتنا اچھا نہ تھا۔ ہاں مکھ پر تیج اور گرو کی جھلک تھی اور مکھ پر ایک شکایت سی بیٹھی ہوئی تھی جیسے کوئی چیز اسے پسند نہ آتی ہو۔

تخت پر بیٹھ کر چائے مکھ سے لگائی اور ناک سکوڑ کر بولے ۔ تو کیوں نہیں آتی پنکجا؟ اور پشپا کہاں ہے ؟ میں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ ناشتہ کھانا پینا سب کا ایک ساتھ ہونا چاہیے۔

شیویا نے آنکھیں تریر کر کہا تم لوگ کھالو ، یہ سب پیچھے کھالیں گی ، کوئی پنگت تھوڑی ہے کہ سب ایک ساتھ بیٹھیں ۔

سنت کمار نے ایک گھونٹ چائے پی کر کہا ۔ وہی پرانا ڈھاچرا کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ اس پرانے لچر سنکوچ کا زمانہ نہیں رہا ۔

شیویا نے منھ بنا کر کہا۔ سب ایک ساتھ تو بیٹھے مگر پکائے کون اور پروسے کون ؟ ایک مہاراج رکھو پکانے کے لیے، دوسرا پروسنے کے لیے، تب وہ ٹھاٹ نبھے گا۔

تو مہاتما جی اس کا انتظام کیوں نہیں کرتے یا وان پرستھ لینا ہی جانتے ہیں۔

ان کا جو کچھ کرنا تھا کر چکیں ۔ اب تمھیں جو کچھ کرنا ہے تم کرو!''

'' جب پروشارتھ نہیں تھا تو ہم لوگوں کو پڑھایا لکھایا کیوں ؟کسی دیہات میں لے جا کر چھوڑ دیتے۔ہم اپنی کھیتی کرتے یا مجوری کرتے اور پڑے رہتے۔ یہ کھڑاگ ہی کیوں

پالا؟''

تم اس وقت نہ تھے، صلاح کس سے پوچھتے ؟

سنت کمار نے کڑوا منھ بنائے چائے پی ، کچھ میوے کھائے ، پھر سادھو کمار سے بولے۔ تمھاری ٹیم کب بمبئی جارہی ہے جی ؟

سادھو کمار نے گردن جھکائے ترست سور میں کہا۔ پرسوں۔

تم نے نیا سوٹ بنوایا ؟

'' میرا پرانا سوٹ ابھی اچھی طرح کام دے سکتا ہے۔''

'' کام تو سوٹ نہ رہنے پر بھی چل سکتا ہے۔ ہم لوگ تو ننگے پاؤں ، دھوتی چھڑا کر کھیلا کرتے تھے۔ مگر جب ایک آل انڈیا ٹیم میں کھیلنے جارہے ہوں تو ویسا ٹھاٹ بھی تو ہونا چاہیے۔ پھٹے حالوں جانے سے کہیں اچھا ہے ، نہ جانا۔ جب وہاں لوگ جانے گے کہ تم مہاتما دیور کمار جی کے سوپتر ہو تو دل میں کیا کہیں گے ؟''

سادھو کمار نے کچھ جواب نہ دیا۔ چپ چاپ ناشتہ کرکے چلا گیا ! وہ اپنے پتا کی مالی حالت جانتا تھا اور انھیں سنکٹ میں نہ ڈالنا چاہتا تھا۔ اگر سنت کمار نئے سوٹ کی ضرورت سمجھتے ہیں تو بنوا کیوں نہیں دیتے ہیں ؟ پتا کے اوپر بھار ڈالنے کے لیے اسے کیوں مجبور کرتے ہیں ؟

سادھو چلا گیا تو شیویا نے آہت کنٹھ سے کہا۔ جب انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب میرا گھر سے کوئی واسطہ نہیں اور سب کچھ تمھارے اوپر چھوڑ دیا ہے تو تم کیوں ان پر گرھستی کا بھار ڈالتے ہوں ؟ اپنے سامرتھ اور بدھی کے انوسار جیسے ہو سکا انھوں نے اپنی عمر کاٹ دی ! جو کچھ وہ نہیں کرسکے یا ان سے جو چونکیں ہوئی اس پر فقرے کسنا تمھارے منھ سے اچھا نہیں لگتا۔ اگر تم نے اس طرح انھیں ستایا تو مجھے ڈر ہے کہ کہی وہ گھر چھوڑ کر انتر دھان نہ ہوجائے۔ وہ دھن نہ کما سکے ، پر اتنا تو تم جانتے ہی ہو کہ وہ جہاں بھی جائیں گے لوگ انھیں سر آنکھوں پر لیں گے۔

شیویا نے اب تک سدیو پتی کی بھرتسنا ہی کی تھی اس وقت اسے ان کی وکالت

کرتے دیکھ کر سنت کمار مسکرا پڑا۔

بولا۔ اگر انھوں نے ایسا ارادہ کیا تو ان سے پہلے میں انتردھان ہو جاؤں گا۔ میں یہ بھار اپنے سر پر نہیں لے سکتا۔ انھیں اس کو سنبھالنے میں میری مدد کرنی ہوگی۔ انھیں اپنی کمائی لٹانے کا پورا حق تھا، لیکن باپ دادا کی جائداد کو لٹانے کا انھیں کوئی ادھیکار نہ تھا۔ اس کا انھیں پرائشچت کرنا پڑے گا! وہ جائداد ہمیں واپس کرنی ہوگی۔ میں خود بھی کچھ قانون جانتا ہوں۔ وکیلوں، مجسٹیٹوں سے بھی صلاح کر چکا ہوں! جائداد واپس لی جا سکتی ہے! اب مجھے یہی دیکھنا ہے کہ انھیں اپنی سنتان پیاری ہے یا اپنا مہاتما پن۔

یہ کہتا ہوا سنت کمار پنکجا سے پان لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا!

دو

سنت کمار کی استری پشپا بالکل پھول سی تھی، سندر، نازک ، ہلکی پھلکی ،لجادھور ،لیکن ایک نمبر کی آتما بھیمانی ہے ۔ ایک ایک بات کے لیے وہ کئی کئی دن روٹھی رہ سکتی ہے ۔اور اس کا روٹھنا بھی سروتھا نئے ڈیزائن کا ہے ! وہ کسی سے کچھ کہتی نہیں ،لڑتی نہیں ، بگڑتی نہیں ، گھر کا سب کام کاج اسی تمیتا سے کرتی ہے بلکہ اور زیادہ ایکا گرتا سے ۔ بس جس سے ناراض ہوتی ہے اس کی اُور تاکتی نہیں وہ جو کچھ کہے گا ، وہ کرے گی ۔ وہ جو کچھ پوچھے گا جواب دے گی ؛ وہ جو کچھ مانگے گا ، اٹھا کر دے دے گی ،مگر بنا اس کی اور تاکے ہوئے ادھر کئی دن سے وہ سنت کمار سے ناراض ہوگئی اور اپنی پھری ہوئی آنکھوں سے اس کے سارے آگھاتوں کا سامنا کررہی ہے !

سنت کمار نے سنہیہ کے ساتھ کہا ۔آج شام کو چلنا ہے نا؟

پشپا نے سر نیچا کر کے کہا۔ جیسی تمھاری اِچھا

"چلوگی نہ؟"

"تم کہتے ہوتو کیوں نہ چلوں گی ؟"

"تمھاری کیا اِچھا ہے ؟"

"میری کوئی اِچھا نہیں ہے ا"

"آخر کس بات سے ناراض ہو؟"

"کسی بات پر نہیں۔"

"خیر نہ بولو ،لیکن وہ سمسیا یوں چُپّی سادھنے سے حل نہ ہوگی ۔"

پشپا کے اس نر یہہ اَستر نے سنت کمار کو بوکھلا ڈالا تھا ! وہ خوب جھگڑ کر اس ویو اد کو

شانت کر دینا چاہتا تھا ۔ چھما مانگنے پر تیار تھا ،ویسی بات اب پھر منھ سے نہ نکالے گا ، لیکن اس نے جو کچھ کہا تھا وہ اسے چڑھانے کے لیے نہیں ایک یہ-تھارتھ بات کو پشٹ کرنے کے لیے ہی کہا تھا ۔ اس نے کہا تھا جو استری پروش پر اولمبت ہے ، اسے پروش کی حکومت ماننا پڑی گی ۔ وہ مانتا تھا کہ اس اوسر پر یہ بات اسے منھ سے نہ نکالنی چاہیے تھی ۔ اگر کہنا اوشیک بھی ہوتا تو ملائم شبدوں میں کہنا تھا ، لیکن جب ایک عورت اپنے ادھیکار کے لیے پروش سے لڑتی ہے ،اس کی برابری کا دعویٰ کرتی ہے تو اسے کٹھور باتیں سننے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اس وقت بھی وہ اسی لیے آیا تھا کہ پشپا کو قائل کرے اور سمجھائے کہ منھ پھیر لینے سے ہی کسی بات کا نرنے نہیں ہوسکتا ۔ وہ اس میدان کو جیت کر یہاں ایک جھنڈا گاڑ دینا چاہتا تھا جس اس وشے پر کوئی ویواد نہ ہوسکے ۔ تب سے کتنی ہی نئی نئی یکتیاں اس کے من میں آگئی تھی ، مگر جب شترو قلعے کے باہر نکلے ہی نہیں تو اس پر حملہ کیسے کیا جائے ۔

ایک اپائے ہے شترو کو بہلاکر ، اس پر اپنی سندھی پریم کا وشواس جما کر ،قلعے سے نکالنا ہوگا۔

اس نے پشپا کی ٹھڈّی پکڑ کر اپنی اُور پھیرتے ہوئے کہا ۔اگر یہ بات تمھیں اتنی لگ رہی ہے تو میں اسے واپس لیے لیتا ہوں ۔ اس کے لیے تم سے چھما مانگتا ہوں ۔تم کو ایشور نے وہ شکتی دی ہے کہ تم مجھ سے دس پانچ دن بنا بولے رہ سکتی ہوں، لیکن مجھے تو اس نے یہ شکتی نہیں دی ۔تم روٹھ جاتی ہو تو جیسے میری ناڑیوں میں رکت کا پرواہ بند ہو جاتا ہے ۔ اگر وہ شکتی تم مجھے بھی پردان کرسکو تو میری اور تمھاری برابری کی لڑائی ہوگی اور میں تمھیں چھیڑنے نہ آؤں گا ۔ لیکن اگر ایسا نہیں کرسکتی تو اس اَستر کا مجھ پر وار نہ کرو ۔

پشپا مسکرا پڑی ۔ اس نے اپنے استر سے پتی کو پراست کر دیا تھا۔ جب وہ دین بن کر اس سے چھما مانگ رہا ہے تو اس کا ہردے کیوں نہ پگھل جائے ۔

سَندھی پتر پر ہستاکشر سوروپ پان کا ایک بیڑا لگا کر سنت کمار کو دیتی ہوئی بولی ’’ اب سے کبھی وہ بات منھ سے نہ نکالنا۔ اگر میں تمھاری آشریتا ہوں تو تم بھی میرے آشریت ہو۔ میں تمھارے گھر میں جتنا کام کرتی ہوں ،اتنا ہی کام دوسروں کے گھر میں کروں تو اپنا نباہ کرسکتی ہوں یا نہیں ، بولو ؟

سنت کمار نے کڑا جواب دینے کی اِچھا کو روک کر کہا ۔ بہت اچھی طرح ۔
تب میں جب کچھ کماؤں گی وہ میرا ہوگا ۔ یہاں میں چاہے پران بھی دے دوں پر میرا کسی چیز پر ادھیکار نہیں۔تم جب چاہو مجھے گھر سے نکال سکتے ہو ۔
کہتی جاؤ ،مگر اس کا جواب سننے کے لیے تیار رہو ۔
تمھارے پاس کوئی جواب نہیں ہے ،کیول ہٹھ دھرم ہے ۔تم کہو گے یہاں جو تمھارا سمّان ہے وہ وہاں نہ رہے گا۔ وہاں کوئی تمھاری رکشا کرنے والا نہ ہوگا ،کوئی تمھارے دکھ درد مِیں ساتھ دینے والا نہ ہوگا ۔ اسی طرح کی اور بھی کتنی ہی دلیلیں تم دے سکتے ہوں ۔مگر میں نے مِس بٹلر کو آجیون کنواری رہ کر سمّان کے ساتھ زندگی کاٹتے دیکھا ہے ۔ ان کا نجی جیون کیسا تھا ، یہ میں نہیں جانتی۔سمجھو ہے وہ ہندو ،گرہنی کے آدرش کے انوکول نہ رہا ہوں ، مگران کی عزت سبھی کرتے ہیں ،اور انھیں اپنی رکشا کے لیے کسی پُرش کا آشرے لینے کی کبھی ضرورت نہیں ہوئی۔"
سنت کمار مس بٹلر کو جانتا تھا ۔ وہ نگر کی پرسدّھ لیڈی ڈاکٹر تھی ۔ پشپا کے گھر سے اس کا گھراؤ سا ہو گیا تھا ۔ پشپا کے پتا ڈاکٹر تھے اور ایک پیشے کے ویکتیوں میں کچھ گھنشٹھتا ہو ہی جاتی ہے ۔ پشپا نے جو سمسیا اس کے سامنے رکھ دی تھی اس پر بیٹھے اورنر یہہ شبدوں میں کچھ کہنا اس کے لیے کٹھن ہو رہا تھا ۔ اور چپ رہنا اس کی پروشتا کے لیے اس سے بھی کھٹن تھا۔
دُبدھا میں پڑ کر بولا " مگر سبھی اِستریاں مس بٹلر تو نہیں ہوسکتی ؟
پشپا نے آویش کے ساتھ کہا " کیوں،، ؟ اگر وہ ڈاکٹری پڑھ کر اپنا ویوسائے کرسکتیں ہے تو میں کیوں نہیں کرسکتی ؟
ان کے سماج میں اور ہمارے سماج میں بڑا انتر ہے" ارتھات ان کے سماج میں پروش شریشٹ ہے ، شیل وان اور ہمارے سماج کے پروش چرتر ہین ہے ،لمپٹ ہے ، وشیش کر جو پڑھے لکھے ہیں ۔"
" یہ کیوں نہیں کہتیں کہ اس سماج میں ناریوں میں آتم بل ہے ،اپنی رکشا کرنے کی شکتی ہے اور پروش کو قابو میں رکھنے کی کلا ہے ۔"

'' ہم بھی تو وہی آتم بل اور شکتی اور کلا پراپت کرنا چاہتی ہیں لیکن تم لوگوں کے مارے جب کچھ چلنے پاوے ۔ مریادا اور آدرش اور جانے کن کن بہانوں سے ہمیں دبانے کی اور ہمارے اوپر اپنی حکومت جمائے رکھنے کی کوشش کرتے ہو۔''

سنت کمار نے دیکھا کہ بحث پھر اسی مارگ پر چل پڑی ہے جو انت میں پشپا کو انت سہیوگ ڈھاڑن کرنے پر تیار کردیتا ہے ،اور اس سے وہ اسے ناراض کرنے نہیں ، اسے خوش کرنے آیا تھا۔''

بولا ۔اچھا صاحب سارا دوش پروشوں کا ہے ، اب راضی ہوئیں۔ پروش بھی حکومت کرتے کرتے تھک گیا ہے ،اور اب کچھ دن وشرام کرنا چاہتا ہے ۔تمھارے آدھین رہ کر اگر وہ اس سنگھرش سے بچ جائے تو وہ اپنا سنگھاسن چھوڑنے کو تیار ہے ۔

پشپا نے مسکرا کر کہا '' اچھا آج سے گھر میں بیٹھو۔

'' بڑے شوق سے بیٹھوں گا ، میرے لیے اچھے اچھے کپڑے ، اچھی اچھی سواریاں لادو۔ جیسا تم کہو ویسا ہی کروں گا تمھاری مرضی کے خلاف ایک شبد بھی نہ بولوں گا۔''

پھر تو نہ کہو گی کہ استری پروش کی محتاج ہے ، اس لیے اسے پروش کی غلامی کرنی چاہیے؟

'' کبھی نہیں ،مگر ایک شرط پر۔''

'' کون سی شرط ۔''

'' تمھارے پریم پر میرا ہی ادھیکار رہے گا۔''

'' استریاں تو پروشوں سے ایسی شرط کبھی نہ منوا سکی؟''

یہ ان کی دربلتا تھی ۔ ایشور نے تو انھیں پروش پر شاسن کرنے کے لیے سبھی اَستر دیے تھے۔

سندھی ہوجانے پر بھی پشپا کا من آشوست نہ ہوا۔ سنت کمار کا سوبھاؤ وہ جانتی تھی ۔ استری پر شاسن کرنے کا جو سنسکار ہے وہ اتنی جلدی کیسے بدل سکتا ہے ۔ اوپر کی باتوں میں، سنت کمار اسے اپنے برابر کا استھان دیتے تھے ۔ لیکن اس میں ایک پرکار کا احساس چھپا ہوتا تھا ۔ مہتو کی باتوں میں وہ لگام اپنے ہاتھوں میں رکھتے تھے ۔ ایسا آدمی یکا یک اپنا ادھیکار

تیا گنے پر تیار ہو جائے ،اس میں کوئی رہسیہ اوشیہ ہے ۔

بولی۔ ناریوں نے ان شستروں سے اپنی رکشا نہیں کی ، پروشوں کی ہی رکشا کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ان میں اپنی رکچھا کرنے کی سامرتھ ہی نہیں رہی۔''

سنت کمار نے مگدھ بھاؤ سے کہا '' یہی بھاؤ میرے من میں کئی بار آیا ہے پشپا، اور اس میں کوئی سندھیہ نہیں کہ اگر استری نے پروش کی رکشا نہ کی تو آج دنیا ویران ہو گئی ہوتی۔ اس کا سارا جیون تپ اور سادھنا کا جیون ہے۔''

تب اس نے اس سے اپنے منصوبے کہہ سنائے ۔ وہ ان مہاتماؤں سے اپنی موروثی جائداد واپس لینا چاہتا ہے ،اگر پشپا اپنے پتا سے ذکر کرے اور دس ہزار روپے بھی دلادے تو سنت کمار کو دولاکھ روپے کی جائداد مل سکتی ہے ۔صرف دس ہزار۔ اتنے روپے کے بغیر اس کے ہاتھ سے دولاکھ کی جائداد نکلی جاتی ہے۔

پشپا نے کہا '' مگر وہ جائداد تو بک چکی ہے۔''

سنت کمار نے سر ہلایا ۔ بک نہیں چکی ،لٹ چکی ہے۔'' جو زمین لاکھ دو لاکھ میں بھی سستی ہے ، وہ دس ہزار میں کوڑا ہو گئی ۔کوئی بھی سمجھدار آدمی ایسا گچا نہیں کھا سکتا اور اگر کھاجائے تو وہ اپنے ہوش وہواس میں نہیں ہے ۔ دادا گرہستی میں کشل نہیں رہے ۔ وہ تو کلپناؤں کی دنیا میں رہتے تھے بدمعاشوں نے انھیں چکما دیا اور جائداد نکلوادی ۔ میرا دھرم ہے کہ وہ جائداد واپس لوں ، اورتم چاہوں تو سب کچھ ہوسکتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کے لیے دس ہزار کا انتظام کردینا کوئی کٹھن بات نہیں ہے۔

پشپا ایک منٹ تک وچار میں ڈوبی رہی پھر سندھیہ بھاؤ سے بولی۔ مجھے تو آشا نہیں کی دادا کے پاس اتنے روپے فالتو ہوں ۔

'' ذرا کہوتو ۔''

کہوں کیسے۔ کیا۔ میں ان کا حال جانتی نہیں ،، ؟ ان کی ڈاکٹری اچھی چلتی ہے ، پر ان کے خرچ بھی تو ہیں ، بیرو کے لیے ہر مہینے پانچ سوروپے انگلینڈ بھیجنے پڑتے ہیں ۔تلوتما کی پڑھائی کا خرچ بھی کچھ کم نہیں ۔ سنچے کرنے کی ان کی عادت نہیں ہے ۔ میں انھیں سنکٹ

میں نہیں ڈالنا چاہتی ۔''

''میں ادھار مانگتا ہوں ۔ خیرات نہیں۔''

''جہاں اتنا گھنشٹ سمبندھ ہے وہاں ادھار کے معنی خیرات کے سیوا اور کچھ نہیں ۔ تم روپے نہ دے سکے تو وہ تمھارا کیا بنا لیں گے ؟ عدالت جا نہیں سکتے ، دنیا ہنسے گی : پنچایت کر نہیں سکتے ، لوگ تانے دیں گے ۔''

سنت کمار نے تیکھے پن سے کہا---''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں روپے نہ دے سکوں گا ؟''

پشپا منھ پھیر کر بولی ''تمھاری جیت ہونا نشچت نہیں ہے اور جیت بھی ہوجائے اور تمھارے ہاتھ میں روپے آ بھی جائیں تو یہاں کتنے زمیندار ایسے ہیں جو اپنے قرض چکا سکتے ہوں ؟ روز ہی تو ریاستیں کورڈ آف وارلڈ میں آیا کرتی ہیں ۔ یہ بھی مان لیں کہ تم کفایت سے رہو گے اور دھن جما کرلو گے لیکن آدمی کا سوبھاؤ ہے کہ جس روپے کو وہ ہضم کرسکتا ہے اسے ہضم کر جاتا ہے۔ دھرم اور نیتی کو بھول جانا اس کی ایک عام کمزوری ہے ۔

سنت نے پشپا کو بڑی آنکھوں سے دیکھا ۔ پشپا کے کہنے میں جو ستیہ تھا وہ تیر کی طرح نشانے پر جا بیٹھا ۔ اس کے من میں جو چور چھپا بیٹھا تھا اسے پشپا نے پکڑ کر سامنے کھڑا کر دیا تھا۔ تلملا کر بولا۔'' آدمی کو تم اتنا نیچ سمجھتی ہو ، تمھاری اس منووِرتی پر مجھے اچرج بھی ہے اور دکھ بھی ۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی سماج پر دھرم اور نیتی کا ہی شاسن ہے جس دن سنسار سے دھرم اور نیتی کا ناش ہو جائے گا اسی دن سماج کا انت ہو جائے گا۔

اس نے دھرم اور نیتی کی بیا پکتا پر ایک لمبا دارشنک بیاکھیان دے ڈالا ۔ کبھی کسی گھر میں کوئی چوری ہو جاتی تو کتنی ہل چل مچ جاتی ہے ۔ کیوں ؟ اس لیے کے چوری ایک غیر معمولی بات ہے اگر سماج چوروں کا ہوتا تو کسی کا ساہ ہونا اتنی ہی ہلچل پیدا کرتا ۔ روگوں کی آج بہت بڑھتی سننے میں آتی ہے ، لیکن غور سے دیکھو تو سو میں سے ایک آدمی سے زیادہ بیمار نہ ہوگا ۔ اگر بیماری عام بات ہوتی تو تندرستی کی نمائش ہوتی آدی۔ پشپا ورکت سی سنتی رہی اس کے پاس جواب تو تھے ، پر وہ اس بحث کو طول نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ اپنے پتا سے روپے کے لیے نہ کہے گی اور کسی ترک یا پرمان کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو

سکتا تھا۔

سنت کمار نے بھاشن ختم کرکے جب اس سے کوئی جواب نہ پایا تو ایک چھن کے بعد بولا ـــــ کیا سوچ رہی ہوں ؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں ، میں بہت جلد روپے دے دوں گا۔

پشپا نے نشچل بھاؤ سے کہا ـ تمھیں کہنا ہو جاکر خود کہو ، میں تو نہیں لکھ سکتی ـ

سنت کمار نے ہونٹ چبا کر کہا ـ ذرا سی بات تم سے نہیں لکھی جاتی ، اس پر دعویٰ یہ ہے کہ گھر پر میرا بھی ادھیکار ہے ـ

پشپا نے جوش کے ساتھ کہا" میرا ادھیکار تو اسی چھن ہوگیا جب میری گانٹھ تم سے بندھی ـ

سنت کمار نے گرو کے ساتھ کہا" ایسا ادھیکار جتنی آسانی سے مل جاتا ہے اتنی ہی آسانی سے چھن بھی جاتا ہے۔

پشپا کو جیسے کسی نے دھکا دے کر اس وچار دھارا میں ڈال دیا جس میں پاؤں رکھتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ اس نے یہاں آنے کے ایک دومہینوں کے بعد ہی سنت کمار کا سوبھاؤ پہچان لیا تھا ـ ان کے ساتھ نباہ کرنے کے لیے اسے ان کی اشاروں کی لونڈی بن کر رہنا پڑے گا ـ اسے اپنے ویکتتو کو ان کے استتو میں ملا دینا پڑے گا ـ وہ وہی سوچیں گی جو وہ سوچیں گے۔ وہی کرے گی جو وہ کریں گے ـ اپنی آتما کے وکاس کے لیے یہاں کوئی اوسر نہ تھا۔ ان کے لیے لوک یا پرلوک میں جو کچھ تھا وہ سمپتی تھی۔ یہیں سے ان کے جیون کو پریرنا ملتی تھی ـ سمپتی کے مقابلے میں پتنی یا پُتر کی ان کی نگاہ میں کوئی حقیقت نہ تھی۔ ایک چینی کا پلیٹ پشپا کے ہاتھ سے ٹوٹ جانے پر انھوں نے اس کے کان اینٹھ لیے تھے ـ فرش پر سیاہی گرادینے کی سزا انھوں نے پنکھا سے سارا فرش دھلواکر دی تھی۔ پشپا ان کے رکھے روپوں کو کبھی ہاتھ نہ لگاتی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ دھن کو محض جمع کرنے کی چیز نہ سمجھتے تھے۔ دھن ، بھوگ کرنے کی وستو ہے ان کا یہ سدھانت تھا۔ فضول خرچی یا لاپرواہی برداشت نہ کرتے تھے۔ انھیں اپنے سوا کسی پر وشواس نہ تھا پشپا نے کٹھور آتم سمرپن کے ساتھ اس جیون کے لیے اپنے کو تیار کرلیا تھا ـ پر بار بار یہ یاد دلایا جانا کہ یہاں اس کا کوئی ادھیکار نہیں ہے ـ وہاں وہ کیول ایک لونڈی کی طرح ہے اسے اسہیہ تھا۔ ابھی اس دن اسی طرح کی ایک بات

سن کر اس نے کئی دن کھانا پینا چھوڑ دیا تھا اور آج تک اس نے کسی طرح من کو سمجھا کر شانت کیا تھا کہ وہ دوسرا آگھات ہوا۔ اس نے اس کے رہے سہے دھیریہ کا بھی گلا گھوٹ دیا۔ سنت کمار تو اسے یہ چنوتی دے کر چلے گئے ، وہ وہی بیٹھی سوچنے لگی اب اس کو کیا کرنا چاہیے ۔اس دشا میں تو وہ اب نہیں رہ سکتی۔ وہ جانتی تھی کے پتا کہ گھر میں بھی اس کے لیے شانتی نہیں ہے ۔ ڈاکٹر صاحب بھی سنت کمار کو آدرش یووک سمجھتے تھے اور انھیں اس بات کا وشواس دلانا کھٹن تھا کہ سنت کمار کی اُور سے کوئی بیجا حرکت ہوئی ہے ۔ پشپا کا ویواہ کر کے انھوں نے جیون کی ایک سمسیا حل کر لی تھی اس پر پھر وچار کرنا ان کے لیے اسوُجھ تھا۔ ان کی زندگی کی سب سے بڑی ابھیلاشا تھی کہ اب کہیں نِشچت ہو کر دنیا کی سیر کریں۔ یہ سمے اب نکٹ آتا جاتا ہے جوں ہی لڑکا انگلینڈ سے لوٹا اور چھوٹی لڑکی کی شادی ہوئی کہ وہ دنیا کے بندھن سے مکت ہو جائیں گے ۔ پشپا پھر ان کے سر پڑ کر ان کے جیون کے سب سے بڑے ارمان میں بادھا نہ ڈالنا چاہتی تھی ۔ پھر اس کے لیے دوسرا کون استھان نہیں ہے؟ تو کیا اس گھر میں رہ کر جیون پریتن اپمان سہتے رہنا پڑے گا۔

سادھو کمار آ کر بیٹھ گیا ۔ پشپا نے چونک کر پوچھا ''تم بمبئی کب جا رہے ہو؟''

سادھو نے ہچکچاتے ہوئے کہا '' جانا تو تھا کل، لیکن میری جانے کی اِچھا نہیں ہوتی ۔ آنے جانے میں سیکڑوں کا خرچ ہے ۔ گھر میں روپے نہیں، میں کسی کو ستانا نہیں چاہتا ۔ بمبئی جانے کی ایسی ضرورت ہی کیا ہے جس ملک میں دس میں نو آدمی روٹی کو ترستے ہوں ، وہاں دس بیس آدمیوں کا کرکٹ کے ویسن میں پڑے رہنا مورکھتا ہے ۔ میں تو نہیں جانا چاہتا ۔

پشپا نے اُتیجت کیا ـــــ تمھارے بھائی صاحب تو روپے دے رہے ہیں۔

سادھو نے مسکرا کر کہا۔ مجھے دادا کا گلا دبانے کو کہہ رہے ہیں ۔میں دادا کو کشٹ نہیں دینا چاہتا۔ بھائی صاحب سے کہنا مت بھابی۔ میں تمھارے ہاتھ جوڑتا ہوں ۔

پشپا اس کی اس نرم سرلتا پر ہنس پڑی۔ بائیس سال کا گرویلا یووک جس نے ستیا گرہ سنگرام میں پڑھنا چھوڑ دیا ، دو بار جیل ہو آیا ، جیلر کے کٹو وچن سن کر اس کی چھاتی پر سوار ہو گیا اور اس اودنڈتا کی سزا میں تین مہینے کال کوٹھری میں رہا ، وہ اپنے بھائی سے اتنا ڈرتا ہے ،

مانو وہ ہووا ہوں ۔ بولی۔۔۔ میں تو کہہ دوں گی۔

''تم نہیں کہہ سکتیں ۔اتنی نردئی نہیں ہو۔''

پشپا پرسن ہوکر بولی ۔ کیسے جانتے ہو؟

''چہرے سے۔''

''جھوٹے ہو۔''

''تو پھر اتنا اور کہے دیتا ہوں کہ آج بھائی صاحب نے تمھیں بھی کچھ کہا ہے۔'' پشپا جھینپتی ہوئی بولی ۔ بالکل غلط وہ بھلا مجھے کیا کہتے؟''

''اچھا میرے سر کی قسم کھاؤ۔''

''قسم کیوں کھاؤں؟ تم نے مجھے کبھی قسم کھاتے دیکھا ہے؟''

بھیا نے کچھ کہا ہے ضرور، نہیں تمھارا منھ اتنا اترا ہوا کیوں رہتا؟ بھائی صاحب سے کہنے کی ہمت نہیں پڑتی، ورنا سمجھاتا کہ آپ کون گڑے مردے اکھاڑ رہے ہیں جو جائداد بک گئی اس کے لیے اب دادا کو کوسنا اور عدالت کرنا مجھے تو کچھ نہیں جنچتا ۔غریب لوگ بھی تو دنیا میں ہیں ہی، یا سب مالدار ہی ہیں۔ میں تم سے ایمان سے کہتا ہوں بھابھی ، میں جب کبھی دھنی ہونے کی کلپنا کرتا ہوں تو مجھے شنکا ہونے لگتی ہے کہ نہ جانے میرا من کیا ہوجائے ۔ اتنے غریبوں میں دھنی ہونا تو مجھے گھمنڈ سا لگتا ہے ۔ مجھے تو اس دشا میں بھی اپنے اوپر لجا آتی ہے ، جب دیکھتا ہوں کہ میرے ہی جیسے لوگ ٹھوکرے کھا رہے ہیں ۔ ہم تو دونوں وقت چپڑی ہوئی روٹیاں دودھ اور سیب اور سنترے اڑاتے ہیں۔ مگر سو میں نناوے آدمی تو ایسے بھی ہے جنھیں ان چیزوں کے درشن بھی نہیں ہوتے۔ آخر ہم میں کیا سرخاب کے پر لگ گئے ہیں؟

پشپا ان وچاروں کے نہ ہونے پر بھی سادھو کی نشکپٹ سچائی کا آدر کرتی تھی ۔ بولی تم اتنا پڑھتے تو نہیں ، یہ وچار تمھارے دماغ میں کہاں سے آجاتے ہیں؟

سادھو نے اٹھ کر کہا۔ شاید اس جنم میں بھکاری تھا۔

پشپا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھاتے ہوئے کہا۔ میری دیورانی بے چاری گہنے کپڑوں کو ترس جائے گی۔

’’ میں اپنا بیاہ ہی نہ کروں گا۔
من میں تو منا رہے ہوگے کہ کہیں سے سندیسا آئے۔
نہیں بھابی تم سے جھوٹ نہیں کہتا۔
شادی کا تو مجھے خیال بھی نہیں آتا۔ زندگی اسی کے لیے ہے کہ کسی کے کام آئے۔ جہاں سیوکوں کی اتنی ضرورت ہے وہاں کچھ لوگوں کو تو کنوارے ہی رہنا چاہیے۔ کبھی شادی کروں گا تو ایسی لڑکی سے جو میرے ساتھ غریبی میں زندگی بسر کرنے پر راضی ہو اور جو میرے جیون کی سچی سہ بھاگنی بنے۔‘‘
پشپا نے اس پرتگیا کو بھی ہنسی میں اڑا دیا۔ پہلے سبھی یووک اس طرح کی کلپنا کیا کرتے تھے۔ لیکن شادی میں دیر ہوئی تو شور مچانا شروع کردیتے ہیں۔
سادھو کمار نے جوش کے ساتھ کہا ’’ میں ان یووکوں میں نہیں ہوں بھابھی، اگر کبھی من چنچل ہوا تو زہر ضرور کھالوں گا۔
پشپا نے پھر کٹاکش کیا۔ تمھارے من میں تو بی بی (پنکجا) بسی ہوئی ہے۔‘‘
تم سے کوئی بات کہو تو تم بنانے لگتی ہو، اسی سے میں تمھارے پاس نہیں آتا‘‘
اچھا سچ کہنا پنکجا جیسی بیوی پاؤ تو ویواہ کرو یا نہیں،،؟
سادھو کمار اٹھ کر چلا گیا۔ پشپا روکتی رہی مگر وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا۔ اس آدرش وادی، سرل پرکرتی، سوشیل سومیے یووک سے مل کر پشپا کا مرجھایا ہوا من کھل اٹھا تھا۔ وہ بھیتر سے جتنی بھاری تھی، باہر سے اتنی ہلکی تھی۔ سنت کمار سے تو اسے اپنے ادھیکاروں کی پرتچھن رکشا کرنا پڑتی تھی چوکنا رہنا پڑتا تھا کہ نہ جانے کب اس کا وار ہوجائے۔ شیویا سدیو اس پر اپنا شاسن کرنا چاہتی تھی اور ایک چھن بھی نہ بھولتی تھی کہ وہ گھر کی سوامنی ہے اور ہر ایک آدمی کو اس کا یہ ادھیکار سویکار کرنا چاہیے۔ دیوکمار نے سارا بھار سنت کمار پر ڈال کر واستو میں شیویا کی گدی چھین لی تھی۔ وہ یہ بھول جاتی تھی کہ دیوکمار کے سوامی رہنے پر ہی وہ گھر کی سوامنی ہے۔ اب وہ مانے کی دیوی تھی جو کیول اپنے آشروادوں کے بل پر ہی پُج سکتی ہے۔ من کا یہ سندھیہ مٹانے کے لیے وہ سدیو اپنے ادھیکاروں کی پریکشا لیتی رہتی تھی۔ یہ

چور کسی بیماری کی طرح اس کے اندر جڑ پکڑ چکا تھا اور اصلی بھوجن کو ناپچا سکنے کے کارن اس کی پرکرِتی چٹوری ہوتی جاتی تھی ۔ پشپا ان سے بولتے ڈرتی تھی ، ان کے پاس جانے کا ساہس نہ ہوتا تھا ۔رہی پنکجا، اسے کام کرنے کا روگ تھا ۔اس کا کام ہی اس کا ونود، منورنجن سب کچھ تھا ۔ شکایت کرنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا ۔ بالکل دیو کمار کا سا سوبھاؤ پایا تھا ۔کوئی چار بات کہہ دیں ، سر جھکا کرسن لے گی ۔من میں کسی طرح کا دِوش یا ملال نہ آنے دے گی ۔ سویرے سے دس گیارہ بجے رات تک اسے دم مارنے کی مہلت نہ تھی۔ اگر کسی کے کرتے کے بٹن ٹوٹ جاتے تو پنکجا ٹانکیں گی ۔ کس کے کپڑے کہاں رکھے ہیں یہ رہسیہ پنکجا کے سوا کوئی نہ جانتا تھا ۔ اور اتنے کام کرنے پر بھی وہ پڑھنے اور بیل بوٹے بنانے کا سے بھی ناجانے کیسے نکال لیتی تھی ۔گھر میں جتنے تکیے تھے سبھوں پر پنکجا کی کلا پریتا کے چنھہ انکت تھے ۔ میزوں کے میز پوش ، کرسیوں کے گدے ، صندوقوں کے غلاف سب اس کی کلا ،کرتیوں سے رنجت تھے ۔ ریشم اور مخمل کی طرح طرح کے پکشیوں اور پھولوں کے چتر بنا کر اس کے فریم بنا لیے تھے جو دیوان خانے کی شوبھا بڑے رہے تھے۔ اور اسے گانے بجانے کا شوق بھی تھا۔ ستار بجا لیتی تھی اور ہارمونیم تو اس کے لیے کھیل تھا ۔ ہاں کسی کے سامنے گاتے بجاتے شرماتی تھی ۔اس کے ساتھ ہی وہ اسکول بھی جاتی تھی اور اس کا شمار اچھی لڑکیوں میں تھا۔ پندرہ روپیہ مہینہ اسے وظیفہ ملتا تھا ۔ اس کے پاس اتنی فرصت نہ تھی کی پشپا کے پاس گھڑی دو گھڑی کے لیے آبیٹھے اور ہنسی مذاق کرے ۔ اسے ہنسی مذاق آتا بھی نہ تھا۔ نہ مذاق سمجھتی تھی نہ اس کا جواب دیتی تھی ۔ پشپا کو اپنے جیون کا بھار ہلکا کرنے کے لیے سادھو ہی مل جاتا تھا پتی نے تو الٹے اس پر اور اپنا بوجھ ہی لاد دیا تھا۔

سادھو چلا گیا تو پشپا پھر اسی کے خیال میں ڈوبی ۔کیسے اپنا بوجھ اٹھائے ؟ اسی لیے تو پتی دیو اس پر روب جماتے ہیں۔ جانتے ہے کہ اسے چاہے کتنا ستاؤ ، کہیں نہیں جاسکتی ، کچھ بول نہیں سکتی ، ہاں ان کا خیال ٹھیک ہے۔اسے ولاس وستوؤں سے روچی ہے۔وہ اچھا کھانا چاہتی ہے۔ ایک بار وہ ولاس کا موہ تیاگ دے اور تیاگ کرنا سیکھ لے ، پھر اس پر کون روب جما سکے گا ، پھر وہ کیوں کسی سے دبے گی ۔

شام ہو گئی تھی۔ پُشپا کھڑکی کے سامنے کھڑی باہر کی اُور دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا بیس ،پچیس لڑکیوں اورا ستریوں کا ایک دل ایک سور سے ایک گیت گا تا چلا جارہا تھا۔کسی کی دیہہ پر ثابت کپڑے تک نہ تھے۔ سر اور منہ پر گرد جمی ہوئی تھی۔ بال روکھے ہو رہے تھے جن میں شاید مہینوں سے تیل نہ پڑا ہو۔ یہ مجورنی تھیں جو دن بھر اینٹ اور گارا ڈھو کر گھر لوٹ رہی تھیں۔ سارے دن انھیں دھوپ میں تپنا پڑا ہوگا, مالک کی گھڑکیاں کھانی پڑی ہوں گی۔شاید دوپہر کو ایک ایک۔ مٹھی چبینا کھا کر رہ گئی ہوں۔پھر بھی کتنی پرسن تھیں ,کتنی سوتنتر۔ ان کی اس پرسنّتا کا،اس سوتنترتا کا کیا رہسیہ ہے؟

تین

مسٹر سنہا ان آدمیوں میں ہیں جن کا آدر اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ ان سے ڈرتے ہیں۔انھیں دیکھ کر سبھی آدمی ، آیئے ، آیئے ، کرتے ہیں ، لیکن ان کے پیٹھ پھیرتے ہی کہتے ہیں ۔بڑا ہی موذی آدمی ہے اس کے کاٹے کا منتر نہیں ۔ان کا پیشہ ہے مقدمے بنانا ۔ جیسے کوی ایک کلپنا پر پورا کاویہ لکھ ڈالتا ہے ، اسی طرح سنہا صاحب بھی کلپنا پر مقدموں کی سرشٹی کر ڈالتے ہیں ۔ نہ جانے وہ کوی کیوں نہیں ہوئے ؟ مگر کوی ہوکر وہ ساہتہ کی چاہے جتنی وِردھی کر سکتے، اپنا کچھ اپکار نہ کر سکتے ۔ قانون کی اپاسنا کر کے انھیں سبھی سدھیاں مل گئی تھیں۔ شاندار بنگلے میں رہتے تھے۔ بڑے بڑے رئیسوں اور حکام سے دوستانہ تھا ' پرِتشٹھا بھی تھی ، روب بھی تھا ۔قلم میں ایسا جادو تھا کہ مقدمے میں جان ڈال دیتے ۔ ایسے ایسے پرسنگ سوچ نکالتے ، ایسے ایسے چرتروں کی رچنا کرتے کہ کلپنا سجیو ہو جاتی تھی ۔ بڑے بڑے گھاگھ جج بھی اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکتے ۔ سب کچھ اتنا سوابھاوِک ، اتنا سمبندھ ہوتا تھا کہ اس پر مِتھیا کا بھرم تک نہ ہوسکتا تھا۔ وہ سنت کمار کے ساتھ کے پڑھے ہوئے تھے ۔ دونوں میں گہری دوستی تھی ۔سنت کمار کے من میں ایک بھاونا اٹھی اور سنہا نے اس میں رنگ روپ بھر کر جیتا جاگتا پتلا کھڑا کر دیا اور آج مقدمہ دائر کرنے کا نشچے کیا جا رہا ہے ۔

نو بجے ہوں گے۔وکیل اور موکّل کچہری جانے کی تیاری کررہے ہیں ۔سنہا اپنے سجے کمرے میں میج پر ٹانگ پھیلائے لیٹے ہوئے ہیں ۔گورے چٹے آدمی اونچا قد ، اکہرا بدن بڑے بڑے بال پیچھے کو کنگھی سے اینچے ہوئے ، مونچھیں صاف 'آنکھوں پر اینک ' ہونٹوں پر سگار ، چہرے پر پرتبھا کا پرکاش ، آنکھوں میں ابھیمان ، ایسا جان پڑتا ہے کوئی بڑا رئیس ہے۔ سنت کمار نیچی اچکن پہنے ، پھیلٹ کیپ لگائے کچھ چنتت سے بیٹھے ہیں۔

سنہا نے آشواسن دیا۔تم ناحق ڈرتے ہو ۔ میں کہتا ہوں ہماری فتح ہے۔ ایسی سیکڑوں نظیریں موجود ہیں۔ جس میں بیٹوں پوتوں نے بینامے منسوخ کرائے ہیں۔ پکی شہادت

چاہیے اور اسے جما کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

سنت کمار نے دُوِدھا میں پڑکر کہا۔ لیکن فادر کو بھی توراضی کرنا ہوگا۔ ان کی اِچھا کے بنا تو کچھ نہ ہو سکے گا۔

انھیں سیدھا کرنا تمھارا کام ہے۔

لیکن ان کا سیدھا ہونا مشکل ہے۔

تو انھیں بھی گولی مارو۔ہم ثابت کریں گے کہ ان کے دماغ میں خلل ہے۔

یہ ثابت کرنا آسان نہیں ہے۔جس نے بڑی بڑی کتابیں لکھ ڈالیں، جو سبھ سماج کا نیتا سمجھا جاتا ہے، جس کی عقل مندی کو سارا شہر مانتا ہے، اسے دیوانہ کیسے ثابت کروگے؟

سنہا نے وشواس پورن بھاؤ سے کہا۔ یہ سب میں دیکھ لوں گا۔ کتاب لکھنا اور بات ہے، ہوش و حواس کا ٹھیک رہنا اور بات۔میں تو کہتا ہوں جتنے لیکھک ہیں، سبھی سنکی ہیں۔پورے پاگل، جومحض واہ واہ کے لیے یہ پیشہ مول لیتے ہیں۔اگر یہ لوگ اپنے ہوش میں ہوں تو کتابیں نہ لکھ کر دلالی کریں یا کھونچے لگائیں۔ یہاں کچھ تو محنت کا معاوضہ ملے گا۔ پستکیں لکھ کر تو بدہضمی، تپیدک ہی ہاتھ لگتا ہے۔ روپے کا جوگاڑتم کرتے جاؤ، باقی سارا کام مجھ پر چھوڑ دو۔اور ہاں آج شام کو کلب میں ضرور آنا۔ ابھی سے کیمپین (محاصرہ) شروع کر دینا چاہیے۔تنّی پر ڈورے ڈالنا شروع کرو۔ یہ سمجھ لو، وہ سب جج صاحب کی اکیلی لڑکی ہے اور اس پر اپنا رنگ جما دوتو تمھاری گوٹی لال ہے۔سب۔جج صاحب تنی کی بات کبھی نہیں ٹال سکتے۔ میں یہ مرحلہ کرنے سے تم سے زیادہ کشل ہوں۔مگر میں ایک خون کے معاملے میں پیروی کررہا ہوں اور سیول سرجن مسٹر کامت کی وہ پیلے منھ والی چھوکری آج کل میری پریمیکا ہے۔ سیول سرجن میری اتنی آؤ بھگت کرتے ہیں کہ کچھ نہ پوچھو۔ اس چڑیل سے شادی کرنے پر آج تک کوئی راضی نہ ہوا، اتنے موٹے ہونٹ ہے اور سینا تو جیسے جھکا ہوا سائبان ہو۔ پھر بھی آپ کو دعوا ہے کہ مجھ سے زیادہ روپ وتی سنسار میں نہ ہوگی۔ عورتوں کو اپنے روپ کا گھمنڈ کیسے ہوجاتا ہے، یہ میں آج تک نہیں سمجھ سکا۔ جو روپ وان ہے وہ گھمنڈ کرے تو واجب ہے، لیکن جس کی صورت دیکھ کر تے آئے، وہ کیسے اپنے کو اپسرا

سمجھتی ہے۔اس کے پیچھے پیچھے گھومتے اور عاشقی کرتے جی تو جلتا ہے ، مگر گہری رقم ہاتھ لگنے والی ہے ، کچھ تپسیا تو کرنی ہی پڑے گی ۔ تبھی تو سچ مچ اپسرا ہے اور چنچل بھی۔ذرا مشکل سے قابو میں آئے گی۔ اپنی ساری کلا خرچ کرنی پڑے گی ۔

''یہ کلا میں خوب سیکھ چکا ہوں۔''

''تو آج شام کو آنا کلب میں۔''

''ضرور آؤں گا۔''

''روپے کا پربندھ بھی کرنا ہے ،،

''وہ تو کرنا ہی پڑے گا۔''

اس طرح سنت کمار اور سنہا دونوں نے محاصرہ ڈالنا شروع کیا۔ سنت کمار نہ لمپٹ تھا ، نہ رَسِک ، مگر ابھینے کرنا جانتا تھا ۔روپ وان بھی تھا ، زبان کا میٹھا تھا ، دوہرا شریر ، ہنس مکھ اور ذہین، چہرا گورا چٹا ۔ جب سوٹ پہن کر چھڑی گھماتا ہوا نکلتا تو آنکھوں میں خوب جاتا تھا۔ ٹینس، برج ،آدی فیشن ایبل کھیلوں میں نپڑ تھا ہی ،تبھی سے راہ رسم پیدا کرنے میں اسے دیر نہ لگی ،تبھی یونیورسٹی کے پہلے سال میں تھی ، بہت ہی تیز ، بہت ہی مغرور ، بڑی حاضر جواب ۔ اسے سوادھیائے کا شوق نہ تھا ، بہت تھوڑا پڑھتی تھی ،مگر سنسار کی گتی سے واقف تھی، اور اپنی اوپری جانکاری کو وِدوتا کا روپ دینا چاہتی تھی ۔کوئی وشے اٹھایئے چاہے وہ گھور وگیان ہی کیوں نہ ہوں ، اس پر وہ کچھ نہ کچھ آلوچنا کرسکتی تھی ،کوئی مولک بات کہنے کا اسے شوق تھا اور پرانجل بھاشا میں ۔ مزاج میں نفرت اتنی تھی کے سلیقہ یا تمیز کی ذرا بھی کمی اسے آسہیہ تھی ۔ اس کے یہاں کوئی نوکر یا نوکرانی نہ ٹھہرنے پاتی تھی ۔ دوسروں پر کڑی آلوچنائے کرکے اسے آنند آتا تھا ، اور اس کی نگاہ اتنی تیز تھی کہ کسی استری یا پرش میں ذرا بھی کوروچی یا بھونڈاپن دیکھ کر وہ بھنوؤں سے یا ہونٹوں سے اپنا منوبھاو پرکٹ کر دیتی تھی ۔ مہیلاؤں کے سماج میں اس کی نگاہ ان کے واستر بھوشن پر رہتی تھی اور پرش سماج میں ان کی منو ورتی کی اور اسے اپنے آدتیے روپ ۔ لاونیہ کا گیان تھا وہ اچھے سے پہناویں سے اسے اور بھی چمکاتی تھی ۔ زیوروں میں اسے وشیش رچی نہ تھی ، یدیپی اپنے سگار دان میں انھیں چمکتے دیکھ اسے ہرش

ہوتا تھا۔ دن میں کتنی ہی بار وہ نئے نئے روپ دھارتی تھی۔ کبھی بیتالیوں کا بھیش دھارن کر لیتی تھی، کبھی گجریوں کا، کبھی اسکٹ یا موزے پہن لیتی تھی۔ مگر اس کے من میں پروشوں کو آکرشت کرنے کا ذرا بھی بھاؤ نہ تھا۔ وہ سویم اپنے روپ میں مگن تھی۔

مگر اس کے ساتھ ہی وہ سَرل نہ تھی اور یووکوں کے مکھ سے انوراگ بھری باتیں سن کر وہ ویسی ہی ٹھنڈی رہتی تھی۔ اس بیوپار میں سادھارن روپ پرشنسا کے سوا اس کے لیے کوئی مہتو نہ تھا۔ اور یووک کسی طرح پروتساہن نہ پاکر نراش ہوجاتے ہیں مگر سنت کمار کی رَسکتا میں اسے انتر گیان سے کچھ رہسیہ، کچھ کُشلتا کا آبھاس ملا۔ ان یووکوں میں اس نے جو آسیم، جو اگرتا، جو وہولتا دیکھی تھی اس کا یہاں نام بھی نہ تھا۔ سنت کمار کے پرتی ایک ویہوار میں سَنیَم تھا، ودھان تھا، سچیتتا تھی۔ اس لیے وہ ان سے سترک رہتی تھی اور ان کے منو رہسیوں کو پڑھنے کی چیشٹھا کرتی تھی۔ سنت کمار کا سَنیَم اور وچار شیلتا ہی اسے اپنی جٹلتا کے کارن اپنی اور کھینچی تھی۔ سنت کمار نے اس کے سامنے اپنے کو ان میل ویواہ کے ایک شکار کے روپ میں پیش کیا تھا اور اسے ان سے کچھ ہمدردی ہوگئی تھی۔ پشپا کے رنگ روپ کی انھوں نے اتنی پرشنسا کی تھی جتنی ان کو اپنے مطلب کے لیے ضروری معلوم ہوئی، مگر جس کا تبھی سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اس نے کیول پشپا کے پھوہڑپن، بے وقوفی، آسہردیتا اور نشٹھرتا کی شکایت کی تھی، اورتبھی پر اتنا پربھاؤ جما لیا تھا کہ وہ پشپا کو دیکھ پاتی تو سنت کمار کا پکش لے کر اس سے لڑتی۔

ایک دن اس نے سنت کمار سے کہا ''تم اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے ؟''

سنت کمار نے حسرت کے ساتھ کہا۔ چھوڑ کیسے دوں مس تروینی، سماج میں رہ کر سماج کے قانون تو ماننے ہی پڑیں گے۔ پھر پشپا کا اس میں کیا قصور ہے۔ اس نے تو اپنے آپ کو نہیں بنایا۔ ایشور نے یا سنسکاروں نے یا پرستھتیوں نے جیسا بنایا ویسی بن گئی۔

'' مجھے ایسے آدمیوں سے ذرا بھی سہانو بھوتی نہیں جو ڈھول کو اس لیے پیٹیں کہ وہ گلے میں پڑ گئی۔ میں چاہتی ہوں وہ ڈھول کو گلے سے نکال کر کسی خندق میں پھینک دیں۔ میرا بس چلے تو میں خود اسے نکال کر پھینک دوں۔''

سنت کمار نے اپنا جادو چلتے ہوئے دیکھ کر من میں پرسّن ہوکر کہا۔ لیکن اس کی کیا حالت ہوگی ، یہ تو سوچو۔

تبھی ادھیر ہوکر بولی ''تمھیں یہ سوچنے کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ اپنے گھر چلی جائے گی، یا کوئی کام کرنے لگے گی یا اپنے سوبھاو کے کسی آدمی سے ویواہ کرلے گی ۔

سنت کمار نے قہقہہ مارا ۔ تبھی یتھارتھ اور کلپنا میں بھید بھی نہیں سمجھتی تھی ، کتنی بھولی ہے۔

گمبھیر ادارتا کے بھاؤ سے بولے ۔ یہ بڑا ٹیڑھا سوال ہے کماری جی ! سماج کی نیتی کہتی ہے کہ چاہے پشپا کو دیکھ کر روز میرا خون ہی کیوں نہ جلتا رہے اور ایک دن میں اسی شوک میں اسے گلا کیوں نہ کاٹ دوں ، لیکن اسے کچھ نہیں ہوسکتا، چھوڑنا تو اسمبھو ہے ۔ کیول ایک ہی ایسا آچھیپ ہے جس پر میں اسے چھوڑ سکتا ہوں ، یعنی اس کی بیوفائی ! لیکن پشپا میں اورچاہے جتنے دوش ہوں یہ دوش نہیں ہے ۔

سندھیا ہوگئی تھی ۔ تبھی نے نوکر کو بلا کر باغ میں گول چبوترے پر کرسیاں نکال کررکھ دی اور مانو یہ کام سماپت کرکے جانے کو ہوا۔

'' تبھی نے ڈانٹ کر کہا ۔ کرسیاں صاف کیوں نہیں کی ؟ دیکھتا نہیں ان پر کتنی گرد پڑی ہے ؟ میں تم سے کتنی بار کہہ چکی ہوں مگر تجھے یادنہیں رہتی ۔ بنا جرمانہ کیے تجھے یاد نہ آئے گی۔

نوکر نے کرسیاں پونچھ پونچھ کر صاف کردی اور جانے کو ہوا ۔

تبھی نے پھر ڈانٹا '' تو بار بار بھاگتا کیوں ہے ؟ میزیں رکھ دی ؟ ٹی ٹیبل کیوں نہیں لایا ؟ چائے کیا تیرے سر پر پیئیں گے ؟

اس نے بوڑھے نوکر کے دونوں کان گرما دیے اور دھکا دے کر بولی۔ بالکل گاودی ہے ، نرا پونگا ، جیسے دماغ میں گوبر بھرا ہوا ہے ۔

بوڑھا نوکر بہت دنوں کا تھا۔ سوامنی اسے بہت مانتی تھی ان کے دیہانت کے بعد گو کہ اسے کوئی وشیش پرلوبھن نہ تھا ، کیونکہ اس سے ایک دو روپے زیادہ ویتن پر نوکری مل سکتی تھی ،

پر سوامنی کے پرتی جو اسے شردھا تھی وہ اسے اس گھر سے باندھے ہوئے تھی اور یہاں انادر اور اپمان سب کچھ سہہ کر بھی وہ چپٹا ہوا تھا۔ سب جج صاحب بھی اسے ڈانٹتے رہتے تھے پر ان کے ڈانٹنے کا اسے دکھ نہ ہوتا۔ وہ عمر میں اس کے جوڑ کے تھے۔ لیکن تروڑی کو تو اس نے گود کھیلایا تھا۔ اب وہی تبھی اسے ڈانٹتی ہے، اس سے اس کے شریر کو جتنی چوٹ لگتی تھی اس سے کہیں زیادہ اس کے آتما بھیمان کو لگتی تھی۔ اس نے کیول دو گھروں میں نوکری کی تھی۔ دونوں ہی گھروں میں لڑکیاں بھی تھیں، بہوئیں بھی تھیں سب اس کا آدر کرتی تھیں۔ بہویں تو اس سے لجاتی تھی اگر اس سے کوئی بات بگڑ بھی جاتی تو من میں رکھ لیتی تھی اس کی سوامنی تو آدرش مہیلا تھی اسے کبھی کچھ نہ کہا۔ بابو جی کبھی کچھ کہتے تو اس کا پکش لے کر ان سے لڑتی۔ اور یہ لڑکی چھوٹے بڑے کا ذرا بھی لحاظ نہیں کرتی۔ لوگ کہتے ہیں پڑھنے سے عقل آتی ہے۔ یہی ہے وہ عقل! اس کے من میں وِدروہ کا بھاؤ اٹھا کیوں یہ اپمان سہے؟ جو لڑکی اس کی اپنی لڑکی سے بھی چھوٹی ہو، اس کے ہاتھوں کیوں اپنی مونچھیں نچوائیں؟ اوستھا میں بھی ابھی مان ہوتا ہے جو سنچت دھن کے ابھیمان سے کم نہیں ہوتا۔ وہ سمّان اور پرتشٹھا کو اپنا ادھیکار سمجھتا ہے، اور اس کی جگہ اپمان پا کر مرماہت ہو جاتا ہے۔

گھورے نے ٹی ٹیبل لا کر رکھ دی، پر آنکھوں میں وِدروہ بھرے ہوئے تھا۔

تبھی نے کہا ''جا کر بیرا سے کہہ دو، دو پیالے چائے دے جائے۔''

گھورے چلا گیا اور بیرا کو یہ حکم سنا کر اپنی اکانت کٹیر میں جا کر خوب رویا۔ آج سوامنی ہوتی تو اس کا انادر کیوں ہوتا!

بیرا نے چائے میز پر رکھ دی۔ تبھی نے پیالی سنت کمار کو دی اور ونود بھاؤ سے بولی ''تو اب معلوم ہوا کہ عورتیں ہی پتی ورتا نہیں ہوتی، مرد بھی پتنی ورت والے ہوتے ہیں۔''

سنت کمار نے ایک گھونٹ پی کر کہا ''کم سے کم اس کا سوانگ تو کرتے ہی ہیں،،

''میں اسے نیتک دُربلتا کہتی ہوں۔ جسے پیارا کہو، دل سے پیارا کہو، نہیں پرکٹ ہو جائے۔ میں ویواہ کو پریم بندھن کے روپ میں دیکھ سکتی ہوں، دھرم بندھن یا رواج بندھن تو میرے لیے آسہے ہو جائے۔''

اس پر بھی تو پرشوں پر اکشیپ کیے جاتے ہیں ۔"

تبھی چونکی۔ یہ جاتی گت پرشن ہوا جارہا ہے ۔

اب اسے اپنی جاتی کا پکش لینا پڑے گا " تو کیا آپ مجھ سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ سبھی پرش دیوتا ہوتے ہیں ؟ آپ بھی جو وفاداری کرر ہے ہیں وہ دل سے نہیں ، کیول لوک ننِدا کے بھئے سے ۔ میں اسے وفاداری نہیں کہتی ۔ بچھو کے ڈنک توڑ کر آپ اسے بالکل نیر یہہ بنا سکتے ہیں ، لیکن اس سے بچھوؤں کا زہریلا پن تو نہیں جاتا ۔

سنت کمار نے اپنی ہار مانتے ہوئے کہا " اگر میں بھی یہ کہوں کہ ادھک تر ناریوں کا پتی ورت بھی لوک نندا کا بھے ہے تو آپ کیا کہیں گی ؟

تبھی نے پیالا میز پر رکھتے ہوئے کہا " میں اسے کبھی نہیں سویکار کروں گی ،،

" کیوں ؟"

اس لیے کے مردوں نے استریوں کے لیے اور کوئی آشرے چھوڑا ہی نہیں۔ پتی ورت ان کے اندر اتنا کوٹ کوٹ بھرا گیا کہ اب اپنا ویک تِتو رہا ہی نہیں ۔ وہ کیول پُرش کے آدھار پر جی سکتی ہے ۔ اس کا سوتنتر کوئی استو نہیں ۔ بن بیاہا پرش چین سے کھاتا ہے ، وِہار کرتا ہے اور مونچھوں پر داؤ دیتا ہے ، بن بیاہی استری روتی ہے ، کلپتی ہے اور اپنے کو سنسار کا سب سے ابھاگا پرانی سمجھتی ہے ۔ یہ سارا مردوں کا اپرادھ ہے ، آپ بھی پشپا کو نہیں چھوڑ رہے ہیں ، اس لیے نہ کہ آپ پرش ہے جو قیدی کو آزاد نہیں کرنا چاہتا ۔

سنت کمار نے کاتر سور میں کہا ۔ آپ میرے ساتھ بے انصافی کرتی ہے ۔ میں پشپا کو اس لیے نہیں چھوڑ رہا کہ میں اس کا جیون نشٹ نہیں کرنا چاہتا اگر میں اسے چھوڑ دوں تو شاید اوروں کے ساتھ آپ بھی میرا ترسکار کریں گی ۔

تبھی مسکرائی " میری طرف سے آپ نشچنت رہیے ،، مگر ایک ہی چھن کے بعد اس نے گمبھیر سوور میں کہا ۔لیکن میں آپ کی کٹھنائیوں کا انومان کر سکتی ہوں ۔

مجھے آپ کے منھ سے یہ شبد سن کر کتنا سنتوش ہوا ۔میں واستو میں آپ کی دیا کا پاتر ہوں اور شاید کبھی مجھے اس کی ضرورت پڑے ۔

آپ کے اوپر مجھے سچ مچ دیا آتی ہے ۔کیوں نہ ایک دن ان سے کسی طرح میری ملاقات کرا دیجیے ۔ شاید میں انھیں راستے پر لا سکوں ۔

سنت کمار نے ایسا لمبا منھ بنایا جیسے اس پرستاؤ سے ان کے مرم پر چوٹ لگی ہے۔ ان کا راستے پر آنا اسمبھو ہے مس تروینی !وہ الٹے آپ ہی کے اوپر آچھیپ کرے گی اور آپ کے وشے میں نہ جانے کیسی دشکلپنائیں کر بیٹھے گی ۔اور میرا تو گھر میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔

تبھی کا ساہسک من گرم ہو اٹھا ۔تب تو میں اس سے ضرور ملوں گی۔

تو شاید آپ یہاں بھی میرے لیے دروازہ بند کر دیں گی۔

بہت ممکن ہے وہ آپ کی سہانو بھوتی پا جائے اور آپ اس کی حمایت کرنے لگیں ۔

تو کیا آپ چاہتے ہیں میں آپ کو ایک طرفہ ڈگری دے دوں ؟

میں کیول آپ کی دیا اور ہمدردی چاہتا ہوں ۔ آپ سے اپنی منو ویتھا کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں ۔ اسے معلوم ہو جائے کہ میں آپ کے یہاں آتا جاتا ہوں تو ایک نیا قصہ کھڑا کر دے۔

تبھی نے سیدھے وِینگ کیا۔تو آپ اس سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں ؟ڈرنا تو مجھے چاہیے۔

سنت کمار نے اور گہرے میں جاکر کہا۔ میں آپ کے لیے ہی ڈرتا ہوں ، اپنے لیے نہیں ۔

تبھی نربھیتا سے بولی ۔جی نہیں آپ میرے لیے نہ ڈریے ۔

میرے جیتے جی ، میرے پیچھے آپ پر کوئی شبہ ہو یہ میں نہیں دیکھ سکتا ۔

آپ کو معلوم ہے مجھے بھااُکتا پسند نہیں ۔

یہ بھااُکتا نہیں من کے سچے بھاؤ ہیں۔

میں نے سچے بھاؤ والے یووک بہت کم دیکھے ۔

دنیا میں سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں ۔

اِدھک تر شکاری قسم کے ۔ استریوں میں تو ویشیائیں ہی شکاری ہوتی ہیں ۔پرشوں میں تو سرے سے سبھی شکاری ہوتے ہیں ۔

''جی نہیں ان میں اپواد بھی بہت ہیں۔''

استری روپ نہیں دیکھتی ۔ پرش جب گرے گا روپ پر ۔اسی لیے اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ میرے یہاں کتنے ہی روپ کے اپاسک آتے ہیں ۔شاید اس وقت بھی کوئی صاحب آرہے ہوں۔ میں روپ وتی ہوں' اس میں نمرتا کا کوئی پرشن نہیں۔ مگر میں نہیں چاہتی کوئی مجھے کیول روپ کے لیے چاہے۔

سنت کمار نے دھڑکتے ہوئے من سے کہا ۔آپ ان میں میرا تو شمار نہیں کرتیں ؟

تبھی نے تتپرتا کے ساتھ کہا۔''آپ کو تو میں اپنے چاہنے والوں میں سمجھتی ہی نہیں۔''

سنت کمار نے ماتھا جھکا کر کہا۔ یہ میرا دُربھاگیہ ہے۔

آپ دل سے نہیں کہہ رہے ہیں ، مجھے کچھ ایسا لگتا ہے کہ آپ کا من نہیں پاتی ۔آپ ان آدمیوں میں ہیں جو ہمیشہ رہسیہ رہتے ہیں ۔

''یہی تو میں آپ کے وشے میں سوچا کرتا ہوں ۔''

میں رہسیہ نہیں ہوں ۔ میں تو صاف کہتی ہوں میں ایسے منوشیہ کی کھوج میں ہوں ، جو میرے ہردے میں سوئے ہوئے پریم کو جگا دے ۔ ہاں ، وہ بہت نیچے گہرائی میں ہے اور اسی کو ملے گا جو گہرے پانی میں ڈوبنا جانتا ہو۔آپ میں میں نے کبھی اس کے لیے بے چینی نہیں پائی ۔ میں نے اب تک جیون کا روشن پہلو ہی دیکھا ہے۔اور اس سے اوب گئی ہوں۔ اب جیون کا اندھیرا پہلو دیکھنا چاہتی ہوں۔ جہاں تیاگ ہے ، رودن ہے ، اتسرگ ہے۔ سمبھو ہے مجھے اس جیون سے بہت جلد گھرنا ہو جائے ، لیکن میری آتما یہ نہیں سویکار کرنا چاہتی کہ وہ کسی اونچے عہدے کی غلامی یا قانونی دھوکھے دھڑی یا دیاپار کے نام سے کی جانے والی لوٹ کو اپنے جیون کا آدھار بنائے ۔شرم اور تیاگ کا جیون ہی مجھے تتھ جان پڑتا ہے۔ آج جو سماج اور دیش کی دُوشِت اوستھا ہے اس سے اُسہیوگ کرنا میرے لیے جنون سے کم نہیں ہے۔میں کبھی کبھی اپنے ہی سے گھرنا کرنے لگتی ہوں۔ بابو جی کو ایک ہزار روپے اپنے چھوٹے سے پریوار کے لیے لینے کا کیا حق ہے اور مجھے بے کام دھندھے اتنے آرام سے رہنے کا کیا ادھیکار ہے؟ مگر یہ سب سمجھ کر بھی مجھ میں کرم کرنے کی شکتی نہیں ہے ۔اس بھوگ وِلاس کی

جیون نے مجھے بھی گرہنین بنا ڈالا ہے ۔اور میرے مزاج میں امیری کتنی ہے یہ بھی آپ نے دیکھا ہوگا ۔میرے منھ سے بات نکلتے ہی اگر پوری نہ ہوجائے تو میں باؤلی ہو جاتی ہوں۔ بُدھی کا من پر کوئی نینترن نہیں ہے ۔جیسے شرابی بار بار حرام کام کرنے پر شراب نہیں چھوڑ سکتا وہی دشا میری ہے ۔ اسی کی بھانتی میری اِچھا شکتی بے جان ہوگئی ہے۔

تبھی کے پرتی بھاؤن مکھ منڈل پر پرایہ :چنچلتا جھلکتی رہتی تھی۔ اس سے دل کی بات کہتے سنکوچ ہوتا کیونکہ شنکا ہوتی تھی کہ وہ سہانو بھوتی کے ساتھ سننے کے بدلے فبتیاں کسنے لگے گی ۔ پر اس وقت ایساجان پڑا اس کی آتما بول رہی ہے۔ اس کی آنکھیں آدر ہوگئی تھیں۔مکھ پر ایک نشچنت نمرتا اور کوملتا کھل اٹھی تھی۔ سنت کمار نے دیکھا ان کا سَیم پھسلتا جا رہا ہے ۔ جیسے کسی سائل نے بہت دیر کے بعد داتا کو منگرو دیکھ پایا ہو اور اپنا مطلب کہہ سنانے کے لیے ادھیر ہو گیا ہو ۔

بولا ۔کتنی ہی بار ۔بالکل یہی میرے وچار ہیں ۔ میں آپ سے اس سے بہت نکٹ ہوں ،جتنا سمجھتا تھا۔

تبھی پرسن ہوکر بولی ۔آپ نے مجھے کبھی بتایا نہیں ۔

آپ بھی تو آج ہی کھلی ہیں ۔

میں ڈرتی ہوں کہ لوگ یہی کہیں گے آپ اتنی شان سے رہتی ہیں ، اور باتیں ایسی کرتی ہیں ۔ اگر کوئی ایسی ترکیب ہوتی جس سے میری یہ امیرانہ عادتیں چھوٹ جاتیں تو میں اسے ضرور کام میں لاتی ۔اس وشے کی آپ کے پاس کچھ پستکیں ہوں تو مجھے دیجیے ۔مجھے آپ اپنی ششیا بنا لیجیے۔

سنت کمار نے رسک بھاؤ سے کہا۔ میں تو آپ کا ششے ہونے جا رہا تھا۔اور اس کی اور مرم بھری آنکھوں سے دیکھا ۔

تبھی نے آنکھیں نیچی نہیں کیں ۔ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی ۔آپ تو دل لگی کرتے ہیں ۔ مجھے ایسا بنا دیجیے کہ میں سنکٹوں کا سامنا کر سکوں ۔مجھے بار بار کھٹکتا ہے اور اگر میں استری نہ ہوتی تو میرا من اتنا دربل نہ ہوتا ۔

اور جیسے وہ آج سنت کمار سے کچھ بھی چھپانا ، کچھ بھی بچانا نہیں چاہتی ۔مانو وہ جو آشرے بہت دنوں سے ڈھونڈ رہی تھی وہ یکا یک مل گیا ہے ۔

سنت کمار نے روکھائی بھرے سور میں کہا ۔استریاں پرشوں سے زیادہ دلیر ہوتی ہیں مس تروینی !

اچھا آپ کا من نہیں چاہتا کہ بس ہوتو سنسار کی ساری ویوستھا بدل ڈالیں ؟

اس وشُودھ منِ سے نکلے ہوئے پرشن کا بناوٹی جواب دیتے ہوئے سنت کمار کا ہردئے کانپ اٹھا۔

کچھ نہ پوچھو ۔بس آدمی ایک آہ کھینچ کر رہ جاتا ہے ۔

میں تواکثرراتوں کو یہ پرشن سوچتے سوچتے سو جاتی ہوں اور وہی سوپن دیکھتی ہوں۔ دیکھیے دنیا والے کتنے خود غرض ہیں ۔جس ویوستھا سے سارے سماج کا اڈھار ہو سکتا ہے وہ تھوڑے سے آدمیوں کے سوارتھ کے کارن دبی پڑی ہوئی ہے۔

سنت کمار نے اُترے ہوئے مکھ سے کہا ۔اس کا سمے آرہا ہے ۔اور اٹھ کھڑے ہوئے ۔یہاں کی وایو میں ان کا جیسے دم گھٹنے لگا تھا ۔ان کا کپٹی من اس نشکپٹ سرل واتاورن میں اپنی اَدھمتا کے گیان سے دبا جارہا تھا جیسے کسی دھرم نِشٹھ من میں ادھرم وچار گھس تو گیا ہو پر وہ کوئی آشرئے نہ پا رہا ہو ۔

تبھی نے آگرَہ کیا ۔کچھ دیر اور بیٹھیے نہ؟

آج آگیا دیجیے ، پھر کبھی آؤں گا۔

کب آیئے گا ؟

جلد ہی آؤں گا۔

کاش میں آپ کا جیون سُکھی بنا سکتی۔

سنت کمار برآمدے سے کود کر نیچے اترے اور تیزی سے حاطے کے باہر چلے گیے ۔تبھی برامدے میں کھڑی انھیں انورَکت نیتروں سے دیکھتی رہی ۔وہ کٹھور تھی ، چنچل تھی ، دُرلبھ تھی روپ گروِتا تھی ، چتُر تھی ،کسی کو کچھ سمجھتی نہ تھی ،کوئی اسے پریم کا سوانگ بھرکر ٹھگ سکتا تھا ، پر

جیسے کتنی ہی ویشیاؤں میں ساری آسکتیوں کے بیچ ۔بھکتی بھاؤنا چھپی رہتی ہے ، اسی طرح اس کے من میں بھی سارے اَوِشواس کے بیچ میں کومل ، سہما ہوا وشواس چھپا بیٹھا تھا اور اسے اسپرش کرنے کی کلا جسے آتی ہو وہ اسے بیوقوف بنا سکتا تھا ۔اس کومل بھاگ کا اسپرش ہوتے ہی وہ سیدھی ۔سادی ، سرل ، وشواسے ، کاتر بالیکا بن جاتی تھی ۔آج اتفاق سے سنت کمار نے وہ آسن پا لیا تھا اور اب وہ جس طرف چاہے اسے لے جا سکتا ہے ، مانو وہ میسمارائز ہو گئی تھی۔سنت کمار میں اسے کوئی دوش نہیں نظر آتا ۔ابھاگنی پشپا اس ستہ پرش کا جیون کیسا نشٹ کیے ڈالتی ہے۔انھیں تو ایسی سنگنی چاہیے جو انھیں پروتساہت کرے ، ہمیشہ ان کے پیچھے پیچھے رہے ۔پشپا نہیں جانتی وہ ان کے جیون کا راہو بن کر سماج کا کتنا اَنِشٹ کر رہی ہے ۔اور اتنے پر بھی سنت کمار کا اسے گلے باندھے رکھنا دیوتو سے کم نہیں ۔ان کی وہ کون سی سیوا کرے ، کیسے ان کا جیون سکھی کرے۔

چار

سنت کمار یہاں سے چلے تو ان کا ہردئے آکاش میں تھا ۔اتنی جلد دیوی سے انھیں وردان ملے گا اس کی انھوں نے آشانہ کی تھی ۔ کچھ تقدیر نے ہی زور مارا، نہیں تو یووتی اچھے اچھوں کو انگلیوں پر نچاتی ہے ، ان پر کیوں اتنی بھکتی کرتی ۔اب انھیں ولمب نہیں کرنا چاہیے۔ کون جانے کب تبھی وِرُودھ ہو جائے ۔اور یہ دو ہی چار ملاقاتوں میں ہونے والا ہے ۔تبھی انھیں کاریہ چھیتر میں آگے بڑھنے کی پریرنا کرے گی اور وہ پیچھے ہٹیں گے۔ وہیں مت بھید ہو جائے گا ۔یہاں سے وہ سیدھے مسٹر سنہا کے گھر پہنچے۔ شام ہو گئی تھی ۔کہرا پڑنا شروع ہو گیا تھا۔مسٹر سنہا سجے سجائے کہیں جانے کو تیار کھڑے تھے انھیں دیکھتے ہی پوچھا ۔

کدھر سے؟

وہیں سے ۔آج تو رنگ جم گیا۔

سچ!

ہاں جی ۔اس پر تو جیسے میں نے جادو کی لکڑی پھیر دی ہو ۔

پھر کیا ، باجی مار لی ہے۔اپنے فادر سے آج ہی ذکر چھیڑو۔

آپ کو بھی میرے ساتھ چلنا پڑے گا ۔

ہاں ، ہاں میں تو چلوں گا ہی ۔مگر تم تو بڑے خوش نصیب نکلے ۔یہ مس کامت تو مجھ سے سچ مچ عاشقی کرنا چاہتی ہے ۔میں تو سوانگ رچتا ہوں اور وہ سمجھتی ہے ، میں اس کا سچا پریمی ہوں ۔ذرا آج کل اسے دیکھو، مارے غرور کے زمین پر پاؤں ہی نہیں رکھتی ۔مگر ایک بات ہے عورت سمجھ دار ہے ۔اسے برابر یہ چنتا رہتی ہے کہ میں اس کے ہاتھ سے نکل نہ جاؤں ، اس لیے میری بڑی خاطر داری کرتی ہے ، اور بناؤ سنگار سے قدرت کی کمی جتنی پوری ہو سکتی ہے اتنی کرتی ہے ۔اور اگر کوئی اچھی رقم مل جائے تو شادی کر لینے ہی میں کیا ہرج ہے۔

سنت کمار کو آشچر ے ہوا، تم تو اس کی صورت سے بیزار تھے۔

ہاں اب بھی ہوں' لیکن روپے کی جو شرط ہے۔ڈاکٹر صاحب بیس پچیس ہزار میری نذر کر دیں، شادی کرلوں۔شادی کر لینے سے میں اس کے ہاتھ میں بکا تو نہیں جاتا۔

دوسرے دن دونوں مِتروں نے دیو کمار کے سامنے سارے منصوبے رکھ دیے۔دیوکمار کو ایک چھن (لمحے) تک تو اپنے کانوں پر وشواس نہ ہوا۔انھونے سوچھند، نربھیک، نِشکپٹ زندگی ویتیت کی تھی۔ کلاکاروں میں ایک طرح کا جو آتم ابھیمان ہوتا ہے اس نے سدیو ان کو ڈھارس دیا تھا۔ انھوں نے تکلیفیں اٹھائی تھیں، فاقے بھی کیے تھے، اپمان سہے تھے لیکن کبھی اپنی آتما کو کلوشِت نہ کیا تھا۔زندگی میں کبھی عدالت کے دوار تک نہیں گئے۔بولے، مجھے کھید ہوتا ہے کہ تم مجھ سے یہ پرستاؤ کیسے کر سکے اور اس سے زیادہ دکھ اس بات کا ہے کہ ایسی کُٹِل چال تمھارے من میں آئی کیوں کر۔

سنت کمار نے نسنکوچ بھاؤ سے کہا۔ ضرورت سب کچھ سکھا دیتی ہے۔سَورچھا پرکرتی کا پہلا نیَم ہے۔وہ جائیداد جو آپ نے بیس ہزار میں دے دی' آج دو لاکھ سے کم کی نہیں ہے۔

وہ دو لاکھ کی نہیں، دس لاکھ کی ہو۔میرے لیے وہ آتما کو بیچنے کا پرشن ہے۔میں تھوڑے سے روپیوں کے لیے اپنی آتما نہیں بیچ سکتا۔

دونوں متروں نے ایک دوسرے کی اوٗر دیکھا اور مسکرائے۔کتنی پرانی دلیل ہے اور کتنی لچر۔آتما جیسی چیز ہے کہاں ؟اور جب سارا سنسار دھوکے دھڑی پر چل رہا ہے تو آتما کہاں رہی ؟اگر سو روپے قرض دے کر ایک ہزار وصول کرنا ادھرم نہیں ہے، اگر ایک لاکھ نیم جان، فاقے کش مزدوروں کی کمائی پر ایک سیٹھ کا چین کرنا ادھرم نہیں تو ایک پرانی کاغذی کارروائی کو رد کرانے کا پَریتَن کیوں ادھرم ہو؟

سنت کمار نے تیکھے سور میں کہا۔اگر آپ اسے آتما کا بیچنا کہتے ہیں تو بیچنا پڑے گا۔اس کے سوا دوسرا اپائے نہیں ہے۔اور آپ اس دِرشٹی سے اس معاملے کو دیکھتے ہی کیوں ہیں ؟دھرم وہ ہے جس سے سماج کا ہت ہو۔ادھرم وہ ہے جس سے سماج کا اہت ہو۔اس

سے سماج کا کون سا اہت ہو جائے گا ، یہ آپ بتا سکتے ہیں ؟

دیو کمار نے سترک ہو کر کہا ۔سماج اپنی مریاداؤں پر ٹکا ہوا ہے۔ ان مریاداؤں کو توڑ دو اور سماج کا انت ہو جائے گا۔

دونوں طرف سے شاستراتھ ہونے لگے ۔دیو کمار مریاداؤں اورسدّھانتوں اور دھرم بندھنوں کی آڑلے رہے تھے ، پر ان دونوں نوجوانوں کی دلیلوں کے سامنے ان کی ایک نہ چلتی تھی ۔وہ اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیر پھیر کر اور کھلواٹ سر کھجا کھجا کر جو پرمان دیتے تھے اس کو یہ دونوں یووک چٹکی بجاتے توڑ ڈالتے تھے ، ڈھونگ کر اڑا دیتے تھے۔

سنہا نے نِردیتا کے ساتھ کہا ۔ بابو جی ، آپ نہ جانے کس زمانے کی بات کر رہے ہیں۔قانون سے ہم جتنا فائدہ اٹھا سکیں ، ہمیں اٹھا نا چاہیے۔ان دفعوں کا منشا ہی یہ ہے کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے ۔ ابھی آپ نے دیکھا زمینداروں کی جان مہاجنوں سے بچانے کے لیے سرکار نے قانون بنا دیا ہے اور کتنی ملکیتیں زمینداروں کو واپس مل گئیں ۔کیا آپ اسے اُدھرم کہیں گے ؟وِیاوَہارِکتا کا ارتھ ہی ہے کہ ہم جن قانونی سادھنوں سے اپنا کام نکال سکیں ، نکالیں ۔ مجھے کچھ لینا دینا نہیں ، نہ میرا کوئی سوارتھ ہے۔سنت کمار میرے متر ہیں اور اسی واسطے میں آپ سے یہ نِویدن کر رہا ہوں ۔مانیں یا نہ مانیں ، آپ کو اختیار ہے ۔

دیو کمار نے لاچار ہو کر کہا۔ تو آخر تم لوگ مجھے کیا کرنے کو کہتے ہو؟

کچھ نہیں ، کیول اتنا ہی کہ ہم جو کچھ کریں آپ اس کے وِرُودھ کوئی کاروائی نہ کریں۔

میں ستیہ کی ہتیا ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔

سنت کمار نے آنکھیں نکال کر اُتیجت سور میں کہا ۔تو پھر آپ کو میری ہتیا دیکھنی پڑے گی۔

سنہانے سنت کمار کو ڈانٹا ، کیا فضول کی باتیں کرتے ہو سنت کمار ! بابو جی کو دو چار دن سوچنے کا موقعہ دو ۔تم ابھی کسی بچے کے باپ نہیں ہو ۔تم کیا جانو باپ کو بیٹا کتنا پیارا ہوتا ہے ۔وہ ابھی کتنا ہی وِرودھ کریں ۔لیکن جب نالش دائر ہو جائے گی تو دیکھنا وہ کیا کرتے ہیں۔ہمارا داوا یہی ہوگا کہ جس وقت آپ نے یہ بیعہ نامہ لکھا آپ کے ہوش حواس ٹھیک نہ

تھے اور اب بھی آپ کو کبھی کبھی جنون کا دورا ہو جاتا ہے ۔ ہندستان جیسے گرم ملک میں یہ مرض بہتوں کو ہوتا ہے ، اور آپ کو بھی ہو گیا تو کوئی آشچریہ نہیں ۔ہم سول سرجن سے اس کی تصدیق کرادیں گے۔

دیو کمار نے حقارت کے ساتھ کہا ۔ میرے جیتے جی یہ دھاندھلی نہیں ہو سکتی ۔ ہرگز نہیں۔میں نے جو کچھ کیا سوچ سمجھ کر اور پر یستھتیوں کے دباؤ سے کیا ۔مجھے اس کا بالکل افسوس نہیں ہے ۔ اگر تم نے اس طرح کا کوئی دعوا کیا تو اس کا سب سے بڑا وِرودھ میری اور سے ہوگا ، میں کہے دیتا ہوں ۔

اور وہ آویش میں آکر کمرے میں ٹہلنے لگے ۔

سنت کمار نے بھی کھڑے ہو کر دھمکاتے ہوئے کہا ، تو میرا بھی آپ کو چیلینج ہے ۔یا تو آپ اپنے دھرم ہی کی رچھا کریں گے یا میری ۔آپ پھر میری صورت نہ دیکھیں گے ۔

مجھے اپنا دھرم ، پتنی اور پُتر سب سے پیارا ہے ۔

سنہا نے سنت کمار کو آدیش کیا ، تم آج درخواست دے دو کہ آپ کے ہوش حواس میں فرق آگیا ہے اور معلوم نہیں آپ کیا کر بیٹھیں ۔آپ کو حراست میں لے لیا جائے ۔

دیو کمار نے مٹھی تان کر گرودھ کے آویش میں پوچھا ۔ میں پاگل ہوں ؟

جی ہاں آپ پاگل ہیں ۔آپ کے ہوش بجا نہیں ہیں ۔ایسی باتیں پاگل ہی کیا کرتے ہیں ۔پاگل وہی نہیں ہے جو کسی کو کاٹنے دوڑے ۔آم آدمی جو ویوہار کرتے ہوں اس کے وِرودھ ویوہار کرنا بھی پاگل پن ہے ۔

تم دونوں خود پاگل ہو ۔

اس کا فیصلہ تو ڈاکٹر کرے گا ۔

میں نے بیس پستکیں لکھ ڈالیں ، ہزاروں ویاکھیان دے ڈالے ، یہ پاگلوں کا کام ہے؟

جی ہاں یہ پکّے سرپھروں کا کام ہے ۔کل ہی آپ اس گھر میں رسّیوں سے باندھ لیے جائیں گے ۔

تم میرے گھر سے نکل جاؤ ،نہیں تو میں گولی مار دوں گا ۔

بالکل پاگلوں کی سی دھمکی ۔سنت کمار اس درخواست میں یہ بھی لکھ دینا کہ آپ کی بندوق چھین لی جائے ، ورنہ جان کا خطرہ ہے ۔

اور دونوں متر اٹھ کھڑے ہوئے ۔دیو کمار کبھی قانون کے جال میں نہ پھنسے تھے۔پر کاشکوں اور بُک سیلروں نے انھیں بارہا دھوکے دیے ،مگر انھوں نے کبھی قانون کی شرَن نہ لی۔ان کے جیون کی نیتی تھی ۔آپ بھلا تو جگ بھلا ، اور انھوں نے ہمیشہ اس نیتی کا پالن کیا تھا۔مگر وہ دبّو یاڈرپوک نہ تھے ۔خاص کر سدّھانت کے معاملے میں تو وہ سمجھوتا کرنا جانتے ہی نہ تھے ۔ وہ اس شڈینتر میں کبھی شریک نہ ہوں گے ، چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے ۔مگر کیا یہ سب سچ مچ انھیں پاگل ثابت کر دیں گے ؟جس دِرھڑتا سے سنہا نے دھمکی دی تھی وہ اُوپچھا کے یوگیہ نہ تھی ۔اس کی دَھونی سے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس طرح کے داؤں پیچ میں ابھیّست ہے ، اور شاید ڈاکٹروں کو ملا کر سچ مچ انھیں سنکی ثابت کردے ۔ان کا آتم ابھیمان گرج اٹھا۔نہیں ، وہ آستیہ کی شرن نہ لیں گے چاہے اس کے لیے انھیں کچھ بھی سہنا پڑے۔ڈاکٹربھی کیا اندھا ہے ؟ان سے کچھ پوچھے گا ، کچھ بات چیت کرے گا یا یوں ہی قلم اٹھا کر انھیں پاگل لکھ دے گا ۔مگر کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ان کے ہوش وحواس میں فتور پڑگیا ہو ۔ہش !وہ بھی ان چھوکروں کی باتوں میں آئے جاتے ہیں ۔انھیں اپنے ویوہار میں کوئی انتر نہیں دکھائی دیتا۔ان کی بُدھی سوریہ کے پرکاش کی بھانتی نِرمل ہے ۔کبھی نہیں وہ ان لونڈوں کے دھونس میں نہ آئیں گے۔

لیکن یہ وِچار ان کے ہردے میں متھ رہا تھا کہ سنت کمار کی یہ منوورتی کیسے ہو گئی۔انھیں اپنے پتا کی یاد آتی تھی ۔وہ کتنے سومیہ ، کتنے ستیہ نِشٹھ تھے ۔ان کے سسر وکیل ضرور تھے ، پر کتنے دھر ماتما پرش تھے ۔اکیلے کماتے تھے اور ساری گرہستھی کا پالن کر تے تھے۔ پانچ بھائیوں اور ان کے بال بچّوں کا بوجھا خود سنبھالے ہوئے تھے ۔کیا مجال کہ اپنے بیٹے بیٹیوں کے ساتھ انھوں نے کسی طرح کا پکچھپات کیا ہو ۔جب تک بڑے بھائی کو بھوجن نہ کرا لیں خود نہ کھاتے تھے ۔ایسے خاندان میں سنت کمار جیسا دغاباز کہاں سے دھنس پڑا؟انھیں کبھی ایسی کوئی بات یاد نہ آتی تھی جب انھوں نے اپنی نیت بگاڑی ہو ۔

لیکن یہ بدنامی کیسے سہی جائے گی ۔وہ اپنے ہی گھر میں جب جاگرتی نہ لا سکے تو ایک پرکار سے ان کا سارا جیون نشٹ ہو گیا ۔جو لوگ ان کے نکٹتم سنسرگ میں تھے ، جب انھیں وہ آدمی نہ بنا سکے تو جیون پرینت کی ساہتیہ سیوا سے کس کا کلیان ہوا ؟ اور جب یہ مقدمہ دائر ہوگا اس وقت وہ کیسے منھ دکھا سکیں گے ؟انھوں نے دھن نہ کمایا ، پریش تو سنچیہ کیا ہی ۔کیا وہ بھی ان کے ہاتھ سے چھن جائے گا ؟ان کو اپنے سنتوش کے لیے اتنا بھی نہ ملے گا ایسی آتم ویدنا انھیں کبھی نہ ہوئی تھی ۔

شیبویا سے کہہ کروہ اسے بھی کیوں دکھی کریں ؟اس کے کومل ہردئے کو کیوں چوٹ پہنچاویں ؟ وہ سب کچھ خود جھیل لیں گے اور دکھی ہونے کی بات بھی کیوں ؟جیون تو انوبھوتیوں کا نام ہے ۔یہ بھی ایک انوبھو ہوگا ۔ذرا اس کی بھی سیر کر لیں ۔

یہ بھاؤ آتے ہی ان کا من ہلکا ہو گیا۔گھر میں جا کر پنکجا سے چائے بنانے کو کہا ۔

شیبویہ نے پوچھا ۔سنت کمار کیا کہتا تھا ؟

انھوں نے سہج مسکان کے ساتھ کہا ۔کچھ نہیں ، وہی پرانا خبت ۔

تم نے تو ہامی نہیں بھری نہ ؟

دیوکمار استری سے ایکاتمتا کا انوبھو کر کے بولے ۔کبھی نہیں ۔

نہ جانے اس کے سر یہ بھوت کیسے سوار ہو گیا !

سماجک سنسکار ہیں اور کیا؟

اس کے یہ سنسکار کیوں ایسے ہو گئے ؟سادھو بھی تو ہے ، پنکجا بھی تو ہے ، دنیا میں کیا دھرم ہی نہیں ؟

مگر کسرت ایسے ہی آدمیوں کی ہے ، یہ سمجھ لو ۔

اس دن سے دیوکمار نے سیر کرنے جانا چھوڑ دیا ۔دن رات گھر میں منھ چھپائے بیٹھے رہتے ۔ جیسے سارا کلنک ان کے ماتھے پر لگا ہو ۔نگر اور پرانت کے سبھی پرتشٹھت وچاروان آدمیوں سے ان کا دوستانہ تھا ، سب ان کی سجنتا کا پالن کرتے تھے ۔مانو وہ مقدمہ دائر ہو ۔نے پر بھی شاید کچھ نہ کہیں گے ۔لیکن ان کے انتر میں جیسے چور سا بیٹھا ہوا تھا ۔وہ اپنے اہنکار

میں اپنے کو آتمیوں کی بھلائی برائی کا ذمہ دار سمجھتے تھے ۔ پچھلے دنوں جب سوریہ گرہن کے اوسر پر سادھو کمار نے بڑھی ہوئی ندی میں کود کر ایک ڈوبتے ہوئے آدمی کی جان بچائی تھی ، اس وقت انھیں اس سے کہیں زیادہ خوشی ہوئی تھی جتنی خود سارا ایش پانے سے ہوتی ہے۔ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے ، ایسا لگا تھا مانو ان کا مستک کچھ اونچا ہو گیا ہے ، مانو مُکھ پر تیج آ گیا ہے ۔وہی لوگ جب سنت کمار کی چتنکبری آلوچنا کریں گے تو وہ کیسے سنیں گے ؟

اس طرح ایک مہینہ گزر گیا اور سنت کمار نے مقدمہ دائر نہ کیا ۔ادھر سول سرجن کو گانٹھنا تھا ، ادھر مسٹر ملک کو ۔شہادتیں بھی تیار کرنی تھیں ۔انھیں تیاریوں میں سارا دن گزر جاتا تھا۔اور روپے کا انتظام بھی کرنا ہی تھا ۔ دیو کمار سہیوگ کرتے تو یہ سب سے بڑی بادھا ہٹ جاتی ۔پر ان کے وِرودھ نے سمسّیا کو اور جٹل کر دیا تھا ۔سنت کمار کبھی کبھی نراش ہو جاتا۔کچھ سمجھ میں نہ آتا کیا کرے ۔ دونوں متر دیو کمار پر دانت پیس۔پیس کر رہ جاتے ۔

سنت کمار کہتا - جی چاہتا ہے انھیں گولی ماردوں ۔میں انھیں اپنا باپ نہیں ،شترو سمجھتا ہوں ۔

سنہا سمجھاتا ۔میرے دل میں تو بھئی ، ان کی عزت ہوتی ہے ۔اپنے سوارتھ کے لیے آدمی نیچے سے نیچا کام کر بیٹھتا ہے ، پر تیاگیوں اور ستیہ وادیوں کا آدر تو دل میں ہوتا ہی ہے۔نہ جانے تمھیں ان پر کیسے غصہ آتا ہے ۔ جو ویکتی ستیہ کے لیے بڑے سے بڑا کشٹ سہنے کو تیار ہو وہ پوجنے کے لائق ہے ۔

ایسی باتوں سے میرا جی نہ جلاؤ سنہا ! تم چاہتے تو وہ حضرت اب تک پاگل خانے پہنچ گئے ہوتے۔ میں نہ جانتا تھا تم اتنے بھاؤک ہو۔

انھیں پاگل خانے بھیجنا اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھتے ہو۔ اور اس کی کوئی ضرورت بھی تو نہیں ۔ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس وقت بیعہ نامہ ہوا وہ اپنے ہوش و حواس میں نہ تھے ۔ اس کے لیے شہادتوں کی ضرورت ہے۔ وہ اب بھی اسی دَشا میں ہیں ، اسے ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر چاہیے اور مسٹر کامت بھی یہ لکھنے کا ساہس نہیں رکھتے۔

پنڈت دیو کمار کو دھمکیوں سے جھکانا تو اوسمبھو تھا مگر ترک کے سامنے ان کی گردن آپ

ہی آپ جھک جاتی تھی۔ان دنوں وہ یہی سوچتے رہتے تھے کہ سنسار کی کو ویوستھا کیوں ہے؟ کرم اور سنسکار کا آشریہ لے کر وہ کہیں نہ پہنچ پاتے تھے۔سَر و آتم واد سے بھی ان کی گتھی نہ سلجھتی تھی ۔ اگر سارا وِشو ایک آتم ہے تو پھر یہ بھید کیوں ہے ؟ کیوں ایک آدمی زندگی بھر بڑی سے بڑی محنت کر کے بھی بھوکوں مرتا ہے ، اور دوسرا آدمی ہاتھ پاؤں نہ ہلانے پر بھی پھولوں کی سیج پر سوتا ہے۔ یہ سَر و اُتم ہے یا گھور اَنا آتم ؟ بُدّھی جواب دیتی ہے ، یہاں سبھی سَوادھین ہے ، سبھی کو اپنی شکتی اور سادھنا کے حساب سے اُنّتی کرنے کا اَوسَر ہے ۔مگر شنکا پوچھتی ہے ، سب کو سمان اَوسَر کہاں ہے ؟ بازار لگا ہوا ہے۔ جو چاہے وہاں سے اپنی اِچھا کی چیز خرید سکتا ہے ۔مگر خریدے گا وہی جس کے پاس پیسے ہیں۔ اور جب سب کے پاس پیسے نہیں ہیں تو سب کا برابر کا اَدھیکار کیسے مانا جائے ؟ اس طرح کا آتم منتھن ان کے جیون میں کبھی نہ ہوا تھا ۔ ان کی ساہتیک بُدّھی ایسی وَیوستھا سے سَنتُشٹ تو ہو ہی نہ سکتی تھی، پر ان کے سامنے ایسی کوئی گتھی نہ پڑی تھی جو اس پَرشن کو وَیکتِک اَنت تک لے جاتی۔ اس وقت ان کی دشا اس آدمی کی سی تھی جو روز مارگ میں ایت پڑی دیکھتا ہے اور بچ کر نکل جاتا ہے۔رات کو کتنے لوگوں کو ٹھوکر لگاتی ہوگی،کتنوں کے ہاتھ پیر ٹوٹتے ہوں گے، اس کا دھیان اسے نہیں آتا۔ مگر ایک دن جب وہ خود رات کو ٹھوکر کھا کر اپنے گھٹنے پھوڑ لیتا ہے تو اس کی نوارَن شکتی ہَٹھ کرنے لگتی ہے اور وہ اس سارے ڈھیر کو مارگ سے ہٹانے پر تیار ہو جاتا ہے۔دیو کمار کو وہی ٹھوکر لگی تھی۔ کہاں ہے نیائے ؟ کہاں ہے ؟ ایک غریب آدمی کسی کھیت سے بالیں نوچ کر کھا لیتا ہے،قانون اسے سزا دیتا ہے۔دوسرا امیر آدمی دن دہاڑے دوسروں کو لوٹتا ہے اور اسے پدوی ملتی ہے،سمان ملتا ہے۔کچھ آدمی طرح طرح کے ہتھیار باندھ کر آتے ہیں اور نِریہہ ، دُربَل مزدوروں پر آتنک جما کر اپنا غلام بنا لیتے ہیں ۔ لگان اور ٹیکس اور محصول اور کتنے ہی ناموں سے اسے لوٹنا شروع کر دیتے ہیں، اور آپ لمبا لمبا ویتن اُڑاتے ہیں ، شکار کھیلتے ہیں ، ناچتے ہیں ، رنگ رلیاں مناتے ہیں ۔ یہی ہے ایشور کا رچا ہوا سنسار؟ یہی نیائے ہے؟

ہاں ! دیوتا ہمیشہ رہیں گے اور ہمیشہ رہے ہیں ۔ انھیں اب بھی سنسار دھرم اور نتی پر

چلتا پھرتا نظر آتا ہے ۔ وہ اپنے جیون کی آہوتی دے کر سنسار سے بدا ہو جاتے ہیں۔لیکن انھیں دیوتا کیوں کہو ؟ کائر کہو ، سوارتھی کہو ، آتم سیوی کہو ۔ دیوتا وہ ہے جو نیائے کی رکچھا کرے اور اس کے لیے پران دے دے ۔ اگر وہ جان کر انجان بنتا ہے تو دھرم سے گرتا ہے۔ اگر اس کی آنکھوں میں کُو ویوستھا کھٹکتی ہی نہیں تو وہ اندھا بھی ہے اور مُورَکھ بھی ، دیوتا کسی طرح نہیں ۔ اور یہاں دیوتا بننے کی ضرورت بھی نہیں۔ دیوتاؤں نے ہی بھاگیہ اور ایشور اور بھگتی کی مِتھیائیں پھیلا کر اس انیتی کو اَمر بنایا ہے۔منُش نے اب تک اس کا اَنت کر دیا ہوتا یا سماج کا ہی اَنت کر دیا ہوتا جو اس دَشا میں زندہ رہنے سے کہیں اچھا ہوتا۔نہیں ، منُشیوں میں منُش بننا پڑے گا۔دَرِندوں کے بیچ میں ان سے لڑنے کے لیے ہتھیار باندھنا پڑے گا۔ ان کے پنجوں کا شکار بننا دیوتا پَن نہیں ، جَڑتا ہے ۔آج جو اتنے تعلقہ دار اور راجے ہیں وہ اپنے پُوروجوں کی لوٹ کا ہی آنند تو اٹھا رہے ہیں۔ اور کیا انھوں نے وہ جائیداد بیچ کر پاگل پَن نہیں کیا ؟ پِتروں کو پِنڈا دینے کے لیے گیا جا کر پِنڈا دینا اور یہاں آکر ہزاروں روپے خرچ کرنا کیا ضروری تھا ؟ اور راتوں کو مِتروں کے ساتھ مجرے سننا، اور ناٹک منڈلی کھول کر ہزاروں روپے اس میں ڈبانا اَنیواریہ تھا؟ وہ اَوشیہ پاگل پَن تھا۔انھیں کیوں اپنے بال بچوں کی چنتا نہ ہوئی ؟ اگر انھیں مفت کی سمپتی ملی اور انھوں نے اُڑایا تو ان کے لڑکے کیوں نہ مفت کی سمپتی بھوگیں ؟ اگر وہ جوانی کی اُمنگوں کو نہیں روک سکے تو ان کے لڑکے کیوں تپسّیا کریں ؟

اور اَنت میں ان کی شنکاؤں کو اس دھرنا سے تسکین ہوئی کہ اس اَنیتی بھرے سنسار میں دھرم اَدھرم کا وِچار غلط ہے ، آتم گھات ہے۔اور جُوا کھیل کر یا دوسروں کے لوبھ اور آسکتی سے فائدہ اٹھا کر سمپتّی کھڑی کرنا اتنا ہی برا یا اچھا ہے جتنا قانونی داؤ پیچ سے۔ بیشک وہ مہاجن کے بیس ہزار کے قرض دار ہیں۔نِیتی کہتی ہے کہ اس جائیداد کو بیچ کر اس کے بیس ہزار دے دیے جائیں۔باقی انھیں مل جائیں ۔ اگر قانون قرض دار کے ساتھ اتنا نیائے بھی نہیں کرتی تو قرض دار بھی قانون میں جتنی کھینچ تان ہو سکے، کر کے مہاجن سے اپنی جائیداد واپس لینے کی چیشٹا کرنے میں کسی اَدھرم کو دوشی نہیں ٹھہر سکتا۔ اس نشکرش پر انھوں نے شاستر

اور نیتی کے ہر ایک پہلو سے وِچار کیا اور وہ ان کے مَن میں جَم گیا۔اب کسی طرح نہین ہل سکتا۔اور یدّ ہپی اس سے ان کے چِر سنچت سنسکاروں کو آگھات لگتا تھا، پر وہ ایسے پرسنّ اور پھولے ہوئے تھے مانو انھیں کوئی نیا جیون مَنتر مل گیا ہو۔

ایک دن انھوں نے سیٹھ گردھر داس کے پاس جا کر صاف صاف کہہ دیا ''اگر آپ میری جائیداد واپس نہ کریں گے تو میرے لڑکے آپ کے اُوپر دعوا کریں گے۔''

گردھر داس نئے زمانے کے آدمی تھے،انگریزی میں کُشل،قانون میں چتور،راج نیتی میں بھاگ لینے والے،کمپنیوں میں حصہ لیتے تھے،اور بازار اچھا دیکھ کر بیچ دیتے تھے،ایک شکّر کا مِل خود چلاتے تھے۔سارا کاروبار انگریزی ڈھنگ سے کرتے تھے۔ان کے پِتا سیٹھ مکّو لال بھی یہی سب کرتے تھے، پر پوجا پاٹ، دان دَکھشنا سے پرائشچت کرتے رہتے تھے، گردھر داس جڑ وادی تھے، ہر ایک کام ویاپار کے قاعدے سے کرتے تھے۔کرمچاریوں کا ویتن پہلی تاریخ کو دیتے تھے، مگر بیچ میں کسی کو ضرورت پڑے تو سود پر روپے دیتے تھے، مکّو لال جی سال بھر ویتن نہ دیتے تھے، پر کرمچاریوں کو برابر پیشگی دیتے رہتے تھے۔حساب ہونے پر ان کو کچھ دینے کے بدلے کچھ مل جاتا تھا۔مکّو لال سال میں دو چار بار افسروں کو سلام کرنے جاتے تھے، ڈالیاں دیتے تھے، جوتے اتار کر کمرے میں جاتے تھے اور ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ چلتے وقت آدمیوں کو دو چار روپے انعام دے آتے تھے۔گردھر داس میونسپل کمشنر تھے، سوٹ بوٹ پہن کر افسروں کے پاس جاتے تھے اور برابری کا ویوہار کرتے تھے، اور آدمیوں کے ساتھ کیول اتنی رعایت کرتے تھے کہ تیوہاروں میں تیوہاری دے دیتے تھے، وہ بھی خوب خشامد کرا کے۔ اپنے حقوں کے لیے لڑنا اور آندولن کرنا جانتے تھے، مگر انھیں ٹھگنا اَسمبھو تھا۔

دیو کمار کا یہ کتھن سُن کر چکرا گئے۔ان کی بڑی عزّت کرتے تھے۔ان کی کئی پستکیں پڑھی تھیں، اور ان کی رچناؤں کا پورا سیٹ ان کی پستکالیہ میں تھا۔ ہندی بھاشا کے پریمی تھے اور ناگری پرچار سبھا کو کئی بار اچھی رقمیں دان دے چکے تھے۔پنڈا پجاریوں کے نام سے چڑھتے تھے، دُوشِت دان پرتھا پر ایک پمفلیٹ بھی چھپوایا تھا۔ لبرَل وچاروں کے

لیے نگر میں ان کی کھیاتی تھی ۔مکو لال مارے موٹاپے کے جگہ سے ہل نہ سکتے تھے ،گردھر داس گٹھیلے آدمی تھے اور نگر ودیایام شالا کے پردھان ہی نہ تھے، اچھے شہسوار اور نشانے باز تھے ۔

ایک چھن تو وہ دیو کمار کے منھ کی اور دیکھتے رہے ۔ ان کا آشیہ کیا ہے، یہ سمجھ میں ہی نہ آیا۔ پھر خیال آیا بے چارے آرتھک سنکٹ میں ہوں گے ،اس سے بددھی بھرشٹ ہو گئی ہے۔ بے تکی باتیں کر رہے ہیں ۔دیو کمار کے مکھ پر وِجے کا گرو دیکھ کر ان کا یہ خیال اور بھی مضبوط ہو گیا۔

سنہری عینک اتار کر میز پر رکھ کر ونود بھاؤ سے بولے ،کہیے ،گھر میں تو سب کُشل ہے؟

دیو کمار نے ودروہ کے بھاؤ سے کہا ۔جی ہاں سب آپ کی کرپا ہے۔

بڑا لڑکا تو وکالت کر رہا ہے نہ؟

جی ہاں ۔

مگر چلتی نہ ہو گی اور آپ کی پستکیں بھی آج کل کم بکتی ہوں گی ۔یہ دیش کا دُربھاگیہ ہے کہ آپ جیسے سرسوتی کے پُتروں کا یہ اَنادر !آپ یورپ میں ہوتے تو آج لاکھوں کے سوامی ہوتے ۔

آپ جانتے ہیں، میں لچھمی کے اپاسکوں میں نہیں ہوں ۔

دھن، سنکٹ میں تو ہوں گے ہی ۔مجھ سے جو کچھ سیوا آپ کہیں ، اس کے لیے تیار ہوں ۔مجھے تو گرو ہے کہ آپ جیسے پرتبھا شالی پرش سے میرا پریچے ہے ۔آپ کی کچھ سیوا کرنا میرے لیے گورو کی بات ہوگی۔

دیو کمار ایسے اوسروں پر نمرتا کے پتلے بن جاتے تھے۔

بھکتی اور پرشنسا دیکھ کر کوئی ان کا سروسیہ لے سکتا تھا ۔ایک لکھپتی آدمی اور وہ بھی ساہتہ کا پریمی جب ان کا اتنا سمّان کرتا ہے تو اس سے جائیداد یا لین دین کی بات کر نا انھیں لجّا جنک معلوم ہوا ۔آپ کی اُدارتا ہے جو مجھے اس لائق سمجھتے ہیں ۔

میں نے سمجھا نہیں آپ کس جائداد کی بات کر رہے تھے ۔

دیو کمار سکوچاتے ہوئے بولے ۔اجی وہی ، جو سیٹھ مکّو لال نے مجھ سے لکھائی تھی۔

اچھا تو اس کے وشے میں کوئی نئی بات ہے؟

اسی معاملے میں لڑکے آپ کے اوپر کوئی دعوا کرنے والے ہیں۔میں نے بہت سمجھایا،مگر مانتے نہیں۔آپ کے پاس اسی لیے آیا تھا کہ کچھ لے دے کر سمجھوتا کر لیجیے ، معاملہ عدالت میں کیوں جائے ؟ ناحق دونوں زیر بار ہوں گے۔

گردھر داس کا ذہین ،مرّوت دار چہرا کٹھور ہوگیا ۔ جن مہاجنی نکھوں کو انھوں نے بھدرتاً کی نرم گدّی میں چھپا رکھا تھا ،وہ یہ کھٹکا پاتے ہی پنجے اور اُگر ہوکر باہر نکل آئے ۔

کرودھ کو دباتے ہوئے بولے ، آپ کو مجھے سمجھانے کے لیے یہاں آنے کی تکلیف اٹھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ان لڑکوں ہی کو سمجھانا چاہیے تھا۔

انھیں تو میں سمجھا چکا۔

تو جا کر شانت بیٹھیے ۔میں اپنے حقوں کے لیے لڑنا جانتا ہوں ۔اگر ان لوگوں کے دماغ میں قانون کی گرمی کا اثر ہو گیا ہے تو اس کی دوا میرے پاس ہے۔

اب دیو کمار کی ساہتیک نمرتا بھی اُوچلیت نہ رہ سکی ۔جیسے لڑائی کا پیغام سویکار کرتے ہوئے بولے۔مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے وہ ملکیت آج دو لاکھ سے کم کی نہیں ہے ۔

دو لاکھ نہیں ، دس لاکھ کی ہو ، آپ سے سروکار نہیں ۔

آپ نے مجھے بیس ہزار ہی تو دیے تھے ۔

آپ کو اتنا قانون تو معلوم ہی ہوگا ،حالانکہ کبھی آپ عدالت میں نہیں گئے ،کہ جو چیز بِک جاتی ہے وہ قانوناً کسی دام پر بھی واپس نہیں کی جاتی ۔ اگر اس نئے قائدے کو مان لیا جائے تو اس شہر میں مہاجن نہ نظر آئیں ۔

کچھ دیر تک سوال جواب ہوتا رہا اور لڑنے والے کتوں کی طرح دونوں بھلے آدمی،گّراتے دانت نکالتے ، کھونکھیاتے رہے۔آخر دونوں لڑ ہی گئے۔

گردھر داس نے پرچنڈ ہو کر کہا ۔مجھے آپ سے ایسی آشا نہیں تھی ۔

دیو کمار نے بھی چھڑی اٹھا کر کہا ۔مجھے بھی نہ معلوم تھا کہ آپ کے سوارتھ کا پیٹ اتنا گہرا ہے ۔

آپ اپنا سَروناش کرنے جا رہے ہیں ۔
کچھ پرواہ نہیں ۔
دیو کمار وہاں سے چلے تو ماگھ کی اس اندھیری رات کی نردے ٹھنڈ میں بھی انھیں پسینا ہو رہا تھا۔وجہ کا ایسا گرو اپنے جیون میں انھیں کبھی نہ ہوا تھا ۔ انھوں نے ترک میں تو بہتوں پر وجے پائی تھی۔یہ وجے تھی جیون میں ایک نئی پریرنا ، ایک نئی شکتی کا اُدے ۔
اسی رات کو سنہا اور سنت کمار نے ایک بار پھر دیو کمار پر زور ڈالنے کا نشچے کیا۔دونوں آکر کھڑے ہی تھے کہ دیو کمار نے پروتساہن بھرے ہوئے بھاؤ سے کہا ۔تم لوگوں نے ابھی تک معاملہ دائر نہیں کیا۔ناحق کیوں دیر کررہے ہو؟
سنت کمار کے سوکھے ہوئے نراش من میں اُلاّس کی آندھی سی آگئی ۔کیا سچ مچ کہیں ایشور ہے جس پر اسے کبھی وشواس نہیں ہوا ؟ضرور کوئی دَیوی شکتی ہے ۔ بھیک مانگنے آئے تھے وَردان مل گیا۔
بولا ۔آپ ہی کی انومتی کا انتظار تھا۔
میں بڑی خوشی سے انومتی دیتا ہوں ۔میرے آشرواد تمھارے ساتھ ہیں ۔
انھوں نے گردھر داس سے جو باتیں ہوئیں وہ کہہ سنائیں ۔
سنہا نے ناک پھلا کر کہا۔جب آپ کی دعا ہے تو ہماری فتح ہے ۔انھیں اپنے دھن کا گھمنڈ ہوگا ،مگر یہاں بھی کچّی گولیاں نہیں کھیلی ہیں ۔
سنت کمار ایسا خوش تھا گویا آدھی منزل طے ہوگئی ۔ بولا آپ نے خوب اُچت جواب دیا۔
سنہا نے تنی ہوئی ڈھولکی سی آواز میں چوٹ ماری ۔ایسے ایسے سیٹھوں کو انگلیوں پر نچاتے ہیں یہاں ۔
سنت کمار سَوپن دیکھنے لگے ۔یہیں ہم دونوں کے بنگلے بنیں گے دوست ۔
یہاں کیوں ،سیول لائنس میں بنوائیں گے ۔
اندازسے کتنے دن میں فیصلہ ہو جائے گا ؟

چھ مہینے کے اندر۔

بابو جی کے نام سے سرسوتی مندر بنوائیں گے۔

مگر سمسیہ تھی روپے کہاں سے آویں۔دیو کمار نسپرہ آدمی تھے۔دھن کی کبھی اُپاسنا نہیں کی۔کبھی اتنا زیادہ ملا ہی نہیں کہ سنچے کرتے۔کسی مہینے میں پچاس جمع ہوتے تو دوسرے مہینے میں خرچ ہو جاتے۔اپنی ساری پستکوں کا کاپی رائٹ بیچ کر انھیں پانچ ہزار ملے تھے۔وہ انھوں نے پتُرکنیا کے وِواہ کے لیے رکھ دیے تھے۔اب ایسی کوئی صورت نہیں تھی جہاں سے کوئی بڑی رقم ملتی۔انھوں نے سمجھا تھا سنت کمار گھر کا خرچ اٹھالے گا اور وہ کچھ دن آرام سے بیٹھیں گے یا گھومیں گے۔لیکن اتنا بڑا منصوبہ باندھ کر وہ اب شانت کیسے بیٹھ سکتے ہیں؟ ان کے بھکتوں کی کافی تعداد تھی۔دو چار راجے بھی ان کے بھکتوں میں تھے جن کی یہ پرانی لالسا تھی کہ دیوکمار جی ان کے گھر کو اپنے چرنوں سے پوِتر کریں اور وہ اپنی شردھا ان کے چرنوں میں ارپن کریں۔مگر دیو کمار تھے کہ کبھی کسی دربار میں قدم نہیں رکھا،اب اپنے پریمیوں اور بھکتوں سے آرتھک سنکٹ کا رونا رو رہے تھے اور کھلے شبدوں میں سہایتا کی یاچنا کر رہے تھے۔وہ آتم گورو جیسے کسی قبر میں سو گیا ہو۔

اور شیگھر ہی اس کا پرینام نکلا۔ایک بھکت نے پرستاؤ کیا کہ دیو کمار جی کی ساٹھویں سالگرہ دھوم دھام سے منائی جائے اور انھیں ساہتیہ پریمیوں کی اور سے ایک تھیلی بھینٹ کی جائے۔کیا یہ لجّا اور دکھ کی بات نہیں ہے کہ جس مہارتھی نے اپنے جیون کے چالیس ورش ساہتیہ سیوا پر اَرپن کر دیے، وہ اس وِردّھا اوستھامیں بھی آرتھک چنتاؤں سے مکت نہ ہو؟ ساہتیہ یوں نہیں پھل پھول سکتا۔جب تک ہم اپنے ساہتیہ سیویوں کا ٹھوس ستکار کرنا نہ سیکھیں گے،ساہتیہ کبھی اُنّتی نہ کرے گا،اور دوسرے سماچار پتروں نے مُکت کنٹھ سے اس کا سَمرتھن کیا۔اچرج کی بات یہ تھی کہ وہ مہانوبھاؤ بھی جن کا دیو کمار سے پرانا ساہیتیک ویمنسہ تھا، وہ بھی اس اَوسر پر اُدارتا کا پریچئے دینے لگے۔بات چل پڑی۔ایک کمیٹی بن گئی۔ایک راجا صاحب اس کے پردھان بن گئے۔مسٹر سنہا نے کبھی دیو کمار کی کوئی پستک نہ پڑھی تھی، پر وہ اس آندولن میں پرَمکھ بھاگ لیتے تھے۔مس کامت اور مس مَلِک کی اور سے بھی سمرتھن ہو گیا۔مہیلاؤں کو پرشوں سے پیچھے نہ رہنا چاہئے۔جیٹھ میں تیتھی نِشچت ہوئی۔نگر کے انٹر میڈیٹ کالج میں اس اُتسوَ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

آخر وہ تیتھی آ گئی۔آج شام کو وہ اتسو ہو گا۔دوردور سے ساہتیہ پریمی آئے ہیں۔سوراؤں کنور صاحب وہ تھیلی بھینٹ کریں گے۔آشا سے زیادہ سجّن جمع ہو گئے ہیں۔ویاکھیان ہوں گے گانا ہوگا،ڈرامہ کھیلا جائے گا،پریتی۔بھوج ہوگا،کوی سمّیلن ہوگا۔شہر میں دیواروں پر پوسٹر لگے ہوئے ہیں۔سبھیہ سماج میں اچھی ہلچل ہے۔راجا صاحب سبھا پتی ہیں۔

دیوکمار کو تماشا بننے سے نفرت تھی۔پبلک جلسوں میں بھی کم آتے جاتے تھے۔لیکن آج تو بارات کا دولھا بننا ہی پڑا۔جیوں جیوں سبھا میں جانے کا سمے سمیپ آتا تھا ان کے من پر ایک طرح کا اوساد چھایا جاتا تھا۔جس وقت تھیلی ان کو بھینٹ کی جائے گی اور وہ ہاتھ بڑھا کر لیں گے وہ درشیہ کیسا لجّا جنک ہوگا۔جس نے کبھی دھن کے لیے ہاتھ نہیں پھیلایا وہ اس آخری وقت میں دوسروں کا دان لے؟ یہ دان ہی ہے، اور کچھ نہیں۔ ایک چھن کے لیے ان کا آتم سمّان وِدْروہی بن گیا۔اس اوسر پر ان کے لیے شوبھا یہی دیتا ہے کہ وہ تھیلی پاتے ہی اسی جگہ کسی سارْوَجَنِک سنستھا کو دے دیں۔ان کے جیون کے آدرش کے لیے یہی انوکول ہوگا،لوگ ان سے یہی آشا رکھتے ہیں، اسی میں ان کا گورو ہے۔وہ پنڈال میں پہنچے تو ان کے مکھ پر اُلّاس کی جھلک نہ تھی۔وہ کچھ کھسیائے سے لگتے تھے۔نیک نامی کی لالسا ایک اور کھینچتی تھی، لوبھ دوسری اور۔من کو کیسے سمجھائیں کہ یہ دان دان نہیں، ان کا حق ہے۔لوگ ہنسیں گے، آخر پیسے پر ٹوٹ پڑا۔ ان کا جیون یوٗ دِھک تھا، اور بُدْدِھی جو کچھ کرتی ہے نیتی پر کس کر کرتی ہے۔نیتی کا سہارا مل جائے تو پھر وہ دنیا کی پرواہ نہیں کرتی۔وہ پہنچے تو سواگت ہوا، منگل گان ہوا، ویاکھیان ہونے لگے۔جن میں ان کی کیرتی گائی گئی۔مگر ان کی دشا اس آدمی کی سی ہو رہی تھی جس کے سر میں درد ہو رہا ہو۔انھیں اس وقت اس درد کی دوا چاہیے۔ کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔سبھی وِدْوان ہیں، مگر ان کی آلوچنا کتنی اتھلی، اوپری ہے جیسے کوئی ان کے سندیشوں کو سمجھا ہی نہیں، جیسے یہ ساری واہ واہ اور سارا یشگان اندھ بھکتی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔کوئی بھی انھیں نہیں سمجھا۔کس پریرنا نے چالیس سال تک انھیں سنبھالے رکھا، وہ کون سا پرکاش تھا جس کی جیوتی کبھی مند نہیں ہوئی۔

سہسا انھیں ایک آشریہ مل گیا اور ان کے وچارشیل، پیلے مکھ پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی۔ یہ دان نہیں پراویڈینٹ فنڈ ہے جو آج تک ان کی آمدنی سے کٹتا جا رہا ہے۔سرکار کی نو

کری میں لوگ پینشن پاتے ہیں ، کیا وہ دان ہے ؟انھوں نے جنتا کی سیوا کی ہے ، تن من سے کی ہے ، اس دُھن سے کی ہے ، جو بڑے سے بڑے ویتن سے بھی نہ آسکتی تھی۔ پینشن لینے میں کیوں لاج آئے ؟

راجا صاحب نے جب تھیلی بھینٹ کی تو دیو کمار کے منہ پر گرو تھا ، ہرش تھا ، وجے تھی۔

آخر وہ تیتھی آگئی۔آج شام کو وہ اتسو ہو گا۔دوردور سے ساہتیہ پریمی آئے ہیں۔سوراؤں کنور صاحب وہ تھیلی بھینٹ کریں گے۔آشاسے زیادہ بجن جمع ہو گئے ہیں۔ویاکھیان ہوں گے گانا ہوگا،ڈرامہ کھیلا جائے گا ،پریتی۔بھوج ہوگا،کوی سمیلن ہوگا۔شہر میں دیواروں پر پوسٹر لگے ہوئے ہیں۔سبھیہ سماج میں اچھی ہلچل ہے۔راجاصاحب سبھا پتی ہیں۔

دیوکمارکو تماشا بننے سے نفرت تھی۔پبلک جلسوں میں بھی کم آتے جاتے تھے۔لیکن آج تو بارات کا دولھا بننا ہی پڑا۔جیوں جیوں سبھا میں جانے کا سمے سمیپ آتا تھا ان کے من پر ایک طرح کا اوساد چھایا جاتا تھا۔جس وقت تھیلی ان کو بھینٹ کی جائے گی اور وہ ہاتھ بڑھا کر لیں گے وہ درشیہ کیسا لجا جنک ہوگا۔جس نے کبھی دھن کے لیے ہاتھ نہیں پھیلایا وہ اس آخری وقت میں دوسروں کا دان لے؟ یہ دان ہی ہے ، اور کچھ نہیں۔ ایک چھن کے لیے ان کا آتم سمان وِدّروہی بن گیا۔اس اوسر پر ان کے لیے شوبھا یہی دیتا ہے کہ وہ تھیلی پاتے ہی اسی جگہ کسی سا روَجنک سنستھا کو دے دیں۔ان کے جیون کے آدرش کے لیے یہی انوکول ہوگا، لوگ ان سے یہی آشا رکھتے ہیں ، اسی میں ان کا گورو ہے ۔وہ پنڈال میں پہنچے تو ان کے مکھ پر اُلّاس کی جھلک نہ تھی۔وہ کچھ کھسیائے سے لگتے تھے ۔نیک نامی کی لالسا ایک اور کھینچتی تھی ، لوبھ دوسری اور ۔من کو کیسے سمجھائیں کہ یہ دان دان نہیں ،ان کا حق ہے ۔لوگ ہنسیں گے ، آخر پیسے پر ٹوٹ پڑا ۔ ان کا جیون یوَ دِھک تھا ، اور بُدھِی جو کچھ کرتی ہے نیتی پر کس کر کرتی ہے ۔نیتی کا سہارا مل جائے تو پھر وہ دنیا کی پرواہ نہیں کرتی ۔وہ پہنچے تو سواگت ہوا ، منگل گان ہوا، ویاکھیان ہونے لگے۔جن میں ان کی کیرتی گائی گئی ۔مگر ان کی دشا اس آدمی کی سی ہو رہی تھی جس کے سر میں درد ہو رہا ہو۔انھیں اس وقت اس درد کی دوا چاہئے۔ کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے ۔سبھی وِدّوان ہیں، مگر ان کی آلوچنا کتنی اتھلی ، اوپری ہے جیسے کوئی ان کے سندیشوں کو سمجھا ہی نہیں ، جیسے یہ ساری واہ واہ اور سارا یشگان اندھ بھکتی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔کوئی بھی انھیں نہیں سمجھا۔کس پریرنا نے چالیس سال تک انھیں سنبھالے رکھا، وہ کون سا پرکاش تھا جس کی جیوتی کبھی مند نہیں ہوئی ۔

سہسا انھیں ایک آشریہ مل گیا اور ان کے وچار شیل ، پیلے مکھ پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی ۔ یہ دان نہیں پراویڈینٹ فنڈ ہے جو آج تک ان کی آمدنی سے کٹتا جا رہا ہے ۔سرکار کی نو

کری میں لوگ پینشن پاتے ہیں ، کیا وہ دان ہے ؟انھوں نے جنتا کی سیوا کی ہے ، تن من سے کی ہے ، اس دُھن سے کی ہے ، جو بڑے سے بڑے ویتن سے بھی نہ آسکتی تھی۔پینشن لینے میں کیوں لاج آئے ؟

راجا صاحب نے جب تھیلی بھینٹ کی تو دیو کمار کے منھ پر گرو تھا ، ہرش تھا ، وجے تھی۔

پریم چند کے ادبی کارناموں پر تحقیقی کام کرنے والوں میں مدن گوپال کی اہمیت مسلم ہے. پریم چند کے خطوط کے حوالے سے بھی انھیں اولیت حاصل ہے۔ ان کی پہلی کتاب انگریزی میں بہ عنوان "پریم چند" 1944 میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اسی کتاب کی وجہ سے غیر ممالک میں بھی پریم چند کے بارے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ "ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ لندن" نے لکھا ہے کہ مدن گوپال وہ شخصیت ہے جس نے مغربی دنیا کو پریم چند سے روشناس کرایا۔ اردو، ہندی ادیبوں کو غیر اردو ہندی حلقے سے متعارف کرانے میں مدن گوپال نے تقریباً نصف صدی صرف کی ہے۔

مدن گوپال کی پیدائش اگست 1919 میں (ہانسی) ہریانہ میں ہوئی۔ 1938 میں سینٹ اسٹیفن کالج سے گریجویشن کیا۔ انھوں نے تمام زندگی علم و ادب کی خدمت میں گزاری۔ انگریزی، اردو اور ہندی میں تقریباً 60 کتابوں کے مصنف ہیں۔ پریم چند پر اکسپرٹ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ویسے پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کے ماہر ہیں۔ مختلف اخبارات، سول ملیٹری گزٹ لاہور، اسٹیٹس مین اور جن ستہ میں بھی کام کیا۔ بعد ازاں حکومتِ ہند کے پبلکیشن ڈویژن کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے 1977 میں ریٹائر ہوئے۔ اس کے علاوہ دینک ٹریبون چنڈی گڑھ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے 1982 میں سبکدوش ہوئے۔